محترم المقام غلام مصطفیٰ جتوئی وزیر اعلیٰ سندھ

جناب میر ہزار خان بجارانی

نیشنل کالج کے سابق طالب علم

حال

وزیر اطلاعات و ریونیو صوبہ سندھ

جناب افتخار انصاری ڈائرکٹر تعلیمات برائے کالجز

جناب میر ظفر خان جمالی ۔ مہمان خصوصی

کھیلوں کی تقریب انعامات

پروفیسر حسنین کاظمی صاحب

پروفیسر ابو سلمان شاہجہانپوری صاحب

پروفیسر محمد صادق عادل صاحب

پروفیسر امیر الاسلام صدیقی صاحب
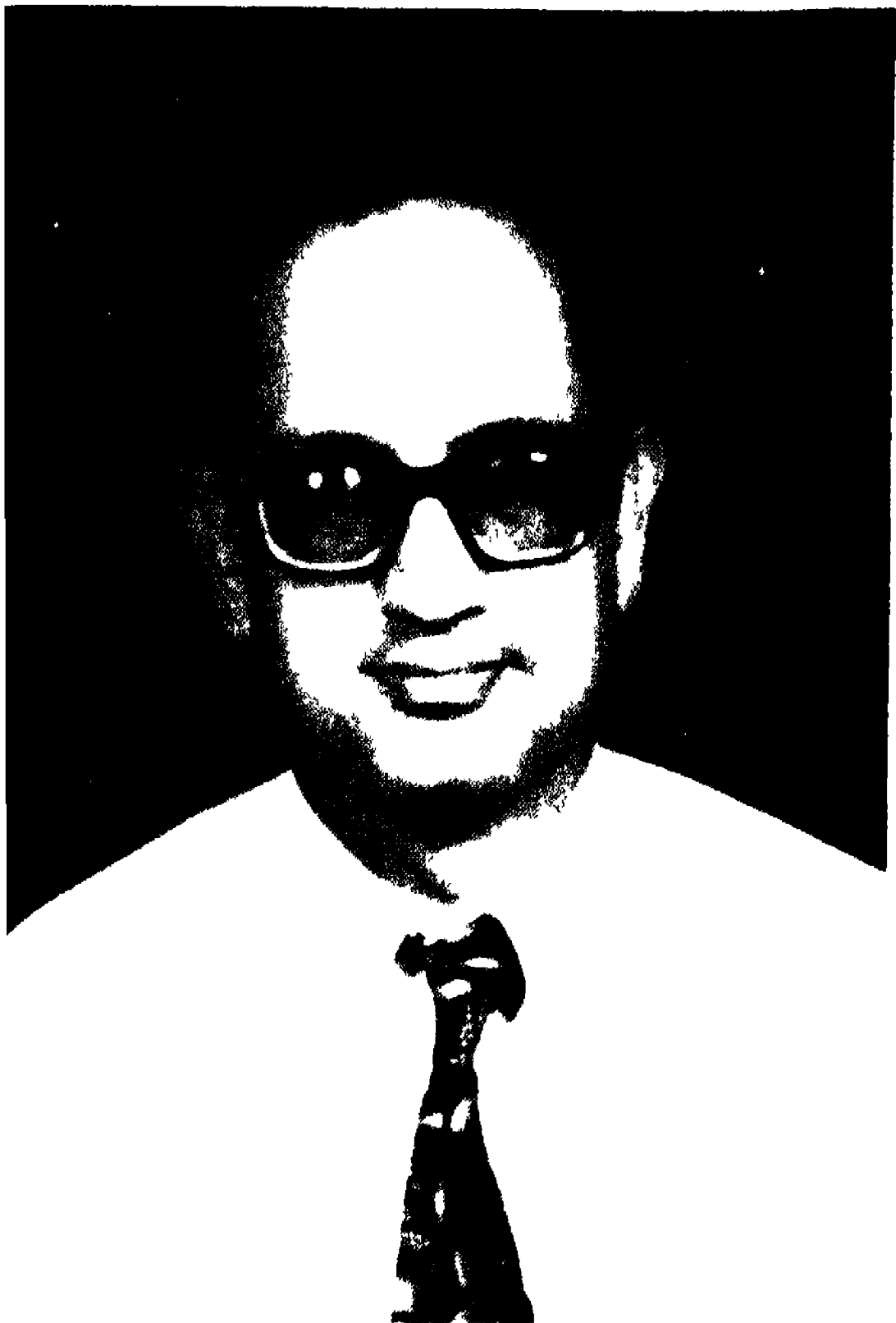
پروفیسر مکرّم علی خاں شیروانی صاحب

پروفیسر محمد یوسف صاحب - چیف پراکٹر

برصغیر پاک و ہند

کے

علمی ، ادبی اور تعلیمی ادارے

جلد دوم

علم و آگہی کا خصوصی شمارہ بابت ۱۹۷۴-۷۵ء

○

مرتبین

ابو سلمان شاہجہانپوری

امیر الاسلام صدیقی

○

گورنمنٹ نیشنل کالج ۔ کراچی

علم و آگہی

گورنمنٹ نیشنل کالج کا علمی مجلہ

سرپرست

پروفیسر سید امتیاز حسین (پرنسپل)

مجلس ادارت

اضی جاوید — اویس گوہر

سین حقانی — منظر عالم

معتمد مجلہ

اقبال الرحمٰن

"برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے" (جلد دوم) کی وہ تمام تحریریں جن پر صاحب تحریر کا نام درج نہیں ہے وہ ایک شریک مرتب کی ہیں

فہرست

حرفِ چند

علمی ادبی اور تعلیمی اداروں کے موضوع پر گزشتہ سال علم و آگہی کا جو خصوصی شمارہ شائع کیا گیا اس میں تقریباً چالیس اداروں کے قیام کی تاریخ اور مقاصد و خدمات کا تذکرہ آیا تھا۔ یہ برصغیر کے اہم علمی ادارے تھے لیکن چند اہم علمی و تعلیمی ادارے اس میں شامل نہیں کئے جا سکے تھے زیرِ نظر اشاعت میں شامل ہیں۔

کسی ملک یا علاقے میں علمی، ادبی، تعلیمی اور تہذیبی ماحول اور فضا پیدا کرنے میں صرف بڑے بڑے اداروں ہی کا حصّہ نہیں ہوتا بلکہ چھوٹے چھوٹے ادارے بھی اتنے ہی اہم ہوتے ہیں بہت سے چھوٹے ادارے ایک خاص قسم کی فضا پیدا کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس جلد میں کوشش کی گئی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اداروں کا احاطہ کر لیا جائے۔ اگرچہ یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ تمام اداروں کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ چند اہم ادارے اس مرتبہ بھی شامل ہونے سے رہ گئے ہیں۔ اگرچہ آئندہ شمارہ اس موضوع پر نہیں ہوگا لیکن ایک ضمیمے میں ان اداروں کو شامل کر لیا جائے گا، جن کے بغیر یہ سلسلہ مکمل نہیں ہو سکتا۔

ہمیں خوشی ہے کہ گورنمنٹ نیشنل کالج نے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا ہے جس پر کسی علمی ادارے میں ہزاروں روپے اور کئی برس کی محنت درکار ہوتی ہے۔ ہمارے اساتذہ اور طلبہ نے یہ کام اپنے معمول کے تدریسی و تعلیمی فرائض کی انجام دہی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ ہم یہ نمبر شائع کرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ طلبہ میں تصنیف و تالیف کا شوق پیدا ہوا ہے۔ کالج میں تعلیمی فضا کے ساتھ علمی سرگرمیاں بڑھی ہیں۔ طلبہ میگزین فنڈ کی اچھی خاصی رقم جو محض رطب و یابس کی اشاعت پر صرف ہوتی تھی اس کا صحیح مصرف پیدا ہوا ہے۔ کالج کی چہار دیواری کے باہر ہماری اس کاوش کو مثال بنایا گیا ہے۔ چنانچہ بعض تعلیمی اداروں میں اس کی تقلید کی جا رہی ہے۔

علم و آگہی کے گذشتہ شمارے کو جس طرح علمی، تعلیمی، صحافتی حلقوں میں پسند کیا گیا۔ اس سے ہماری ہمت بڑھی ہے۔ ہم ان تمام اہل علم اور اخبارات و رسائل کے شکر گزار ہیں۔ اس نمبر میں

عام علمی، تعلیمی اور ثقافتی اداروں کے علاوہ برصغیر کے اہم تخصیاتی اور علاقائی لسانی اور ثقافتی اداروں کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے اور پاکستان کی حد تک تو ہم قطعی طور پر مطمئن ہیں کہ تمام اہم تخصیاتی اور لسانی ثقافتی ادارے اس میں آگئے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ اس نوعیت کا پہلا کام ہے۔ ہمارے سامنے پہلے اس قسم کے کام کی کوئی مثال اور نمونہ نہیں تھا۔ اس لئے اس میں نقائص کا ہونا یقینی تھا لیکن ہمیں امید ہے کہ اس کام کی اہمیت کے ساتھ اس کی جامعیت اور دیگر خوبیوں کا اعتراف کیا جائے گا۔

ہم ان تمام اصحاب علم و فضل اور اہل قلم اور علمی اداروں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس نمبر کے سلسلہ میں ہمارے ساتھ تعاون کیا اور طلبہ کی ہمت افزائی کی۔

۱۹۷۶ء کو چونکہ سال قائد اعظم قرار دیا گیا ہے اس لئے یہ طے کیا گیا ہے کہ علم و آگہی کا آئندہ شمارہ قائد اعظم نمبر ہوگا۔

سید امتیاز حسین
پرنسپل

پیش گفتار

علم و آگہی کا یہ شمارہ تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ طلباء، اساتذہ اور کالج کے باہر اہل علم کو اس کا جس شدت سے انتظار تھا اور اس سلسلے جو بے چینی پائی جاتی تھی ہمیں اس کا احساس تھا۔ لیکن بقول غالب ؏ ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا

مجلے کے جملہ انتظامات اساتذہ کرام کی نگرانی میں طلبہ انجام دیتے ہیں اور اس میں پورے سال کی طلبہ کی علمی، تعلیمی، تفریحی اور دیگر سرگرمیوں کی روداد بھی پیش کی جاتی ہے لیکن اس مرتبہ مختلف اسباب کی بنا پر ۱۹۷۵ء میں منایا جانے والا ہفتہ طلباء جنوری ۱۹۷۶ء کے آخری ہفتہ میں اختتام کو پہنچا اور ۲۷ فروری کو اس کی آخری تصویریں ملیں۔ اس سے اشاعت میں تاخیر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ہم نے گزشتہ شمارے کی اشاعت کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ جو علمی ادبی اور اہم تعلیمی ادارے رہ گئے ہیں آئندہ نمبر میں ان سب کو سمیٹ لیا جائے گا۔ ہم یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتے کہ تمام اداروں کو اس میں شامل کر لیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی، تعلیمی، تہذیبی، ثقافتی اور تخصیصاتی علمی اداروں کے بارے میں اتنا بڑا ذخیرہ ہندوستان یا پاکستان کی کسی زبان میں کسی کتاب یا رسالے میں ایک جگہ موجود نہیں ہے۔ کسی علمی کام کی اہمیت کا واقعی اندازہ اس کی اشاعت کے ساتھ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ اس کام کا صحیح اندازہ آج نہیں لگایا جا سکتا۔ البتہ جوں جوں وقت گزرے گا اور اہل علم ان میدانوں اور اداروں کی تاریخ و خدمات کے بارے میں غور فرمائیں گے اس کام کی افادیت اور اہمیت کا نقش اجاگر ہوتا جائے گا۔

اگر یہ کام کسی علمی ادارے کے اہتمام میں کرایا جاتا تو اس کے لئے متعدد افراد پر مشتمل عملہ تحقیق و تصنیف اور کئی سال کی مدت درکار ہوتی۔ ہزاروں کی کئی دہائیوں سے متجاوز رقوم صرف ادارے کے انتظامات اور مشاہروں میں صرف ہوتیں۔ لیکن یہ بات کیا کچھ کم حیرت انگیز ہے کہ اتنا بڑا کام نیشنل کالج کے طلبا نے اپنے تمام تدریسی و تعلیمی فرائض

و مشاغل کے ساتھ ایک سال سے کم مدت میں اور مشاہروں، سفر خرچوں وغیرہ میں ایک پائی صرف کئے بغیر انجام کو پہنچا دیا۔

ہم یہاں یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ علمی، ادبی، ثقافتی، تخصیصی، تحقیقی و تصنیفی اداروں کے بارے میں تو ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ کوئی موجود اور تازہ قائم شدہ ادارہ بھی اس نمبر میں شامل ہونے سے نہ رہ جائے لیکن تعلیمی اداروں کی کثرت کی بنا پر ہمیں یہ طے کرنا پڑا کہ سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد قائم ہونے والا کوئی ادارہ اس میں شامل نہ کیا جائے اور اس سے قبل کے بھی وہی ادارے اس میں شامل کئے گئے ہیں جن کے بارے میں خیال تھا کہ ان کی خدمات کسی ایک دائرے میں محدود نہیں ہیں یا وہ کسی اہم مقصد کے پیش نظر قائم کئے گئے تھے، مسلمانوں کی تاریخ اور تحریک آزادی کے کسی خاص موڑ پر حالات و وقت کے کسی ناگزیر تقاضے کے جواب میں قائم ہوئے تھے اور ہماری ملی تاریخ پر ان کا کوئی اثر پڑا تھا۔ اس میں بعض غیر مسلم مشنری ادارے بھی شامل ہیں اگرچہ ان کے قیام کے مقصد کے کسی پہلو سے بھی ہم اتفاق نہیں کر سکتے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ ان سے اردو زبان کی اشاعت و مقبولیت میں بڑی مدد ملی۔ اس قسم کے ادارے اپنے مقاصد کے لحاظ سے ملک کے لئے انگریزی دور کی لعنتوں میں سے ایک لعنت تھے لیکن اردو زبان و ادب کی ترقی اور ترویج و اشاعت میں ان کا وجود نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ اس قسم کے اداروں کا پورے ملک میں ایک جال پھیلا ہوا تھا جس کا عہد مروج تو کمپنی کا عہد حکومت تھا لیکن اس قسم کے ادارے اب بھی ہند و پاکستان کے ہر خطے میں پائے جاتے ہیں۔

علم و آگہی کے گزشتہ سال کے شمارے کو ملک اور بیرون ملک کے علمی حلقوں میں جس طرح پسند کیا گیا اس کی کوئی مثال موجودہ دور میں تعلیمی حلقوں میں نظر نہیں آتی۔ ہم یہ بات فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ایک مثال قائم کی ہے اور میگزین کو محض تصویروں کا ایک خوبصورت گلدستہ بنا کر پیش کرنے کی بجائے ایک علمی و ادبی خدمت انجام دے سکے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر کالج میں میگزین کو ایک مستقل شعبے کی حیثیت حاصل ہو اور یہ شعبہ طلبہ کے علمی ذوق کی تسکین اور تصنیف و تالیف کی صلاحیتوں کی تربیت گاہ بنے۔

اس خصوصی اشاعت کے ساتھ نہایت مسرت کے ساتھ ہم اس فیصلے کا اعلان کرتے ہیں کہ علم و آگہی کا آئندہ شمارہ "قائد اعظم نمبر" ہوگا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ملک کے اہل علم، ارباب قلم، اساتذہ، اور طلبا اس نمبر کو بانیٔ پاکستان کے شایان شان بنانے میں ہمارے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔

ادارہ

یا اسفیٰ علیٰ یوسف!

گزشتہ دو سال میں جب کہ ہم علم و آگہی کا گزشتہ اور پیش نظر خصوصی نمبر نکالنے میں مصروف تھے علمی و تعلیمی دنیا کو کئی ایسے حادثات پیش آئے جن سے ہمارے کالج کے اساتذہ، طلبا اور ادارہ علم و آگہی بلاواسطہ یا بالواسطہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔

سب سے پہلے ۱۹۷۴ء میں پروفیسر حمید احمد خاں کا انتقال ہوا۔ مرحوم پہلے شخص تھے جنہوں نے علم و آگہی کے خصوصی شمارے کے لئے علمی ادبی اور تعلیمی اداروں کے موضوع پر تحقیق و تصنیف کے منصوبے کو بہت پسند کیا اور ادارے کی ہمت افزائی فرمائی تھی۔ ۱۹۷۵ء میں علمی و تعلیمی دنیا کو ڈاکٹر محمود حسین کے انتقال سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی ہمارے منصوبے کو سراہا تھا اور جب یہ شمارہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ ایک اور اہم شخصیت ڈاکٹر ممتاز حسن کی دائمی جدائی کا غم بھی سہنا پڑا۔ مرحوم نے بھی ہمارے کام کی تحسین فرمائی تھی اور ازراہ شفقت ایک مضمون بھی عنایت فرمایا تھا جسے ہم نے بطور پیش لفظ خصوصی شمارے میں شامل کیا تھا۔ یہ تینوں بزرگ علمی و تعلیمی دنیا میں نہایت ممتاز اور مشرقی تہذیب اور قدیم وضع داریوں کا نمونہ بھی تھے۔

ہمارے کالج کے ایک استاد پروفیسر منظور حسین شاہ اس سال کے شروع میں بسلسلہ تدریس صومالیہ چلے گئے تھے افسوس کہ صومالیہ ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم نہایت فرض شناس استاد تھے تدریس سے انھیں عشق تھا اور اس چیز نے انھیں طلبہ کا محبوب اور اساتذہ کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اس سال ہمارے ایک خصوصی معاون پروفیسر محمد ایوب قادری (استاد گورنمنٹ اردو کالج) کو اپنے جواں سال و ہونہار بیٹے کے اچانک انتقال کا صدمہ سہنا پڑا۔ زیر نظر شمارے کے ایک خاص معاون محترم خواجہ عبدالوحید ہیں موصوف سے ہمیں متعدد علمی اداروں کے بارے میں نہایت قیمتی معلومات حاصل ہوئی تھیں افسوس کہ ان کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔

کالج کے اساتذہ، طلبہ اور ادارہ علم و آگہی ان صدمات سے متاثر ہوا اور کالج کی فضا ان حادثات کے اثر سے سوگوار رہی ہے۔ ہم تمام مرحومین کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور ان کے پسماندگان و متعلقین کے غم میں شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

ادارہ

باب اوّل

تعلیمی ادارے

پروفیسر امیرالاسلام

مدرسہ عالیہ نظامیہ، لکھنؤ

مدرسۂ عالیہ نظامیہ (فرنگی محل) لکھنؤ برصغیر پاک وہند کی قدیم درس گاہوں میں سے ایک ہے اس کے قیام کو ڈھائی سو سال سے زیادہ مدت گذر چکی ہے۔ لیکن اس کا فیض آج بھی جاری ہے۔ اس کے مدرسین اور معلمین نے اپنی تصانیف اور علمی اور تعلیمی خدمات سے ہندوستان کے گوشے گوشے کو فیض یاب کیا۔ اس مدرسہ کے قیام کا سہرا سہالی کے ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ مولوی نظام الدین کے سر ہے۔ سہالی لکھنؤ سے تقریباً ۲۸ میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ یہاں ایک مشہور ومعروف بزرگ عالم ملّا قطب الدین سہالوی شہید نے سلسلہ درس وتدریس جاری کیا تھا۔ نظام الدین انھیں کے فرزند تھے سہالی کا یہ خاندان اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ حکومت میں ہجرت کرکے لکھنؤ پہنچا۔۔۔ اورنگ زیب نے فرنگی محل کی کشادہ رہائش گاہ ایک فرمان کے ذریعہ اس خاندان کو عطا کردی۔ اس طرح درس وتدریس کا مرکز سہالی سے لکھنؤ میں منتقل ہوگیا۔ ملّا قطب الدین شہید کی وفات (۱۱۰۳ھ) کے وقت نظام الدین کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ والد کی وفات کے بعد تقریباً دس برس تک تحصیل علم میں مشغول رہے۔ انھوں نے اپنے دور کے جید علماء سے تحصیل علم کی۔ ان علماء میں مولانا عبدالسلام دیوی، ملّا علی قلی جائسی، مولانا امان اللہ بنارسی، ملّا غلام نقشبندی گورکھپوری اور قاضی مبارک کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

مولوی نظام الدین صاحب نے ۱۱۱۳ھ میں حصولِ علم سے فراغت پائی اور بعدازاں بہادر شاہ اوّل کے عہد میں فرنگی محل میں سلسلۂ درس شروع کیا۔ فرنگی محل کا یہ مدرسہ اپنے بانی کے نام پر مدرسۂ عالیہ نظامیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس مدرسہ کے

لئے عربی کا نصاب خود مولوی نظام الدین نے مرتب کیا جو انہی کے نام پر درسِ نظامیہ کے نام سے مشہور ہے اور عربی مدارس میں آج تک رائج چلا آرہا ہے۔ یہاں مولوی موصوف نے تقریباً پچاس یا پچپن سال تک تعلیم دی۔ آپ علم و فضل اور تحقیق و تصنیف میں اپنے ہم عصروں میں سب سے ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے فقہ، اصولِ فقہ اور فلسفہ کی متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کی وفات ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء میں ہوئی۔

مدرسۂ عالیہ نظامیہ کے نصاب میں صرف، نحو، معانی و بیانِ معانی، عروض، منطق، علمِ کلام، سیرت، تاریخ، طب، ہیئت، ہندسہ، مناظرہ، فقہ، اصولِ فقہ، فرائض، حدیث، اصولِ حدیث، تفسیر اور اصولِ تفسیر کی تقریباً ۹۰ کتابیں شامل تھیں یہ وہ نصاب ہے جو پاک و ہند کی تقریباً ہر اسلامی درس گاہ میں رائج ہے۔ حافظ نذر احمد مؤلف جائزہ مدارسِ عربیہ اسلامیہ مغربی پاکستان نے اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے کہ گذشتہ دو سو سال میں اس نصاب میں ترمیم و تبدیلی کی کئی بار کوشش کی گئی یہ کوششیں علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابوالمحاسن سجاد، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اور چند دوسرے لوگوں نے کیں۔ ان کے علاوہ علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہم نے بھی اس مسئلے پر توجہ کی۔ ہند و پاکستان کے تمام عربی مدارس میں جو نصاب آج رائج ہے وہ اگرچہ مولوی نظام الدین کے مرتبہ نصاب سے بہت مختلف ہے لیکن اس کا نام آج بھی وہی ہے۔

مدرسۂ عالیہ نظامیہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ یہاں کے فارغ التحصیل علماء تقریباً ڈھائی سو سال سے برصغیر پاک و ہند کے ایک ایک گوشے میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسلامی درس گاہوں میں آج اسلامی علوم و فنون کے جو چراغ روشن نظر آتے ہیں ان میں مدرسہ عالیہ نظامیہ اور اس کے فاضلین کا گراں قدر حصہ ہے۔ اسلامی علوم کی تعلیم و اشاعت کے ساتھ اس کے بعض نامور فرزندوں نے مسلمانوں کی اصلاح و ترتیب، اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور وقت کی سیاسی تحریکات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس سلسلے کی بعض علمی و تعلیمی شخصیات نے ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ سیاست میں بھی اپنا ایک مستقل مقام پیدا کر لیا اس قسم کی شخصیتوں میں سے دورِ آخر میں ایک عظیم شخصیت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی تھی جنھوں نے سیاسی میدان میں بھی مسلمانوں کی عظیم الشان

حکیم سید محمود احمد برکاتی

مدرسہ رحیمیہ، دہلی

شاہ عبدالرحیم (ف ۱۱۳۱/ ۱۷۱۹ء) کا مدرسہ، کوئی عام اور معمولی درس گاہ نہیں تھا، مختلف اعتبارات سے اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اس کے صدر نشینوں، معلمین، مستندین کی عظمت مقام نے مسلسل ۱½ سو سال تک اس درس گاہ کو برصغیر کی ایک ممتاز ترین درس گاہ بنائے رکھا اور جب تسلسل حوادث اس چراغ کو بجھا دینے میں کامیاب ہو گیا تو نہ صرف برصغیر کے گوشے گوشے بلکہ بیرون برصغیر بھی بہت سے مقامات پر اس چراغ سے روشنی حاصل کرنے والے چراغ روشن و فروزاں ہو چکے تھے اور بحمد اللہ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، یا یوں کہہ لیجیے کہ صرصر انقلاب نے اس مرکزی درس گاہ کی خدمات کا سلسلہ اگرچہ منقطع کر دیا۔ مگر ملک و بیرون ملک اس کی صدہا شاخیں آج تک قائم و باقی اور سرگرم خدمت ہیں۔

یہ مدرسہ صرف ایک درس گاہ نہیں تھا، بلکہ برصغیر کی ایک انقلابی تحریک کا مرکزی ادارہ تھا، اسے ایک خانقاہ کی حیثیت بھی حاصل تھی، یہاں کردار بنائے جاتے تھے۔ یہاں انسان ڈھالے جاتے تھے اور مجاہدین کی تربیت کی جاتی تھی، اسے ایک اکادمی کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس کے سربراہوں اور اساطین کے قلم اور ذہن، تحقیق و تدقیق کے میدان میں بھی گرم رفتار رہے، اس کی سیاسی خدمات کا باب بھی دوسرے ابواب سے کم اہم نہیں ہے۔ یہاں وقت کے مغل فرماں رواؤں نے نیازمندانہ اور عاجزانہ حاضری دی ہے، پانی پت کا تاریخی معرکہ کارزار اسی مدرسے کے ایک رکن رکین کا برپا کیا ہوا تھا۔ سرحد پنجاب کے میدانوں، رنجیت سنگھ کی فوجوں سے جن سرفروشوں کی محاذ آرائی ہوئی، وہ اسی مدرسے، اسی خانقاہ سے درس جہاد لے کر نکلے تھے؛ جزائر انڈمان کی کئی قبروں میں اسی دبستان فکر و عمل کے مستفیدین و متعلمین محو خواب

راحت ہیں ۔

اسی مدرسے، خانقاہ، اکادمی اور مرکز ملی و دینی و سیاسی کی تاریخ پیش خدمت ہے۔

[1] اس مدرسہ کو اب عموماً مدرسہ رحیمیہ لکھا اور کہا جانے لگا ہے، یہ نام ابتداءً مولوی سید احمد ولی اللّٰہی نے اپنی ایک تحریر میں استعمال کیا تھا ان کی تقلید میں مولوی رحیم بخش نے پھر مولوی بشیر الدین دہلوی نے استعمال کیا اور غلط نہیں کیا مگر واقعہ یہی ہے کہ مولوی سید احمد نے پہلے پہل اس مدرسہ کو مدرسۂ رحیمیہ کے نام سے یاد کیا تھا، شاہ عبدالرحیم شاہ ولی اللّٰہ، ان کے فرزندان گرامی، تلامذہ و خلفا میں سے کسی کی کسی تحریر میں یہ نام[2] ہماری نظر سے نہیں گذرا، اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس مدرسے کو یہ نام اس کے ختم ہونے کے بعد دیا گیا ہے۔

بہر حال اس مدرسے کے بانی شاہ عبدالرحیم تھے، مدرسہ کے آغاز کے صحیح عہد کا یقین مشکل ہے، اندازہ ہے گیارھویں صدی ہجری سترھویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں انھوں نے یہ مدرسہ قائم کیا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاہ عبدالرحیم کی حیات میں مدرسہ نام صرف ان کی درس گاہ کا ہوگا، ہم شاہ عبدالرحیم کے علاوہ اس دور کے کسی دوسرے معلم سے لا علم ہیں، اس دور کے طلبہ کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہے، اس دور کے سب سے نمایاں طالب العلم تو شاہ ولی اللّٰہ ہی ہیں۔ دوسرا نام شیخ عبدالحق پھلتی کا ہے، جن کو والد کی وفات کے بعد ۱۱۴۳ھ میں شاہ ولی اللّٰہ ہی نے سند عطا کی تھی[3]۔

---

[1] خاتمۂ تاویل الاحادیث ص۸۵ وحیات ولی ص۲۳ واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص۵۹۰

[2] فتاویٰ شاہ عبدالعزیز میں شاہ غلام علی اور شاہ عزیز کی جو مراسلت درج ہے اس میں دونوں نے صرف "مدرسہ" کا لفظ لکھا ہے۔ شاہ غلام علی نے "در مدرسۂ ما فقیراں" اور شاہ عزیز نے "درین مدرسہ" لکھا ہے ص۹۱ ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں بھی ایک جگہ مولانا نے لکھا ہے "بزنانہ رفتہ بمدرسہ آمدند" ص۸۴ شاہ ولی اللّٰہ نے الجزء اللطیف میں صرف مدرسہ کا لفظ لکھا ہے ص۱۹۴

[3] تفہیمات اللّٰہ جلد اول ص۲۳۷

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں [۱]

" مدرسۂ شاہ عبدالرحیم، شاہ عبدالرحیم نے ــــ نے مکان مہندیوں میں عہد عالم گیر میں قائم کیا تھا "

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں [۲]

" شیخ (عبدالرحیم) صاحب نے پرانی دہلی میں اس مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا جو اب مہندیوں کے نام سے مشہور ہے اور اس کا نام مدرسۂ رحیمیہ رکھا "

مدرسہ کا اصل اور روشن دور، شاہ ولی اللہ کا دور ہے، شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد کی حیات ہی میں تدریس کا آغاز کر دیا تھا، والد کی وفات کے بعد زیادہ احساسِ ذمہ داری اور زیادہ انہماک کے ساتھ تدریس میں مشغول ہو گئے۔ فرماتے ہیں [۳]

بعد از وفات ایشان دوازدہ سال کما بیش بدرس کتب دینیہ وعقلیہ مواضبت نمود۔	والد کی وفات کے بعد تقریباً ۱۲ سال دینیات ومعقولات کی کتابوں کے درس کا شغل رہا۔

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں [۴]

(شاہ صاحب) پورے بارہ سال تک اس (تدریس) میں اس استغراق اور محویت کے ساتھ مصروف رہے

۱؎ حیات ولی (طبع اول) ص ۲۶۲ ۲؎ ایضاً ص ۲۳۱

۳؎ بہت سے لوگ کوئی وجہ اور سبیل نہ ہونے کی بنا پر تذکروں میں نہیں آیا کرتے، مدرسہ کے بھی جانے کتنے طلبہ کے نام ایسے ہی ضبط ہونے سے رہ گئے۔ مثلاً خود شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ انھوں نے بخاری " بقرأۃ بعض اصحاب" پڑھی تھی، الجزء ص ۱۹۴

۳؎ الجزء اللطیف (مع انفاس العارفین) ص ۱۹۵ طبع احدی دہلی

۴؎ حیات ولی ص ۲۳۰

جس کی کہیں نظیر نہیں ملتی ۔"

مولوی سید احمد لکھتے ہیں[1]

" بعدہ آپ اپنے والد بزرگوار کی جگہ قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے اور طالبان ہدایت کو سیدھے رستے لگانا شروع کیا۔ کتب دینیہ وعقلیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا جوق درجوق لوگ آنے شروع ہوئے۔ سینکڑوں طالب علم مستفیض ہونے لگے ۔"

شاہ ولی اللہ نے مسند درس پر متمکن ہونے کے بعد نصاب تعلیم میں بھی ترمیم کی اور درس قرآن کریم کو جزو نصاب قرار دیا اور شاہ محمد عاشق کو ترجمۂ قرآن پڑھانا شروع کیا، بعد میں اس ترجمۂ قرآن کو قلم بند کرنے کا خیال ہوا اور ایک حصہ سفر حج سے پہلے اور باقی بڑا حصہ سفر حج کے بعد (۱۱۵۱ھ میں) مکمل ہوا اور ۱۱۵۶ھ میں خواجہ محمد امین نے اسی ترجمہ کو رواج دیا[2] رواج سے مراد ہمارے خیال میں نصاب تعلیم کا لازمی جز بنا لینا ہے ۔

اس دور کے کسی دوسرے معلم مدرسہ کا نام ہمارے علم میں نہیں ہے۔ لیکن مورخین نے طلبہ کی جس کثرت کا ذکر کیا ہے۔ اس کے پیش نظر ہمارے خیال میں شاہ صاحب کے دو ایک معاون ضرور ہوں گے ۔

اس دور کے تلامذہ میں شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ بڈھانوی، شاہ اہل اللہ خواجہ محمد امین کشمیری کے نام محفوظ ہیں ۔

۱۲ سال تک اس طرح داد تدریس دینے کے بعد شاہ صاحب ۴۳ ۱۱/۱۷۳۱ میں حج کو تشریف لے گئے اور ۲ سال ۳ ماہ بعد واپس تشریف لائے اور خدمت دین وعلم دین کا تازہ ولولہ اور نیا خاکہ بھی ساتھ لائے اور رحیمیوں کے مدرسہ میں قال اللہ و

---

[1] خاتمہ تاویل الاحادیث ص۹۸   [2] مقدمہ فتح الرحمٰن

قال الرسول کی محفل پھر گرم ہو گئی، اس سفر میں حج و زیارت کے ساتھ آپ نے محدثین عہد سے بھرپور استفادہ کیا، فکر و نظر کی نئی راہیں وا ہوئیں اور کتب و مصنفین کے ایک نئے حلقے سے تعارف ہوا، آپ کے چند منتہی تلامذہ، شاہ محمد عاشق اخون محمد سعید وغیرہ بھی آپ کے نہ صرف شریک سفر حج تھے، بلکہ شیوخ حجاز سے استفادہ و تلمذ میں بھی رفیق تھے، اس "سروساماں" کے ساتھ مراجعت وطن کے بعد آپ نے مدرسہ کے جس نئے دور کا آغاز کیا اس کا تذکرہ مولوی سید احمد کی زبانی[1] سنیے:

> (آپ) "دلّی میں واپس تشریف لائے اور اپنے قدیمی مکان میں اقامت کی مدرسہ رحیمیہ کو جس کی بنیاد جناب شیخ عبدالرحیم صاحبؒ ڈال گئے تھے رونق دی۔ حدیث و تفسیر کا درس دینا شروع کیا گویا شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے بعد اس زمانے میں آپ نے حدیث شریف کو فروغ بخشا۔ اطراف ہند میں آپ کی حدیث دانی کی شہرت ہوئی، طالب علموں کے پرے کے پرے آنے شروع ہوئے پرانی دلّی دارالحدیث بن گئی، حقیقت میں جناب حضرت شاہ ولی اللہ کا درس گاہ اُس وقت علوم حدیث و تفسیر کا مخزن اور حنفی فقہ کا سرچشمہ تھا۔"

والد کی وفات سے سفر حج تک بارہ سال جم کر پڑھانے کے نتیجے میں آپ کو اپنے فارغ التحصیل تلامذہ کی ایک ایسی جماعت بھی مل گئی تھی جو تدریس میں ان کی رفیق و معاون ہوئی، ان معاونین میں سے شاہ محمد عاشق اور اخون محمد سعید کے نام ہم پہلے لے چکے ہیں۔ تیسرے خواجہ محمد امین ولی اللّہی تھے، جو شاہ عبدالعزیز کے بھی استاد تھے چوتھا نام ہمارے خیال میں شاہ اہل اللہ کا ہے، جو شاہ ولی اللہ سے ۴ سال چھوٹے

---

[1] خاتمہ تأدیل الاحادیث

تھے اور جنھیں سفر حج پر روانہ ہوتے وقت شاہ صاحب اعطار خرقہ، اجازت بیعت و ارشاد اور دستار فضیلت سے سرافراز فرماتے تھے [۱]

شاہ صاحب سفر حرمین سے مراجعت کے بعد تجدید و احیار اور ملت کی جامع وحشت پہلو اصلاح کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کا تقاضا تھا اپنی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں اور اپنے اوقات کا صرف بڑی احتیاط اور باقاعدگی کے ساتھ فرمائیں اور کسی ایسے مشغلہ میں آپ صرف اوقات و استعداد نہ فرمادیں جس کی افادیت کا دائرہ محدود ہو، چنانچہ تدریس اور تحریر میں سے آپ نے تحریر کو اس کی زمانی و مکانی افادیت کے پیش نظر ترجیح دی اور اپنے بیشتر اوقات غور و فکر اور نتائج غور و فکر کو قلم بند کرنے کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ فرمایا مگر اس سے پہلے تدریس کا فرض ادا کرنے کے لئے ایک جماعت معلمین ترتیب دینے کا عزم کیا اپنے ۱۲/۱۵ سالہ عہد تدریس میں انھوں نے متعدد علما پیدا کر دیئے تھے، ان کی تدریس کی تربیت بھی ہو گئی تھی ان کے فنون کا تخصص بھی نکھر چکا تھا اب وہ وقت آگیا تھا کہ شاہ صاحب نگرانی و سرپرستی تک خود کو محدود کر لیں اور تدریس سے دست کش ہو کر خود کو فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دیں، شاہ عبدالعزیز نے شاہ صاحب کی اس منصوبہ بندی اور تقسیم کار کا ذکر اپنے ایک ملفوظ میں اس طرح فرمایا ہے [۱]

حضرت والد ماجد از ہر فن شخصے تیار کردہ بودند، طالب ہر فن بآنسے می سپردند خود مشغول معارف نویسی و گوئی می بودند بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می رسید می نگاشتند مریض ہم کم می شدید۔	حضرت والد ماجد نے ہر فن کے لئے ایک شاگرد کو تیار کیا تھا (متخصص بنایا تھا) اور ہر فن کے طالب علم کو اس کے متخصص کے سپرد فرماتے تھے اور خود فکر و نظر اور تحریر میں مشغول رہتے تھے فکر و نظر کے جو نتائج ہوتے تھے۔ ان کو قلم بند فرما لیتے تھے، مریض بھی کم ہی ہوتے تھے ۔

---

[۱] ملفوظات ص۸۰

غالباً اسی تقسیم کار اور ترک مشغلۂ تدریس کا ہی[1] نتیجہ ہے کہ ہم شاہ صاحب کے تلامذہ کی تعداد حیرت انگیز طور پر کم پاتے ہیں اور مختلف و متعدد ماخذ سے تلاش بسیار کے بعد ہم ۳۵ تلامذہ کا شمار کر سکے ہیں (جن کی فہرست مع حوالۂ ماخذ ایک مستقل مضمون میں درج کی جا رہی ہے)

ان ہی تلامذہ میں سے شاہ صاحب نے کچھ حضرات کو معلم بنایا ہو گا۔

شاہ عبدالرحیم کے زمانے سے یہ مدرسہ مہندیوں میں قائم تھا۔ شاہ ولی اللہ کے سفر حج سے آنے کے بعد بھی وہیں رہا اور پھر شاہجہاں[2] آباد منتقل ہو گیا، مولوی سید احمد لکھتے ہیں[3]

> روشن اختر محمد شاہ بادشاہ کا زمانہ تھا اس نے چاہا کہ شاہ صاحب کے دم سے شاہ جہاں آباد کی عزت ہوئی کیا کہنا ہے، لہٰذا مولانا کو شاہجہاں آباد میں بلایا اور ایک عالی شان مکان رہنے کے لئے دیا، جس کا تفصیلی حال ہم اپنی کتاب یادگار دہلی میں لکھ چکے ہیں۔ شاہ صاحب شاہجہاں آباد تشریف لائے اور مع قبائل رہنے لگے۔"

یہ مکان اس محلے میں تھا جس کو آج کل "کلاں محل" کہا جاتا ہے، اس مکان کا وہ حصہ جو شاہ صاحب کے خاندان کی سکونت کے لئے مخصوص تھا "زنانہ" کہلاتا تھا

---

[1] شاہ صاحب کے تلامذہ کی قلت تعداد کا صرف یہ ایک سبب ہی نہیں ہے اور بھی اسباب ہیں، اولاً تو شاہ صاحب دہلی میں کم ہی رہے۔ مولف الروضۃ القیومیہ نے ان کے عہد شباب میں لکھا ہے کہ آج کل پھلت میں رہتے ہیں" وفات سے قبل بھی پھلت ہی میں جلسے تھے

[2] گذشتہ صدی تک مہندیوں کو پرانی دلی اور شاہجہاں آباد یعنی آج کی پرانی دلی کو نئی دلی کہتے تھے، ۱۹۱۲ء میں جب انگریزوں کی نئی دلی آباد ہوئی شاہجہاں کی نئی دلی پرانی ہو گئی، [3] خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸

اور وہ بیرونی حصہ جس میں درس گاہ تھی "مدرسہ" کہلاتا تھا یہ عمارت، جو بقول بشیرالدین "نہایت عالی شان اور خوب صورت" تھی۔ غدر تک صحیح حالت میں تھی۔

" غدر میں مکانات لوٹ لیے گئے گرا دیے گئے، کڑی تختہ تک لوگ اٹھا لیے گئے۔ خانۂ خالی را دیو می گیرد ایک شریف گردی تھی کہ الٰہی توبہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، جس کا قابو چلا وہ قابض ہوگیا۔ اب متفرق مکانات اس جگہ بن گئے ہیں۔ مگر محلہ شاہ عبدالعزیز "مدرسہ" کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے"۔[1]

مولوی سید احمد نے مزید تفصیل سے بتایا ہے کہ[2] مدرسہ .... تخمیناً چالیس سال سے غیر آباد ہے۔ اگرچہ اولاد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب ممدوح سے چند اشخاص ..... اسی مدرسۂ موصوفہ میں برابر سکونت پذیر رہے ..... اسی اثنا میں مکان مدرسہ بھی ایام غدر میں منہدم ہوگیا ــــــ"

مدرسہ کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوا جب مدرسہ کے اہتمام و صدارت کا بار شاہ عبدالعزیز جیسے جوان پختہ کار نے اٹھایا۔

شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت (۱۷۶۲ء) شاہ عبدالعزیز صرف ایک ۱۶ سالہ منتہی طالب العلم تھے، ان کے باقی تین حقیقی بھائی بہ ترتیب ۱۲- ۸- ۴ سال کے تھے، شاہ عزیز نے اپنے والد ماجد کے تلامذہ و خلفا سے تعلم کے آخری مراحل طے کئے۔ اور طریقۂ ولی اللّٰہی کے سجادہ خلافت اور مدرسۂ ولی اللّٰہی کی مسند صدارت پر متمکن ہوگئے، اس وقت ان کے معاونین شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ، خواجہ محمد امین، بابا فضل اللہ تھے، ۴ سال بعد ہی ۱۷۹ اللہ میں ان کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین تعلم سے فارغ ہوتے ہی تعلیم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگئے اور یوں طریقہ اور مدرسہ کو

---

[1] واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص ۱۴۳/۱۴۲ [2] خاتمہ فیوض الحرمین ص ۱۰۰

ایک جواں سال و جواں ہمت رکن حاصل ہوگیا۔ پھر چند سال بعد شاہ عبدالقادر
نے مدرسین کی فہرست میں ایک اہم اضافہ کیا، کچھ عرصہ کے بعد ان چاروں بھائیوں
کے اخلاف شاہ اسحٰق، شاہ یعقوب، شاہ اسمٰعیل، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ
اور شاہ عزیز کے بعض تلامذہ مثلاً مولوی رشید الدین نے مدرسہ کے ایک ایک گوشے
کو آباد کرکے تدریس کے جوہر دکھائے اور طالبان علوم دین کی تشنگی کو رفع کیا۔

مدرسہ کا یہ دور اپنے ماقبل و مابعد کے ادوار سے ہر اعتبار اور ہر پہلو سے ایک
تابناک و روشن دور تھا، شاہ ولی اللہ نے درس قرآن کا جو سلسلہ شروع کیا تھا
اس کے قبول عام کا کوئی تاریخی ثبوت ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ مگر شاہ عبدالعزیز نے
درس قرآن کا سلسلہ کچھ ایسے دل نشین و موثر اور سادہ و قابل فہم انداز سے چھیڑا کہ
وہ طلبہ سے زیادہ عوام کی دلچسپی کی چیز بن گیا اور مدرسہ کے ایک سبق کے بجائے مجلس کا
موضوع ہوگیا، شاہ ولی اللہ کے دور میں مدرسہ سے فتاویٰ کے اجرا کی مثالیں بہت
کم ہیں مگر شاہ عبدالعزیز کے دور میں دہلی و بیرون دہلی کے زبانی و تحریری سوالات کا ایک
تسلسل نظر آتا ہے اور فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کے ضخیم مجلدات، شاہ صاحب کی طرف
ملک کے مسلمانوں کے رجوع کا پتہ دیتے ہیں، مدرسین کی تعداد بھی اس دور میں زیادہ
رہی شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، خواجہ محمد امین، بابا فضل اللہ
شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ، مولوی عبدالحیٔ بڈھانوی، شاہ محمد اسحٰق، شاہ محمد یعقوب
شاہ محمد اسمٰعیل، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشید الدین خاں وغیرہ وہ فخر
روزگار مدرسین ہیں جو مدرسہ کے اس ۶۰ سالہ (۱۷۶۲ــــ۱۸۲۳) دور زریں میں
مختلف اوقات میں سرگرم افادہ و درس رہے ہیں۔

اس دور کے مستفیدین و تلامذہ مدرسہ کی تعداد ناقابل شمار ہے، جو ہزاروں
طلبہ اوراق تاریخ میں جگہ پانے سے محروم رہ گئے۔ ان کو چھوڑ کر اگر صرف انہی حضرات
کو شمار کیا جائے جن کے نام اور کام کو تاریخ کے حافظے نے محفوظ رکھا ہے، تو بھی یہ تعداد
ہزاروں تک پہنچے گی۔

شاہ عزیز جب ریح البواسیر کے عوارض کا شکار اور بصیر ہو گئے تو مدرسہ کی صدارت سے شاہ رفیع الدین عہدہ برآ ہوئے اور جب ۱۸۱۸ء میں وہ رحلت فرما گئے تو شاہ اسحٰق کی توجوانی سے حوادث کی دعوت مبارزت کو لبیک کہا اور شاہ عزیز کی نگرانی کے سائے میں مدرسہ کی خدمت اہتمام انجام دی اور ۱۸۲۳ء کے بعد تو وہی تمام شعبوں میں نانا کے جانشین ثابت ہوگئے۔

مدرسہ اس دور میں بھی، اسی جگہ (کلاں محل) رہا، البتہ ایک مدرس (شاہ عبدالقادر) نے اکبر آبادی مسجد کے حجرے میں اقامت اختیار کرلی تھی۔ اس لیئے طلبہ ان سے متعلق اسباق کے لیئے اکبر آبادی مسجد میں حاضری دیا کرتے تھے۔

مدرسہ کا تیسرا دور 'متاخرین خاندان کا دور ہے'، اس دور میں مدرسہ کی صدارت شاہ محمد اسحٰق سے متعلق رہی، اس لیئے کہ وہی شاہ عبدالعزیز کے نواسہ ہونے کے علاوہ مسلم جانشین اور خلیفہ بھی تھے۔ اس دور کے مدرسین، شاہ محمد یعقوب، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشید الدین خاں وغیرہ تھے، ولی اللّٰہیوں کی یہ شرازہ ہر نوع کے دینی و عقلی علوم کے متخصصین کی ایک باوقار جماعت تھی، اطراف و اکناف علم کے طلبہ کا ہجوم اور پڑھانے والوں میں شفقت و رافت، محنت و جفاکشی کی فراوانی، مدرسہ آباد و پر رونق، دور دور مشہور و نیک نام نہ ہوتا تو کیوں نہ ہوتا! صدر المدرسین شاہ محمد اسحٰق کا جو نظام الاوقات مورخین نے بیان کیا ہے، اسی سے مدرسہ کے رنگ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ لکھا ہے کہ شاہ اسحٰق نماز صبح کے فوراً بعد گھر میں لڑکیوں کو پڑھاتے پھر مدرسہ میں آجاتے اور دوپہر تک مصروف درس رہتے، دوپہر کے کھانے اور قیلولے کے بعد نماز ظہر ادا کرتے اور پھر درس کا سلسلہ شروع ہو جاتا جو نماز عصر کے علاوہ نماز مغرب تک جاری رہتا، نماز مغرب کے بعد اندرون خانہ تشریف لے جاتے، مگر جلد واپس آجاتے اور نماز عشا تک درس دیتے رہتے۔[1]

شاہ ولی اللہ کے دور سے درس قرآن (وعظ) کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ اس دور میں بھی اس شان سے جاری رہا، سرسید کا بیان ہے کہ[2]

---

[1] تراجم علماء حدیث ص۱۱۱

میں شاہ اسحٰق کے وعظ میں حاضر ہوتا تھا، باہر مردوں کا
ہجوم ہے۔ زنانے میں عورتیں جمع ہیں، نہ ڈولیوں کا شمار
ہوتا نہ پالکیوں کا شاہی محلات کی بیگمات تک آتی تھیں
امرا کے ہاں سے کھانے کی دیگیں پک کر آتیں جو طلبہ اور عوام
میں تقسیم ہوجاتیں خود شاہ صاحب معمولی چپاتی اور
شوربہ گاڑھے کے دسترخوان پر رکھ کر کھاتے ۔

مدرسہ کے نصاب تعلیم میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئیں یہاں ہم طوالت کے خوف سے ان سے صرف نظر کرتے ہیں۔

اس دور میں ایک اہم تغیر یہ ہوا کہ مقامات درس تقسیم ہوگئے اصل اور قدیم مدرسہ واقع کلاں محل جو اس زمانے میں جیسا کہ مولوی بشیر الدین وغیرہ نے لکھا ہے ۔" مدرسہ شاہ عبدالعزیز" کہلاتا تھا ایک بڑی حویلی کا ایک حصہ تھا اور دوسرا حصہ زنانہ کہلاتا تھا اور ورثا، شاہ عبدالرحیم وشاہ ولی اللہ کی سکونت گاہ تھا۔ شاہ عزیز کے نواسے شاہ اسحٰق وشاہ یعقوب بھی اپنی والدہ کی حیات میں یہیں سکونت پذیر تھے، شاہ اسحٰق کی والدہ کا وصال چونکہ اپنے والد (شاہ عزیز) کی حیات ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے شاہ عزیز نے اپنے ان دونوں نواسوں کی سکونت کے لئے ایک الگ قطعہ زمین خرید کر اس پر اسی طرح عمارت تعمیر کرادی، یہ دونوں بھائی اسی میں رہتے اور اسی میں درس دیا کرتے تھے ۔ اس لئے یہ عمارت " مدرسۂ شاہ اسحٰق " کہلانے لگی اور شاہ اسحٰق ہی مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے صدر مدرس اور نگراں تھے۔ اس لئے اس واقعہ کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ مدرسۂ قدیم کا مقام تبدیل ہوگیا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں مقامات درس تقسیم ہوئے، کیونکہ باقی اساتذہ (شاہ مخصوص اللہ اور شاہ موسیٰ وغیرہ) قدیم مدرسہ ہی میں پڑھاتے رہے تھے جسے مدرسۂ شاہ اسحٰق کی تعمیر کے بعد" مدرسہ کہنہ" بھی کہنے لگے تھے ۔

مولوی بشیر الدین نے واقعات دارالحکومت دہلی میں " مدرسۂ شاہ عبدالعزیز"

کے عنوان سے "مدرسہ رحیمیہ یا مدرسۂ کہنہ کا حال جدا تحریر کرنے کے بعد" مدرسۂ مولینا شاہ محمد اسحٰق صاحب" کا عنوان قائم کرکے اس مدرسۂ جدید کے متعلق لکھتے ہیں۔

جس وقت شاہ عبدالعزیز صاحب کی دختر نیک اختر یعنی شاہ محمد اسحٰق کی والدہ کا انتقال ہوا حضرت کو خیال ہوا بھتیجوں کے سامنے نواسے وارث نہ ہوں گے اس لیئے مولینا شاہ اسحٰق اور مولینا یعقوب دونوں بھائیوں کے لئے قطعۂ زمین علیحدہ خرید کر اس میں عمدہ پختہ مکانات بنا دیئے اور انہی کے نام کر دیئے۔ چنانچہ مولینا صاحب چند سال ان مکانوں میں رہے۔ اس کے بعد یک بیک خانۂ کعبہ کا شوق پیدا ہوا۔ حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور تمام مکان اور اثاثہ بیچ کر ۱۲۵۶ھ میں مع اہل و عیال کے ہجرت فرما گئے۔ اب مدرسہ میں چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں۔ جہاں کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں ایک چھوٹی سی مسجد آپ ہی کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اب چونکہ یہ کل جائداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب کی ہے۔ اس لئے اس گلی پر "مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس" کا تختہ لگا دیا گیا ہے۔

شاہ محمد اسحٰق کی ہجرت حرم (ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ) پر اس مدرسہ کی ۱½ سو سالہ تاریخ کا اختتام ہو گیا۔ کیونکہ شاہ مخصوص اللہ[1] تو پہلے ہی سے تدریس سے دستکش

---

[1] سر سید احمد خاں نے اپنی کتاب آثار الصنادید (تالیف ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۶ء) میں لکھا تھا کہ ایک عرصہ ہوا سررشتۂ تدریس ہاتھ دے کر گوشہ نشین ہو گئے ہیں، ایک عرصہ کا مطلب صرف ۵ سال بھی لیں تب بھی ۱۲۵۸ھ میں وہ گوشہ نشین ہو گئے ہوں گے۔

اور گوشہ نشین ہو گئے تھے اور شاہ محمد موسیٰ نے شاہ محمد اسحٰق کی ہجرت کے صرف ۹ ماہ بعد رجب ۱۲۵۹ھ میں وصال فرمایا۔

مدرسہ کا چوتھا دور ۱۳۰۸ھ میں شروع ہوا اور بہت جلد ختم بھی ہو گیا، یہ دور تجدید و احیاء مدرسہ کی ایک نیک ولانہ خواہش کا سرجوش تھا، او صرف برائے نام کامیابی پر منتج ہو کر بہت جلد ختم ہو گیا ؎

تھی وہ اک درماندہ رہ رو کی صدائے دردناک

جس کو آواز رحیل کارواں سمجھا تھا میں

شاہ رفیع الدین کے نواسے مولوی سید ناصر الدین کے پوتے مولوی سید احمد نے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں صرف ولولوں اور حوصلوں کے سہارے پر اپنے آبائی مدرسہ کی تجدید کا عزم کیا تھا اور سروسامان سے محرومی، ذاتی اثرات کے فقدان، ابنار زمانہ کے عدم تعاون اور حالات کی ناسازگاری کے ہاتھوں شاید مدرسہ کی تجدید کے اعلانات سے بات آگے نہیں بڑھ سکی۔ مولوی سید احمد نے اپنے اسلاف کے رسائل وکتب کی اشاعت کے لیے ایک مکتبہ اور مطبع ردوکان اسلامیہ اور مطبع احدی) جاری کیا، اسی مطبع سے شایع شدہ ایک کتاب —— (فیوض الحرمین) کے خاتمۃ (۱۰۷ — ۱۰۸) میں پہلی بار اس مدرسہ کی تعمیر نو اور تجدید کا اعلان کیا، اس اعلان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدرسہ کی عمارت کے کچھ حصے کی تعمیر کرالی تھی مگر اصل کام — سلسلۂ درس کا آغاز ابھی نہیں ہوا تھا، یہ اعلان محرم ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۰ء) میں کیا تھا، اس کے بعد کی مطبوعہ کتابوں کے خاتمے میں گو مدرسہ کے آغاز کا اعلان اور اعانت کے لئے دعوت دی جاتی رہی، مگر کوئی تفصیل کبھی نہیں آئی، یہاں تک کہ ۱۳۱۲/۱۸۹۴ میں جب مولوی سید عبدالحیؒ ان سے ملے ہیں، تو مدرسہ باقی نہیں رہا تھا [1]

---

[1] دہلی اور اس کے اطراف ص۴۶

انھوں (سید احمد) نے اس بات کی کوشش کی ہے
کہ ان حضرات کی کتابیں شائع کی جائیں۔ چنانچہ اکثر
رسائل چھپوائے ہیں اور باقی چھپ رہے ہیں۔ ایک
پریس بھی قائم کیا ہے۔ ابتدا میں خاص حضرت مولینا
کے مدرسہ میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ مگر ابناء
زمانہ کی بے التفاتی سے وہ ٹوٹ گیا۔

مولوی سید احمد نے مدرسہ کا نام مدرسۂ عزیزی تجویز کیا تھا۔ مطبع کے نام کے ساتھ بالالتزام "متعلق مدرسۂ عزیزی" لکھا کرتے تھے، کہیں کہیں "مدرسۂ کہنہ شاہ عبدالعزیز صاحب" بھی لکھتے ہیں۔ "کہنہ" کی قید "مدرسۂ شاہ اسحٰق" سے امتیاز کے لئے تھی۔

مدرسہ دارالبقا دہلی

یہ مدرسہ جامع مسجد دہلی کے جنوبی دروازے کے قریب حجروں میں واقع تھا۔ اور ایک زمانے میں معقول و منقول کی تعلیم کا ایک بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ مولوی صدرالدین آزردہ نے اس کا اپنے زمانے میں احیاء کیا تھا۔ حجروں کی مرمت کروائی۔ مدرسین کا انتظام کیا۔ طلبہ کے لئے قیام و طعام کی سہولتیں فراہم کیں۔ طلبہ کے لباس کی ضرورتوں کو وہ پارچہ سے خود پورا کرتے تھے۔ اور طلبہ کو درس و تدریس کے لئے بھی وقت دیتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں مدرسہ بالکل بند ہو گیا۔ سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں اور مولوی بشیرالدین احمد نے واقعات دارالحکومت دہلی میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

پروفیسر ثناء اللہ مجاہد
شعبہ اسلامیات

مدرسہ نذیریہ دہلی

شاہ محمد اسحٰق کی ہجرت حجاز کے بعد حزب ولی اللّٰہی کی مسند درس وتدریس کو جس شخصیت نے رونق بخشی وہ حضرت شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی تھے۔ ان کی کوششوں سے نہ صرف درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ بلکہ درس وتدریس حدیث کا ایسا غلغلہ بلند ہوا کہ اس کے سامنے ہندوستان کے دوسرے تمام مدارس کی رونقیں ماند پڑ گئیں۔ ان کی توجہ اور ایثار کی بدولت ایک ایسا علمی وتعلیمی کارواں تیار ہو گیا جس نے علوم اسلامی کی نشر واشاعت کے میدان میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیمی تاریخ کا ایک دور صرف میاں نذیر حسین اور اُن کے خانوادہ علمی وتعلیمی کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا۔ ان کی تعلیم وتربیت سے علمائے حق کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے نہ صرف علمی وتعلیمی خدمات کے میدان میں امتیاز پیدا کیا، بلکہ جہاد فی سبیل الحریت اور تحریک استخلاص وطن کا ایک باب صرف اپنی فتوحات وخدمات کے تذکرے کے لئے مخصوص کر لیا اور اگر اس سلسلے کو اور آگے بڑھایا جائے تو اس کے کئی عظیم فرزندوں نے تحریک پاکستان میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ اور قیام پاکستان کے بعد ملک کی تعمیر وترقی میں اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہٗ ادا کیا اور آج بھی وہ زندگی کے مختلف گوشوں میں ملک وملت کی نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

میاں نذیر حسین حضرت شاہ ولی اللہ کے مدرسے کے ایک نامور فرزند تھے، اُن کا تعلق اگرچہ بہار سے تھا۔ لیکن تعلیم سے فراغت کے بعد انھوں نے دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی اور زندگی کے آخری لمحوں تک وہ اسی خاک کو سرمہ نور بصر سمجھتے رہے جس میں ان کے اساتذہ اور اُن کے آباواجداد کی نامور شخصیتیں آسودہ خواب تھیں۔ اس لئے

دہلی ان کا وطن ثانی بن گیا تھا اور اسی کی نسبت سے ان کی شہرت کا ستارہ چمکا۔

مدرسہ پھاٹک حبش خاں کی مسجد کو انھوں نے درس و تدریس کا مرکز بنایا اور زندگی اسی مسجد کے ایک گوشے میں علوم اسلامی کی تدریس میں بسر کردی۔ مدرسہ نذیریہ اس کا نام نہ تھا۔ شروع میں دہلی والے مدرسہ میاں صاحب کے نام سے پکارتے تھے۔ مولوی بشیر الدین احمد نے اپنی مشہور تصنیف واقعات دارالحکومت دہلی میں اور مولوی ابویحیی امام خاں نوشہروی نے اپنی تصنیف "ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات" میں اس کا نام مدرسہ میاں صاحب ہی لکھا ہے۔ لیکن جوں جوں مولوی نذیر حسین کے لقب "میاں صاحب" سے لوگوں کی واقفیت کم ہوتی گئی۔ مدرسہ نذیریہ کا نام زبانوں پر چڑھتا گیا۔ اہالیان دہلی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد کو میاں صاحب کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ نذیر حسین محدث چونکہ اسی سلسلے کے ایک نامور فرزند اور شاہ محمد اسحق کے بعد ان کے صحیح جانشین تھے۔ اس لئے دہلی والے انھیں بھی محبت اور عقیدت سے میاں صاحب کے نام سے یاد کرتے تھے۔ یہ لقب انھیں خود بھی اتنا پیارا تھا کہ وہ لوگوں کے شمس العلما کہنے سے خوش نہ ہوتے تھے۔ ان کی دلی خوشی کا سامان میاں صاحب کے چھوٹے سے لقب اور لوگوں کی محبت کے اس تخاطب میں تھا۔

میاں نذیر حسین کو یوں تو تمام علوم اسلامی میں درک حاصل تھا لیکن قرآن و حدیث کے درس و تدریس سے انھیں خاص شغف تھا اور دور آخر میں تو یہی آپ کا مشغلہ رہ گیا تھا۔ مولوی بشیر الدین احمد نے لکھا ہے:

> "عرصے سے آپ کا یہ معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد مولانا شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن شریف کے دو تین رکوع روزانہ سب کو پڑھایا کرتے تھے اس کے بعد حدیث شریف کا درس ہوتا تھا۔"

میاں نذیر حسین نے ساٹھ سال تک درس و تدریس کا یہ سلسلہ جاری رکھا، ان کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ اگر ان کے مخصوص تلامذہ ہی کو شمار کیا جائے تب بھی ان کی تعداد ان کے تذکرہ نگاروں کے اندازے کے مطابق پانچ سو تک پہنچتی ہے۔ ان کے پچاسوں تلامذہ

ہندوستان کے طول وعرض میں اور بیرونِ ملک میں مدارس قائم کئے۔ بعض مدرسے ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ تعلیم وتربیت دینی میں اپنی مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مدارس کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے جو آپ کے تلامذہ نے قائم کیے۔ اس قسم کے مدارس سے ہندوستان کا کوئی شہر خالی نہیں ہے۔ جن مدارس نے خاص شہرت حاصل کی ان میں دارالحدیث رحمانیہ، دہلی، مدرسہ محمدیہ گوجرانوالہ، دارالعلوم تقویتہ الاسلام۔ امرتسر۔ مدرسہ احمدیہ سلفیہ۔ لہریا سرائے دربھنگہ، مدرسہ دارالتکمیل مظفرپور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ پھر ان مدارس کے فیض یافتگان نے جو مدرسے قائم کئے اور ملک و بیرونِ ملک علوم اسلامی کے درس وتدریس کے جو مراکز قائم کئے ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ ابھی تک کوئی ایسی تاریخ لکھی ہی نہیں گئی جس میں اس سلسلہ کی خدمات کا محققانہ جائزہ لیا گیا ہو۔

مولوی ابویحیی امام خاں نوشہروی نے بیرونِ ہند کے تقریباً تیرہ ممالک میں حضرت میاں صاحب کے تلامذہ کا نہ صرف تذکرہ کیا ہے۔ بلکہ ہر ملک میں تلامذہ کے نام بھی بتائے ہیں۔

ابویحیی امام خاں نے مدرسہ نذیریہ کی تاریخ کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور انھوں نے ۱۳۱۱ھ میں ختم کیا جب کہ مولانا شریف حسین کا انتقال ہوا۔ سید شریف حسین مدرسہ نذیریہ کے ایک نامور استاد تھے۔ اس دور کو ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۲ء) تک طول دیا جا سکتا ہے۔ یہ حضرت میاں صاحب کا سال وفات ہے۔

مدرسہ کا دوسرا دور اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس دور کے اساتذہ میں ابویحیی امام خاں نے سید عبدالسلام، مولوی ابوسعید شرف الدین، مولوی عبدالرحمٰن خاں ولایتی، مولوی محمد یونس، مولوی عبیداللہ کا ذکر کیا ہے۔

میاں نذیر حسین کی ساری زندگی درس وتدریس میں بسر ہوئی اس لئے وہ خود تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے، معیارالحق ان کی مشہور تصنیف ہے۔ یا ان کے فتووں کا ایک مجموعہ مرتب کر دیا گیا جو آپ کے علم وفضل، تبحر اور علوم اسلامی میں آپ کی نظر وبصیرت کا بیّن ثبوت ہے۔ لیکن آپ کے تلامذہ نے درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی عظیم الشان خدمات انجام دیں۔

کلب علی خاں فائق رامپوری
لاہور

مدرسہ عالیہ رام پور

مدرسہ عالیہ کا قیام، فیض اللہ خاں کے عہد ریاست" (۱۱۷۰ھ تا ۱۲۰۸ھ) سے ہوا۔ نواب علی محمد خان کا انتقال ۳ شوال ۱۱۶۲ھ کو آنولہ میں ہوا۔ انکے دو بڑے بیٹے عبداللہ خان اور فیض اللہ خان احمد شاہ ابدالی کی نظر بندی میں تھے۔ ان سے چھوٹے بیٹے تیرہ سالہ سعد اللہ خان کو رئیس تسلیم کر کے حافظ رحمت خان نیابت کے فرائض انجام دینے لگے۔ جب عبداللہ خان اور فیض اللہ خان شاہ ابدالی کی نظر بندی سے چھوٹ کر روہیل کھنڈ آئے تو نواب عبداللہ خان کو سربراہ تسلیم کیا گیا لیکن ان کی بدمزاجی کے باعث روہیل کھنڈ کا علاقہ مختلف سرداروں میں تقسیم ہو گیا۔ نواب فیض اللہ کے قبضے میں شاہ آباد۔ لکھنور اور برسیر کا علاقہ آیا۔ یہ تقسیم ۱۱۶۷ھ میں ہوئی۔ فیض اللہ خان کا قیام بریلی میں رہا مگر نواب عنایت خاں خلف اکبر حافظ رحمت خاں کے رویے سے ناراض ہو کر یہ اپنے علاقے، شاہ آباد لکھنور میں رہنے لگے۔ یہ واقعہ ۱۱۷۰ھ کے متصل پیش آیا۔

موجودہ شہر رام پور کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اسے ۱۱۸۸ھ میں بعد شہادت حافظ الملک حافظ رحمت خاں بسایا گیا یعنی رجب ۱۷۷۴ء کے لگ بھگ۔ یہ بیان زبانی شہادتوں پر مبنی ہے لیکن اس کی تردید "مسجد فیض اللہ خاں" کے مصرع تاریخ بنانے ہو جاتی ہے جو جامع مسجد فیض اللہ خان کے دروازے کی محراب پر تھا جسے میرے مرحوم چچا احمد رضا خان (ولادت ۱۸۸۱ء وفات ۱۹۷۲ء) نے بیان کیا مصرعہ یہ تھا:

"دو یک مسجد فیض کعبۂ نو"

۱۱۸۰

فیض اللہ خان کی بنا کردہ مسجد کی نواب کلب علی خاں (۱۸۸۷ء / ۱۳۰۴ھ) عہد ریاست ۱۸۶۵ء تا ۱۸۸۷ء نے تعمیر کرا، اور صحن میں مزید اضافہ کیا ۱۳-۱۹۱۲ء میں نواب

کلب علی خان نے اس عمارت کو گرا کر نئی مسجد بنا ڈالی جو اب تک موجود ہے ۔

مسجد جامع فیض اللہ خانی میں مدرسہ ابتدائے ریاست سے تھا اور ۱۹۱۲ء کے قریب
یہ مدرسہ صاحبزادہ احمد رضا خان عرف پیارے صاحب کے مکان میں منتقل ہوا ۔ تقسیم برِ عظیم
پاک و ہند کے بعد یہ مدرسہ کلب گھر کی سرکاری عمارت میں منتقل ہو گیا اور اب وہیں ہے ۔

غالباً ۱۱۸۰ھ سے پہلے یا کچھ بعد نواب فیض اللہ خان نے ایک عمارت
بنائی تھی ۔ ذیقعدہ ۱۱۸۵ھ میں جب شاہ عالم ثانی نے مرہٹوں کی امداد سے ضابطہ
خان پر فوج کشی کی تو نجیب آباد کے گرد و نواح کا علاقہ دل کھول کر لوٹا ۔ اس تباہی
کا احوال قائم چاندپوری ثم رامپوری کے "شہر آشوب" سے ہوتا ہے

مصحفی اس حادثے میں نواب محمد یار خان برادر فیض اللہ خان کی مصاحبت
چھوڑ کر دوسرے اہل علم کے ساتھ منتشر ہو گئے تھے اور سال بھر ادھر ادھر رہ کر دہلی
پہنچے تھے ۔ نواب صفدر جنگ کی وزارت کو عماد الملک نبیرۂ آصف جاہ نے ۱۱۶۶ء
میں ختم کرایا تھا ۔ دہلی میں شیعہ سنی فساد کو ہوا دے کر رعایا کے گھر لوٹے گئے تھے
اس وقت سے دونوں فرقوں میں کشیدگی پیدا ہو گئی اور دہلی سے بیشتر خاندان صفدر
جنگ کے ساتھ چلے گئے تھے غالباً ۱۱۸۰ھ کے بعد فرنگی محل کے علما پر کچھ تشدد کیا گیا
ان میں سے مولانا عبد العلی خلف ملا نظام الدین اور مولوی محمد حسن برادرزادہ ملا
نظام الدین لکھنؤ کی سکونت چھوڑ کر روہیل کھنڈ آ گئے ۔ مولوی عبد العلی کا حافظ رحمت
خان نے وظیفہ مقرر کر دیا ۔ وہ شاہ جہاں پور میں مقیم ہو گئے اور ملا حسن نجیب آباد کے مدرسے
میں مدرس ہو گئے ۔ ملا حسن ۱۱۸۵ء میں نجیب آباد سے رام پور آ گئے ۔ اور مولوی عبد العلی
حافظ رحمت خان کی شہادت (صفر ۱۱۸۸ھ) کے بعد نواب فیض اللہ خان کی طلب پر
رام پور آ گئے ۔ ان دونوں بھائیوں کے رہنے کے لئے متصل مقبرۂ نواب محمد یار خان
(متوفی ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ) مکان دیا گیا اور وہیں وہ درس دینے لگے ۔ جس عمارت میں درس
دیا جاتا تھا وہ "مدرسہ" کہلاتی ۔ آج اس محلے کا نام مدرسۂ کہنہ ہے ۔ ان کے تلامذہ
میں بعض مشہور علماء کا نام آتا ہے مثلاً مولانا رستم علی (جو ہنک علمائے رام پور کا سلسلہ

منتہی ہوتا ہے) نے مولانا عبدالعلی سے تکمیل کی۔ مُلا حسن کے شاگردوں میں مفتی شرف الدین (ولادت ۱۱۸۰ھ وفات ۱۲۶۸ھ) مولوی غلام جیلانی (وفات سنہ ۱۲۳۴ھ) مولوی غلام طیب بہاری (وفات ۱۱۹۷ھ) وغیرہ۔

مولوی قدرت اللہ شوق رام پوری نے اپنی تاریخ "جامِ جہاں نما" (سنہ تالیف سنہ ۱۱۹۹ھ) میں لکھا ہے کہ فیض اللہ خان سے ہزار علماء وظیفہ پا رہے ہیں۔ مساکن فلسفی کے مولف نے پانچ سو علماء کا وظیفہ یاب ہونا لکھا ہے رام پور اس عہد میں بخارائے ہند کہلاتا تھا۔ سنہ ۹-۱۸۸۹ء میں ریاست رام پور کی مطبوعہ رپورٹ انتظامیہ میں دعویٰ کیا گیا ہے اس مدرسے کا کاغذات سرکاری میں ذکر نہیں ملتا کہ کب قائم ہوا۔ البتہ مولوی حسین شاہ خان، تخلص نامی اور ولی محمد خان تخلص بسمل سے وجود قدیمی مدرسین اس مدرسے کے تھے! معلوم ہوا کہ قیام ریاست سے یہ مدرسہ چلا آرہا ہے۔

"انتخاب یادگار" (سنہ تالیف سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء) میں امیر مینائی نے بعض شعراء کا بحیثیت مدرس مدرسہ ذکر کیا ہے۔ اس میں کہیں صرف "مدرسہ سرکاری" اور بعض مقام پر "مدرسہ عالیہ سرکاری" لکھا ہے۔

نواب فیض اللہ خان نے تحصیل شاہ آباد (رام پور) میں اس مدرسے کے مصارف کے لئے دو گاؤں وقف کر رکھے تھے۔ اس لئے مدرسے کے دفتر کے ذمہ دار کو "متولّی" کہا جاتا تھا۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں متولّی مولوی سعید الدین تھے اور ان کی اولاد تقسیم برعظیم پاک و ہند تک متولّی کہلاتی رہی۔ نواب کلب علی خان کے عہد (۱۸۶۵ء تا ۱۸۸۷ء) میں صیغۂ اوقاف سے مدرسۂ عالیہ کے مصارف کے لئے رقم ملتی تھی۔

مدرسین کا ریکارڈ منتظمین کی غفلت کے باعث ضائع ہو گیا لیکن تذکروں کی ورق گردانی سے کچھ علما کے اسم گرامی ملتے ہیں۔ چند نام یہ ہیں۔

۱۔ حافظ الہ داد عرف حافظ شبراتی طالب۔ شاگرد مولوی قدرت اللہ شوق۔ مصحفی نے ان کا ذکر "تذکرۂ ریاض الفصحا" میں کیا اور انھیں عالم متبحر لکھا ہے۔ مُلا حسن کے شاگردوں میں تھے۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں ملازم تھے۔ تین سال کی عمر میں چیچک سے بینائی زائل ہو چکی تھی لیکن اقلیدس کی شکلیں انگلی سے کھینچ کر طلبا کو سمجھاتے تھے۔ یہ بیان

مولف تذکرۂ شعرائے رام پور صاحب تخلص کا ہے جو طالب کے شاگرد رہ چکے تھے۔ طالب کا انتقال ۱۲۷۵ھ میں ہوا۔

ریاست کا معمول یہ تھا کہ ارباب علم و فن کا احترام مدِ نظر رکھتے ہوئے گھر بیٹھے انکا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا جاتا۔ ذاتی تعلقات برادرانہ ہوتے۔ رئیس ان سے گفتگو میں مشفقانہ اور دوستانہ طرز ملحوظ رکھتا۔ اس لئے ارباب علم و فن حوادث زمانہ سے مجبور ہوکر ریاست میں آتے تو یہیں کے ہوکر رہ جاتے۔ سکھوں کے مظالم سے تنگ آکر جو لوگ پنجاب سے نکلے وہ روہیل کھنڈ میں پہنچے اور اس وقت کے رؤسا نے انکی امداد کو اپنا فرض جانا۔ مرزا مظہر جانِ جاناں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے خطوط میں دہلی کی سکونت ترک کر کے روہیل کھنڈ میں قیام کا ارادہ ظاہر کیا۔

مولوی عبدالقادر خاں صدر الصدور نے وقائع عبدالقادر خانی میں صوبۂ سرحد اور صوبۂ پنجاب سے آئے ہوئے علماء کی ایک فہرست پیش کی ہے جو نواب فیض اللہ خاں کے عہد (۱۱۷۰ھ تا ۱۲۰۸ھ) میں رامپور آئے۔ دوسری فہرست ہندوستانی علماء کی ہے جو رامپور آئے۔ اس فہرست کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کے مشاہیر علم رامپور میں آکر سکونت پر مجبور ہو گئے تھے۔ دہلی کے مشہور زمانہ عالم شاہ ولی اللہ محدث کے شاگرد (مولانا جمال الدین لاہوری، رامپوری) اپنے پیر مولوی فخر الدین نظامی دہلوی کی ہدایت پر رامپور میں مقیم ہو گئے۔ اسی طرح مُلّا نظام الدین کے فرزند رشید مولوی عبدالعلی بحر العلوم اور برادر زادے مُلّا محمد حسن نے رامپور کا قیام اختیار کیا اور مُلّا حسن رامپور میں صفر ۱۱۹۹ھ میں فوت ہوئے اور مقبرہ نواب محمد یار خاں میں دفن ہوئے۔ اس طرح رام پور علوم معقولی اور منقولی کا مرکز ہو گیا عہد نواب محمد سعید خاں (۱۲۵۶ھ تا ۱۲۷۱ھ) میں مولوی عبدالقادر خاں صدر الصدور اور مولوی فضل حق خیرآبادی یہاں محکمۂ مرافعہ کے افسر اعلیٰ اور مدرسۂ عالیہ کے نگران اعلیٰ مقرر ہوئے مولوی عبدالعلی خاں ریاضی داں، مولانا فضل حق خیرآبادی کے نامور شاگرد تھے۔ اور مولوی عبدالقادر خاں صدر الصدور کے شاگردوں میں اُن کے حقیقی بھانجے مولوی نیاز علی خاں فارغ التحصیل تھے، ۱۸۹۶ء میں فوت ہوئے۔ میرے دادا، بقول مصنف وقائع نصیر خانی ۔

پروفیسر لعل احمد سحیم
شعبہ اسلامیات

مدرسہ نور محمدیہ - شہدادکوٹ

مدرسہ نور محمدیہ جس کا موجودہ نام مدرسہ حلیمیہ ہے۔ سندھ کے قدیم دینی مدارس میں سے ایک ہے۔ سندھ میں علمائے دین کے دو سلسلے ایسے ہیں جن سے آج کے سندھ کا شاید ہی کوئی عالم الگ ہو۔ ان میں سے ایک سلسلہ خلیفہ محمد یعقوب ہمایونی سے شروع ہوتا ہے۔ اور دوسرا مولانا نور محمد شہدادکوٹی سے شروع ہوتا ہے۔ یہ دونوں علمائے دین علامہ عبدالحلیم کنڈوی کے شاگرد رشید تھے۔ یہ دونوں سلسلے دو جوئے شیریں و کوثر و تسنیم تھیں جن کا منبع و مبدا ایک تھا اور جنھوں نے سندھ میں مزرع علم و عرفان کو کامل دو صدیوں سے سرسبز و شاداب کر رکھا ہے۔ ان دو صدیوں میں ملک کی سیاسی فضا کتنی ہی بار غبار آلود ہوئی۔ ملک کیسے کیسے نشیب و فراز سے گزرا۔ باد مخالف کے کیسے شدید جھکڑ چلے، ملک اغیار کے نرغے میں محصور رہا۔ قومی حکومتیں تہ و بالا ہو گئیں۔ ملک کے زمین و آسمان بدل گئے لیکن مولانا عبدالحلیم کنڈوی کا سرچشمۂ فیض ابلتا اور علم و عرفان کی کھیتی پھولتی پھلتی ہی رہی۔ ان دونوں سلسلوں نے سندھ کو بلند پایہ علمی شخصیتوں سے نوازا۔ شریعت و طریقت کے رہنما دیے۔ تحریک استخلاص وطن کو ان کی بدولت عظیم الشان لیڈر ملے یہ انہی کا فیضان تھا کہ تعلیم و تہذیب اور ثقافت کی تحریکوں کو نئی زندگی ملی، سندھ کے عوام میں ایمان کی حرارت پیدا ہوئی اور حمیت و غیرت ملّی کی رُوح بیدار ہوئی۔ یہ انھی سلسلوں کا فیضان تھا کہ سندھ کو ہر دور میں اس کی علمی ادبی، تہذیبی و ثقافتی روایات و اقدار کے تحفظ اور ان کے فروغ کے لئے گرم خون مہیا ہوتا رہا اور آئندہ بھی امید یہی ہے کہ ان سرچشموں سے سیراب ہو کر سندھ کو ایک ایسی نسل میسّر آئے گی جو سندھ کی علمی، تعلیمی و تہذیبی روایات کے تحفظ و دفاع کا فریضہ بھی انجام دے گی اور اس کے فروغ و امتیاز کا باعث

بھی بنے گی۔ سندھ کی تعلیمی، تہذیبی و تاریخی روایات کا یہ ایک اہم موضوع ہے جس پر علمی و تحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا منتشر مواد، سندھ کی تاریخ، تذکروں، سوانح حیات اور سب سے بڑھ کر اخبارات اور رسائل کی مجلدات میں موجود ہے۔

مولانا نور محمد، سندھ کے اکابر علمائے دین میں سے تھے۔ وہ ۱۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اور نوے برس کی عمر میں ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی۔ وہ ایک مدت تک خان قلات خان خداداد کے قاضی رہے تھے۔ انھوں نے سندھ بلوچستان میں اسلامی قوانین کے احیا کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ اس حیثیت سے تاریخ میں ان کا تذکرہ کچھ کم وسیع نہیں لیکن ان کی حیات جاوداں کا باعث ان کا مدرسہ نور محمدیہ اور ان کے تلامذہ کا سلسلہ ہے یہ مدرسہ حضرت علیہ الرحمہ نے قلات کے عہدہ قضا سے سبک دوش ہونے کے بعد قائم کیا تھا۔ اور اگرچہ انھیں بذات خود اپنی تعلیم و تربیت سے طلبہ کی بہت بڑی جماعت کو تیار کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن ایک مختصر مدت میں بھی انھوں نے طلبہ کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جس کے تلامذہ نے سندھ و بلوچستان کے مزرعہ علم و عرفان کے ایک ایک چپے کو سیراب کیا اور تعلیم و تہذیب کے فروغ و ترقی میں نہ صرف تاریخی کارنامہ انجام دیا بلکہ اتنا مواد جمع کر دیا کہ سندھ کی ایک پوری تاریخ تعلیم و تہذیب صرف ان کے کارناموں اور ان کے جمع کئے ہوئے سروسامان سے مرتب کی جا سکتی ہے۔ مولانا نور محمد کا فیض ان کے دو بیٹوں مولانا گل محمد اور مولانا غلام صدیق سے جاری ہوا۔ مولانا گل محمد کے شاگردوں میں مولانا محمد ابراہیم (گڑھی یاسین) مولانا داد محمد (کران) مولانا عبدالحکیم (کابل) مولانا محمد حسن حیدر آبادی وغیرہ مشاہیر علم پیدا ہوئے اور پھر ان کے تلامذہ کا ایک لامتناہی سلسلہ چلا۔ مولانا غلام صدیق نے اپنے والد کے علاوہ اپنے بڑے بھائی مولانا گل محمد سے تعلیم حاصل کی اور ان کے بعد مسند نشین درس و تدریس ہوئے ان کے ارشد تلامذہ کا بھی ایک طویل سلسلہ ہے جن میں علامہ حسن اللہ پاٹائی۔ سید تراب علی شاہ راشدی۔ مولانا غلام محمد میہر وغیرہ بہت نامور ہوئے ان تمام حضرات کی خدمات کا کوئی ایک میدان نہ تھا بلکہ علوم دینی کی اشاعت سے لے کر شعر و ادب کے سبزہ زاروں اور سیاست کے خارزاروں تک پھیلا ہوا تھا۔

مولانا نور محمد علیہ الرحمہ کے دوسرے شاگردوں میں مولانا محمد ہاشم (گڑھی یاسین) مولانا محمد حسن قریشی (حیدرآباد) مولانا عطاء اللہ فیروز شاہی وغیرہ اپنی ہمہ جہت خدمات اور علمی شہرت کی بنا پر کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ یہ تمام حضرات سندھ کے آسمان علم و ادب کے چاند سورج، تہذیب و ثقافت کے سرچشمے اور قوم کی تاریخ و سیاست کے نظام میں مرکزِ ثقل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مولانا غلام صدیق کی وفات (۱۳۲۳ھ) کے بعد مدرسۂ نور محمدیہ پر چند سال تک تعطل کی کیفیت طاری رہی لیکن ان کے بڑے فرزند مولانا عبدالحلیم نے پھر کمر ہمت باندھی اور اپنے خاندان کی علمی و تعلیمی روایت کو جاری کرنے کے لئے ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں مدرسہ کا احیاء کیا۔ اس دورِ ثانی میں یہ مدرسہ، مدرسہ عربیہ حلیمیہ کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا نور محمد اور ان کے صاحبزادگانِ عالی مرتبت کے صرف براہ راست شاگردوں نے اس سرچشمہ سے سیراب ہو کر سندھ کے مختلف علاقوں میں بیسیوں مدارس قائم کئے۔ علوم دینی کے یہ سرچشمے ٹپا (تعلقہ سیون) گوٹھ کنڈی، لقاپور، گڑھی یاسین، بھری وغیرہ مقامات پر تھے۔ مولانا نور محمد کے بلاواسطہ اور بالواسطہ فیض یافتگان میں بڑے بڑے شاعر، ادیب، مورخ، صحافی، شیخ طریقت، خطیب اور سیاسی رہنما گزرے ہیں جنھوں نے سرزمین سندھ کے ذروں کو تابانی اور درخشندگی بخشی ہے۔ تعلیم کے فروغ اور سندھی زبان و ادب کی ترقی میں حصہ لیا اور انکی بدولت سندھ کی تہذیب و ثقافت نے وقار اور امتیاز حاصل کیا۔

⁂

اس مضمون کی تیاری میں انوار صدیقیہ اور مولانا محمد نصیر الدین مہتمم و صدر مدرس مدرسہ عربیہ حلیمیہ) مجلۂ مہران حیدرآباد۔ سوانح نمبر، مشاہیر سندھ (الرحیم حیدرآباد کا کتابی سلسلہ)۔ الرحیم (سندھی) حیدرآباد (شمارہ ۱، ۲، ۴) جائزہ مدارس عربیہ (حافظ نذر احمد) اور مولانا محمد نصیر الدین کے خطوط سے استفادہ کیا گیا۔

پروفیسر محمد یامین محمدی
گورنمنٹ اردو کالج، کراچی

دارالعلوم تقویۃ الاسلام ۔ امرتسر

۱۸۵۷ء کا دور مسلمانوں کے لیے بڑا صبر آزما تھا۔ لیکن علمائے حق کا ایک مقدس گروہ ایسا بھی تھا جس نے اس نازک ترین دور میں حالات کی یکسر نامساعدت کے باوجود ایک طرف تو اپنی زبان اور قلم سے عیسائی مشنریوں کے فتنہ کا مقابلہ کیا اور دوسری طرف علوم کتاب و سنت کے لیے ایسی درس گاہیں قائم کیں جن میں تمام ہندوستان کے اطراف واکناف سے تشنگان علم کشاں کشاں آنے لگے اور ان دینی مدارس کے چشمہ ہائے ہدایت و بصیرت سے سیراب ہو کر ابر رحمت بن کر مطلع ہند پاکستان پر اس طرح چھائے اور ایسے برسے کہ ایمان و اخلاق کی مردہ کھیتیوں کو سرسبز و شاداب کر دیا۔ انھوں نے اپنی ایمانی فراست سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر خطرے کے انسداد کا سر و سامان نہ کیا گیا اور اسلامی علوم و فنون کے قلعے نہ بنا لیے گئے تو حملہ آور غنیم ہمارے تاج و تخت کے بعد ہمارے علوم و فنون، ہماری تہذیب و تمدن، ہمارے مذہب غرض ہر وہ چیز جس سے ہماری دینی زندگی کا تشخص ہوتا ہے، غارت کر دے گا۔ اس خطرے کے پیش نظر ہی ان علمائے حق نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسا کرتے ہوئے متعدد عربی، دینی مدارس کی بنیاد ڈالی۔

امرتسر کی مشہور درس گاہ مدرسہ غزنویہ یا دارالعلوم تقویۃ الاسلام مسلمانوں کے علوم و فنون کے تحفظ و بقا، اسلام کے دفاع اور مسلمانوں کی ملی زندگی کے تشخص کے اسی تصور کے پیش نظر قائم کیا گیا تھا۔ اس درس گاہ کے قیام میں اور اس کے ذریعہ علوم کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت میں خاندان غزنویہ کی خدمات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ذیل میں اس خاندان کے جد امجد حضرت مولانا سید عبداللہ غزنویؒ کی زندگی کے مختصر حالات درج کیے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب غزنوی متوفی ۱۲۹۸ھ غزنی سے پنجاب تشریف لائے
آپ کا شمار غزنی کے مشہور سادات خاندان سے تھا۔ غزنی میں تمام قابلِ ذکر علماء سے علوم متداولہ کی تحصیل کرنے کے بعد شیخ حبیب اللہ قندھاری سے قندھار پہنچ کر علم کی پیاس بجھائی اور سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی اور خلیفہ ہوئے۔ علوم حدیث کی تعلیم آپ نے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی سے حاصل کی۔ آپ نے غزنی میں کتاب وسنت کی تبلیغ واشاعت اور شرک وبدعات کو دور کرنے کے سلسلے میں جو کام کئے وہ اس زمانے کے لوگوں کو پسند نہ آئے اس وجہ سے آپ ترک ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے اور پشاور میں کچھ مدت قیام فرمایا۔ پھر بعض احباب کی درخواست پر پنجاب کے شہر امرتسر میں تشریف لے آئے اور کتاب و سنت کی تبلیغ واشاعت میں ڈوب گئے۔ توحید، اتباع سنت اور عقائد صحیحہ پر بہت سی کتابوں اور رسالوں کا فارسی اور اردو زبان میں ترجمہ کرواتے رہے اور عام لوگوں کے فائدے کے لئے چھپوا کر للہ تقسیم کرتے رہے۔ ان کاموں نے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی کہ امرتسر عوام وخواص کا مرجع بن گیا۔ آپ کے حلقۂ پند ونصائح میں شریک ہونے، آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے اور کیفیت خشوع وخضوع حاصل کرنے اور آپ کے فیضانِ صحبت سے مستفیض ہونے کے لئے صلحا وعلماء دور دور سے حاضر ہو کر اس چشمۂ ہدایت ومعرفت سے اپنی روح کی تسکین اور قلب کی تطہیر حاصل کرتے۔ آپ کے صاحب زادگان میں سے مولانا عبداللہ، مولانا احمد اور حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی قرآن وحدیث کا درس دیتے۔ اس طرح مسجد غزنویہ ایسی تربیت گاہ بن گئی تھی۔ جہاں علم کے ساتھ عمل، قال کے ساتھ حال کی کیفیت اور علم وبصیرت کے ساتھ معرفت کا نور حاصل ہوتا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے، حضرت مولانا عبداللہ بن عبداللہ متوفی ۱۳۰۰ھ ان کے جانشین مقرر ہوئے آپ اگرچہ تھوڑے عرصہ ہی زندہ رہے مگر اس کے باوجود آپ نے کتاب وسنت کی ترویج واشاعت اور درس و تدریس میں جو کارنامے انجام دیئے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی متوفی ۱۳۳۱ھ منصب امامت و خلافت پر فائز ہوئے آپ کے عہدِ مبارک میں روحانی فیوض وبرکات حاصل کرنے والوں کا حلقہ

بہت وسیع ہو گیا اور آپ کے علم و فضل کے چرچے پنجاب سے گذر کر پورے ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک میں بھی پھیل گئے۔ آپ نے اپنے عہد مبارک میں مسجد غزنویہ کی درس گاہ کو باقاعدہ دارالعلوم کی شکل میں تبدیل کر دیا اور اس کے لئے ایک نظام قائم کر دیا۔

قیام کی تاریخ حضرت مولانا عبدالجبار غزنویؒ نے اپنی فراست ایمانی اور بصیرت قلبی کی برکت سے وقت کی اہم ترین ضرورت کو محسوس کیا اور علوم کتاب و سنت اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے نام سے ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں مسجد غزنویہ امرتسر میں ایک ایسی درس گاہ قائم کی جو پنجاب میں علمی اور روحانی فیوض کے لحاظ سے عدیم النظیر اور بے مثال تھی۔ دارالعلوم کی بنیاد کچھ ایسے مبارک وقت اور ایسے اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ رکھی گئی کہ بہت جلد اس کو قبولیت عوام و خواص کا درجہ حاصل ہو گیا۔ بہت کم عرصہ میں حضرت مولانا عبدالجبار غزنویؒ کے شاگرد دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے فارغ التحصیل طلباء ملک کی مساجد میں دعوت و ارشاد کا فرض بجا لاتے ہوئے محراب و منبر کی زینت کا باعث ہوئے اور پنجاب کے اکثر دینی مدارس میں مدرسی کے فرائض بجا لانے لگے ان کی برکت سے شہروں سے گزر کر دور دراز قصبات و دیہات تک میں قال اللہ و قال الرسول کے غلغلے بلند ہوئے، جہل کی تاریکیوں کی جگہ علم و بصیرت کے چراغ روشن ہو گئے۔ غرض علم و معرفت کا یہ شجر طیبہ دارالعلوم تقویۃ الاسلام ایسا سرسبز اور بار آور ہوا کہ اس کے گل و اثمار ہزاروں لاکھوں مومنین کے قلوب و ارواح کے لئے حیات بخش ثابت ہوئے۔

مولانا عبدالجبار غزنوی کی وفات کے بعد آپ کے بھائی حضرت مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی جنھیں اللہ تعالےٰ نے فضلِ خطاب و حسنِ بیان اور فہم قرآن میں حظ وافر عطا کیا تھا مسند خلافت و درس و تدریس پر متمکن ہوئے اور زمام اہتمام مدرسہ ان کے دست مبارک میں آئی۔ انھوں نے اسی طرح علوم نبویہ کی خدمت اور توحید و سنت کی اشاعت کی جس طرح ان کے اسلاف کرتے آئے۔

۱۶ر-۱۲-۱ر-۳۴۳ ۱۹۴۳ء حضرت مولانا عبدالواحد غزنویؒ کی رحلت کے بعد حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی سے دارالعلوم کا کام سنبھالنے کی درخواست کی گئی۔ مولانا داؤد غزنوی

کا دور دارالعلوم تقویۃ الاسلام کا زریں دور رہے۔ ان کے دور میں دارالعلوم نے بے انتہا ترقی کی۔ کیونکہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ایک بہت ہی زبردست عالم، بے مثال خطیب، تحریک آزادی کے بہترین رہنما، علم و عمل کے منبع، طریقت و شریعت کے ماہر، ہر طبقہ میں مقبول، تحریک پاکستان کے سپاہی اور معتدل مسلک کے حامل تھے۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی اگست ۱۸۹۵ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم مولانا سید عبدالجبار غزنوی اور مولانا عبدالاول غزنوی سے حاصل کی۔ مولانا گل محمد سے اردو اور حساب کی تعلیم حاصل کی۔ پھر دہلی میں حضرت مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کی قائم کردہ درس گاہ میں حضرت مولانا عبداللہ غازی پوری سے علم حدیث حاصل کیا۔ علوم عقلی میں مولانا سیف الرحمٰن کابلی سے استفادہ کیا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد امرتسر واپس آگئے اور بڑی مستعدی اور ذوق و شوق کے ساتھ اپنی آبائی درس گاہ یعنی مدرسہ غزنویہ میں تفسیر اور حدیث کی تدریس کا کام سرانجام دیتے رہے اسی زمانے میں تدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغ و اشاعت اسلام، تحریک آزادی وطن میں اپنی دلچسپی اور کمال خطابت کی وجہ سے امرتسر میں ایک مقام پیدا کر لیا تھا۔

۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۲۱ء میں جمعیت علمائے ہند کی تشکیل و تاسیس میں موثر کردار ادا کیا۔ ابتدا میں مجلس عاملہ کے رکن اور پھر مدتوں نائب صدر رہے۔ اسی سال برطانوی سامراج کے خلاف اس قدر گرج دار آوازہ بلند کیا کہ تین سالوں کے لئے میانوالی جیل بھیج دیئے گئے۔ رہا ہونے کے بعد اسی شان کے ساتھ آوازہ حق بلند کیا اور ۱۹۲۵ء میں دوسری بار گرفتار ہوئے۔ اس دفعہ انھوں نے جیل میں قیدیوں کے ساتھ حکام کے غیر انسانی سلوک کے خلاف زبردست احتجاج کیا اور حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ سیاسی نظر بندوں کو مناسب مراعات دے۔

۱۹۲۷ء میں انھوں نے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور تیسری بار قید و بند کی آزمائش سے دوچار ہوئے۔ یکم اپریل ۱۹۲۷ء کو امرتسر سے ہفتہ وار اخبار توحید کا پہلا شمارہ نکالا جو ایک سال جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔ ۱۹۲۹ء میں چند خلافتی

ساتھیوں کو ساتھ لے کر انھوں نے مجلس احرار کی بنیاد ڈالی۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے اشتراک اور تعاون سے انھوں نے مجلس احرار کے پہلے سکریٹری کی حیثیت سے دو ڈھائی برس کے مختصر عرصے میں اسے ایک منظم اور جان دار تحریک بنا دیا۔ ۱۹۳۲ء میں جب احرار نے تحریک کشمیر شروع کی تو وہ گرفتار کر لئے گئے۔ ۱۹۴۲ء میں جب کانگریس نے ہندوستان چھوڑ دو کی مہم شروع کی تو وہ کانگریس میں شامل ہو گئے۔ اور اس کام میں بھرپور حصہ لیا اور گرفتار کر لئے گئے۔ انھیں پنجاب کانگریس کا صدر منتخب کیا گیا اور وہ اس جماعت کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ مسلم لیگ کو اس سے بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ مسلم لیگ کی سول نافرمانی کے پہلے روز ہی نواب ممدوٹ اور مولانا داؤد کے علاوہ ورکنگ کمیٹی کے تمام اراکین گرفتار کر لئے گئے۔ نواب ممدوٹ بھی گرفتار ہو گئے۔ اور ان کے بعد تحریک چلانے کی ذمہ داری مولانا کے کندھوں پر آ پڑی۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد جماعت اہل حدیث کی از سر نو تنظیم کی، جماعت میں رکن سازی کا شعور پیدا کیا، مجلس شوریٰ قائم کی، دستور مرتب کیا اور سالانہ کانفرنسیں قائم کیں اور تا دمِ حیات اس کے صدر رہے۔

تحریک ختم نبوت میں زبردست حصہ لیا، ۱۹۵۸ء میں جب پاکستان میں مارشل لا نافذ ہوا تو اس کے خلاف آوازہ حق بلند کیا۔ فروری ۱۹۶۰ء میں سابق صدر ایوب خاں نے ملک میں آئندہ دستور کے لئے ایک آئین کمیشن مقرر کیا تھا۔ اس کمیشن کی طرف سے چالیس سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ مرتب کیا گیا تھا۔ اس ضمن میں ۱۹ علماء کو اکٹھا کر کے جواب کا مسودہ تیار کر کے انھوں نے مکمل جمہوریت، اسلامی اقدار اور پارلیمانی نظامِ حکومت کے قیام کی تائید کی تھی۔

مئی ۱۹۶۲ء میں شاہ سعود بن عبدالعزیز نے انھیں مدینہ یونیورسٹی پشاور کی کونسل کا رکن نامزد کیا اور وہ اس کے افتتاحی اجلاس میں بھی شریک ہوئے۔

مولانا عبدالواحد غزنوی کے انتقال کے بعد جماعت کے مخلصین اور تمام خاندان نے

افراد کے بے حد اصرار پر مولانا نے دارالعلوم کی تمام ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر اٹھا لیں۔
مولانا اعلائے کلمۃ الحق کی پاداش میں کئی بار نظر بند ہوئے۔ مگر ان کے عزم و ہمت کا یہ عالم تھا کہ وہ قید و بند کی سختیاں بھی جھیلتے رہے اور دارالعلوم بھی چلاتے رہے وہ خود لکھتے ہیں :

"اس دور میں دارالعلوم کے لئے وقت بڑا نازک تھا جب کہ انگریزی حکومت نے مجھے گذشتہ عالمگیر جنگ کے زمانے میں نظر بند کر دیا اور تین سال کی نظر بندی کے عرصہ میں مجھے دارالعلوم کی نگرانی سے مجبوراً محروم ہونا پڑا۔"

اس نظر بندی کے خاتمے کے بعد یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ دارالعلوم کی نئی عمارت بنائی جائے جو تمام ضروریات کے لئے کفیل ہو سکے، چنانچہ تیس ہزار روپے کے صرف سے تین منزلہ خوبصورت عمارت مسجد غزنویہ کے ساتھ ہی تعمیر کی گئی۔ خوبصورتی کے علاوہ اس کی پختگی اور مضبوطی کا خیال اس درجہ رکھا گیا کہ اس کی چھتیں لوہے، سیمنٹ اور کنکریٹ سے تیار کی گئیں اور تمام عمارت سیمنٹ سے تیار کی گئی۔ لیکن افسوس کہ تین چار ماہ سے زیادہ عرصہ دارالعلوم کی اس نئی بلڈنگ میں رہنے نہ پائے کہ ۱۹۴۷ء کا انقلاب اپنے تمام فتنوں اور بربادیوں سمیت آگیا۔

۱۹۴۷ء کے خونیں انقلاب میں دارالعلوم پر کیا گذری، مولانا یوں رقم طراز ہیں :

"اگرچہ ہندوستان کی تقسیم مسلم لیگ اور کانگرس کے باہمی سمجھوتے سے ہوئی، اور دوسرے ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمائندہ جماعتوں کی رضا مندی سے ہوئی۔ لیکن اس تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کا جبری اخراج، مسلمانوں کا قتل عام، مسلم خواتین کی بے حرمتی مسلمانوں کے مال و متاع کی تباہی و بربادی، مسلمانوں کی مساجد اور مدارس کا تاخت و تاراج کرنا راشٹریہ سیوک سنگھ، سکھوں اور کانگریسیوں کی باہمی سازش کے نتیجہ کے طور پر اس وحشت اور بربریت کے ساتھ عمل میں آیا کہ قرون مظلمہ کی تاریخ میں بڑے سے بڑے جلاد و سفاک اور درندہ خصلت حکمرانوں یا فاتحوں

کی تاریخ میں بھی اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ مشرقی پنجاب میں امرتسر اس ہولناک بربریت اور سفاکی سے سب سے زیادہ متاثر ہوا۔

ہماری تاریخی مسجد "مسجد غزنویہ" بھی جلادی گئی۔ مسجد غزنویہ کے ساتھ مدرسین کی رہائش کے مکانات بھی جلادیئے گئے۔ دارالعلوم کی تاریخی لائبریری جو بڑی نادر اور بیش قیمت کتابوں پر مشتمل تھی برباد کردی گئی۔ بزرگوں کے وقت سے اس لائبریری میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس عاجز نے مصر اور ہندوستان کے بڑے بڑے کتب خانوں سے جدید مطبوعات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اس میں شامل کیا تھا۔ قرآن مجید کی تمام تفاسیر، کتب احادیث اور ان کی شرح، کتب فقہ ائمہ اربعہ اور ان کے بڑے بڑے مجموعے۔ فتاویٰ، ادب اور تاریخ غرض تمام علوم کی بہترین کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا اور تمام درسی کتابوں کے ایک ایک کے بیسیوں بلکہ پچاسیوں نسخوں کی کئی الماریاں بھری پڑی تھیں، جو آج ہزاروں روپے خرچ کرنے پر بھی نہیں مل سکتیں۔ افسوس کہ سکھوں اور ہندوؤں کی اسلام دشمنی بلکہ مسلم دشمنی کی وجہ سے وہ ذخیرہ برباد ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہمیں اپنے مکانات کی تباہی و بربادی کا اتنا صدمہ نہیں، جتنا اپنے کتب خانہ کے ضائع ہونے کا صدمہ ہے، کیونکہ وہ اب کسی قیمت پر بھی نہیں مل سکتا۔"

پاکستان کے قیام کے بعد اس دارالعلوم کے دوبارہ اجراء کا مسئلہ بہت پریشان کن تھا لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور مولانا کی مساعی جمیلہ سے دارالعلوم کو شیش محل روڈ کی موجودہ عمارت میسر آگئی۔ لیکن اس وقت درس و تدریس کے آغاز کے لئے ایک کتاب بھی موجود نہ تھی توفیق الٰہی شامل حال ہوئی اور شروع میں صرف درسی کتابیں خریدی گئیں۔ لیکن بتدریج تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، تصوف اور دوسرے علوم و فنون پر تمام اہم اور مستند درسی کتابیں خریدی گئیں، اور یوں تھوڑے عرصے میں اس دارالعلوم کا کتب خانہ پھر علمی ذخائر سے مالا مال ہوگیا۔

کتب خانہ غزنویہ متعدد اعتبار سے گنجینۂ گوہر تھا، ہر علم و فن سے متعلق بہترین کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، احادیث کی شرح، کتب تصوف، کتب ائمۂ اربعہ اور ان کے بڑے بڑے مجموعے، فتاویٰ، ادب اور تاریخ سے متعلق بے شمار نادر و نایاب کتب موجود تھیں۔ ان میں اس خاندان کے افراد مولانا عبداللہ اول غزنوی وغیرہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کتب احادیث وغیرہ کے متعدد قلمی نسخے اور بے شمار درسی وغیر درسی کتابیں موجود تھیں۔ مولانا داؤد غزنوی اس میں بے بہا اضافہ فرماتے رہتے تھے۔ مصر و بیروت اور دیگر ممالک میں شائع شدہ تازہ ترین مطبوعات زرکثیر خرچ کرکے منگاتے، ان کا مطالعہ فرماتے اور جگہ جگہ خوشی سے اس میں اضافہ فرماتے رہتے تھے۔ اگرچہ ۱۹۴۷ء کے خونیں انقلاب کی وجہ سے یہ کتب خانہ ضائع ہوگیا مگر قیام پاکستان کے بعد لاہور میں جب دارالعلوم قائم کیا گیا تو اس کے کتب خانہ میں بے بہا اضافہ کیا گیا اگرچہ اس کتب خانہ کی اب وہ بات تو نہ رہی جو تقسیم سے قبل تھی مگر مولانا محمد داؤد مرحوم کی کوششوں اور کاوشوں سے اب اس کتب خانہ میں بھی نادر و نایاب اور بے شمار مختلف علوم و فنون کی کتابوں کا اچھا خاصہ ذخیرہ موجود ہے جس میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہو رہا ہے۔

ہمارے دینی مدارس میں عام طور پر جماعت بندی کا خیال نہیں کیا جاتا تھا اور نصاب تعلیم پر جمود طاری تھا۔ مولانا داؤد نے جماعت بندی، اصلاح نصاب، عرصہ تعلیم کا تعین ایسے اہم امور پر توجہ فرمائی۔ قرآن و حدیث اور فقہ کے علاوہ صرف و نحو، منطق و فلسفہ اور بلاغت و ادب کے نصاب میں ضروری تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کے زمانے میں دارالعلوم از سر نو وجود میں آیا۔

مولانا داؤد غزنویؒ کی وفات (۱۶ر دسمبر ۱۹۶۳ء) کے بعد دارالعلوم کو چلانے کی ذمہ داری ان کے صاحبزادے پروفیسر سید ابوبکر غزنوی کو سونپی گئی جو تاہنوز اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

سید ابوبکر غزنوی کے زمانے میں معاشرے کے افراد کی ذہنی اور روحانی پرورش کے لئے مکتبۂ غزنویہ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جو اسلامی نظریۂ حیات کے مختلف پہلوؤں پر مثبت انداز میں مقالے چھاپنے کا اہتمام کرتا ہے۔ یہ مقالے خاص طور پر ڈاکٹروں، وکیلوں، سرکاری افسروں، انجینیروں، پروفیسروں اور طالب علموں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

پروفیسر اویس خان گوھر۔

مدرسہ درخانی۔ کوئٹہ

برصغیر ہندوستان پاکستان میں جیسے جیسے انگریزوں کے قدم جمتے گئے ان کی تبلیغی سرگرمیاں بھی بڑھتی گئیں حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد تو عیسائی مشنریوں کے سیل رواں نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

بلوچستان میں بھی انگریزوں نے اس قسم کی حرکات کا آغاز کیا۔ اس کے لیے انھوں نے بائبل سوسائٹی قائم کی۔ اور اس کے تحت پنجابی، بلوچی وبراہوی زبانوں میں یوحنا کا ترجمہ شائع کیا۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ وہاں بڑے شدومد سے عیسائیت کا پرچار کیا جانے لگا۔ یہ ایک منظم سازش تھی اور اس کا جواب اجتماعیت کے ساتھ اور انتہائی منظم طریقے ہی سے ممکن تھا۔

اس صورت حال نے بلوچستان کے مذہب سے سرشار عوام، قابل سرداروں اور دین کے محافظ عالموں کے لیے لمحہ فکریہ پیدا کر دیا۔

بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ سوسائٹی کے کاموں کے سدباب اور اس کے تریاق کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ ایسا مدرسہ جہاں خالصتاً اسلام کی تعلیم ہو جہاں سے اسلام کے غازی تیار ہو سکیں اور آئندہ ہونے والی اس قسم کی ہر سازش کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔

درخان میں جو ڈھاڈر کے قریب واقع ایک بستی ہے اس مدرسہ کا قیام عمل میں آیا۔ یہ مدرسہ ڈھاڈر بسی شاہراہ عام پر واقع ہے۔ اور اس کا نام اسی بستی کے نام پر "مدرسہ درخانی" منتخب کیا گیا۔ اس مدرسہ کے صدر مدرس اور موسس مولانا فاضل رئیسانی درخانی رحؒ تھے۔

قبیلہ رئیسانی خصوصاً موجودہ نواب غوث بخش رئیسانی، وزیر خزانہ حکومت بلوچستان،

کے والد ماجد اُس وقت کے ان باشعور افراد میں سے تھے جنھوں نے انگریزوں کی حکمت عملی کو سمجھتے ہوئے کہ یہ بالواسطہ اسلام پر حملہ آور ہو رہے ہیں اس مدرسہ کی تبلیغ اسلام کے لیے ہر طرح کی امداد کی۔

بلوچی زبان کی نشوونما کا باضابطہ اہتمام بھی مدرسۂ درخانی کے علمائے کرام نے کیا۔ مولانا فاضل درخانیؒ اس مدرسہ کی شمع ہدایت تھے اور ان کے جانشینوں میں ایک سے ایک ثابت و سیار تھے جن کے دلوں میں اشاعت اسلام کا جذبہ اور بلوچوں کی اصلاح حال کا مقصد جاگزیں تھا۔ انھوں نے درس و تدریس کے لیے بلوچی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا اور رشد و ہدایت کے لیے بلوچستان کی عوامی زبان کی سرپرستی فرمائی۔

مدرسہ درخانی نے پہلا "بلوچی قاعدہ" مرتب کیا اور طریقہ املا وضع کیا ہرچند کہ یہ بلوچی قاعدہ اور طریقہ املا عربی سے مستعار لیا گیا ہے لیکن اس قدر سائنٹیفک ہے کہ بلوچی اصوات کی جملہ نزاکتوں کی بخوبی نمائندگی کرتا ہے۔ اور اسی املا میں انھوں نے بلوچی ادبیات کا قابل قدر ذخیرہ جمع کر دیا جس میں کلام حکیم کا ترجمہ بھی شامل ہے، تفسیر بھی ہے، فقہ کے مسائل کا بیان بھی ہے۔ پند و نصائح بھی ہیں اور شعر و سخن بھی۔ قرآن پاک کا براہوی زبان میں بھی ترجمہ کیا گیا۔ اور بلوچی میں بھی۔ بلوچی ترجمہ مولانا حضور بخش جتوئی نے کیا جو مدرسہ نے شائع کیا۔ مدرسہ درخانی کے علما و فضلا نے عیسائی مشنریوں کے مقابلے اور اسلام کے حفظ و دفاع میں جو اسلامی ادب تیار کیا اور دین کی جو خدمات انجام دیں وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔

مدرسہ درخانی کے صاحب طرز ادیبوں، شاعروں، مفسروں اور شارحوں نے بلوچی زبان میں محض کتابیں ہی نہیں لکھیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے کتاب پڑھنے والوں کا ایک بہت بڑا حلقہ پیدا کر لیا اور اشاعت تعلیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مدرسہ درخانی کی کتابیں مستقل شائع ہوتی رہی ہیں اور گزشتہ ساٹھ ستر برسوں میں ایک ایک کتاب کے بیس بیس ایڈیشن شائع ہو کر فروخت ہوئے۔

مدرسہ درخانی کے علما و فضلا نے وہ کام کر دکھایا جس کی ان سے توقع تھی اور سب سے بڑھ کر اس مدرسہ نے بلوچی زبان پر جو احسانات کیے ہیں بلوچی زبان اور

بلوچی علما ان احسانات کا بدلہ چکانے سے قاصر ہیں ۔ ان احسانات کی بدولت مدرسہ کو جب تک بلوچی زبان ہے یاد رکھا جائے گا ۔

مدرسہ درخانی کے علما و فضلا نے دینی اور ادبی خدمات کے علاوہ سیاسی میدان میں بھی خدمات انجام دیں ۔

تحریک خلافت میں اس مدرسہ کے بیشتر علما و فضلا کرام شامل تھے انھوں نے اس تحریک کو کامیاب بنانے میں حصہ لیا ۔ تحریک آزادی اور تحریک پاکستان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔

نوٹ : اس مضمون کی تیاری میں میں کامل القادری صاحب کے ذاتی تعاون کا شکر گزار ہوں ۔

★

دہلی انسٹی ٹیوٹ، دہلی | ایک تعلیمی ادارہ جو ۱۸۵۷ء کے بعد قائم کیا گیا تھا۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے امداد ملتی تھی جو لارڈ کیننگ کی سفارش سے دوگنا کر دی گئی تھی۔

پروفیسر معین الدین عقیل
گورنمنٹ شپ اونرز کالج کراچی

مدرسہ مظہر العلوم کراچی

بیسویں صدی کی قومی اور سیاسی تاریخ کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ "دارالعلوم دیوبند" نے قوم کی بڑی مذہبی اور علمی خدمت کی ہے۔ دراصل ۱۸۳۱ء میں تحریک جہاد اور حکومت اسلامی کے قیام کی کوششوں کی ناکامی کے بعد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی شکست بھی ان مجاہدین علما کے جذبات کو ختم نہ کرسکی تھی جو شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے کی تحریک فکری و سیاسی سے مستفیض تھے۔ ان [illegible] علما کے ایک گروہ نے شاہ عبدالعزیز کے مدرسہ دہلی کے انداز پر، جو جنگ آزادی کے دوران بند ہوگیا تھا، ۱۸۶۶ء میں دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا اور اسے اپنے مذہبی اور سیاسی خیالات و عزائم کی تعلیم و اشاعت کا ذریعہ بنایا تھا۔ وہاں سے ہزاروں علما اور طلبا فارغ التحصیل ہوکر نکلے ہیں جنھوں نے ملک ملک کے گوشے گوشے میں اسلامی علوم کے چراغ روشن کئے، مذہب کی اشاعت کی اور بدعتوں اور مضر اخلاق خرابیوں کی اصلاح کی۔ اس کے قیام کے کچھ ہی عرصہ میں اسی طرز پر ایک مدرسہ سہارنپور میں اور ایک مرادآباد میں بنا تھا جو فی الحقیقت اسی دارالعلوم دیوبند ہی کی شاخیں تھیں۔ ان شاخوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے چالیس تک پہنچ گئی تھی[1]۔ ان ہی اداروں میں "مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کراچی" بھی ہے۔

اسے کراچی کے ایک ممتاز عالم مولوی عبداللہ ابن شیخ عبدالکریم نے ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء میں قائم کیا تھا۔ یہ کراچی کے ایک قدیم محلہ کھڈہ میں موجودہ شاہ ولی اللہ روڈ پر

---

[1] مولانا عبیداللہ سندھی "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" (لاہور ۱۹۷۰ء) ص ۱۴۸ - ۱۴۹ - یہ تعداد مولانا محمد طیب نے ایک ہزار شمار کی ہے۔ "تاریخ دارالعلوم دیوبند" (کراچی، ۱۹۷۲ء) ص ۸۷۔

قائم ہے۔ مولوی عبداللہ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد صادق نے مدرسہ کی ذمہ داریوں کو سنبھالا۔ مولانا محمد صادق (ولادت ۵ ارمارچ ۱۸۷۴ء) نے اسی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیئے ۱۸۹۶ء میں دیوبند تشریف لے گئے جہاں انھیں شیخ الہند مولانا محمود حسن سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ انھوں نے ملک کے سیاسی حالات اور قومی دملی تحریکات کا مطالعہ بھی کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا محمد صادق نے حضرت شیخ الہند اور اپنے ساتھیوں کی پیروی میں سیاست اور قومی امور میں مستعدی سے دلچسپی لی۔ اور برطانوی حکومت کے خلاف عملی جدوجہد کی۔ بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں جب حضرت شیخ الہند نے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق نیا نقشہ کار بنایا اور مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ جس دوسرے سندھی عالم کو اپنے پاس بلایا اور شریک راز ومشورہ کیا۔ وہ مولانا محمد صادق تھے۔ وہ کچھ عرصہ دیوبند میں مقیم رہے۔ پھر سندھ واپس آکر انھیں مقاصد ملی کے لیئے سرگرم عمل ہو گئے۔ جن کے عشق میں مولانا سندھی نے دیوبند ودہلی کے قیام کو ترجیح دی تھی۔ ابتدائً تحریک ریشمی رومال سے وابستہ رہے۔ پھر تحریک خلافت میں حصہ لیا، جمعیتہ العلمائے ہند کے رکن بنے اور سندھ میں ان دونوں تحریکوں کے روح رواں رہے۔ بعد میں جب بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کی تحریک چلی تو اس میں بھی سرگرمی سے حصہ لیا۔ قید وبند کی صعوبتوں سے بھی ان کا سابقہ رہا۔ اپنے دور کے مسلم رہنماؤں، علماء اور قائدین کے دوش بدوش ملک وملت، دین ومذہب اور آزادی کی خاطر ہر اسلامی تحریک میں پیش پیش رہے۔ سندھ میں ہندوؤں کی خلاف اسلام تحریکوں شدھی اور سنگھٹن کا سدباب کیا اور آزادی کی تحریک کو مقبول وعام کیا۔

اپنی قومی، سیاسی اور تعلیمی مساعی کے سبب مولانا صادق تمام مکاتب فکر کے علمائے سندھ میں بہت محترم ومقبول تھے۔ تبلیغ واشاعت اسلام کی طرف بھی ان کا رجحان تھا۔ بہت سے غیر مسلم ان کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ سندھ میں قیام پاکستان سے قبل لواری کی درگاہ میں عیدالضحٰی کے موقع پر جو مصنوعی حج ہوتا تھا۔ اس کے رد میں مولانا صادق نے نہایت مدلل دو تین رسالے بصورت فتوٰی تحریر کیئے جن کا خاطر خواہ اثر ہوا اور لوگوں کو ہدایت ہوئی۔

اور حج کے مقدس نام پر اس جماعت کا قلع قمع ہو گیا۔

مولانا محمد صادق ایک بیدار مغز منتظم اور باوقار عالم، تدبر اور فہم و فراست کا سرچشمہ تھے۔ ان کے زمانے میں مدرسہ نے بہت ترقی کی۔ اس کے لئے دو منزلہ عمارت تعمیر ہوئی کہ جو ایک وسیع سماعت گاہ اور بائیس کمروں پر مشتمل ہے۔ درمیان میں ایک وسیع و عریض جامع مسجد ہے۔ کتب خانے کے لئے بھی ایک عمارت تعمیر ہوئی جس میں ایک اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ قائم کیا گیا۔ اس مدرسہ کا تعلیمی معیار ہمیشہ خصوصی امتیازات کا حامل رہا ہے۔ نصاب کے طور پر مدرسہ میں درس نظامی کو قدرے ترمیم کے ساتھ رائج کیا گیا ہے جو آٹھ سالہ مدت پر مشتمل ہے۔

تعلیم و تدریس کے ساتھ افتا، و قضا کے شعبے بھی فعال ہیں۔ جن میں مقدمات اہلِ اسلام نکاح و طلاق، بیع و شرا اور وراثت کا فیصلہ شرع کی رو سے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سے ایک شعبۂ تبلیغ بھی ہے جو دراصل اس زمانے میں قائم کیا گیا تھا جب ہندوؤں کی جانب سے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کی گئی تھیں۔ اس شعبہ کے ذریعہ نہ صرف اپنے حلقۂ اثر میں اس فتنہ کے انسداد کی پوری کوشش کی گئی بلکہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کو بھی مدنظر رکھا گیا۔

اس مدرسہ کا انتظام ایک کمیٹی کرتی ہے جس کا دستوری نام "ایسوسی ایشن مدرسہ عربیہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی" ہے۔ چونکہ مدرسہ کے قیام کا مقصد تعلیم و ترویج، علوم دینیہ عربیہ اور علوم و فنون قدیمہ و جدیدہ سے استفادہ ہے۔ اس لئے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ مروجہ نصاب کے تحت بھی لڑکے اور لڑکیوں کے لئے دو اسکول قائم کئے گئے۔ سنہ ۱۹۵۰ء سے مدرسۃ البنات جاری ہے۔ جس میں اردو کا سرکاری نصاب اور دینیات و قرآن پڑھائے جاتے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ دست کاری وغیرہ بھی سکھائی جاتی ہے۔

مدرسہ مظہر العلوم کی تاریخ کا سنہری دور مولانا محمد صادق کا زمانہ ہے۔ ان کی کوششوں سے یہ مدرسہ سندھ میں تحریک آزادی، رد بدعات، تبلیغ و اشاعت اسلام، تعلیم و ترویج علوم اسلامی، اور مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ مولانا محمد صادق اور ان

کے ساتھی حکیم محمد سیوستانی، مولانا دین محمد وفائی وغیرہ نے سندھ کی اصلاح و ترقی اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح میں زبردست حصہ لیا۔ انھیں تحریک آزادی کی راہ سے ہٹانے کی کئی بار کوششیں کی گئیں، دام بچھائے گئے، سبز باغ دکھائے گئے اور اخلاص وللہیت سے ماموران کے قلب متاثر بھی ہو گئے۔ لیکن ان کی بصیرت نے انگریزی حکومت کے فریب کا جلد ہی اندازہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے قومی و ملی معصیت کی ان آلودگیوں سے بچا لیا جن سے طبقۂ علما و صوفیہ میں بہت کم اصحاب پاک تھے۔

مولانا صادق نے اپنی حیات ہی میں[1] عملاً اپنے بھانجے اور داماد حافظ فضل احمد کو صدر مدرس، افتار اور اہتمام کے عہدوں پر فائز کر دیا تھا۔ انھوں نے مدرسہ کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ ان کا دور اہتمام جلد ہی ختم ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا صادق کے فرزند مولوی حافظ محمد اسمٰعیل نے یہ ذمہ داری قبول کی۔ اور آج کل وہی اس کے مہتمم ہیں۔ ان کی سرپرستی میں یہ مدرسہ پورے انہماک اور خلوص کے ساتھ دینی خدمت میں مصروف ہے۔ حافظ محمد اسمٰعیل کو تحقیق و تصنیف سے خاصا شغف ہے۔ وہ مسند امام ابو حنیفہؒ کی غیر مطبوعہ "المواہب اللطیفہ" للشیخ محمد عابد سندی پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے متعدد مقالات بھی تحریر کئے جو مختلف رسائل خصوصاً "منبر الاسلام" اور "الرحیم" حیدرآباد میں شائع ہوئے۔ مولوی محمد اسمٰعیل کے دور اہتمام کا ایک اہم کارنامہ مدرسہ کے شعبۂ تصنیف سے ماہنامہ اردو رسالہ منبر الاسلام کا اجرا ہے۔ اس کے وہ خود مدیر تھے اور ان کے ساتھ اس میں مولوی اللہ ورایو بردہی بھی فعال تھے۔ رسالہ میں مذہبی اور علمی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ سرمایہ کی قلت کے سبب یہ قریباً دو سال تک جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔ مدرسہ ایسوسی ایشن کے تحت اور بھی مطبوعات منظر عام پر آتی رہی ہیں۔ یہ شعبہ مولانا محمد صادق کے زمانے میں قائم ہوا تھا۔ جس کے تحت یہ طے کیا گیا تھا کہ سندھ کے بلند پایہ مصنفین اور مؤلفین کی تصنیفات و تالیفات جو طلبا اور قوم کے لئے مفید ہوں، مدرسہ

---

[1] مولانا کا انتقال ۶ شوال ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۸ جون ۱۹۵۳ء کو ہوا۔

ایسوسی ایشن کی طرف سے طبع کرا کے فروخت کی جائیں اور ساتھ ہی اس تجارت سے جو منافع ہو وہ مدرسہ فنڈ میں شامل کیا جائے۔ اسی دور میں حکیم مولوی فتح محمد سیوستانی کی تصانیف میں سے سندھ کے طلبا کے لئے خاص ورنیکلر اسلامی نصاب تعلیم کی کتابیں اور ان کے علاوہ نور الایمان مقدمہ تفسیر القرآن، دینیات کی کئی کتابیں، حیات النبیؐ، اخلاق محمدی وغیرہ اردو اور سندھی میں شائع کی گئیں۔ دیگر مؤلفین و مصنفین میں مولانا اللہ ورایو بردہی (متوفی جولائی ۱۹۷۲ء) مولانا محمد مدنی اور کوثر اعظمی معروف ہیں۔ ان میں کوثر اعظمی شاعر ہیں۔ مولانا محمد مدنی سندھی میں قرآن کے مترجم ہیں۔ اردو میں علم فرائض پر ایک کتاب اور تفسیر سورۂ فاتحہ ان سے منسوب ہیں۔

اس ادارے کا ایک امتیازی وصف اس کا کتب خانہ ہے۔ جس میں مختلف علوم و فنون پر تقریباً چھ ہزار نہایت قیمتی نایاب عربی، فارسی، اردو، سندھی، گجراتی کتابیں موجود ہیں۔ قلمی نسخوں کی بھی ایک خاصی تعداد موجود ہے[1] اس کا دارالمطالعہ مولانا محمد صادق کے نام سے منسوب ہے۔ اس میں عام افراد کے لئے بھی مطالعہ کی سہولتیں موجود ہیں۔ اردو، سندھی، گجراتی اور انگریزی زبان کے متعدد روزنامے، ہفت روزہ اور ماہانہ رسائل بھی جاری ہیں۔

---

[1] جن میں سے قابلِ ذکر کتابوں کے متعلق تفصیلی معلومات مولانا محمد عبدالرشید نعمانی نے پیش کی ہیں ــــــ "کتب خانہ مظہر العلوم کراچی کے مخطوطات" "الزبیر" کتب خانہ نمبر ص ۳۵۳ ــ ۳۸۹۔

مدرسہ دارالرشاد، پیرجھنڈا

سیاسی لحاظ سے مسلمانوں کو بیدار کرنا۔ قرآن کے فلسفہ انقلاب پر انھیں منظم کرنا۔ ۱۸۵۷ء کی شکست کا انگریزوں سے بدلہ لینا اور ملک کو آزاد کرانا مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کی زندگی کا نصب العین تھا۔ یہ نصب العین زمانہ طالب علمی ہی میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی تعلیم و تربیت اور فیضانِ صحبت سے بن گیا تھا اور زندگی کے آخری لمحوں تک وہ اس مقصد کے لئے کام کرتے رہے۔

مولانا سندھی دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد سندھ تشریف لائے تو انھوں نے ان ہی مقاصد دینی و ملی کے لئے کام شروع کیا جن کی طرف حضرت شیخ الہند کی تعلیم و تربیت نے رہنمائی کی تھی۔ ان مقاصد کے لئے انھوں نے امروٹ (ضلع سکھر) کو مرکز قرار دے کر ایک انقلابی جماعت تیار کی، محمود المطابع کے نام سے ایک مطبع قائم کیا۔ عربی اور سندھی کی بعض نایاب کتابیں شائع کیں۔ ہدایت الاخوان کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا اور قلم و قرطاس کی مجلس آراستہ کرکے خدمت دینی و ملی میں مصروف ہوگئے۔ چند سال انھوں نے ان ہی سیاسی مشاغل میں گزارے لیکن اس میدان میں انھیں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی، اور مولانا تاج محمد امروٹی کے لئے جو مولانا سندھی کے سرپرست اور بزرگ کی حیثیت رکھتے تھے، ہدایت الاخوان کی اس میں انقلابی افکار کی اشاعت وجہ ناراضگی بن گئی۔ مولانا سندھی نے پریس اور رسالہ بند کردیا۔ اب وہ کسی دوسرے میدانِ عمل و خدمت کی تلاش میں تھے۔ سید ابوتراب رشداللہ صاحب العلم الرابع کو مولانا سندھی کے اس عہد تعطل کا علم ہوا تو انھوں نے ایک شخص کو مولانا سندھی کے پاس بھیجا اور گوٹھ پیرجھنڈا (ضلع حیدرآباد) میں ایک

مدرسہ قائم کرنے کی دعوت دی اور اس کے لئے ہمہ قسم کے اخراجات کی ذمہ داری قبول کی۔ حضرت پیر صاحب العلم الرابع راشدی سلسلے کے ایک عظیم المرتبت بزرگ تھے اور دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق اور حضرت شیخ الہند سے خاص نسبت رکھتے تھے۔

مولانا سندھی فرماتے ہیں:

"لوگوں کو شاید یہ بھی معلوم نہ ہو کہ مولانا شیخ الہند کا سندھ میں کس قدر اثر تھا میرے مرشدوں کے سلسلے میں مولانا تاج محمد امروٹی، حضرت پیر صاحب العلم الرابع رشد اللہ شاہ، کراچی کے مدرسہ مظہر العلوم اور گوٹھ پیر جھنڈا کے مدرسہ دار الرشاد کے متعلق علما کی جماعتیں، سب دیوبندی اسکول سے تعلق رکھتے تھے۔"

راشدی سلسلے کے بزرگوں سے مولانا سندھی کا براہِ راست تعلق بھی تھا۔ امروٹ کے قیام کے دوران میں وہ گوٹھ پیر جھنڈا آتے رہتے تھے۔ انھوں نے پیر صاحب کے عظیم الشان کتب خانے سے استفادہ کیا تھا پیر سید رشد اللہ صاحب العَلَم الرابع کی مجلس میں بیٹھے تھے، ان سے علمی استفادہ کیا تھا، حضرت پیر سید رشید الدین علیہ الرحمہ صاحب العلم الثالث کے فیضان صحبت سے وہ خاص طور پر مستفید ہوتے تھے۔ ان سے ذکر اسماء الحسنیٰ کا علم حاصل کیا تھا۔ مولانا سندھی لکھتے ہیں:

"گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدرآباد میں راشدی طریقے کے پیر صاحب العَلَم کے پاس علوم دینیہ کا بے نظیر کتب خانہ تھا۔ میں دورانِ مطالعہ میں وہاں جاتا رہا اور کتابیں مستعار بھی لاتا رہا۔ میری تکمیل مطالعہ میں اس کتب خانے کے فیض کو بڑا دخل تھا۔"

"اس کے علاوہ حضرت مولانا رشید الدین صاحب العلم الثالث کی صحبت سے مستفید ہوا۔ میں نے ان کی کرامتیں دیکھیں۔ ذکر اسماء الحسنیٰ میں نے انھیں سے سیکھا۔ وہ دعوتِ توحید جہاد کے ایک مجدد تھے۔ حضرت مولانا ابوتراب رشد اللہ صاحب العلم الرابع سے علمی صحبتیں رہیں۔ وہ علمِ حدیث کے بڑے جیّد عالم اور صاحب تصانیف تھے۔"

ان حالات میں ان بزرگوں کی جانب سے گوٹھ پیر جھنڈا میں مدرسہ کے قیام کی دعوت اور تعاون کی پیش کش ایک لطیفہ غیبی معلوم ہوئی۔ مولانا سندھی نے اس دعوت اور پیش کش کو قبول کرلیا۔ اور اس سلسلے کی جملہ شرائط طے پا گئیں۔ مولانا سندھی مرحوم کی ایک تحریر سے سندھ میں ان کے سیاسی و دینی کام کے پس منظر اور طریقۂ کار اور مدرسہ گوٹھ پیر جھنڈا کے قیام و شرائط پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کا مطالعہ افادیت سے خالی نہیں۔ مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

"آپ (حضرت شیخ الہندؒ) نے ہمیں سندھ میں کام کرنے کا طریقہ (یعنی رسالے کے ذریعے افکار کی اشاعت کے علاوہ) بھی سمجھایا۔ ہم نے ان کے حسب ارشاد کام شروع کردیا اور کسی سے اس کا ذکر تک نہ کیا کہ ہم یہ کام حضرت شیخ الہند کا بتایا ہوا کر رہے ہیں۔ بظاہر ہم اس کام کو اپنے نام سے کر رہے تھے۔ میرے مشفق بزرگ حضرت تاج محمد صاحب امروٹیؒ کو میرا اس طرح کام کرنا پسند نہ آیا۔ چنانچہ ہم مجبور ہوگئے کہ امروٹ کی بجائے گوٹھ پیر جھنڈا (ضلع حیدر آباد۔ سندھ) میں دارالرشاد کے نام سے ایک مدرسہ بنائیں۔ ہمیں اس مدرسہ کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے میں پورا اختیار تھا اور پیر صاحب گوٹھ پیر جھنڈا کا ہمارے ساتھ فیصلہ ہوچکا تھا کہ وہ ہمارے کام میں بالکل دخل نہ دیں گے۔ چنانچہ انھوں نے اس عہد کو سچے دل سے نبھایا۔"

مقصد رجب ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں مدرسہ جاری ہوگیا۔ اس کے قیام کا خصوصی مقصد علوم دینی کی تعلیم و تدریس کے علاوہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فلسفے کی تعلیم و اشاعت اور ان کے انقلابی فلسفے کے مطابق طلبہ کی ایسی فکری تربیت تھی کہ وہ ہندوستان کی اجتماعی زندگی میں اپنی دینی اور سیاسی و سماجی ذمہ داریاں کو سنبھال سکیں اور اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرسکیں۔ مدرسہ کے بانی مسلمانوں کی ملی ضروریات مسلمانوں کی اصلاح اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داریوں سے بھی بے خبر نہ تھے چنانچہ

قیام مدرسہ کے مقاصد میں تبلیغ و اصلاح کے نقطۂ نظر سے تصنیف و تالیف کے کام بھی شامل تھے۔ اس مدرسہ کی ایک اور خصوصیت بھی تھی جو کہیں اور نظر نہیں آتی۔ مدرسہ میں "السواد الاعظم" کے نام سے ایک مجلس افتا قائم تھی جس میں مدرسہ مظہر العلوم کراچی کے اساتذہ بھی شامل تھے۔ مدرسہ دارالرشاد میں جو استفتا آتے تھے ان کا جواب لکھ کر مستفتی کو بھیجنے سے پہلے مدرسہ مظہر العلوم کو بھیج دیا جاتا تھا۔ اسی طرح مدرسہ مظہر العلوم کے اصحاب افتا عمل کرتے تھے جب ایک فتوی کی جانبین سے تصدیق و تصویب ہو جاتی تھی تو گویا اسے "السواد الاعظم" کی تائید حاصل ہو جاتی تھی اور اسے مستفتی کو بھیج دیا جاتا تھا۔

اساتذہ مولانا سندھی اس کے صدر مدرس اور مہتمم تھے۔ دیگر اساتذہ میں مولانا نجم الدین مولانا محمد احمدانی لغاری (جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں) مولانا عبداللہ لغاری وغیرہ تھے۔ ایک اور صاحب مولوی محمد امیر بھی آئے تھے۔ لیکن وہ ایک ہفتہ سے زیادہ قیام نہ کر سکے۔ اور واپس پنجاب چلے گئے۔ چند سال کے بعد جب مولانا سندھی دیوبند چلے گئے تو ان کی جگہ صدر مدرس مولانا محمد لغاری ہو گئے۔ البتہ اہتمام کی ذمہ داری مولانا سندھی پر تھی۔ ۱۹۱۱ء میں ٹھیڑی (ریاست خیرپور) میں مدرسہ دارالہدیٰ قائم ہوا تو مولانا محمد کچھ مدت کے لیے صدر مدرس ہو کر دارالہدیٰ چلے گئے۔ ۱۹۱۲ء میں صدر مدرس کے علاوہ منصب اہتمام پر بھی فائز ہوئے۔ اس کے بعد ۱۹۱۷ء تک کی تاریخ مدرسہ ہمارے سامنے ہے جس میں وہ صدر مدرس بتائے گئے ہیں۔ مولانا محمد لغاری ایک متبحر عالم دین تھے وہ سندھ میں استاذ الکل کی حیثیت رکھتے تھے۔ سندھ اور پنجاب میں ان کے تلامذہ کا ایک طویل سلسلہ ہے۔

بعد کے زمانے میں اساتذہ کی صف میں مولانا محمد اکرم، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد علی شاہ، مولوی خدا بخش، مولانا ولی محمد حاجی پوری وغیرہم کے نام معلوم ہوئے ہیں۔ مولانا محمد اکرم مدرسہ دارالرشاد کے فارغ التحصیل تھے جو پہلے مدرس مقرر ہوئے اور ۱۹۱۵ء میں تدریس کے علاوہ اہتمام کی ذمہ داری بھی ان پر آ گئی تھی۔ مولانا غلام مصطفیٰ

قاسمی نے مولوی عبید اللہ ولی اللّٰہی کو بھی مدرسہ دارالرشاد کا شیخ الحدیث لکھا ہے۔
مدرسہ کے مدرسین میں ایک نام مولانا نورالحق کا ہے جو مولانا سندھی کے شاگرد رشید
اور علوم و معارف ولی اللّٰہی کے حقیقی اندازہ شناس اور عالم تھے۔ سندھ کے ایک
اور مشہور عالم دین مولانا مفتی غلام قادر جواب مدرسہ دارالہدیٰ ٹھیڑی میں مدرس
ہیں۔ دارالرشاد میں صدر مدرس، شیخ الحدیث اور مفتی کے مناصب جلیلہ پر فائزرہ
چکے ہیں۔

دارالرشاد لواب شاہ

۱۹۱۲ء میں مولانا سندھی پیر صاحب جھنڈا کی مدرسہ میں مداخلت کی وجہ سے ناراض ہوکر دو اساتذہ مولانا
احمد علی لاہوری اور مولانا عبداللہ لغاری کو لے کر نواب شاہ چلے گئے اور مولوی محمد
صالح اور قاضی عبدالرزاق کو ساتھ ملا کر دارالرشاد کے نام سے ایک مدرسہ قائم کر دیا۔
مولانا سندھی مرحوم تو یہاں زیادہ عرصہ قیام نہ کر سکے۔ چند دنوں کے بعد دہلی چلے گئے
جہاں انھوں نے مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ قائم کیا تھا۔ البتہ دوسرے اساتذہ
چند سال تک اس مدرسہ کو چلاتے رہے۔ مولانا عبداللہ لغاری کا نام گوٹھ پیر جھنڈا کے
مدرسین میں ۱۹۱۵ء میں دوبارہ نظر آتا ہے۔

خدمات اور تلامذہ

دارالرشاد نے امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علوم و معارف کے تعارف اور اشاعت میں بڑی خدمت
انجام دی۔ آج سندھ کے علمی و دینی حلقوں میں شاہ صاحب کے نام ان کے علمی کاموں
اور افکار کا جو چرچا ہے اس میں سب سے بڑا حصہ دارالرشاد کے اساتذہ، طلبہ اور اس
کے فیض یافتگان کا ہے۔ دارالرشاد کے فیض یافتہ زندگی کے جس میدان میں بھی گئے انھوں نے
حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے آخری مرکز علمی دارالعلوم دیوبند سے رشتہ نہیں توڑا۔ سندھ
میں دینی علوم کی اشاعت میں دارالرشاد کے تلامذہ نے نہایت سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔
مدرسہ دارالہدیٰ ٹھیڑی دارالرشاد کا دینی فیضان ہے۔ ٹھیڑی کے قاضی عبداللہ علیہ الرحمۃ بانی
مدرسہ دارالہدیٰ نے اپنے دو بیٹوں مولانا حبیب اللہ اور مولانا عزیز اللہ کو دارالرشاد میں

تعلیم دلوائی۔ مولانا حبیب اللہ دارالہدیٰ کے مدرس اول اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور مولانا عزیز اللہ نے مسند درس و تدریس کو رونق بخشی ۔ بعد میں مدرسہ دارالہدیٰ کے مہتمم ہوئے ۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب جو آج کل شاہ ولی اللہ اکیڈمی سے وابستہ اور الولی دالرحیم کے ایڈیٹر ہیں ۔ مولانا سندھی کے شاگرد رشید اور دارالرشاد کے سابق طالب علم ہیں۔ ان کے علاوہ سندھ کی ایک مایہ ناز شخصیت اور علوم ولی اللہی کے ماہر ڈاکٹر محمد علی شاہ، سندھ کی مشہور شخصیت حکیم محمد معاذ مرحوم (نواب شاہ) مولانا ضیاء الدین ابن پیر رشید الدین صاحب العلم الثالث، مولانا احسان اللہ شاہ ابن پیر رشد اللہ شاہ صاحب العلم الرابع، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری مرحوم اور سندھ کے ایک عالم دین اور صاحب قلم مولانا مفتی عبدالقادر لغاری وغیرہم دارالرشاد کے فیض یافتگان تھے ۔ ان میں سے بعض حضرات دارالرشاد میں مسند درس و تدریس کو بھی رونق بخش چکے تھے ۔ مفتی عبدالقادر لغاری نے الرحیم (سندھی) کے شمارہ ایک اور دو میں دارالرشاد کے بارے میں معلومات مرتب کردی ہیں اس میں ۱۹۱۶ء تک کے فارغ التحصیل ہونے والے بہت سے اصحاب کے نام بتاتے ہیں ۔ یہ وہ اصحاب علم و عمل ہیں، جنھوں نے سندھ کی علمی، دینی، تہذیبی، سیاسی تاریخ بنائی ہے ۔ حافظ حکیم محمد یعقوب ۔ خاندان راشدیہ کی علمی و دینی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "مدرسہ دارالرشاد سے ہزاروں عالم باعمل پیدا ہوئے جنھوں نے ملک کے مختلف علاقوں میں دینی علوم کی تعلیم و تدریس کی مسندیں آراستہ کیں اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے قائم کئے ۔ یہ تعلیمی مدارس اور تبلیغ کے سلسلے نہ صرف سندھ بلکہ بلوچستان، مکران، کچھ اور پنجاب تک پھیلے ہوئے ہیں اور ان کا فیضان آج تک جاری ہے"

سیاسی میدان میں بھی اس کی فکر و خدمت کا پیمانہ بلند ہے ۔ دارالرشاد کے اساتذہ کی سیاسی فکر و خدمت کے اثرات مقامی اور وقتی نہ تھے ۔ بلکہ کل ہند سطح کے اور دائمی تھے ۔ اس تاریخی حقیقت کا بہت کم لوگوں کو علم ہوگا کہ ترک موالات کی تحریک کے اصل مجوز دارالرشاد کے

ایک فاضل استاد تھے۔ مولانا سندھی لکھتے ہیں:

"لوگوں کو یہ معلوم ہوکر حیرت ہوگی کہ نان کوآپریشن کی تحریک جو خلافت کے زمانے میں کانگریس نے قبول کی ہے وہ مدرسہ دارالرشاد کے ایک دیوبندی استاد مولانا نورالحق کی تجویز تھی"

علمی سیاست میں بھی دارالرشاد کے اساتذہ اور تلامذہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک آزادی وطن میں انھوں نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ قافلہ احرار کی رہنمائی کی اور پیچیدہ سیاسی مسائل کی گتھیوں کو سلجھایا۔

دسمبر ۱۹۳۹ء میں سندھ کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں فسادات کا ناگوار واقعہ پیش آیا جس سے سندھ کی معاشرتی اور تمدنی زندگی تہ و بالا ہوکر رہ گئی۔ مولانا سندھی کی فکر کے مطابق یہ بات مسلمانانِ ہند کے مفاد اور سندھ کی مستقبل کی زندگی کے لئے سخت خطرناک تھی۔ مولانا سندھی امن و امان کے قیام اور مقامی ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کا اعتماد پیدا کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کی اور دارالرشاد کے مرکز سے ۹ رجنوری کو حیدرآباد کے دیہات میں والنٹیرز بھیجنے شروع کیے۔ انھوں نے گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے انھیں سمجھایا کہ وہ ہندوؤں کو اپنا بھائی سمجھ کر ان کی حفاظت اس طرح کریں جیسے اپنے عزیزوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ دارالرشاد کے فیض یافتگان نے تحریک آزادی کے دور سے لے کر قیام پاکستان کے بعد آج تک ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے کسی تقاضے کو نظر انداز نہیں کیا اور ملک کی تعمیر و ترقی اور ملت کی رہنمائی کے ہر مرحلے میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔

دورِ آخر

مارچ ۱۹۳۹ء میں مولانا سندھی اپنی طویل جلاوطنی کے بعد دوبارہ سندھ تشریف لائے۔ وہ اگرچہ دارالرشاد میں جم کر نہ بیٹھ سکے۔ اب ان کی حیثیت ایک کل ہند سیاسی و مذہبی رہنما کی تھی۔ لیکن انھوں نے مدرسہ کے جدید انتظامات اور طلبہ کی تعلیم پر بھی توجہ دی۔ اس میں ان کی کوشش رہی کہ تمام کاموں سے فارغ ہوکر وہ گوٹھ پیر جھنڈا کے گوشہ علمی و تعلیمی

دارالرشاد میں جاکر بیٹھ جایا کریں اور طلبہ کو قرآن کے سیاسی، معاشی انقلابی افکار اور شاہ ولی اللہ کے علوم و معارف سے آشنا کریں۔ چنانچہ وہ جب بھی گوٹھ پیر جھنڈا پہنچتے تو اونچے درجے کے طلبہ کی ایک جماعت کو اپنی تعلیم و تدریس، تجربات و مشاہدات اور افکار سے ضرور مستفید فرماتے۔

قیامِ پاکستان کے بعد بھی اس کے قدیم اساتذہ نے اس کی خصوصیات اور امتیازات کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن جماعت اسلامی سے وابستہ بعض اساتذہ نے اس کے امتیازات اور خصوصیات کو ملیا میٹ کر دیا۔ انھوں نے مدرسہ کو اپنے ڈھب پر چلانے کی کوشش کی۔ دوسرے اساتذہ سیاسی مقاصد کی راہ میں ان کے ہم سفر نہ ہو سکے۔ مدرسہ کا سابق نصب العین نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ طلبہ منتشر ہو گئے اور اساتذہ نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ یہ حادثہ سنہ ۱۹۶۰ء کے کچھ عرصہ بعد وقوع پذیر ہوا۔

محمد منتظر الدین
بی اے فائنل

مدرسہ معینیہ عثمانیہ۔ اجمیر

وہ مدرسہ جو بعد میں مدرسہ معینیہ عثمانیہ کے نام سے ہندوپاک میں معقولات کی تعلیم وتدریس کا سب سے بڑا مرکز بنا اس کا آغاز ۱۹۰۹ء میں مدرسہ معین الحق کے نام سے ہوا تھا۔

اس کے بانی اور پہلے صدر مدرس مولانا معین الدین اجمیری تھے جو دورِ آخر میں فضل الحق خیر آبادی کے مدرسہ فکر کے آخری عالم تھے۔

مولانا معین الدین اجمیری نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی عبدالرحمان سے حاصل کی تھی اور علوم کی تکمیل مولانا برکات احمد ٹونکی کی خدمت میں کی۔

مولانا برکات احمد فضل حق خیرآبادی کے مکتبۂ فکر کے ایک عظیم الشان عالم اور بہت بڑے صاحبِ درس تھے۔

مولانا معین الدین اجمیری نے ۱۹۰۳ء میں مدرسہ نعمانیہ لاہور کے صدر مدرس کی حیثیت سے درس وتدریس سے زندگی کا آغاز کیا۔ مدرسہ نعمانیہ میں انھوں نے تقریباً ڈھائی سال قیام کیا اور اس شان سے خدمات تدریس انجام دیں کہ دورو نزدیک ان کے علم وفضل اور کمال تدریس کا شہرہ ہوگیا۔ مدرسہ نعمانیہ میں انھوں نے بڑی شان وشوکت سے تدریس کی خدمات انجام دیں۔ معاصرین کے دلوں پر دھاک بٹھادی۔ طلبہ پر سکہ جمایا اور شب وروز محنت شاقہ کرکے ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے نام پیدا کیا۔ ان کی تدریس کو ایک سال کا عرصہ گزرا تھا کہ پورے پنجاب میں ان کا چرچا پھیل گیا۔ اور طلبہ ہر طرف سے جوق درجوق آنے لگے۔ ڈھائی سال کے بعد اپنے خاندان والوں کے اصرار سے مجبور ہوکر اجمیر چلے آئے۔

مدرسہ معین الحق کا آغاز ایک معمولی کرایے کی عمارت میں ہوا تھا۔ نفیس وسبک

اور بیش قیمت فرنیچر کے بجائے چٹائی کا فرش اور معمولی سادہ لکڑی کی بھدی بھدی تپائیاں تھیں ۔ اوقات درس کی پابندی کے بجائے اصل درس کی پابندی تھی ۔ کتاب پڑھانے کے بجائے فن سکھانا مقصود تھا ۔ کامل درجہ کا علمی ماحول تھا ۔ طلبہ کا مقصد حصولِ سند نہیں حصولِ علم ہوتا تھا ۔ اس محفل کے روحِ رواں مولانا معین الدین اجمیری تھے ۔ ایک دن مولانا معین الدین اجمیری درسِ حدیث دے رہے تھے اور درس گاہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساحرہ نواز صداؤں سے گونج رہی تھی کہ نظام دکن آگئے ۔ مولانا انوار اللہ ساتھ ساتھ تھے ۔ پہلے تھوڑی دیر کھڑے رہے پھر خود ہی بیٹھ گئے ۔ مولانا نے پروا بھی نہ کی ۔ درس جاری رہا درس گاہ اُسی طرح قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداؤں سے گونجتی رہی نظام دکن چٹائی پر مودب بیٹھا ہوا تھا اور بڑی دلچسپی اور توجہ سے تقریر سن رہا تھا ۔

"حضور نظام دکن تشریف فرما ہیں" مولانا انوار اللہ نے فرمایا ۔

"خوب" مولانا معین الدین اجمیری نے مختصر بے نیازانہ جواب دیا " آپ کی تفہیم خوب ہے " خود نظام دکن نے مولانا سے عرض کیا ۔ آپ کی سمجھ میں آرہی تھی ؟ مولانا نے اسی بے نیازانہ و فقیرانہ انداز میں مدرسانہ سوال کیا ۔ " جی جی ۔ بہت اچھی طرح ! نظام دکن نے جواب دیا ۔ اور مدرسہ کو ساڑھے بارہ سو روپیہ ماہانہ اعانت کا اعلان کرکے رخصت ہوا ۔ یہ ۱۹۱۳ء کا واقعہ ہے ۔ اس کے بعد مدرسہ کا نام مدرسہ معینیہ عثمانیہ قرار پایا ۔ صدر مدرس اب بھی مولانا ہی تھے ۔

لیکن چند سال کے بعد ۱۹۱۹ء میں ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ مولانا کے لیے اطمینان و سکون کے ساتھ خدمات تدریس انجام دینا مشکل ہوگیا ۔ لیکن مولانا نے اختلاف و نزاع سے مدرسے کی فضا کو مزید خراب کرنے کے بجائے مدرسے سے علیحدگی اختیار کرلی اور نجی طور پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیا ۔ درس و تدریس کے اس نئے مرکز نے مدرسہ حنفیہ صوفیہ کا نام پایا ۔

مدرسہ حنفیہ صوفیہ کا آغاز ۱۹۱۹ء میں ہوا ۔ پھر ہر چند لوگوں نے انھیں مدرسہ معینیہ عثمانیہ میں لے جانا چاہا لیکن مولانا نے وہاں جانا مناسب خیال نہ کیا ۔ ان کا مقصد درس و تدریس تھا اور یہ بحسن و خوبی پورا ہو رہا تھا ۔ یہ مدرسہ بھی ۱۹۲۳ء تک جاری رہا ۔ مدرسہ معینیہ کے بعد

ہندوستان میں معقولات کی تعلیم کا یہ واحد مرکز تھا۔

مولانا معین الدین اجمیری نے ۱۹۰۸ء میں مدرسہ نعمانیہ میں تدریس کا آغاز کیا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں ان کے قائم کردہ مدرسہ حنفیہ کا خاتمہ ہوا۔

۴۴ سال کی اس مدت میں مولانا کی تعلیم و تربیت، مدرسہ معینیہ اور مدرسہ حنفیہ سے ہزاروں کی تعداد میں طلبہ فارغ التحصیل ہو کر نکلے ان میں سے صف اول کے ادیب، کل ہند سطح کے سیاسی رہنما، بلند پایہ علمائے دین اور اصحاب درس تدریس، مصلحین امت، خدمت گزارانِ ملت اور اصحابِ طریقت و سجادہ نشین پیدا ہوئے۔ جنھوں نے ماضی میں بھی علمی، ادبی اور دینی میدانوں میں بے نظیر خدمات انجام دیں اور آج بھی ان کا فیضان جاری ہے۔

مدرسہ امینیہ، دہلی

حیدرآباد دکن کے ایک صالح وسعید طالب علم امین الدین ۱۸۸۶ء میں طلب علم کے شوق میں دارالعلوم دیوبند میں آکر داخل ہوئے ۱۳۱۴ء میں انھوں نے تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ وہ اپنی سعادت مندی اور شوق علمی کی بنا پر اپنے استادوں کے منظور نظر اور اپنے ساتھیوں میں ممتاز تھے۔ دین کی خدمت اور علوم دینی کی اشاعت کا شوق بے پناہ تھا۔ اس شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ گھر واپس جانے کے بجائے دہلی پہنچے اور سنہری مسجد (چاندنی چوک) میں ایک مدرسہ قائم کر لیا۔ یہ ۱۳۱۵ء کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص عمل کو خیر و برکت سے نوازا۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ درس گاہ جو مدرسہ امینیہ کے نام سے پورے ملک میں مشہور ہوگئی۔ مفتیٔ اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہانپوری ثم دہلوی جو حضرت شیخ الہند کے ارشد تلامذہ میں نہایت نامور گزرے ہیں۔ اس مدرسے میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ انھوں نے پوری زندگی اس مدرسہ میں معمولی سی تنخواہ میں گزار دی۔ مفتی صاحب مرحوم تمام عالم اسلامی میں دینی علوم کے ماہر اور بہت بڑے فقیہ تسلیم کیے جاتے تھے۔ جمعیت علمائے ہند کا ۱۹۱۹ء میں قیام عمل میں آیا تو اس کے پہلے صدر منتخب کیے گئے۔

ڈپٹی نذیر احمد مرحوم نے بھی آخری زمانے میں کچھ دنوں تک اس مدرسہ میں اعزازی طور پر خدمتِ تدریس انجام دی تھی۔

۱۹۱۰ء کے بعد مدرسہ کی ترقی بہت زیادہ ہوئی اور سنہری مسجد کی گنجائش ناکافی ہوگئی تو اس کے دینی علوم کے تعلیمی حصے کو مسجد پانی پتیاں میں منتقل کر دیا گیا۔ قرآن کا

مدرسہ سنہری مسجد میں رہا۔

مدرسہ امینیہ نے علوم اسلامی کی تعلیم وتدریس کے علاوہ اسلامی علوم وافکار کی اشاعت میں بھی حصہ لیا۔ اسلام کی تبلیغ اور عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے مناظرے کئے اور اسلام کے دفاع کی بہترین خدمات انجام دیں۔ اس کے اساتذہ اور طلبہ نے خصوصًا حضرت مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم نے ملک کی آزادی کے لئے بھی مسلسل کام کیا اور کئی بار جیل گئے۔ مدرسہ مسلمانوں کی اصلاح اور ملک کی تحریک آزادی کا دہلی میں ایک مرکز تھا۔ مدرسہ کی خصوصیات کے ضمن میں اس کی فتویٰ نویسی کی خدمت وامتیاز کا نہ صرف پورے ہندوستان میں بلکہ ایشیا اور افریقہ کے دور ودراز ممالک تک شہرہ پہنچ چکا تھا۔ اس کے تلامذہ دنیا کے تقریبًا تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

دارالعلوم خلیلیہ برکاتیہ، ٹونک اس مدرسے کی بنیاد علامہ سید برکات احمد ٹونکی نے ۱۹۰۱ء میں ڈالی، ابتداً یہ مدرسہ علامہ کے وسیع دولت خانے کے ایک حصے میں تھا، جب طلبہ کی کثرت ہوئی تو ایک صاحب خیر کی وقف کردہ ایک وسیع عمارت میں منتقل ہوگیا، اس مدرسے میں علامہ سید برکات احمد کے علاوہ وقت کے مشہور فضلا درس دیتے تھے، اس کے مستفیدین میں مولانا معین الدین اجمیری، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالقدیر بدایونی (مفتی اعظم حیدرآباد) مولانا محمد شریف مبارک پوری، مولانا حکیم سید محمد احمد، شفاء الملک حکیم نظام الدین، وغیرہ متعدد مشاہیر اطبار وعلما تھے، اس مدرسے کی تخصیص، منقولات وکلام وتصوف وطب وغیرہ میں تھی، تقسیم تک اس مدرسے پر عہد شباب رہا۔

(حکیم سید محمود احمد برکاتی)

مدرسہ دارالہدیٰ ٹھیڑی

سندھ کے دینی مدارس کی تاریخ میں چند مدرسے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے سندھ کی نہ صرف مذہبی اور اخلاقی زندگی کو متاثر کیا، بلکہ یہاں کی علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی زندگی کو بھی سب سے زیادہ متاثر کیا۔ ان چار مدرسوں میں پہلا مدرسہ نور محمدیہ شہداد کوٹ ہے جو بعد میں مدرسہ حمادیہ کے نام سے مشہور ہوا، دوسرا مدرسہ مظہر العلوم کراچی، تیسرا مدرسہ دارالرشاد گوٹھ پیر جھنڈا (حیدرآباد) ہے اور چوتھا مدرسہ جامعہ دینیہ دارالہدیٰ ہے۔ بلاشبہ سندھ کے اور مدارس بھی ہیں جنھوں نے سندھ میں علوم دینی کی شمعیں جلائیں اور اخلاق و تہذیب کے چراغ روشن کیے۔ سندھ کی ذہنی و فکری تربیت میں ان مدارس کی خدمات کو بھی یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ خاص طور پر مدرسہ دارالفیوض الہاشمیہ سجاول کی خدمات شاندار ہیں۔

مدرسہ دارالہدیٰ سنہ ۱۹۱۱ء میں قاضی عبداللہؒ نے ٹھیڑی (ریاست خیرپور) میں قائم کیا تھا۔ قاضی صاحب مرحوم روحانی پیشوا ہونے کے ساتھ دنیوی و سیاسی رہنما بھی تھے وہ اپنے وقت میں بلاتفریق مذہب و ملت مرجع خلائق تھے۔ اس پورے علاقے میں انھیں دینی و دنیوی ہر دو اعتبار سے مرکزیت اور مرجعیت کا مقام حاصل تھا۔ مدرسہ کا قیام ایسے متبرک ہاتھوں سے اور قبولیت کے وقت رکھا گیا تھا کہ نصف صدی سے زیادہ مدت گزر چکی ہے لیکن اس کی فیض رسانی کا عالم ہنوز جاری ہے اور ایک دنیا اس سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ مدرسہ کے مدرس اول مولانا محمد لغاری تھے جو اس سے قبل کئی سال تک مدرسہ دارالرشاد گوٹھ پیر جھنڈا میں فرائض تدریس انجام دے چکے تھے اور اس وقت تک ان کے مدرسانہ کمالات اور درس کی خوبیوں کا چرچا سندھ و پنجاب اور بلوچستان سے سرحد تک پھیل چکا تھا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں مدرسہ کی طرف طلبہ کا رجوع بڑھ گیا اور مدرسہ ابتدائی حالت سے نکل کر بہت ترقی کر گیا۔ انھوں نے کئی سال مسند درس و تدریس کو رونق بخشی، ان کے پنجاب چلے جانے کے بعد مولانا حماد اللہ (ہالیجی) نے بزم درس و تدریس آراستہ کی۔ مولانا حماد اللہ مرحوم بھی اپنے وقت کے زبردست عالم دین اور مذہبی رہنما تھے مرحوم کے بعد مولانا حبیب اللہ صدر مدرس ہوئے۔ مولانا حبیب اللہ قاضی عبداللہ علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ان کی تعلیم میں مولانا حماد اللہ نے خصوصی توجہ فرمائی تھی۔ انھوں نے مدرسہ دارالرشاد گوٹھ پیر جھنڈا سے بھی سند فراغت حاصل کی تھی اور کچھ دنوں تک فرائض تدریس انجام دینے کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری سے سند حدیث حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں قاضی عبداللہ علیہ الرحمہ کا انتقال ہو گیا تو اہتمام کی ذمہ داریاں بھی مولانا حبیب اللہ کو اٹھانی پڑیں۔ ان کے چچا زاد بھائی مولانا عزیز اللہ کو جو آج کل مدرسہ کے صدر مہتمم ہیں۔ اس زمانے میں مدرس مقرر کیا گیا۔ مولانا عزیز اللہ نے ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ میں مولانا حماد اللہ اور اپنے بھائی سے حاصل کی۔ پھر وہ بھی گوٹھ پیر جھنڈا کے مدرسہ میں چلے گئے اور وہاں سے سند فراغت حاصل کی۔ بعد میں دارالعلوم دیوبند گئے اور حضرت شیخ الاسلام نے مولانا حسین احمد مدنی سے شرف تلمذ حاصل کیا اور سند حدیث حاصل کی، اور علوم کی تکمیل کی۔

اگرچہ مدرسہ کی علمی و تعلیمی ساکھ مولانا محمد لغاری اور مولانا حماد اللہ کے زمانے میں قائم ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے عروج کا زمانہ ۱۹۲۲ء سے شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب مولانا حبیب اللہ نے مسند درس و تدریس کو رونق بخشی تھی۔ اس زمانے میں مدرسہ کی شہرت نہ صرف سندھ و پنجاب اور بلوچستان و سرحد تک پھیل گئی، بلکہ ایران و افغانستان تک اس کے علمی و تعلیمی معیار کا شہرہ پہنچ گیا اور وہاں کے طلبہ بھی اس مدرسہ کا رخ کرنے لگے۔ اس زمانے میں مدرسہ کے تعلیمی نظام کو از سر نو مرتب کیا گیا۔ اور فارسی، اردو و قرآن کے حفظ و ناظرہ کے درجات، سندھی کی پرائمری کے درجات کی تعلیم کے لئے الگ الگ اساتذہ مقرر کئے گئے اور اسلامی علوم و فنون کی اعلیٰ کتابوں کی تدریس شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ کے علاوہ چند

دوسرے اساتذہ کے سپرد رہی۔ ۱۹۳۸ء میں مولانا محمد لغاری دوبارہ دارالہدیٰ میں تشریف لے آئے اور مجلس درس آراستہ کی اور اس کے بعد کئی سال تک خدمات درس و تدریس انجام دیتے رہے۔ مدرسہ کا یہ دور جو مولانا حبیب اللہ کی تدریس کے آغاز (تقریباً ۱۹۲۲ء) سے شروع ہوا تھا ــ دسمبر ۱۹۵۸ء میں ان کے انتقال پر ختم ہوا ـــ ان کے انتقال کے بعد اہتمام کی ذمہ داریاں مرحوم کے صاحبزادے مولانا فضل اللہ شہید کے سپرد کی گئیں۔ مولانا شہید اسی مدرسہ کے نامور تلامذہ میں سے تھے اور اپنی ذہنی و فکری اور علمی و عملی صلاحیتوں کی بنا پر امتیاز رکھتے تھے۔ افسوس کہ جون ۱۹۷۱ء میں انھیں ظالموں نے شہید کر دیا ان کی شہادت کے بعد مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داریاں ان کے بھائی مولانا عبداللہ کو سونپی گئیں۔ مولانا عبداللہ مدرسہ ہذا کے فیض یافتہ ہیں۔ آج کل مدرسہ انھیں کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ مولانا حبیب اللہ کے انتقال کے بعد مولانا عزیز اللہ شیخ الحدیث بنائے گئے۔ انھوں نے نہایت قابلیت کے ساتھ اپنے منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کیا اور اپنے علم و فضل، نظر و تبحر اور کمال درس و تدریس کا تلامذہ، اہلِ علم اور عام مسلمانوں کے دلوں پر سکہ بٹھا دیا۔

مدرسہ میں جو موجودہ اساتذہ ہیں وہ اپنے فرائض تدریس کی ادائیگی کے ساتھ مسلمانوں کی اصلاح و تربیت اسلام کی تبلیغ و اشاعت، تحریر و تقریر کے ذریعہ اصلاح حالات کی کوششوں میں بھی مصروف رہتے ہیں۔ مدرسہ سے ہر سال ۷۰، ۷۵ طلبہ فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں اور یہ سلسلہ گزشتہ نصف صدی سے جاری ہے۔ اس مدت میں کم از کم دو ڈھائی ہزار طلبہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے نکلے ہوں گے۔ انھوں نے زندگی کے مختلف میدانوں کو اپنی تگ و دو کی جولاں گاہ بنایا اور اپنے علم و عمل، اخلاق و سیرت سے زندگی کو متاثر کیا۔

اس وقت خیرپور، سکھر، نواب شاہ کے اضلاع میں ایسے بیسیوں مدارس دینیہ خدمات انجام دے رہے ہیں جو مدرسہ ہذا کے تلامذہ و فیض یافتگان نے قائم کئے ہیں اور مدرسہ دارالہدیٰ کی شاخوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علم دین کی اشاعت، تبلیغ اسلام، اصلاح مسلمین، تربیت اخلاق، تہذیب نفس کے سلسلے میں مدرسہ دارالہدیٰ اور اس کے فیض یافتگان کی خدمات کا اعتراف پاکستان اور ہندوستان کے بہت سے مشاہیر و اکابر نے کیا ہے۔ مدرسہ دارالہدیٰ نے سندھ کی تعلیمی و تہذیبی تاریخ میں اپنی ایک مستقل جگہ پیدا کر لی ہے سندھ کی تعلیمی و تہذیبی تاریخ کا مورخ اس کی خدمات کا تذکرہ کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکے گا۔

مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ۔ دہلی

مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے حالات میں نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی اور مدرسہ دارالرشاد گوٹھ پیر جھنڈا (ضلع حیدرآباد سندھ) کا ذکر آتا ہے۔ ان دونوں مدرسوں کے بارے میں چونکہ بہت کم حالات ملتے ہیں مفصل طور پر آج تک ان پر مضامین لکھے ہی نہیں گئے اور اب تو یہ مدرسے ماضی کی داستان بن چکے ہیں۔ اس لئے ان مدارس کا ذکر اور ان کے دینی کارنامے اور تاریخی حیثیت و کردار کا تذکرہ مطالعہ افادیت سے خالی نہ ہوگا۔ نظارۃ المعارف کا قیام ۱۹۱۳ء میں عمل میں آیا تھا۔ مولانا عبیداللہ سندھی اس سے قبل تقریباً چار سال تک دیوبند میں مقیم رہے تھے اور حضرت شیخ الہند کی ہدایت کے مطابق سیاسی کام کرتے رہے تھے۔ لیکن مختلف اسباب کی بنا پر بعض حضرات کو ان کا دیوبند میں رہنا اور سیاسی کام کرنا گوارا نہ تھا۔ انھوں نے ایک مسئلے میں مولانا سندھی کے اختلاف کو بہانا بنا کر بات کو اس حد تک طول دیدیا کہ دیوبند میں ان کا رہنا مشکل ہوگیا۔ حضرت شیخ الہند نے دہلی کے میدان عمل کی طرف ان کی رہنمائی کردی۔ چنانچہ مولانا سندھی نے دہلی میں رہ کر اپنا کام شروع کردیا۔ مولانا سندھی لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا۔ ۱۳۳۱ھ میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ اس کی سرپرستی میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم اجمل خاں اور نواب وقارالملک ایک ہی طرح پر شریک تھے۔ حضرت شیخ الہند نے جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا تھا۔ اسی طرح دہلی بھیج کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے دہلی تشریف لائے اور ڈاکٹر انصاری سے میرا تعارف

کرایا اور ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی مرحوم سے ملایا۔ اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانانِ ہند کی اعلیٰ سیاسی طاقت سے واقف رہا۔"

اس مدرسہ میں مولانا سندھی مرحوم کے ساتھ مولانا سیف الرحمان پشاور کے ایک عالم دین بھی تھے۔ بلکہ مدرسہ کے صدر مدرس وہی تھے۔ مولانا سندھی کے ذمے انگریزی تعلیم یافتہ اور عربی کے فارغ شدہ طلبہ اور پڑھے لکھے نوجوانوں کی سیاسی تعلیم و تربیت تھی۔ لیکن اس کا اسلوب یہ تھا کہ وہ قرآن حکیم پڑھاتے تھے اور درس کے دوران میں اس کی وضاحت تشریح اور تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہ کی فکر کے مطابق انقلابی اور سیاسی تعلیم دیتے جاتے تھے۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی خود نوشت نقش حیات میں اس مدرسہ اور اس کی تعلیم کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "مولانا عبید اللہ صاحب حضرت (شیخ الہند) رحمۃ اللہ علیہ کے خاص فدائی اور نومسلم شاگرد تھے۔ عرصہ دراز تک خدمت میں رہے تھے۔ سمجھ اور حافظہ نہایت اعلیٰ پیمانے کا اور ہمت و استقلال قدرت نے بے نظیر عطا فرمایا تھا۔ اس زمانے (۱۹۱۵ء) میں دہلی میں مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ میں تعلیمی کام کرتے تھے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی تعلیم سے نوجوانانِ اسلام کے عقائد اور خیالات پر جو بے دینی اور الحاد کا زہریلا اثر پڑتا ہے۔ اس کو زائل کیا جائے اور قرآن کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ ان کے شکوک و شبہات دینِ اسلام سے دور ہو جائیں اور وہ سچے اور پکے مسلمان بن جائیں۔"

۱۹۱۵ء کے شروع میں مولانا سندھی حضرت شیخ الہند کے حکم سے کابل جانے کے لئے سندھ چلے گئے۔ پھر اکتوبر ۱۹۱۵ء میں کابل ہجرت فرمائی۔ مدرسہ نظارۃ المعارف ان کی عدم موجودگی میں بھی جاری رہا۔ ان کی جگہ مولانا احمد علی لاہوری درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ لیکن جب ۱۹۱۶ء کے اواخر میں ریشمی رومال کی تحریک کے

سلسلے میں ملک گیر پیمانے پر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا تو تقریباً وہ تمام حضرات گرفتار کرلئے گئے جن کا تعلق مولانا سندھی سے یا حضرت شیخ الہند سے تھا۔ ان میں سے بعض کو نظر بند کردیا گیا۔ بعض کے پیچھے سی۔ آئی۔ ڈی لگا دی گئی۔ اس موقع پر مولانا احمد علی کو دہلی سے گرفتار کرلیا گیا۔ ان کا تعلق دونوں اکابر سے تھا۔ حضرت شیخ الہند کے وہ شاگرد تھے اور مولانا سندھی کے سیاسی رفیق اور نظارۃ المعارف میں ان کے جانشین بھی۔ مولانا لاہوری کی گرفتاری کے بعد مدرسہ جاری نہیں رہ سکا یا کم از کم اس کے قیام کی وہ اسپرٹ باقی نہیں جس کے لئے مدرسہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔

اس زمانے میں مولانا سندھی مرحوم نے قرآن حکیم کی انقلابی فکر پر مبنی تحریک استخلاص وطن کے سلسلے دو چھوٹے چھوٹے رسالے بھی لکھے تھے۔ یہ دونوں رسالے برٹش حکومت نے ضبط کرلئے تھے۔ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور انھیں اشتعال انگیز اور سخت خطرناک قرار دیا ہے۔

نظارۃ المعارف پر مضمون نہ صرف لکھا جاچکا تھا بلکہ تمام مواد طباعت کے لئے پریس کے حوالے کیا جارہا تھا کہ "ریشمی خطوط سازش کیس" کے مطالعے کا موقع ملا۔ اس سے مدرسہ کے قیام کی تاریخ، مقصد اس کے بانیوں، ہمدردوں اور اس کے خاتمے کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں سے بعض ایسی باتیں بھی ہیں جن کا علم اس سازش کیس کے کاغذات کے سوا کسی اور ماخذ سے نہیں ہوتا۔ ان کاغذات میں اس مدرسے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

نظارۃ المعارف القرآنیہ۔ دلی ایک مشہور ادارہ ہے جسے مولانا عبیداللہ نے جمعیۃ الانصار دیوبند سے رابطہ منقطع کرنے کے بعد یکم نومبر ۱۹۱۳ء کو قائم کیا تھا۔ نظارۃ المعارف کا ظاہری مقصد یہ تھا کہ وہ انگریزی خواں مسلمانوں میں عربی تعلیم کا شوق پیدا کرے لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کو مشنری کی ٹریننگ دینے کا ادارہ تھا اور ان کے ذہن میں سخت متعصبانہ خیالات پیدا کرتا تھا۔ اس کام میں عبیداللہ کے خاص ساتھی، مولانا احمد علی، قاضی ضیاء الدین ایم،

اے، اصطفیٰ کریم بی۔اے، انیس احمد بی۔اے وغیرہ تھے۔جب کہ مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، محمد علی آف کامریڈ، مرحوم شبلی نعمانی، نواب مشتاق حسین وغیرہ اس کے پرجوش ہمدرد تھے۔مصارف دوسو روپے مہینے کی دربار بھوپال کی امداد، ڈاکٹر انصاری کا پچاس روپے ماہانہ کا چندہ اور سفیروں کے ذریعے جمع ہونے والی رقوم سے پورے ہوتے تھے۔ ۱۹۱۴ء میں تجویز تھی کہ نظارہ کو کلکتہ کے دارالرشاد میں ضم کردیا جائے لیکن بعد میں اسے رد کردیا گیا تھا۔حال میں نظارہ کو اتحاد اسلامی کے منصوبوں کی تیاری کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔نیز آزاد علاقہ کو جانے والے اور وہاں سے واپس آنے والوں کے لئے قیام گاہ کا کام دیتا ہے۔عبیداللہ کے فرار کابل کے بعد مولانا احمد علی نے کچھ دنوں تک اس ادارے کا انتظام چلایا۔۲۵ رجون ۱۹۱۶ء سے اس کا وجود ختم ہوگیا۔

ریشمی خطوط سازش کے ریکارڈ سے ایسے متعدد اشخاص کے نام اور ان کی سیاسی دملی خدمات پر بھی روشنی پڑتی ہے جو نظارۃ المعارف سے کسی حیثیت سے وابستہ رہے۔ ان حضرات میں سے شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کا نام سرفہرست ہے۔پہلے کچھ دن تک نظارہ کے طالب علم رہے۔پھر استاد مقرر ہوئے اور پھر اس کے نائب ناظم ہوئے۔ سندھ کے مشہور دینی رہنما پیر اسداللہ شاہ نظارہ کے طالب علم رہ چکے تھے۔اصطفیٰ کریم لکھنؤ کے ایک باشندے مولانا سندھی کے خاص اعتماد کے شخص تھے یہ بھی نظارہ کے طلبہ رہے تھے۔انیس احمد بی اے جن کا نام حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کے بعض مصائب کے سلسلے میں اکثر آیا، اس مدرسے کے طالب علم بھی رہ چکے تھے۔بعد میں علی گڑھ میں پروفیسر ہوگئے تھے۔ مولوی فضل الرحمٰن، مولانا سیف الرحمٰن کے بھتیجے تھے۔ نظارہ کے طالب علم تھے۔بعد میں وہ اسی مدرسہ میں استاد بھی ہوگئے تھے، مولوی صادق احمد عرف مولوی شائق بھاگلپور کے باشندے کو نظارہ میں مولانا عبیداللہ سندھی کا ساتھی بتایا گیا ہے، شاید یہ بھی استاد تھے۔چکوال ضلع جہلم کے قاضی ضیاءالدین ایم اے نظارہ میں استاد تھے۔مولوی مظہرالدین (شیرکوٹی ضلع بجنور) کو نظارہ کا سفیر مقرر کیا گیا تھا۔

مدرسہ دارالرشاد کلکتہ

مدرسہ دارالرشاد۔ کلکتہ

دارالرشاد کلکتہ کا ایک اہم دینی، فکری اور تربیتی ادارہ تھا۔ البلاغ کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کے قیام کی ضرورت اور مقاصد کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی تھی اور اس کے لئے قطعہ زمین کے حصول اور درس گاہ و مسجد کی تعمیر کی خبر بھی دی تھی۔ اس کے بارے میں معلومات کا دوسرا ماخذ البلاغ کے علاوہ مولانا کے خطوط تھے۔ لیکن اس ادارے پر مضمون خود لکھنے کا ارادہ تھا لیکن جب بعد میں دوسرے مضامین لکھنے کی ذمہ داری بھی آپڑی تو اس کا خیال ذہن سے نکل گیا۔ اب جب کہ یہ پرچہ پریس کو جارہا تھا "ریشمی خطوط سازش کیس" کی دستاویزات جن کا ترجمہ دہلی سے مولانا محمد میاں مرحوم نے شائع کردیا ہے، دیکھنے کا اتفاق ہوا، چونکہ اس سے مدرسہ کی ملی خدمات کے ایک پہلو پر روشنی پڑتی ہے، اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ مدرسہ پر ریشمی خطوط سازش کیس کی دستاویز میں جو نوٹ ہے اسے یہاں شامل کرلیا جائے۔

مذکورہ سازش کیس کی دستاویز میں اس مدرسہ کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے:

دارالرشاد (الہیات کا مدرسہ)

مولانا ابوالکلام آزاد نے سنہ ۱۹۱۵ء میں کلکتہ میں قائم کیا۔ دیکھنے میں بظاہر یہ ایک تعلیمی ادارہ ہے جو قرآن و حدیث کی ہدایات کے عین مطابق چلایا جاتا ہے۔ لیکن شرائط داخلہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقوف علم کے علاوہ اتحاد اسلامی کا فروغ اس کالج کا مقصد ہے۔ اس میں داخلے کی بعض شرائط آرایند اگھوش کے مانک ٹولہ گارڈن گیتا اسکول کی شرائط سے ملتی جلتی ہیں۔ کالج میں داخلہ تمام میٹرک پاس، انڈر گریجویٹ مسلمانوں کے لئے کھلا ہے تمام طلبہ پر چھ ماہ کی ٹریننگ کا کورس پورا کرنے کی پابندی ہے۔ اس کے بعد وہ آزاد ہیں

چاہے دارالرشاد کے مقاصد کے لئے کام کریں یا کوئی پیشہ خود اختیار کر لیں۔"

مدرسہ کا دائرۂ اثر کلکتہ سے لے کر سندھ اور پنجاب تک پھیلا ہوا تھا۔ ریشمی خطوط سازش کیس کی رپورٹ میں بعض حضرات کے نام بھی دیئے گئے ہیں جو مدرسہ کے طالب علم رہے تھے۔ رپورٹ میں درج ہے کہ

"مولوی محی الدین قصوری، عرف برکت علی ولد مولوی عبدالقادر پلیڈر قصور، محمد حسین زماں آف گوجرانوالہ، جواب ٹریفک منیجر نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور کے دفتر میں کلرک ہے، ضلع سیالکوٹ کا محمد اکبر اور محمد یونس پسر شیخ محمد یوسف آف گجرات دارالرشاد و کلکتہ کے طالب رہے:"

جہاں تک میرے علم میں ہے خواجہ عبدالحی فاروقی اور مستری محمد صدیق (آف کپورتھلہ) بھی اس مدرسہ میں مولانا آزاد کے زیر تربیت رہ چکے تھے اور مولانا کے درس قرآن اور افکار اسلامی سے استفادہ کر چکے تھے۔ البتہ مولوی مظہر الدین شیرکوٹی (ضلع بجنور) کے بارے میں اس سازش کیس کے کاغذ سے معلوم ہوا کہ وہ دارالرشاد میں استاد رہ چکے تھے۔

اپریل ۱۹۱۶ء میں ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت مولانا آزاد کو کلکتہ سے خارج البلد کر دیا گیا۔ یو۔پی، پنجاب کی حکومتیں پہلے ہی اپنی حدود میں مولانا کے داخلہ کو ممنوع قرار دے چکی تھیں۔ مولانا بہار کے ایک مقام رانچی میں جا کر مقیم ہو گئے۔ چند دن کے بعد وہیں انھیں نظر بند کر دیا گیا۔ اس طرح صوبہ بہار میں بھی ان کی نقل و حرکت کی آزادی کو سلب کر لیا گیا۔ اس کے بعد مدرسہ کو جاری رکھنے اور اسے چلانے کی کوئی صورت نہ تھی، چنانچہ مدرسہ بند ہو گیا۔ ریشمی خطوط سازش کیس میں اس کی بندش کی یہی وجہ بیان کی گئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں

"ڈیفنس ایکٹ کے تحت کلکتہ سے مولانا ابو الکلام آزاد کے اخراج کے بعد سے غالباً یہ ادارہ بند ہے۔"

مولوی عبدالرحمٰن اصلاحی

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر

(اعظم گڑھ)

تاریخی حالات، مقاصد، علمی اور سماجی کارنامے

آخری زمانے میں جب دلی میں تیموریوں کا چراغ گل ہورہا تھا۔ رشد و ہدایت کا ایک نیا آفتاب طلوع ہوا، جس کی روشنی سے سارا ہندوستان جگمگا اٹھا اور دلوں میں علم و فن کی خدمت کے ساتھ تجدید و احیائے دین کا نیا ولولہ پیدا ہوا۔ مفکر اسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے نامور فرزندوں کے دم قدم سے نئی رونق پیدا ہوئی۔ اور وقت آیا کہ ہندوستان میں اسلام کا چہرہ ان تمام بدعات و خرافات سے پاک ہو جو جہالت اور غیر قوموں کے میل جول سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس خانوادۂ علمی کے تربیت یافتہ بزرگوں میں سے حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے نامور خلفا نے مسلمانوں میں مراسم شرک، غیر شرعی رسم و رواج اور بدعات کے مٹانے میں جو ان تھک جدوجہد کی وہ تاریخ کے ناقابل فراموش کارنامے ہیں۔ ان بزرگوں کے خلفا اور شاگردوں کے شاگرد سارے ملک میں پھیل رہے تھے۔ جس سے پورب کا خطہ بھی خاص طور سے متاثر ہوا۔ مولانا اسمٰعیل شہید کے شاگرد رشید مولانا سخاوت علی جونپوری کی ذات بابرکات نے پورب کے خطہ میں بڑا فیض پہنچایا۔ نہ صرف سیکڑوں علما ان کے حلقۂ درس سے کامل ہو کر نکلے بلکہ انھوں نے دور دور تک دین کی ترویج و اشاعت اور مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح میں نمایاں حصہ لیا۔ اور دین کو حیات تازہ بخشی۔

انجمن اصلاح المسلمین کا قیام | اس بابرکت فیض سے ضلع اعظم گڑھ کے مسلمانوں میں بھی عربی تعلیم کے ساتھ دینی اصلاح کا جذبہ ابھرا۔ مولانا سخاوت علی جونپوری کے شاگرد مولانا فیض اللہ اعظم گڈھی تھے اور انھیں کے

شاگرد رشید ابوالبرکات مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جنھوں نے اس دیار میں ۱۳۲۴ھ مطابق سنہ ۱۹۰۶ء میں انجمن اصلاح المسلمین کی بناڈالی۔ مولانا محمد شفیع نیکی و تقویٰ کے مجسمہ تھے۔ ہر کام میں اتباع سنت کا لحاظ رکھتے۔ ان کی شخصیت میں خاص کشش اور محبوبیت تھی۔ بزرگوں میں سے حضرت سید احمد شہید اور اُن کے خلفاء سے خاص عقیدت تھی، اسی خاندان کے ایک بزرگ مولانا سید محمد امین صاحب نصیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت ارادت رکھتے تھے۔ ہر چیز کی اہمیت اسی تناسب سے سمجھتے جس تناسب کو فطرت نے قائم کردیا ہے۔ نہایت سلیم الطبع، حلیم اور بردبار تھے۔ بے اعتدالی بے جا عصبیت سے آپ کی طبیعت کو کوئی مناسبت نہ تھی، فقہی مسائل میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مسلک اعتدال کے قائل تھے۔ اس لئے جب انھوں نے اصلاح المسلمین کی تحریک شروع کی تو علمائے احناف اور علمائے اہلِ حدیث دونوں ان کے ساتھ ہوگئے فضلائے دیوبند اور علمائے ندوہ کی اچھی خاصی تعداد اُن کے گرد جمع ہوگئی۔ نئے تعلیم یافتہ حضرات نے بھی دست تعاون بڑھایا۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ مسلمان فروعی مسائل میں رواداری سے کام لیں، بنیادی عقائد کو زیادہ اہمیت دیں، چنانچہ اس انجمن کے مقاصد میں عقائد کی اصلاح، معاشرتی سدھار، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور مسلمانوں کی اخلاقی و عملی تربیت کو زیادہ اہمیت دی گئی۔

انجمن اصلاح المسلمین کے کارکنوں نے سب سے پہلا قدم دیہاتی مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کے لئے اٹھایا۔ گاؤں گاؤں میں تنظیمیں قائم کی گئیں۔ شادی بیاہ کی مسرفانہ اور غیر شرعی رسوم کے مٹانے کی کوشش کی گئی۔ بدعات و منکرات کے ازالہ کی تدبیریں کی گئیں۔ مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی تربیت کے سامان فراہم کئے گئے۔ اس کے سالانہ جلسے نہایت شان دار پیمانے پر ہوا کرتے تھے۔ اس زمانے کے مشاہیر علماء میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ مولانا عبدالحق حقانیؒ۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ۔ مولانا سید محمد امین صاحب نصیرآبادیؒ۔ مولانا عبدالشکور لکھنویؒ مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ مولانا ابوبکر شیث فاروقیؒ وغیرہ نے اس کے

سالانہ جلسوں میں شرکت کی۔ اس انجمن کے قیام نے نہ صرف اس علاقے کے مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بلکہ اس کے مخلص کارکنوں کی جدوجہد نے علمی و دینی بیداری کی نئی لہر دوڑا دی، چند ہی دنوں میں دینی درس گاہ قائم کرنے کے لئے فضا ہموار ہو گئی۔

مدرسۃ الاصلاح کی تاسیس

چنانچہ ۱۳۲۶ھ کے موسم بہار میں انجمن اصلاح المسلمین کے روح رواں مولانا محمد شفیع صاحبؒ کے مبارک ہاتھوں سے قصبہ سرائے میر کے قریب ایک چٹیل میدان میں مدرسۃ الاصلاح کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اسٹیشن کے پاس ۲۴ بیگھہ کی ایک زمین پسند کی گئی۔ یہ زمین موضع کھرلیاں اور قصبہ سرائے میر کے چند زمینداروں کی تھی انھوں نے بخوشی اس نیک کام کے لئے وقف کردی، اسی زمین پر پہلے چبوترہ اور چھپر ڈال دیا گیا۔ اور پھر بعد میں مختلف عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ اور مزید زمینوں کے عطیات حاصل ہوئے۔

اس مدرسہ کے سب سے پہلے استاد حافظ عبدالحیؒ صاحب مرحوم سرائمیری تھے. اسی زمانہ میں مولانا محمد شفیع صاحب کے شاگرد مولانا عبدالاحد صاحب ساکن منیجبوٹی جنھوں نے بعد میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ جونپور کے ایک مدرسہ میں درس دیا کرتے تھے۔ وہ کسی سبب سے مدرسہ چھوڑ کر اپنے گاؤں میں آ گئے۔ ان کے ساتھ کچھ طلبہ بھی آئے۔ جن کو وہ اپنے گاؤں میں بیٹھ کر پڑھانے لگے۔ مدرسہ کے کارکنوں نے موقع غنیمت سمجھ کر انھیں بلالیا۔ چند ہی دنوں میں ابتدائی درجے سے لے کر متوسطات تک کی تعلیم ہونے لگی۔ فضلائے دیوبند میں سے مولانا زین العابدین اعظمی ثم بستوی۔ مولانا محمد شبلی ندوی اور مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری بھی مدرسہ میں آ گئے۔ علمائے اہل حدیث میں سے حکیم محمد احمد لہروی اور مولانا عبدالرحمٰن بہاری بھی تشریف لائے۔ پھر مدرسہ والوں نے احادیث کی تعلیم کا اہتمام کیا۔ اسی زمانے میں دیوبند کے مقدس بزرگ حضرت میاں سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ جونپور کی اٹالہ مسجد میں تعلیم دیا کرتے تھے۔ مدرسہ پر بلائے گئے او

انھیں کے ذریعہ بخاری شریف کے درس کا افتتاح ہوا۔ سب سے پہلے صدر مدرس مولانا عبدالرحمٰن بہاری تھے۔ مولانا فیض الحسن میرٹھی ایک خوش بیان واعظ نے چند سال رہ کر مدرسہ کے لیے سرمایہ فراہم کیا اور کئی عمارتیں بنوائیں۔

مولانا شبلی نعمانی کی سرپرستی

مولانا شبلی نعمانی اعظم گڑھ کے مسلمانوں کی اسی برادری کے ایک فرد تھے جنھوں نے مدرستہ الاصلاح قائم کیا تھا۔

مدرستہ الاصلاح کے کارکنوں نے محسوس کیا کہ مولانا کے علم و تجربہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ پہلے مولانا کو جلسوں میں شرکت کی دعوت دی گئی اور پھر انھیں آمادہ کیا گیا کہ وہ اُن کی سرپرستی بھی قبول فرما لیں۔

مولانا شبلی اسی زمانے میں ندوۃ العلماء میں عربی کے قدیم نصاب تعلیم میں اصلاح کے لئے کوشاں تھے۔ مدرسہ کے کارکنوں نے مولانا کی تحریک کی ہم نوائی کی اور مولانا کے نظریات سے اتفاق کیا۔ مولانا شبلی نے ان کے رجحان کو دیکھ کر مدرستہ الاصلاح کی طرف توجہ کی اور دھیرے دھیرے ان کی دلچسپی اس قدر بڑھی کہ مدرسہ کے سرپرست قرار پائے۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی "حیات شبلی" میں لکھتے ہیں۔

> "مدرسہ کی تحریک اور بنیاد تک میں مولانا کا ہاتھ نہ تھا۔ لیکن جوں ہی اس نے برگ و بار پیدا کیا۔ برادری کی ایک نیک تحریک کے خیال سے مولانا نے اس کی سرپرستی قبول کر لی۔"

مولانا شبلی ندوۃ العلماء کے اندر جس قسم کی تعلیمی اصلاح کے لئے جدوجہد فرما رہے تھے اس کے لئے مدرستہ الاصلاح کی فضا سازگار معلوم ہوئی چنانچہ انھوں نے اس کے ابتدائی اغراض و مقاصد اور طریقۂ کار کا اجمالی خاکہ تیار کیا اور کوشش شروع کی کہ یہ مدرسہ بھی ان کے مطلوبہ معیار کے مطابق ہو جائے۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

"اس زمانے میں مولانا پر آریوں کے حملوں کی وجہ سے اشاعت و حفاظت اسلام

کی تحریک بالکل چھائی ہوئی تھی۔ اور آریوں کے گروکل کی سادگی اور مذہبی خدمات کے لئے ان کی تیاری کے قصوں سے بہت متاثر تھے۔ اور چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں بھی کوئی جماعت یا درس گاہ اسی اصول پر قائم کی جائے۔ یہ مدرسہ جو بالکل دیہات میں قائم تھا اس کام کے لئے ان کو بہت موزوں نظر آیا۔ ۲۹ راپریل ۱۹۱۰ء کو مولوی حمیدالدین صاحب کو لکھا۔

"کیا تم چند روز سرائے میر کے مدرسہ میں قیام کرسکتے ہو؟ میں بھی شاید آؤں اور اس کا نظم ونسق درست کر دیا جائے۔ اس کو گروکل کے طور پر خالص مذہبی مدرسہ بنانا چاہیئے۔ یعنی سادہ زندگی، قناعت، اور مذہبی خدمت مطمح زندگی ہو۔" (حمید ص۵)

۱۹۱۲ء میں مولانا نے اس کے انتظامی جلسوں میں شرکت فرمائی۔ ۱۹۱۳ء میں جب مولانا نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی معتمدی سے سبک دوشی حاصل کی تو مدرسہ سرائے میر کی طرف مزید توجہ فرمائی۔ مدرسہ کے بانی مولوی محمد شفیع تھے اور مدرسہ کا انتظام بھی انھیں کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن وہ چاہتے تھے کہ نظامت کی ذمہ داری کلیتہً یا جزوًا کوئی اور اٹھائے۔ مولانا حمیدالدین نے اس کے لئے علامہ شبلی سے درخواست کی۔ لیکن انھوں نے ضعف ودل شکستگی کی بنا پر یہ ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا، البتہ امکانی مدد کا وعدہ کیا۔ انھوں نے مولانا مسعود علی ندوی کو اس پر آمادہ کیا، اور وہ بطور تجربہ ابتداً چھ ماہ سرائے میر میں قیام اور مدرسہ کے انتظام کو اپنے ہاتھ میں لینے پر آمادہ بھی ہو گئے تھے۔ لیکن جب وہ مولانا شبلی کے پاس پہنچے تو یہ ان کے آخری ایام تھے۔ چند ہی دن میں شبلی کا انتقال ہو گیا۔ لیکن مولانا حمیدالدین فراہی اور سید سلیمان ندوی جو مولانا شبلی کی خواہش سے واقف تھے اور اب وہ مدرسہ کی مجلس انتظامی کے رکن بھی تھے۔ ان کی رائے سے مولانا مسعود علی ندوی کو ۱۹۱۵ء میں ناظم مدرسہ مولوی محمد شفیع صاحب کا معاون مقرر کر دیا گیا۔ لیکن وہ دارالمصنفین کی روز افزوں مصروفیات کی بنا پر زیادہ دنوں تک اس ذمہ داری کو نبھا نہ سکے۔

جب مولوی مسعود علی صاحب مدرسہ کے انتظامی امور سے الگ ہوئے تو اُسی وقت

مدرسہ کی مجلس انتظامیہ نے مولانا حمیدالدین فراہی کو ناظم منتخب کر لیا۔ چنانچہ انھوں نے دارالعلوم حیدر آباد کی پرنسپلی سے استعفا دیا۔ اور ۱۹۱۸ء سے باقاعدہ مدرسہ کی نظامت سنبھال لی۔

مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری علامہ مرحوم کے ایک لائق اور ہم نام شاگرد مولانا شبلی متکلم ندوی کے سپرد ہوئی تھی۔ مولانا شبلی متکلم کے اہتمام میں مدرسہ کے تعلیمی ڈھانچہ میں کافی تبدیلی آگئی۔ مولانا متکلم کے ایماء سے مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ندوی، مولانا عبدالصمد ندوی، مولانا عبدالغفور بجے راج پوری، مولانا سعید احمد ندوی وغیرہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مولوی مسعود علی صاحب دارالمصنفین کے کاموں کے پھیلاؤ کے سبب زیادہ دنوں تک مدرسہ کی خدمت نہ کر سکے۔ لیکن مولانا شبلی متکلم ندوی مدت دراز تک پوری جانفشانی، محنت اور ایثار کے ساتھ مدرسۃ الاصلاح کی خدمت میں لگے رہے۔ اور اپنی وفات سے چند سال پہلے اس سے الگ ہوئے۔

علامہ فراہی کی نظامت

علامہ حمیدالدین فراہیؒ مولانا شبلی نعمانی کے ماموں زاد بھائی اور ان کے شاگرد تھے۔ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی سے بھی ان کو شرف تلمذ حاصل تھا۔ عربی ادب کی تکمیل مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے کی۔ تکمیل عربی کے بعد علی گڑھ کالج میں سرسید احمد خاں کے دور میں انگریزی تعلیم حاصل کی۔ تکمیل انگریزی کے بعد سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں عربک پروفیسر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد علی گڑھ کالج و میور کالج الہ آباد میں اسی عہدہ پر ان کا تقرر ہوا۔ پھر حیدر آباد کے اورینٹل کالج دارالعلوم نظامیہ کے پرنسپل ہوئے۔

علامہ فراہی کے خاندان کے دوسرے بزرگ اور احباب انجمن اصلاح المسلمین سے پہلے سے وابستہ تھے اور اس کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے اس لئے ابتدا ہی سے اس ادارہ سے تعلق خاطر ہو گیا۔ مولانا شبلی نعمانی نے بھی بارہا انھیں مدرسۃ الاصلاح کی خدمت کے لئے آمادہ کیا۔

مدرسۃ الاصلاح کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں اسرار کتاب الٰہی کا جاننے والا یکتائے

روزگار عالم مل گیا۔ جملہ علوم وفنون سے مسلح ہونے کے بعد اپنا عزیز ترین دور زندگی جو کم از کم چالیس سال کی وسیع مدت پر مشتمل ہے انھوں نے کتاب الٰہی کے فہم وتدبر میں بسر کیا۔ اور اپنی زندگی کے آخری برسوں میں مدرستہ الاصلاح کے گوشۂ فقر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اپنے وقت اور اپنی محنت کا بڑا حصہ اس مدرسہ ہی کی خدمت میں صرف کیا۔ ہر ہفتہ میں تین شب و روز مدرسہ ہی پر قیام فرماتے۔ اساتذہ اور منتہی طلبہ کو قرآن مجید کا درس دیتے۔ منتظمین کو اپنے تعلیمی اور اصلاحی نظریات سے آگاہ کرتے۔ چند آدمیوں کو منتخب کر کے انھوں نے ان کی خاص طور پر تربیت فرمائی۔ تاکہ وہ ان کے طریق فکر کو اچھی طرح اپنا لیں۔ اور ان کے بعد اس تعلیمی اور فکری اصلاح کے کام کو جاری رکھ سکیں۔ مولانا سعید احمد ندوی، مولانا عبدالرحمٰن نگرامی مولانا اختر احسن اصلاحی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا نجم الدین اصلاحی اور بہت سے فضلا نے آپ کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر قرآنی حقائق و معارف سے آگاہی حاصل کی۔ یہاں تک کہ اپنی تمام علمی متاع اور قرآنی تحقیقات بھی اس ادارہ کو حوالہ کر کے ۱۹۳۰ء میں رخصت ہو گئے۔ نور اللہ مرقدہٗ

حاجی رشید الدین فراہی کی خدمات

علامہ فراہی کی وفات کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی حاجی رشید الدین فراہی کو ناظم بنایا گیا۔ حاجی صاحب نہایت مخلص اور قومی کاموں سے دلچسپی رکھنے والے شخص تھے بنارس میں کاروبار کرتے تھے۔ لیکن اس مدرسہ کی خدمت کو اس پر ترجیح دی۔ وہ گرچہ علی گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ تھے لیکن سرتاپا اسلامی تہذیب کے نمایندہ تھے۔ ان کے دور نظامت میں مدرسہ کے اندر بہت سی عمارتوں کی تکمیل ہوئی۔ اور ایک شاندار عمارت "دارالحمید" کے نام سے انھیں کی کوششوں کی بدولت تعمیر ہوئی۔ آج کل اسی عمارت میں عربی کی تعلیم ہوتی ہے۔ آپ کے دور میں دائرہ حمیدیہ کا قیام عمل میں آیا۔ رسالہ الاصلاح کا اجرا ہوا۔ طلبہ و اساتذہ میں نئے دور کے تقاضوں کا شعور ہوا۔ اور مدرسہ کی شہرت ہندوستان سے باہر پہنچی۔ انڈونیشیا۔ ملائشیا۔ برما اور سیام کے طلبہ آئے اور مدرسہ سے فیض اٹھا کر گئے۔

آپ کے دور میں بانی مدرسہ اور نائب ناظم مولانا محمد شفیع کی ۱۹۴۵ء میں وفات ہوئی تو اس جگہ پر مولانا بدرالدین اصلاحی کا انتخاب عمل میں آیا۔ حاجی صاحب کی وفات کے بعد وہ مستقل مدرسہ کے ناظم بنا دیئے گئے۔ اور تقریباً پچیس سال تک مدرسہ کے ناظم رہے۔

اس وقت اس مدرسہ کے ناظم علامہ فراہی کے پوتے مولوی ابوالحسن علی فراہی ہیں جو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر مدرسہ کی روایات کو برقرار رکھنے کے لئے ہمہ تن کوشاں ہیں۔ مولانا اختشام الدین اصلاحی اس کے مہتمم اور صدر مدرس ہیں۔ مدرسہ کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے اور مالی استحکام کے لئے برابر جد و جہد میں مصروف ہیں۔ اور دل سے چاہتے ہیں کہ پچھلی کوتاہیوں کی تلافی ہو جائے۔

مدرسۃ الاصلاح کا نصب العین

مدرسہ کی مجلس انتظامیہ نے فروری ۱۹۲۸ء میں محسوس کیا کہ مدرسہ کے ابتدائی اغراض و مقاصد اور نصب العین پر نظر ثانی کی جائے۔ اس کے لئے مجلس انتظامی کے ارکان میں سے علامہ حمیدالدین فراہی۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ مولانا اقبال سہیل پر مشتمل ایک کمیٹی نے ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو متفقہ طور پر جو دستور العمل بنایا اس میں اس کے نصب العین کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

"اصل مقصد اس مدرسے کا مسلمانوں کی مذہبی اور دنیوی تعلیم ہے۔ اور بوقت توسیع مذہبی تعلیم کو مقدم رکھا جائے گا۔ انتظام تعلیم میں یہ مدرسہ خصوصیات ذیل ہمیشہ پیش نظر رکھے گا۔

الف: قرآن و حدیث و فقہ و ادب عربی کی طرف شدت اعتنار۔

ب: اصل علم اور قابلیت کو مطمح نظر رکھنا نہ کہ کسی محدود نصاب کتب کو۔ الا قرآن مجید و متون حدیث۔

ج: درستیٔ اخلاق یعنی پابندی شرائع و روحانیت اسلام۔

د: آسانی نصاب باوجود اعلیٰ قابلیت۔

۵ : کفایت مصارف باوجود آسائش طلبہ۔

شرح: خصوصیات الف و ب بنیادی ہیں۔ ج ان کا اعلیٰ ثمرہ ہے، اور (د) و (ہ) ان کے ذرائع ہیں اور ان کی اہمیت میں باہمی فرقِ مراتب ان کی ترتیب سے سمجھنا چاہیے۔

اس کے علاوہ اس مدرسہ کے متعلق اصول کی حیثیت سے جو باتیں ان کے پیش نظر تھیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ قرآن مجید کی محققانہ تعلیم اس مدرسہ کا بنیادی نصب العین ہو۔ اس کے بعد حدیث اور فقہ پر زور دیا جائے۔ منطق، فلسفہ، علم کلام کی غیر ضروری کتابیں نصاب سے نکال دی جائیں اور ان کی جگہ ادب عربی کی تعلیم دی جائے۔ حدیث کی تعلیم جماعتی عصبیت سے آزاد ہو۔ فقہ میں فقہ اسلامی پڑھائی جائے۔ تاکہ طلبہ میں وسعتِ نظر اور رواداری پیدا ہو۔ تکفیر و تفسیق اور فضول مذہبی مناقشات کا کوئی ولولہ ان کے اندر نہ اُبھرے۔ صرف و نحو کی تعلیم عملی ہو۔ فنون کی تعلیم میں امہات فن پیش نظر رہیں۔ درس دینے میں لکچرز کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ بقدر ضرورت انگریزی بھی پڑھائی جائے۔ (بشرطیکہ اس پر صدقات و خیرات کی رقمیں نہ صرف کی جائیں) حصول معاش کے لئے اگر حالات سازگار ہوں تو مفید صنعتیں بھی ضرور سکھائی جائیں۔ مدت تعلیم کم سے کم ہو۔ اور نرخ انتہائی حد تک ارزاں۔

۲۔ یہ مدرسہ اہل سنت والجماعت کے مختلف مذاہب کا سنگم ہو۔ یہاں حنفی اور اہلِ حدیث دونوں رہیں۔ ندوی اور دیوبندی سب تعلیم دیں۔ جزئیات کے اختلاف کے باوجود سلف کے طریقہ پر شیر و شکر ہو کر رہیں۔ اور مسلمانوں کے فضول باہمی اختلاف کو مٹا دیں۔

۳۔ اس مدرسہ کو صرف غریب مسلمانوں کی اعانت سے چلایا جائے، اور سرکاری اثر سے بالکل آزاد رکھا جائے۔ اس لئے کہ آزادی اور دینی روح کا تحفظ اصل الاصول ہے۔

۴۔ اس مدرسے کے متعلقین سیاسی مشاغل میں عملی طور پر کوئی حصہ نہ لیں۔

۵۔ مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ غریبانہ اور مذہبی زندگی بسر کریں۔ اساتذہ تنخواہ کے متوقع نہ ہوں۔ کفاف پر قناعت کریں۔

مدرسہ سرائے میر کے امتیازات اور خصوصیات ایک نہیں متعدد ہیں۔ اس نے اپنے جو مقاصد متعین کئے تھے وہ کاغذ ہی پر نہ رہے، بلکہ وہ مدرسہ کی ایک روایت بن گئے۔ لیکن اس کا ایک ایسا امتیاز بھی ہے، جس میں اس کا شریک نہ ندوہ ہے نہ دیوبند۔ اس کا یہ امتیاز قرآن حکیم کی محققانہ تعلیم ہے۔

قرآن کی محققانہ تعلیم کے نتائج

اس لحاظ سے ہندوستان و پاکستان میں بالکل منفرد اور مثالی درس گاہ ہے جس نے تعلیمات میں اساس اور اصل محور قرآن حکیم کو بنایا۔ اس نے تعلیم و تعلم۔ درس و تدریس اور مطالعہ و تحقیق کی ایک نئی طرح ڈالی۔ اس لیے اس کے نتائج بڑے شاندار نکلے۔ اس نے قرآنی حقائق و معارف کے جاننے والے ایسے فضلا اور محققین پیدا کئے جن کی تصنیفات اسلامی لٹریچر میں بڑی قدر و قیمت کی حامل ہیں۔

علامہ فراہی کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی اس طرز فکر کے سب سے بڑے نمائندہ ہیں۔ نہ صرف یہ کہ انھوں نے اپنے استاد گرامی کی عربی تصنیفات کو اردو میں منتقل کیا بلکہ انھیں اصولوں کے مطابق جو تفسیر "تدبر قرآن" کے نام سے لکھ رہے ہیں اور جس کی چار جلدیں تیار ہو چکی ہیں. زبردست علمی شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ تفسیری ذخیرے میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

قرآنی محققین میں علامہ فراہی کے دوسرے اہم ترین شاگرد مولانا اختر احسن اصلاحی کی شخصیت ہے۔ جو اگرچہ کوئی تصنیفی کارنامہ نہ انجام دے سکے، مگر انھوں نے خدمت قرآن کے لئے تلامذہ کی اچھی خاصی جماعت تیار کر دی، مولانا ابواللیث اصلاحی، مولانا شہباز اصلاحی، مولانا ضیاء الدین اصلاحی۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی، ڈاکٹر عبدالحق انصاری، وحید الدین خاں۔ مدرسۃ الاصلاح کے مایۂ ناز فرزند اور مولانا

اختر احسن اصلاحی کے تربیت یافتہ ہیں۔

الاصلاح کا اجرا اور اس کے اثرات

مدرستہ الاصلاح نے اپنے فکر کی اشاعت اور اہل علم کے اندر قرآن فہمی کے ذوق کو اُبھارنے اور اسے پروان چڑھانے کے لئے ۱۹۳۶ء میں مولانا امین احسن اصلاحی کی ادارت میں ماہنامہ "الاصلاح" جاری کیا۔ جو اگرچہ صرف چار سال تک جاری رہ سکا۔ پھر بھی اس نے اپنے بیش بہا مقالات اور نادر مضامین کی بدولت پورے ہندوستان میں ہلچل مچا دی۔

قرآنی تحقیقات کا ادارہ دائرۂ حمیدیہ

مدرستہ الاصلاح کو علامہ فراہی کی بدولت جو فکری رہنمائی ملی تو ان کے طرز فکر کے مطابق بہت سے افراد تیار ہو گئے ان کے تلامذہ نے قرآنی تحقیقات کا ادارہ "دائرۂ حمیدیہ" کے نام سے قائم کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو عموماً اور علماء اور اہلِ علم کو خصوصاً قرآن کی صحیح دعوت سے آشنا کیا جائے۔ قرآن ہی کو محور بنا کر سارے علوم کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی جائے۔ قرآن ہی کی روشنی میں علوم قدیمہ کی تجدید کی جائے اور علوم جدیدہ کو اس کی آلائشوں سے پاک کیا جائے۔

اس ادارہ نے ابتدا میں علامہ فراہی کی اجزائے تفسیر عربی اور اردو دونوں ہی زبانوں میں شائع کیے۔ فہم قرآن اور اس کے بعض اہم مسائل سے متعلق علامہ فراہی کی بیش بہا تصانیف مثلاً "امعان فی اقسام القرآن" مع اردو ترجمہ۔ "الرأی الصحیح فیمن ہو الذبیح" مع اردو ترجمہ ذبیح کون ہے؟" "فاتحۂ نظام القرآن مع اردو ترجمہ"۔ "مقدمہ تفسیر نظام القرآن" مع اردو ترجمہ۔ مفردات القرآن "جمہرۃ البلاغۃ" وغیرہ شائع کیں۔

پہلے یہ ادارہ مولانا امین احسن اصلاحی کی نگرانی میں کام کر رہا تھا تقسیم ہند کے بعد مولانا بدر الدین اصلاحی کی سرکردگی میں قرآن فہمی کے سلسلے کی بعض اہم تصنیفات جسے علامہ فراہی غیر مطبوعہ چھوڑ کر رخصت ہو گئے تھے۔ انھیں شائع کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان اہم اور نادر کتابوں میں اب تک "دلائل النظام" "التکمیل فی اصول التاویل"

"اسالیب القرآن" "فی ملکوت اللہ" "القائد الی عیون العقائد" وغیرہ بحمد اللہ چھپ گئی ہیں۔ اور اب بھی جو مسودات غیر مطبوعہ ہیں انھیں زیور طباعت سے آراستہ کرنے کی فکر ہو رہی ہے۔

علمی اور سماجی خدمات

مدرسۃ الاصلاح جن بنیادوں پر قائم ہوا تھا ان کا فطری تقاضا تھا کہ وہ صرف ایک علمی درس گاہ بن کر نہ رہ جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسی درس گاہ ہو جو اپنی ٹھوس علمی خدمات کے ساتھ سماج کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی حد تک پوری جد و جہد کرے۔ اس لئے کہ اس کے بغیر مسلمانوں کی ترقی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ اس کے پیش نظر شروع ہی سے یہ مقصد تھا کہ قرآن کی صحیح دعوت اور اس کے فہم کو عام کیا جائے۔ قرآن کی دی ہوئی بنیادوں پر عہد حاضر کے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ اور امت کے باہمی اختلافات کو قرآن و سنت کی بنیادوں پر ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ جب یہاں کے فرزندوں نے اجتماعی زندگی میں حصہ لیا تو وہ نچلے نہیں بیٹھے۔ بلکہ اپنے فکر کے لازمی تقاضے کے طور پر تجدید و اصلاح کے میدانوں میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔

ان کے علاوہ دین و ملت کی خدمت کے لئے ہر شعبے میں یہ درس گاہ مرد میدان پیدا کرتی رہی ہے۔ تصنیف و تالیف ہو یا تحقیق و تنقید، درس و تدریس ہو یا تبلیغ و دعوت، انشا پردازی ہو یا صحافت، کونسا ایسا میدان ہے جس میں مدرسہ کے فضلا اور فیض یافتہ اشخاص نے کارہائے نمایاں نہ انجام دیئے ہوں۔ اس کے ابدی و جاودانی کارناموں کو آنے والا مورخ فراموش نہیں کرسکتا۔

مدرسہ اسلامیہ کلکتہ

تحریک خلافت کے دور میں جب ترک موالات کا سلسلہ شروع ہوا اور ابنائے وطن نے سرکاری تعلیم گاہوں سے ترک تعلق کیا تو ملک کے طول وعرض میں بے شمار قومی مدرسے قائم ہوئے۔ افسوس کہ اس قسم کے مدارس کی ابھی تک کوئی تاریخ مرتب نہیں کی گئی۔ حالانکہ تاریخ تحریک آزادی کا یہ ایک نہایت اہم باب بن سکتا ہے۔ ان اداروں نے ملک کی آزادی کی تحریک میں نہایت موثر کردار ادا کیا۔ یہ ادارے علی گڑھ کالج اور اسی قسم کے دوسرے اداروں کے مقابلے میں جہاں انگریز کے مصالح سیاسی کے خلاف سروں کو جنبش تک نہ دی جاتی تھی اور ملی مفادات کے تحفظ کی راہ میں اقدام سعی کے لئے کبھی چھوٹے چھوٹے انگریز افسروں کے چہروں پر نظریں گڑی رہتی تھیں اور نام نہاد زعما اور بہی خواہاں ملت انگریزوں کے اشارۂ چشم وابرو کے منتظر رہتے تھے۔ یہ ادارے ملی غیرت کا نشان تھے۔ اس قسم کے ملی اداروں میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔ ایک قومی مدرسہ پھلواری شریف (صوبہ بہار) میں شاہ سلیمان پھلواروی نے قائم کیا تھا جو حکیم اجمل خاں کی مالی امداد سے ایک مدت تک خدمات انجام دیتا رہا۔ اس طرح ایک دینی مدرسہ ٹھری جانی (ضلع سکھر) میں مولانا تاج محمد امروٹی رح نے قاسم العلوم کے نام سے قائم کیا تھا جس کا فیضان عام آج تک جاری ہے۔ ایک مدرسہ گجرات (پنجاب) میں عطاء اللہ شاہ بخاری نے قائم کیا تھا جو بعد میں امیر شریعت کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اس مدرسہ کے ابتدائی اساتذہ میں ملک نصر اللہ خاں عزیز جنھوں نے آخری عمر میں جماعت اسلامی کا مسلک اختیار کر لیا۔ ملک حسن علی جو اپنی مشہور تصنیف

مشاہد التوحید کی بدولت علمی دینی حلقے میں تعارف کے محتاج نہیں رہے، اور پنجاب کے ایک اور عالم دین مولوی فیض میراں جو شاہ ولی اللہ کی کتابوں پر عبور اور ان کے علوم و معارف کی گہری بصیرت رکھتے تھے، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر محمد سرور جامعی نے اپنی کتاب "افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی" میں ان تینوں صاحبوں کا ذکر کیا ہے۔

تحریک ترک موالات کے زمانے میں ایک اور مدرسہ کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی کوششوں سے قائم ہوا تھا۔ ستمبر ۱۹۲۰ء میں انھوں نے مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے نام خط میں لکھا کہ "ترک موالات کے سلسلے میں سرکاری مدارس سے علیحدگی، علی الخصوص عربی سرکاری مدارس سے، نہایت ضروری ہے بنگال میں اس کا مواد بالکل مہیا ہے۔ لیکن ضرورت نئی تعلیم گاہوں کے انتظام کی ہے۔ بالفعل ارادہ ہے کہ مدرسہ جامع مسجد کلکتہ جلد سے جلد کھول دیا جائے۔ روپے کا انتظام ہو چکا ہے۔ دو سو طلبہ تیار ہیں صرف ضرورت اساتذہ و معلمین کی ہے جہاں تک ممکن ہو اس بارے میں سعی کیجئے اور تمام کاموں پر اس کو مقدم رکھیے"۔ تعلیم کے میدان میں ترک موالات کی تحریک سے مولانا آزاد کے پیش نظر دو فائدے تھے

اولاً: تحریک آزادی پر اس اقدام کا اچھا اثر پڑنے کی توقع تھی۔

ثانیاً: اصلاح تعلیم کے باب میں وہ اپنے خاص نظریات رکھتے تھے اور وہ اسی صورت میں بروئے کار لائے جا سکتے تھے جب کہ کوئی تعلیمی ادارہ اپنے قیام کے وقت سے ان کے زیر اہتمام ہو۔ مولانا ملیح آبادی کے نام محولہ بالا خط میں انھوں نے ان متوقع فوائد کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں :

> "بنگال میں نہایت کثرت سے عربی مدارس ہیں اور سب سرکاری ہیں۔ بنگال کے سوا اور کہیں عربی تعلیم گورنمنٹ کے ہاتھ میں نہیں ہے کم از کم دو ہزار طلبہ مشغول تعلیم ہیں اتنی بڑی جماعت نے اگر عملاً اقدام کیا تو تمام ملک پر اس کا بہت بڑا اثر پڑے گا۔ علاوہ بریں وہ مدت

کی تمنائیں برآئیں گی جو اصلاح تعلیم کے بارے میں آج تک ناکام ہیں۔
مدرسہ کی ابتدائی حالت کے بارے میں مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی لکھتے ہیں:۔

" خلافت تحریک شباب پر تھی اور مولانا آزاد کی خطابت اور فصاحت و بلاغت کا طوفان سمندر کی موجوں کو شرمارہا تھا۔ مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے طالب علم ایک ہی تقریر سے مسحور ہو گئے اور ڈیڑھ دو ڈھائی سو لڑکے فوراً نکل آئے۔ یہاں پہلے سے انتظام تھا۔ عارضی طور پر جامع مسجد (مسجد ناخدا) کی بالائی منزل کے کمرے اور بڑا ہال لے لیا گیا تھا۔ مدرسہ شروع کرنے کے لئے فی الحال یہ جگہ کافی تھی"۔

۱۳ دسمبر کو مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ افتتاح کی رسم گاندھی جی نے ادا کی اس موقع پر بہت سے ہندو اور مسلمان موجود تھے۔ اس موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک تعارفی تقریر میں مدرسہ کی تاریخ، سرکاری تعلیم کے نقصانات اور دینی مدارس کے طلبہ کی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔ مولانا نے مدرسہ کی تاریخ کے بارے میں بتایا کہ:

" اس مدرسہ کی تاسیس بالفعل ترک موالات کے سلسلے میں ہوئی ہے مگر اس کا خیال عرصے سے میرے ذہن میں تھا۔ کہ عربی تعلیم کو جو صرف صوبہ بنگال ہی میں سرکاری غلامی میں ہے، آزاد کراؤں، چنانچہ اس کے متعلق متولیوں سے بارہا گفتگو ہوئی۔ یہاں تک کہ بالآخر ۱۲ ربیع الاول کو اس کی تجدید ہوگئی۔ تجدید کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ یہ مدرسہ اس وقت سے قائم ہے جب جامع مسجد بنی ہے البتہ اپنی اس نئی زندگی میں اسے مکتب کے درجے سے ہٹا کر اعلیٰ تعلیم گاہ کی حیثیت میں کر دیا گیا ہے۔

سرکاری تعلیم کے نقصانات کے بارے میں مولانا نے کہا:

"ہندوستان میں سرکاری تعلیم نے جو نقصانات ہمارے قومی خصائص و اعمال کو پہنچائے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ تحصیل علم

کا مقصدِ اعلیٰ ہماری نظروں سے محجوب ہو گیا ہے۔ علم خدا کی ایک
پاک امانت ہے۔ اور اس کو صرف اس لئے ڈھونڈھنا چاہیئے کہ وہ
علم ہے۔ لیکن سرکاری یونیورسٹیوں نے ہم کو ایک دوسری راہ
بتلائی ہے۔ وہ علم کا اس لئے شوق دلاتی ہیں کہ بلا اس کے سرکاری
نوکری نہیں مل سکتی۔ پس اب ہندوستان میں علم، علم کے لئے
نہیں بلکہ معیشت کے لئے حاصل کیا جاتا ہے۔"

اس کے بعد مولانا نے عربی مدرسوں کے طالب علموں کی اس خصوصیت پر روشنی
ڈالی کہ علم کی اس عام توہین کے دور میں علم کی سچی پرستار یہی جماعتیں ہیں جو عربی
مدرسوں میں یہ جاننے کے باوجود پڑھتی ہیں کہ وسیلہ رزق انگریزی تعلیم اور کالجوں اور
یونیورسٹیوں کی ڈگریاں ہیں۔ مولانا نے فرمایا، " یہ جذبہ بجز علم پرستی اور رضائے
الٰہی کے اور کوئی دنیاوی غرض نہیں رکھتا اور اس لئے ہندوستان بھر میں اگر علم کو
علم کے لئے پڑھنے والی کوئی جماعت ہے تو وہ عربی مدارس ہی کی جماعت ہو سکتی ہے۔
علی گڑھ کے کسی طالب علم نے کالج نہیں چھوڑا جب تک دو دو گھنٹے تک مجھ سے
ردوکد کر کے اطمینان نہیں کرا لیا کہ سرکاری تعلیم چھوڑنے کے بعد بھی وہ روپیہ کما
سکیں گے۔ حتیٰ کہ بعضوں نے مجھ سے اس کی ذمہ داری بھی طلب کی۔ لیکن میں آپ
کو بتلاتا ہوں کہ ان طلبہ میں ایک بھی ایسا نہیں جس نے یہ سوال کیا ہو۔ بلکہ جس وقت
ان کو احکام شرع بتلا دیئے گئے، فوراً اطاعت کا سر جھکا دیا اور سب کچھ چھوڑ دینے
کے لئے تیار ہو گئے۔"

مولانا آزاد کی تقریر کے بعد گاندھی جی نے تقریر کی انھوں نے طلبہ سے کہا۔
"آپ اپنے ارادوں میں مستقل رہیے جو پاؤں آگے اٹھ چکا ہے
اسے پیچھے نہ ہٹایئے۔ اس وقت اسلام خطرے میں ہے۔ خلافت
تباہ کر دی گئی ہے، مقامات مقدسہ پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور ہندوستان
کی قومی خودداری کو . . . . . میں شکست کر دیا گیا ہے۔ یہ آپ کا

فرض ہے کہ ان کاموں پر کمر بستہ ہوں اور جو فرائض آپ کے ذمے
اسلام اور ہندوستان کے ہیں انھیں ادا کریں۔"

انھوں نے اساتذہ سے بھی کہا:

"میں اساتذہ سے عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنے شاگردوں کو ایسی تعلیم دیں جو انھیں سچا مسلمان اور سچا ہندوستانی بنادے۔ قومی مدرسوں کو جاری کرنے سے صرف یہی مقصد ہے کہ ان میں ایسے لوگ تیار کئے جائیں جو غلامی سے گریز کریں اور آزادی پر جان دیں۔ میں جانتا ہوں کہ اسلام بنی نوع انسان سے محبت کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ پس اس مدرسہ کے اساتذہ، طلبہ میں ہندو مسلم اتحاد کا جذبہ پیدا کریں کہ جس پر مسئلہ خلافت اور سوراج کا دار و مدار ہے۔ میں ایک چست ہندو ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ اسلام کی سلامتی بھی میرے پیش نظر اتنی ہی ہے جتنی ہندوازم کی ہے۔"

مدرسے کی نگرانی مولانا آزاد کی تھی۔ اہتمام کا عہدہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے پاس تھا۔ مولانا ملیح آبادی مولانا آزاد کے مشورے سے مدرسہ کا تمام کام چلاتے تھے۔ مدرسہ کے مدرسین میں تین نام معلوم ہوئے ہیں اگرچہ کئی اور بھی مدرس تھے۔

صدر مدرس مولانا حسین احمد مدنی تھے۔ مدنی صاحب کی شخصیت عالم اسلام کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہے۔ ملیح آبادی نے ان کا ذکر عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے۔ ایک صاحب مراد آباد کے نعمت اللہ تھے ان کے حالات کا ہمیں علم نہیں اور مولانا ملیح آبادی نے ان کا ذکر اچھے الفاظ میں نہیں کیا۔ تیسری معلوم علمی شخصیت ندوۃ العلماء کے مایۂ ناز فرزند مولانا عبدالرحمٰن نگرامی کی تھی۔ نگرامی مرحوم ندوے کے معروف و مشہور اہل علم میں سے تھے۔ مطالعہ نہایت وسیع تھا، تحریر و تقریر میں انھیں کمال حاصل تھا، نیک اطوار اور سادہ و پاکیزہ زندگی کے مالک تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہ نے ان پر جو مضامین تحریر کیے ہیں ان سے ان کے علمی کمالات اور سیرت کے

خصائص پر روشنی پڑتی ہے۔ سید صاحب نے انھیں ملک کی بزم دانش کا نوجوان ممبر لکھا ہے۔ مولانا ملیح آبادی نے بھی نہایت محبت سے ان کا ذکر اور ان کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ ۱۹۲۱ء کے آخر تک مدرسہ اسلامیہ میں پڑھاتے رہے۔ نومبر ۱۹۲۱ء میں مولانا ملیح آبادی گرفتار ہو گئے تو ان کے اخبار پیغام کے آخری دو تین نمبر مرتب کر کے شائع کئے۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے نواسے تھے۔ نومبر ۱۹۲۲ء میں ۲۴، ۲۵ برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

مدرسہ اسلامیہ کے عروج کا یہی زمانہ تھا۔ پھر جوں جوں خلافت اور ترک موالات کی تحریکیں سرد پڑتی گئیں۔ مدرسہ کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹتی گئی۔ پہلے ترقی رکی پھر زوال شروع ہو گیا۔ مسجد کے متولیوں نے مداخلت شروع کر دی۔ مدرسہ کے انتظام میں خلل پڑنے لگا۔

مولانا حسین احمد مدنی بغاوت کے الزام میں کراچی میں گرفتار ہو گئے۔ مولانا عبدالرزاق اور مولانا آزاد کلکتہ میں گرفتار ہو گئے۔ نگرامی مرحوم جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر ہو کر چلے گئے۔ اس محفل کے اجڑنے سے مدرسہ اپنی خصوصیات اور امتیازات کو قائم نہ رکھ سکا۔ اور چند ہی سال میں اس کی حیثیت پھر حسب سابق ایک مکتب کی ہو کر رہ گئی۔

مدرسہ الٰہیات، کانپور

۱۹۲۲ء میں جب برٹش استعمار کی شہ پا کر سوامی شردھانند نے مسلمانوں کو مرتد کرنے اور ہندو بنانے کی تحریک شروع کی تو ارباب نظر و تدبر کو احساس ہوا کہ اس فتنے کے مقابلے کے لیے جوش و جذبات سے زیادہ ضرورت معلومات سے مسلح اور عقائد و فکر میں پختہ نوجوانوں اور اسلام کے خدمت گزاروں کی ہے، جو ایسے وقت میں مسلمانوں کے ایمان و عقائد کی کشتی کو ارتداد کے طوفان سے صحیح سلامت نکال کر کنارے تک پہنچا دیں۔ مدرسہ الٰہیات کا قیام نوجوانوں اور اسلام کے خدمت گزاروں اور مناظرین اسلام کی اسی تعلیم و تربیت کے لیے عمل میں آیا تھا تاکہ فتنہ شدھی کا سدباب کیا جا سکے۔ اس کے بانی ہندوستان کے مشہور عالم دین مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی تھے۔ مدرسہ کا تین سالہ تعلیمی نصاب مرتب کیا گیا تھا۔ پہلے سال میں منطق، فلسفہ، کلام اور علم کلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ دوسرے سال میں تقابل ادیان کا مطالعہ کرایا جاتا تھا، تیسرے سال میں مناظرے کی علمی و عملی تعلیم دی جاتی تھی۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے "دعوت اسلام" کے ضمیمہ میں اور مفتی انتظام اللہ شہابی مرحوم نے "اسلامی نظام تعلیم کا چودہ سو سالہ مرقع" میں مدرسہ کا ذکر کیا ہے۔ شیخ صاحب نے اس کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"مدرسہ الٰہیات کانپور، جو مسلمان مبلغین تیار کرنے، اسلام کی حمایت کرنے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے قائم ہوا۔"

مدرسہ الٰہیات ۱۹۱۲ء سے قائم تھا اور فتنہ شدھی کے خاتمے کے بعد بھی قائم رہا لیکن اس کا وہ امتیاز جو ۱۹۲۲ء کے بعد قائم ہوا تھا جلد ہی ختم ہو گیا۔ مدرسہ الٰہیات کے اس دور کے فارغ التحصیل حضرات نے تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کی بہترین خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے مشہور فلسفی اور شارح اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی مدرسہ الٰہیات کے باقیات صالحات میں سے ہیں۔ چشتی صاحب اس زمانے میں کرائسٹ چرچ کالج کانپور میں لیکچرر تھے اور مدرسہ الٰہیات میں مولانا آزاد سبحانی اور دیگر اساتذہ سے اسلام کی خدمت اور ملت کی غم گساری کا درس وفا بھی لیتے تھے۔

دارالفیوض الہاشمیہ سجاول

سجاول کے ایک صاحبِ خیر سید عبدالرحیم شاہ نے ۱۹۲۰ء میں اپنی زمین کا ایک حصہ دینی تعلیم کے لئے وقف کر دیا اور ساتھ ہی ایک عمارت وقف کر کے ایک مدرسہ قائم کر دیا۔ اس مدرسہ میں علوم دینی کی تعلیم و تدریس کے ساتھ سرکاری مدارس کے نصاب کے مطابق مڈل تک کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ مدرسہ کے اہتمام و نظام کی ذمہ داری شروع سے آج تک مختلف اوقات میں مولانا محمد سلیمان، سید مہر علی شاہ اور مولانا محمد عبداللہ کے ہاتھوں میں رہی۔ مدرسہ کے موجودہ ناظم اور مہتمم مولانا نور احمد ہیں۔ اس وقت تقریباً بیس اساتذہ درس نظامی اور اردو، سندھی نصاب کی تعلیم و تدریس میں مصروف ہیں۔

اس کے بانی سید عبدالرحیم شاہ وہی بزرگ ہیں جن کی اہلیہ محترمہ نے اپنی زمین وقف کر کے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علوم و معارف اور حکمت کی اشاعت کا سروسامان کیا تھا اور جس کی بدولت آج شاہ ولی اللہ اکیڈمی کا وجود نظر آتا ہے۔

گزشتہ پچاس سال کی مدت میں دارالفیوض الہاشمیہ سے سیکڑوں کی تعداد میں طالب علم علمائے دین بن کر نکلے اور زندگی کے مختلف گوشوں میں ملک و قوم کی خدمت میں مصروف ہوئے اور آج بھی اس کے فارغ التحصیل پچاسوں حضرات سرگرم عمل و خدمت نظر آ سکتے ہیں۔ دارالفیوض الہاشمیہ فی الواقع ایک سرچشمہ فیض ہے۔ اس نے سندھ میں اور خصوصاً ضلع ٹھٹھہ میں علوم اسلامی کی اشاعت اور تعلیم کے فروغ میں نہایت اہم حصہ لیا ہے۔ اس کی چودہ شاخیں سجاول اور اس کے گرد و نواح میں قائم ہیں۔

سندھ کی تعلیمی و تہذیبی تاریخ میں سجاول کے اس سید خاندان کی خدمات کا شان دار الفاظ میں اعتراف کیا جائے گا جس کے مردوں ہی نہیں بلکہ اس کی خواتین کی علم پروری بھی ایک قابلِ تقلید نمونہ تھی۔ جس کی بدولت سندھ میں تعلیم و تہذیب اور فکر ولی اللہی کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری
گورنمنٹ اردو کالج۔ کراچی

مدرسہ شمس العلوم۔ بدایوں

بدایوں شمالی ہند کا مشہور تاریخی شہر اور علمی مرکز رہا ہے۔ قطبی و شمسی عہد سے یہاں ارباب علم و فضل اور اصحاب سلوک و تصوف سکونت پذیر ہوئے۔ اور بقول علامہ سید سلیمان ندوی، شیخ نظام الدین اولیاء وہ سیاحِ معرفت ہیں، جنھوں نے دہلی اور بدایوں کی سرحدوں کو ملا دیا۔

بدایوں کی سرزمین سے ہر دور میں علماء، صلحا اور شعرا و حکما پیدا ہوتے رہے۔ دورِ آخر میں حضرت مولوی شیخ عبدالمجید قادری خلیفہ حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں مارہرویؒ نے قادری خانقاہ قائم کی اور ان کے نامور فرزند اور سجادہ نشین حضرت مولانا شیخ فضل رسول قادری بدایونیؒ نے مدرسہ قادریہ کو ترقی بخشی۔ مولانا فضل رسول بدایونیؒ آخر زمانے کے علماء میں خاص شہرت و عزت کے مالک رہے ہیں وہ مولانا فضل حق خیرآبادی کے ہم عصر تھے اور ان دونوں بزرگوں میں نہایت گہرے تعلقات اور روابط اور فکری ہم آہنگی تھی۔ مولانا فضل رسول بدایونی نے ردّ وہابیت میں خاص طور سے شہرت حاصل کی ہے۔ مولانا کے بعد ان کے جانشین ان کے فرزند اصغر مولانا شیخ عبدالقادر بدایونیؒ ہوئے، انھوں نے ردّ وہابیت کے ساتھ ساتھ تحریک ندوہ کا بھی رد کیا۔ بلکہ رد ندوہ کے سلسلے میں ان کی شخصیت مرکزی تھی۔

مدرسہ کا اجرا مولانا فضل رسول بدایونی کے بڑے صاحبزادے مولوی محی الدین اور محی الدین کے بیٹے حافظ فرید جیلانی کم عمری ہی میں فوت ہو گئے۔ حافظ فرید جیلانی کے بیٹے مولوی حکیم عبدالقیوم تھے۔ انھوں نے مدرسۂ قادریہ کے علاوہ جامع مسجد شمسی (بدایوں) میں ۱۱ر صفر ۱۳۱۷ھ کو ایک مدرسہ شمس العلوم کے نام سے قائم کیا، جس کے مہتمم بھی وہ خود ہی تھے۔ حکیم عبدالقیوم کا چند ہی ماہ بعد رجب ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ میں ریل سے گر کر انتقال

ہوگیا۔ جہاں وہ ایک جلسہ کے سلسلے میں گئے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ان کے لائق فرزند مولانا حکیم عبدالماجد قادری بدایونی ہوئے۔

مولانا عبدالماجد قادری نامور عالم، ماہر طبیب، خوش فکر شاعر اور سنجیدہ مصنف تھے۔ ملک کی قومی و ملی تحریکات میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک خدام کعبہ، خلافت کانفرنس، تحریک تبلیغ و تنظیم، جمعیتہ العلماء اور مسلم لیگ کے فعال کارکن اور ممتاز قائد تھے اور خطیب و مقرر کی حیثیت سے ملک میں ان کا بڑا شہرہ تھا۔

مدرسہ کی تعمیر و ترقی

مدرسہ شمس العلوم (بدایوں) کی بنیاد تو ان کے والد نے رکھی تھی مگر اس کی تعمیر و ترقی کا تمام تر سہرا مولانا عبدالماجد قادری کے سر ہے۔ انھوں نے مدرسہ کے لئے ملک گیر دورے کر کے چندے حاصل کئے۔ نظام دکن سے سوا سو روپیہ ماہوار کی امداد حاصل کی جو انضمام ریاست ستمبر (۱۹۴۸ء) تک برابر ملتی رہی۔ بمبئی کی جماعت شیوخ توماان اور سیٹھ احمد حاجی صدیق کی گراں قدر رقوم نے مدرسہ کی تعمیر کو تکمیل تک پہنچایا۔ مدرسہ کا عالی شان دروازہ "ظہور گیٹ"، مولوی ظہور حسین، رئیس بدایوں کی عالی ہمتی کا مظہر ہے۔ شہر کے ہر طبقے اور حیثیت کے مسلمانوں نے مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔ غربا، متوسط الحال اور امراء سب نے مالی امداد کی۔ تاجرانِ غلہ نے گولک کے ذریعہ رقوم فراہم کیں۔ عورتوں نے چندہ میں زیورات دیئے۔ بدایوں کے ملحقہ دیہات و قصبات کے مسلمانوں نے بھی مدرسہ کی تعمیر میں دل کھول کر حصہ لیا۔ آج مدرسہ شمس العلوم کی پائدار اور عظیم الشان عمارت شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی ہے۔ مدرسہ کے لئے قطعہ اراضی اور سابقہ گورنمنٹ ہائی اسکول کے بورڈنگ ہاؤس کی عمارت گورنر یو۔ پی مسٹن اور کلکٹر بدایوں رنگرام کے ذریعہ حاصل ہوئیں۔ مولانا نے کچھ مدد ریاست رام پور سے بھی حاصل کی تھی۔

مدرسے کے نیچے کے حصہ میں دوکانیں ہیں اور اوپر کتب خانہ اور مدرسہ ہے۔ کتب خانے میں کئی ہزار کتابیں ہیں جو نہایت سلیقے سے الماریوں میں رکھی گئی ہیں۔ بورڈنگ ہاؤس کی عمارت سے ملحق چھوٹی سی مسجد ہے۔ مدرسے سے ملحق وسیع میدان ہے۔ اب اس میدان میں بھی دوکانیں تعمیر ہوگئی ہیں جس سے مدرسہ کی آمدنی میں خاصا اضافہ ہوگیا ہے، بلکہ

یہ جدید تعمیر شدہ دوکانیں مدرسے کی بقا کا ذریعہ ثابت ہوئیں۔ کیونکہ حیدرآباد اور رام پور کی مستقل آمدنیاں ۱۹۴۷ء-۴۸ء کے بعد بند ہوگئیں۔

جلد ہی مدرسہ شمس العلوم نے ملک کی دینی درس گاہوں میں ایک ممتاز مقام حاصل کرلیا۔ ملک کے مختلف حصوں اور علاقوں سے طلبہ تحصیل علم کے لئے آنے لگے۔ لائق اور محنتی علما بحیثیت مدرسین اور اساتذہ مدرسہ سے وابستہ ہوگئے۔ دستار بندی کے موقع پر نہایت شان دار جلسے منعقد ہوتے۔ ان جلسوں میں تمام ہندوستان کے ممتاز اور مشہور علما و کرام شریک ہوتے۔ بعض رودادوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سلیمان اشرف (علی گڑھ) مولانا نواب صدریار جنگ حبیب الرحمٰن خاں شروانی (بھیکم پور) مولانا ہادی علی خاں (سیتاپور) مولانا محمد فاخر (الہ آباد) مولانا اسرار الحق طوطیٔ ہند، مولانا سراج احمد شاہجہاں پوری (آنولہ) مولوی رحیم بخش قادری (آنولہ) مولانا غلام قطب الدین برہم چاری (سہسوان) وغیرہ ان جلسوں میں شریک ہوئے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ قرأت اور حفظ قرآن کا بھی مدرسہ میں اعلیٰ انتظام تھا۔ درس نظامی سے فارغ ہونے کے بعد بہت سے طلبہ پنجاب یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی سے مولوی فاضل، مولوی عالم اور منشی فاضل (فارسی) کے امتحانات دیتے تھے۔ چنانچہ اس مدرسے سے بہت سے علما فارغ التحصیل ہو کر نکلے اور مختلف حیثیتوں سے انھوں نے ملک و ملّت کی خدمات انجام دیں۔

مدرسہ کے امتحانات کے موقع پر شہر کے نامور علما ممتحن کے فرائض انجام دیتے تھے ان میں مولانا مفتی عبد القدیر بدایونی، مولانا سید یونس علی بدایونی، مولانا مفتی حافظ بخش بدایونی، مولانا حبیب الرحمٰن قادری بدایونی، مولانا محب احمد بدایونی، مولوی سید عنایت احمد نقوی بدایونی، مولانا یعقوب بخش راغب بدایونی اور حکیم فضل الرحمٰن بدایونی (حکیم پالکی) کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

تلامذہ | مدرسہ شمس العلوم سے یوں تو بہت سے حضرات فارغ التحصیل ہوئے۔ لیکن اس وقت مفتی عزیز احمد قادری (لاہور) ملا عبد الصمد مقتدری، مولانا

عبدالواحد عثمانی القادری بدایونی، مولوی سید حسن حسرت (المعروف بہ علامہ حسرت بدایونی)
مولانا احمد یار خاں (اوجھیانی) اور مولوی خواجہ غلام نظام الدین بدایونی کے نام زبان قلم پر آگئے۔

رسالہ شمس العلوم مدرسہ سے متعلق تبلیغ اور دارالافتاء کے شعبے بھی تھے۔ مدرسہ شمس العلوم بدایوں سے ایک ماہانہ رسالہ "شمس العلوم" کے نام سے محرم ۱۳۳۲ھ سے جاری ہوا جو تقریباً آٹھ دس سال تک نکلتا رہا۔ یہ رسالہ قادری پریس بدایوں میں چھپتا تھا۔ مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے اس پر مولانا عبدالماجد بدایونی کا نام شائع ہوتا تھا۔ نائب مدیر کی حیثیت سے مختلف اوقات میں محفوظ الحق علمی سہسوانی (موجودہ بہائی مقیم لاہور) ظہور الحق مقتدری بدایونی اور مولانا حبیب الرحمٰن بدایونی نے کام کیا ہے۔ رسالہ شمس العلوم میں علمی، مذہبی، فقہی، اخلاقی، تاریخی اور تصوف کے وقیع مضامین شائع ہوتے تھے۔ منظومات کا حصہ بھی خاصا اچھا ہوتا تھا۔ زیادہ تر بدایونی شعرا کا نعتیہ اور منقبتی کلام شائع ہوتا تھا۔ حضرت مولانا عبدالمقتدر بدایونی کی تفسیر و ترجمہ قرآن رسالہ کا مستقل عنوان تھا، مولانا عبدالمقتدر تفسیر ابن عباس کا اردو ترجمہ شائع فرماتے تھے۔ ایک مستقل موضوع مذاکرہ علمیہ بھی ہوتا ہے جس میں کبھی علمی اور کبھی فقہی سوالات و جوابات شائع ہوتے تھے، رسالے میں مستقل طور سے بھی فتاویٰ مع جوابات شائع ہوتے تھے۔ کبھی کبھی سیاسی موضوع پر بھی رسالہ شمس العلوم میں اظہار خیال کیا جاتا تھا۔

دارالتصنیف مدرسہ شمس العلوم سے متعلق ایک مستقل دارالتصنیف و دارالاشاعت بھی تھا جس سے مولانا عبدالماجد مرحوم کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئیں۔ دربار علم، التہدید (مولانا ابوالقاسم بنارسی کا جواب) القول السدید (مولانا ابوالقاسم بنارسی کا جواب) خلاصۃ المنطق، خلاصۃ العقائد، خلاصہ فلسفہ، جواز عرس، مولانا عبدالماجد بدایونی کی تصانیف کے علاوہ اس دارالاشاعت سے دوسرے علما کی تصانیف بھی شائع ہوئیں۔ جن کے نام درج ذیل ہیں۔ مناصحہ فی تحقیق مسائل المصافحہ (مولانا عبدالقادر بدایونی) ہدیہ قادریہ (مولانا فیض احمد بدایونی) زبدۃ الآثار و زبدۃ الاسرار (شیخ عبدالحق دہلوی) سیف الجبار (مولانا فضل رسول) البوارق المحمدیہ (مولانا فضل رسول) ابطال اغلاط قاسمیہ، خلاصہ فتویٰ بیت المقدس دربارۂ اذان، گلدستہ نعت، بے موقع فریاد کا مہذب جواب، توضیح

حق، اکمل التاریخ (ضیاء القادری بدایونی) مولود شریف منظوم (مولانا فضل رسول) النّاسخ (مولانا محب احمد بدایونی) الحدوث والقدم (مولانا محب احمد) اسلامی توحید کا آئینہ (مولوی حسین احمد قادری بدایونی۔ رد آریہ) بریلوی تحریر کا شافی جواب (مولوی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی) مباحث الاذان (مولوی عبدالواحد مقتدری بدایونی مرحوم) تحقیق البیان فی مسئلۃ الاذان (مولوی عبدالواحد مقتدری مرحوم) مذاکرہ علمیہ، تحقیق العلماء الکرام فی استحباب القیام، تنزیل، نجات المومنین، اسلام، تحفۃ الاخیار، اخلاق و آداب۔ قربانی اور گوشت خوری، آرین الیشور، التنبیہ الزاجر، تحفہ عید، داستان عشق اور محرم، دیوان مناقب (فارسی) کتاب الطہارت اور آسمانی کڑک۔

تقسیم ملک کے بعد مدرسہ شمس العلوم کی اہمیت اور ضرورت میں اور بھی اضافہ ہوگیا ہے اور اس وقت یہ مدرسہ ملت اسلامیہ کی مفید مذہبی و معاشرتی خدمات انجام دے رہا ہے۔ بلکہ بدایوں میں یہ واحد مدرسہ ہے جو دینی و علمی مرکز کی حیثیت سے کام کر رہا ہے مسلمانان بدایوں کی خوش قسمتی ہے کہ مدرسہ شمس العلوم کو ایک عالم با عمل مولانا مفتی محمد ابراہیم فریدی سمستی پوری ابن مولانا جعفر علی فریدی، صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے مل گئے ہیں۔

مفتی محمد ابراہیم فریدی ۱۹۱۰ء میں سمستی پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے ساتھ ساتھ کتابت سیکھی، عربی آغاز شاہ منظور احمد پھلواروی سے کیا۔ ابتدائی کتب صرف و نحو کے بعد مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ اور مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں تحصیل علم کی۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد مدرسہ منظر اسلام بریلی میں مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور مولانا عبدالعزیز خاں سے صحاح ستہ کا دورہ کیا اور تفسیر بیضاوی کا درس لیا۔ سنہ ۱۳۵۱ھ میں ان کی دستار بندی ہوئی۔ ابتداً مدرسہ منظر اسلام بریلی میں اور بعدہٗ مدرسہ قادریہ بدایوں میں تدریس کا سلسلہ رہا۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے مفتی شہر کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔

احکام نکاح، تعلیم المنطق (خلاصہ مرقات) تذکار مطیب، مفید المطالب اور تذکرہ نایاب (حالات و مقامات شاہ ابوالحسن شاذی) وغیرہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب ہی مدرسہ شمس العلوم بدایوں کے روح و رواں ہیں۔ اور انہی کی بدولت یہ مدرسہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ آج کے حالات میں ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

مدرسہ کی مجلس انتظامیہ کے فعال رکن اور معتمد حافظ عبدالمجید شاداں مدیر ہماری زبان، بدایوں ہیں۔

ہوگلی کالج

ہوگلی کالج ۱۸۳۶ء میں مسلمانوں میں تعلیم کی اشاعت کے واسطے قائم ہوا۔ اس کے دو حصے قرار پائے تھے۔ ایک علوم عربیہ کی تعلیم کے واسطے دوسرا انگریزی زبان اور سائنسی علوم کی تعلیم کے لئے تھا۔ یہ کالج محسن فنڈ سے قائم کیا گیا تھا۔ یہ فنڈ ۱۸۰۶ء میں بنگال کے ایک مخیر شخص محمد محسن نے قائم کیا تھا۔ اور اپنی تمام جائداد اس کے لئے وقف کردی تھی۔ سالانہ آمدنی ۴۵ ہزار روپے سے زیادہ تھی۔ اس کا بڑا مصرف امام باڑہ کی تعمیر اور اس کے مصارف تھے۔ محمد محسن کے انتقال ۱۸۱۲ء کے بعد اس کا سارا انتظام متولیوں کے ہاتھ میں آگیا۔ لیکن ۱۸۱۷ء میں فنڈ میں ایک متولی کی خیانت کے بعد وقف کا انتظام ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اس وقف کی آمدنی کا ایک حصہ مسلمانوں کی تعلیم پر بھی صرف کیا جانے لگا۔ اور ہوگلی، راج شاہی، ڈھاکہ، چٹاگانگ میں عربی مدرسے قائم کئے گئے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے عربی اور انگریزی صیغہ کا کل خرچ محسن فنڈ سے ادا کیا جاتا تھا۔ بنگال کے کالجوں میں جس قدر مسلمان تعلیم پاتے تھے، ان میں سے غیر ذی مستطیع طلبہ کی دو تہائی فیس محسن فنڈ سے ادا کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ طلبہ کو تعلیمی وظائف بھی دیئے جاتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کے مشہور سیاسی رہنما اور قانون داں جسٹس امیر علی کو ولایت میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے اس فنڈ سے مدد دی گئی تھی۔ ۱۹ ویں صدی میں محسن فنڈ کی بدولت بنگال کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ تعلیمی فائدہ پہنچا۔ بلکہ پورے برصغیر میں کسی ایک وقف سے مسلمانوں کو اتنا فائدہ نہیں پہنچا، جتنا کہ محمد محسن کے وقف سے ہوا۔ (پروفیسر محمد ایوب قادری)

دارالعلوم وانمباڑی

○ **دارالعلوم وانمباڑی** برصغیر پاک و ہند میں ایسے بہت سے تعلیمی ادارے قائم ہیں جو صرف خواتین کے لئے مخصوص ہیں اوران میں اسلامی تعلیم و تربیت کا بھی خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے. لیکن ہم جناب ماہرالقادری کے تشکر گزار ہیں کہ انھوں نے ایک ایسی دینی درس گاہ کے بارے میں ہماری معلومات میں اضافہ کیا. جو پورے برصغیر پاک و ہند میں اپنی نوعیت کی واحد درس گاہ ہے۔

یہ دارالعلوم دیو بند کی طرح کا ایک دارالعلوم ہے جو علاقہ مدراس کے ایک شہر وانمباڑی میں قائم ہے اور خواتین کو درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے ۔خواتین یہاں سے علوم اسلامی سے آراستہ ہوکر نکلتی ہیں اور پھر تعلیم و تدریس تبلیغ و اشاعت اسلام اور رشد و ہدایت کی ان تمام ذمہ داریوں سے اسی طرح عہدہ برآ ہوتی ہیں جس طرح علمائے دین کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے۔

ماہرالقادری صاحب کو ۱۹۶۲ء میں مدراس کے ایک مشاعرے کے سلسلے میں سفر کے دوران میں وہاں جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس سلسلے میں ماہر صاحب لکھتے ہیں :

"مشاعرے کے بعد صبح کو راقم الحروف کو وانمباڑی کی اس درس گاہ میں لے جایا گیا جہاں مسلم طالبات کو دارالعلوم دیوبند اور مظاہرالعلوم سہارن پور کی درس گاہوں کی طرح اعلیٰ درجے تک درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے اور طالبات دینی علوم میں فارغ التحصیل ہوکر نکلتی ہیں۔ دو تین لڑکیوں سے میں نے کچھ سوالات بھی پوچھے۔ جن کے معقول جواب دیئے گئے۔ ایک طالبہ نے عربی میں تقریر کی یہ سب کچھ پردے کی حدود میں ہوا۔ ایک لڑکی نے تجوید کے ساتھ قرأت بھی کی۔ میرے خیال میں عربی زبان و ادب اور دینی علوم کی پاکستان اور ہندوستان میں یہ واحد درس گاہ ہے جہاں شرعی پردے کی پابندی کے ساتھ تعلیم دی جاتی ہے۔"

باب دوم

تاریخ و آثار قدیمہ کے ادارے

ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان۔ لاہور

تقسیم ملک سے قبل لاہور میں ایک ہندو وقف کے تحت "گو کھلے اسکول آف اکنامکس اینڈ پالیٹیکس" جاری تھا۔ قیام پاکستان کے بعد وقف بورڈ برائے متروکہ املاک کی تجویز پر اسکول کی جگہ "ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان" کا قیام عمل میں آیا اور پنجاب یونیورسٹی سے اس کا الحاق کر دیا گیا۔ شروع میں سوسائٹی کو یونیورسٹی کی طرف سے ایک لاکھ روپے سالانہ کی امداد ملتی تھی بعد میں یونیورسٹی کی مالی دشواریوں کی وجہ سے یہ امداد بند کر دی گئی لیکن بورڈ کے چیرمین کی تجویز پر برائے نام امداد کے ساتھ تعلیمی و تحقیقی امور میں یونیورسٹی سے سوسائٹی کا تعلق برقرار رہا

اغراض ومقاصد ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان جن اغراض ومقاصد کے لیۓ قائم کی گئی سوسائٹی کے دستور کے مطابق ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ سوسائٹی کے قیام کا بنیادی مقصد ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے خطوط پر طلبہ اور ریسرچ اسکالرز کی ان کے تعلیمی و تحقیقی کاموں میں امداد کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیۓ سوسائٹی ایسے کاموں میں امداد کرے گی جن کا تعلق برصغیر پاک و ہند اور خاص طور پر مغربی پاکستان کے مسلم ورثے سے ہوگا۔

۲۔ سوسائٹی ایسی دستاویزات اور دوسرے تاریخی مواد کی تلاش، فراہمی اور اس کی اشاعت کی کوشش بھی کرے گی جس کا تعلق ہندوستان پاکستان کے مسلم دور کے تاریخی ورثے سے ہوگا۔

۳۔ مسلم ہند کی تاریخ و ثقافت کے بارے میں مواد کی فراہمی اور اشاعت کے ساتھ پاکستان کی ثقافت، سیاست، ادب و لسانیات اور تاریخ و اثریات کے موضوعات پر تحقیق و تصنیف سوسائٹی کی توجہ کا خاص مرکز ہوگا۔

۴۔ سوسائٹی نے ایک علمی و تحقیقی مجلے کی اشاعت کو بھی اپنے مقاصد میں شامل کیا تھا۔

سوسائٹی کا سارا انتظام ایک بورڈ آف ڈائرکٹرز کے فیصلوں سے انجام پاتا ہے۔ آج کل اس کے منیجنگ ڈائرکٹر پاکستان کی ایک علمی شخصیت محمد جہانگیر خاں ہیں۔

علمی و تاریخی خدمات سوسائٹی نے تاریخ ہند و پاکستان کے موضوع پر اب تک جو لٹریچر شائع کیا ہے اس کی اہمیت اور علمی و تاریخی قدر و قیمت کا اعتراف ملک کے اہل علم میں موجود ہے۔ سوسائٹی کی مطبوعات میں نہایت اہم تاریخی نوادر، کتب حوالہ اور تحقیقی تصانیف شامل ہیں۔ اس سلسلے میں تاریخ ارادت خانی، ادب عالم گیری، تاریخ گنج پور، برصغیر پاک و ہند کے مسلم عہد کی تاریخ، پاکستان کے موضوع پر کتابوں اور مضامین کا اشاریہ پنجاب اور اس کے متعلقات کی ببلیوگرافی، پنجاب کی تاریخ پر مضامین کا مجموعہ، پنجاب میں بلدیاتی اداروں کا ارتقا، تحریک پاکستان کے سلسلے میں قائد اعظم کی منتخب تقاریر و بیانات، جناح ارون خط و کتابت، پاکستان ناگزیر تھا (انگریزی متن)۔ ادبیات میں دیوان و شاد پسروری، دیوان داراشکوہ، گل رعنا، سوانح میں ملک برکت علی اور جسٹس محمد منیر پر کتابیں، مکاتیب میں رقعات ابوالفتح غنی اور مکتوبات سعد اللہ خاں، فہارس میں شیرانی کلیکشن (تین جلد) اور مولانا غلام رسول مہر کلیکشن کے کیٹلاگز وغیرہ شامل ہیں۔ ان کتابوں کی اشاعت سوسائٹی کی نہایت اہم اور قابل قدر خدمت ہے۔

سوسائٹی کی مطبوعات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ سوسائٹی کے ڈائرکٹر اور ارباب حل و عقد کی نظر تاریخ کے اہم پہلوؤں پر تحقیقی مضامین ہی پر نہیں بلکہ تاریخ کے بنیادی مواد کی ترتیب و اشاعت پر بھی ہے۔ سوسائٹی نے تاریخ کے جن سرچشموں سے اہل علم کو متعارف کرایا ہے وہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ کی آئندہ تدوین و تالیف میں بہت اہمیت کے حامل ہوں گے۔

علمی مجلہ سوسائٹی کی علمی و تاریخی خدمات کا ایک وسیع میدان اس کا تحقیقی مجلہ ہے یہ مجلہ سوسائٹی کے قیام کے وقت ہی سے نکل رہا ہے اور اب تک مختلف تاریخی، تہذیبی اور علمی موضوعات پر اور تاریخ سوانح پر جو مقالات شائع ہوئے ہیں وہ موضوع کی اہمیت، افادیت اور علمی معیار کے لحاظ سے مستقل تصانیف سے کسی طرح کم نہیں۔

فرحت حسین بریلوی

مجلس تاریخ روہیل کھنڈ

۱۷ مارچ ۱۹۲۶ء کو روہیل کھنڈ (یو۔ پی۔ انڈیا) کے مشہور تاریخی قصبہ "آنولہ" میں ایک علمی ادارہ "مجلس تاریخ روہیل کھنڈ" کی داغ بیل ڈالی گئی۔ جس کے مقاصد حسب ذیل قرار پائے۔

روہیل کھنڈ کی ایک جامع اور مکمل تاریخ کی تیاری و اشاعت، مشاہیر روہیل کھنڈ پر کتاب کی تدوین و اشاعت، آثار روہیل کھنڈ کی تدوین (تاریخی عمارات وکتبات)، روہیل کھنڈ کے کتب خانوں کا جائزہ اور مخطوطات کی فہرست کی اشاعت، شاہی فرامین کی فہرست کی تیاری (نقول وعکس کی فراہمی) اور ایک کتب خانے کا قیام۔

مجلس تاریخ روہیل کھنڈ مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل تھی

مولوی حکیم عبدالغفور۔ (صدر) خان بہادر حکیم معظم علی خاں (نائب صدر) حافظ علی بخش (نائب صدر)، جناب شیخ رسول احمد قادری (خازن) محمد ایوب قادری (معتمد) سید باقر حسین۔ (نائب معتمد) منشی عبدالکریم۔ (نائب معتمد) قمرالدین۔ (معتمد نشرواشاعت)

مختلف اوقات میں طے پایا کہ مندرجہ ذیل منصوبوں پر درج ذیل حضرات کام کریں گے۔

مشاہیر آنولہ پر مولوی حکیم عبدالغفور کتاب لکھیں، آنولہ کے آثار وعمارات پر محمد ایوب قادری لکھیں، اشرف الحکماء مولوی حکیم عظیم اللہ قادری کی کتاب وفیات المشائخ کی اشاعت کا انتظام کیا جائے، خان بہادر حکیم معظم علی خاں اپنے تاریخی خطبہ صدارت میلاد کانفرنس آنولہ ۱۹۲۶ء کو نظرثانی کرکے کتابی شکل دیں، گلستان رحمت کا اردو ترجمہ مولوی اسد علی خاں ریں، گل رحمت کا اردو ترجمہ حکیم مطیع النبی کریں، مولوی مشیت اللہ قادری انساب و ال پر اپنی یادداشتیں کتابی شکل میں مرتب کریں اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء پر ایک کتاب

مرتب کی جائے ۔ ان میں سے بعض موضوعات پر کام بھی ہوا ہے ۔ البتہ بیشتر موضوعات پر توجہ کی ضرورت ہے ۔

مجلس تاریخ کے مختلف اجتماعات میں بہت سے اہل علم نے مسلمانان ہند و پاکستان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں اور شخصیتوں، تاریخی واقعوں اور بہت سے اہم تاریخی موضوعات و مباحث پر اظہار خیال کیا اور اس کے بعض ارکان نے وفد کی صورت میں ہندوستان و پاکستان کے مختلف تاریخی مقامات کے سفر کیے اور وہاں کے تاریخی آثار اور عمارات کا مشاہدہ کیا ۔

تاریخی مجلس ۔ لاہور

مجید الملکی، آغا شورش کاشمیری، مسٹر این اے رضوی سابق ڈائرکٹر جنرل انٹیلی جنس گورنمنٹ آف پاکستان، سعید الزماں سٹل منٹ کمشنر لاہور اور چند دیگر اہل علم و اصحاب قلم نے پاکستان کی تاریخ اور تہذیب و ثقافت کے لیے تاریخی مجلس کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس کے زیر اہتمام مختلف مواقع پر خصوصاً عیدین کے موقع پر قلعہ لاہور میں نہایت شاندار تقاریب کا اہتمام کیا جاتا ہے ۔ جس میں ملک کے مشاہیر و اکابر حصے لیتے ہیں ۔ مجلس کے پہلے سکریٹری پاکستان کے مشہور صحافی مجید الملکی تھے جو قاہرہ کے ہوائی حادثہ میں شہید ہو گئے تھے ۔ اب اس کے سکریٹری مجید الملکی کے چھوٹے بھائی حمید الملکی ہیں ۔ موصوف پاکستان کی علمی، صحافی زندگی میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔

نیشنل آرکائیوز آف انڈیا ۔ دہلی

اس ادارے نے کیلنڈر آف پرشین کرسپانڈنس کی آٹھویں، نویں اور دسویں جلدوں کے علاوہ ڈسکرپٹو لسٹ آف میوٹنی پیپرز کی جلد اول جو نیشنل آرکائیوز آف بھوپال میں تھی، شائع کردی ہے ۔

آرکیولوجیکل سوسائٹی ۔ حیدرآباد

علم الآثار کے موضوع پر تحقیق کے لیے ۔ ادارہ ڈاکٹر غلام یزدانی نے قائم کیا تھا سوسائٹی کا ایک جنرل بھی نکلنا شروع ہوا تھا ۔ جنرل کے ایڈیٹر بھی ڈاکٹر صاحب تھے اس ادارے کا قیام اسی صدی کے شروع میں عمل میں آیا تھا ۔

چند تاریخی ادارے

آرکیالوجیکل سوسائٹی ۔ دہلی

یہ صرف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ الیگزینڈر کننگھم کے زمانے تک نہ صرف بنگال میں بلکہ شمال مغربی صوبوں کے برطانوی افسروں میں علم آثار قدیمہ کے مطالعہ و تحقیق کا ذوق و شوق پیدا ہو چکا تھا۔

آرکیالوجیکل سوسائٹی آف دہلی کا قیام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ اس کا مقصد دہلی اور دہلی کے گرد و نواح کی قدیم عمارات کی بابت معلومات حاصل کرنا اور ان کی اشاعت تھا۔ سوسائٹی کا قیام ۳ر اپریل ۱۸۴۷ء کو عمل میں آیا۔ اس کے سرپرست جے تھومسن اور صدر ٹی۔ ٹی۔ میٹکاف تھے۔

سوسائٹی کا مقصد یہ تھا کہ خاکوں اور نقشوں، روکار، سکوکاتی، روایتی اور تاریخی تحقیقات اور اگر ممکن ہو تو دہلی اور اس کے گرد و نواح میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی قدیم باقیات پر مشتمل اشاعتوں سے تحقیق و تفتیش کی جائے گی۔ سوسائٹی کے تمام اراکین کا فرض تھا کہ وہ ایسی معلومات فراہم کریں جن سے ملک کے بارے میں حاکموں یعنی انگریزوں کے علم میں اضافہ ہو اور اسے مزید ترقی دی جائے۔

۱۸۵۰ء میں اس کی تنظیم نو ٹی۔ ٹی۔ میٹکاف ہی کے زیر صدارت مسٹر تھومسن اور مسٹر واٹس کے ہاتھوں ہوئی۔ اور اس کی باقاعدہ ماہانہ نشستوں کا اہتمام کیا گیا جس میں سوسائٹی کا کوئی فرد کسی عمارت یا اسی سے متعلق معلوماتی مقالہ پیش کرتا اور اس پر باقاعدہ بحث ہوتی تھی۔

انگریزوں نے سوچا کہ اس میں برصغیر کے لوگوں ہندوؤں اور مسلمانوں کو لائے بغیر

کام نہیں چلے گا۔ اس لئے انھوں نے ایک نئی چیز یعنی اعزازی رکنیت شروع کی۔ اس کے متعلق میٹکاف نے کہا یہ محدود تعداد میں ہوگی۔ تاکہ لفظ "اعزازی" اپنی اہمیت نہ کھو بیٹھے۔ ان اعزازی اراکین میں سرسید احمد خاں شامل تھے۔ وہ اس کی نشستوں میں شریک ہوئے اور چند مقالات پڑھے تھے۔ سرسید کی آثار الصنادید کے طبع دوم میں جو ترمیم و اصلاح ہوئی اس میں ان نشستوں کی معلومات سے استفادہ کیا گیا تھا۔

سوسائٹی کی مطبوعات کا کوئی علم نہیں ہو سکا۔ اس کے جرنل کے دو شمارے سوسائٹی کے متعلق معلومات کا واحد ذریعہ ہیں۔

(سی۔ ڈبلیو۔ ٹرول کے مضمون سہ ماہی اردو شمارہ نمبر ۲ ۱۹۶۵ء سے استفادہ)

جاوید انور (فرسٹ ایئر سائنس)

اسلامک ہسٹری کانگریس۔ لاہور

یہ ادارہ محترم خواجہ عبدالوحید صاحب نے قائم کیا تھا۔ اس کے قیام کا مقصد اس تحریک کو آگے بڑھانا تھا کہ پنجاب کے گورنمنٹ کالجوں میں اسلامی تاریخ کے شعبے کھولے جائیں اور لیکچرار مقرر کیے جائیں۔ اس مہم میں اسلامک ہسٹری کانگریس کو کامیابی ہوئی اور یہی کامیابی اس کی موت کا سبب بن گئی۔ (بہ استفادہ خواجہ عبدالوحید صاحب)

پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی۔ لاہور

یہ سوسائٹی ۱۹۱۳ء میں تاریخ آثار قدیمہ کے بین الاقوامی شہرت یافتہ ڈاکٹر غلام یزدانی نے سر ایڈورڈ میکلے گن (گورنر پنجاب) کی سرپرستی اور سر جان ٹامسن کی معیت میں قائم کی تھی۔

انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ۔ علی گڑھ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ملحق تاریخی تحقیق کا ایک ادارہ۔

ادارہ تاریخ عہد قرون وسطیٰ۔ علی گڑھ

یہ ادارہ مغل عہد اور اس سے قبل کے اسلامی ہند پر تحقیق کے لیے قائم ہے۔

انڈین اسکول آف انٹرنیشنل اسٹڈیز، نئی دہلی

یہ ادارہ نئی دہلی میں قائم ہے اس کے تحت بھی علمی و تحقیقی کام ہوا ہے اس کے دو شعبے وسطی ایشیا اور مغربی ایشیا و شمالی افریقہ کے متعلق تحقیق اور تصنیف و تالیف کے متعلق ہیں یہ ادارہ ۱۹۵۵ء سے کام کر رہا ہے۔ ادارے کے تحقیقی کام کے معیار کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دہلی یونی ورسٹی نے اس کے کام کو پی ایچ ڈی کے لیے تسلیم کر لیا ہے۔ اس طرح یہ ادارہ گویا دہلی یونیورسٹی کا ایک حصہ بن گیا ہے جہاں عرب دنیا پر ریسرچ ہوتی ہے۔

چند دیگر تاریخی ادارے

۱۹۲۲ء میں کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کی پہلی جلد شائع ہوئی تو اس میں بعض ایسی باتیں تھیں جن سے برصغیر کے اہل علم کو اتفاق نہیں تھا۔ اس سے ان کے قومی وقار کو صدمہ پہنچا تھا۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کی اشاعت سے ان میں یہ خیال پیدا ہوا کہ انھیں اپنی تاریخ خود ہی مرتب کرنی چاہیئے۔ کسی اور سے یہ توقع رکھنی کہ وہ ان کے افکار و رجحانات اور قومی احساسات اور وقار کا لحاظ کرے گا۔ عبث ہے۔ اس پس منظر میں ڈاکٹر سید غلام ربانی نے تین تاریخی اداروں کا ذکر کیا ہے:۔

بھارتیہ ایتہاس پریشد، انڈین ہسٹری کانگریس اور علی گڑھ ہسٹاریکل سوسائٹی۔

ان اداروں کے علاوہ اور بھی کئی ادارے ملک میں قائم ہوئے اور مختلف یونیورسٹیوں نے بھی اس جانب توجہ کی۔ مذکورہ الصدر اداروں نے تاریخی کانفرنسوں کے ذریعے برصغیر میں قومی تاریخی شعور پیدا کیا۔ اور بعض علمی تحقیقات بھی ان کے ذریعے منظر عام پر آئیں۔

ادارہ معارف ملی۔ لاہور

یہ ایک خالص علمی، فنی اور تحقیقی ادارہ تھا جو ۱۹۶۶ء میں اسلامی علوم و فنون کی اشاعت اور تمام علوم و معارف اسلامی و ملی میں تحقیق و تصنیف اور مسلمانان پاکستان کی ذہنی، فکری اور اخلاقی تربیت کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اس کے قیام اور مقاصد کی اخبارات کے ذریعے خوب تشہیر

کی گئی۔ اس کے صدر اور نائب صدر جسٹس محمد منیر اور جسٹس بدیع الزماں کیکاؤس تھے، جنرل سکریٹری اور فنانشل سکریٹری آغا شورش کاشمیری اور مجید نظامی تھے۔ اسے تین علمی وفنی شعبوں میں منظم کیا گیا تھا۔ لسانیات وادبیات اس کے مدیر احسان دانش تھے۔ سیاسیات اور اسلامیات، اس کے مدیر رئیس احمد جعفری تھے اور تاریخ وسیرت، اس کے مدیر رشید اختر ندوی تھے۔ یہی حضرات اس کے بانی اور مستقل ممبر تھے۔ اس ادارے کی جانب سے صرف رشید اختر ندوی کی ایک کتاب "خلافت راشدہ اور جمہوری اقدار" شائع ہوئی۔

دارالمورخین، لاہور تاریخ وتحقیق سے ذوق رکھنے والے چند حضرات نے دارالمورخین کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ ۱۹۷۱ء میں قائم کیا ہے۔ اس کے سرپرست جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری ہیں۔

اس کے مقاصد درج ذیل ہیں:

برصغیر پاک وہند کی سیاسی، علمی، ثقافتی اور روحانی تاریخ سے متعلق معاصر مآخذ کی ترتیب وتدوین واشاعت، پاکستان کے ذاتی کتب خانوں کے مخطوطات کی فہرستوں کی ترتیب واشاعت، تاریخ پنجاب پر تحقیقی مواد کی اشاعت اور ایک اعلیٰ کتب خانے کا قیام

دارالمورخین کے معتمد پروفیسر محمد اقبال مجددی ہیں اور اس کے اساسی ارکان، سید شرافت نوشاہی، حکیم محمد موسیٰ امرتسری، میاں جمیل احمد شرقپوری اور پروفیسر محمد ایوب قادری ہیں۔

اب تک اس ادارے سے محمد اقبال مجددی کی مولفہ ومرتبہ تین اہم کتابیں "احوال وآثار عبداللہ خویشگی، احوال وآثار سید شرافت نوشاہی اور علمائے ساہووالہ (سیالکوٹ کے علما کا ایک مطبوعہ تذکرہ) شائع ہو چکی ہیں۔ کئی علمی وتاریخی کتابیں زیر اشاعت ہیں۔

سندھ ہسٹاریکل سوسائٹی

سندھ کا مشہور تاریخی ادارہ جس کا قیام پاکستان کے وجود میں آنے سے بہت پہلے عمل میں آیا تھا اور متعدد تاریخی کتابیں اس کی جانب سے شائع کی گئی تھیں ہمیں افسوس ہے کہ قلت وقت کی بنا پر اس کے دور اول کے بارے میں ہم کوئی معلومات حاصل نہیں کر سکے۔ البتہ اس کے دور ثانی کے بارے میں جو قیام پاکستان کے بعد کا دور ہے محترم خواجہ عبدالوحید کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم نے جب کہ وہ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن تھے اس کا احیا کیا تھا اور خواجہ صاحب موصوف کو اس کا سکریٹری بنایا تھا۔ اس کے جلسے کراچی کے مختلف اہل علم کے مکانوں پر ہوتے تھے اور علمی و تاریخی موضوعات پر مقالے پڑھے جاتے تھے۔

قومی کمیشن برائے تاریخی و ثقافتی تحقیق اسلام آباد

قومی تاریخ، تہذیب اور شخصیات پر ہمہ قسم کے مواد کی فراہمی، تحقیق و تصنیف اور تدوین و اشاعت کے لئے ایک وسیع المقاصد سرکاری ادارہ جو ابھی حال میں قائم کیا گیا ہے۔ متعدد کتابیں تصنیف و تالیف کی جا چکی ہیں۔ لیکن ابھی کوئی چیز شائع نہیں ہوئی ہے اس لئے کام کے معیار کے بارے میں ہم صرف اس توقع کا اظہار کر سکتے ہیں کہ چونکہ کے۔ کے عزیز جیسے صاحب علم و نظر اس کے منتظم ہیں اس لئے اس کی مساعی ہر لحاظ سے قابل قدر اور کام کا معیار ہر اعتبار سے بلند ہوگا —— یہ ایک اہم قومی ضرورت تھی جس کی طرف موجودہ حکومت نے توجہ کی ہے۔

باب سوم

اصلاحی، تعلیمی، تبلیغی ادارے

ثریا ظفر

چند تبلیغی و اصلاحی ادارے

انگریز تجارتی اغراض لے کر ہندوستان آئے تھے۔ یہاں کے سیاسی حالات دیکھے تو حکومت و فرماں روائی کے امکانات بھی نظر آنے لگے۔ سیاسی جوڑ توڑ اور ڈپلومیسی میں ان کا جواب نہیں تھا لیکن مشرق کی مذہبی عصبیت اور سب سے بڑھ کر اسلام کی حریت پرور تعلیمات ان کے مقاصد کی راہ میں سنگِ گراں تھیں اس لئے ضروری ٹھہرا کہ مذہبی عصبیت کو ختم کیا جائے اور اسلام کی حریت پسند تعلیمات کو مشتبہ کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں بہت سے عیسائی مشنری ادارے قائم کئے گئے جنھوں نے ہندوستان کی مقامی زبانوں خصوصاً اردو میں بے اندازہ تبلیغی لٹریچر شائع کیا جس میں مذہب پر اعتراضات کئے اور ایسے مسائل کو برسرِ عام زیر بحث لایا گیا جس سے اسلام کی حریت پسند تعلیمات کی ذہن پر گرفت کم ہوتی تھی۔

اردو میں تحقیق کا یہ ایک اہم موضوع ہے جس کی طرف ابھی ہمارے محققوں اور مصنفوں نے توجہ نہیں کی۔ مسلمانوں کے اداروں کا جہاں تک تعلق ہے ان کی خدمات کا تذکرہ کسی نہ کسی طرح تاریخوں اور تذکروں میں آجاتا ہے لیکن عیسائی مشنری اداروں اور اردو زبان و ادب کی ترقی میں ان کا تذکرہ نظر انداز ہی کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں چند ایسے ہی عیسائی اور مسلم مشنری اداروں کی تبلیغی سرگرمیوں اور اردو کی خدمات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں چند عیسائی مشنری ادارے درج ذیل ہیں۔

چرچ مشن سوسائٹی

۱۷۹۹ء میں اس کا قیام لندن میں ہوا تھا۔ اور اس کا کام افریقہ اور یورپ کے ملکوں میں عیسائیت پھیلانا تھا۔ ۱۸۱۰ء میں اس سوسائٹی نے ایک بڑی رقم ہندوستان میں نصرانیت

کی تبلیغ کے لئے بھیجی اور تین پادری بھی بھیجے گئے۔ انھوں نے یہ رقم ہندوستان کی مفتوحہ زبانوں میں انجیل کے ترجموں پر خرچ کی۔ کلکتے میں ہندوستان کی تبلیغ کے لئے یہ سوسائٹی ۱۸۱۴ء میں قائم ہوئی۔

کلکتہ ڈیولیکن ایڈیشنل کلرسوسائٹی اس سوسائٹی کو ۱۸۴۱ء میں لشپ ولسن نے قائم کیا۔ اس کے صدر لشپ کلکتہ تھے۔ اس سوسائٹی کی غرض یہ تھی کہ جہاں جہاں حکومت پادری نہیں بھیج سکتی وہاں یہ یہ سوسائٹی پادری کا انتظام کرتی تھی۔

بائبل سوسائٹی یہ سوسائٹی ۱۸۰۴ء میں قائم ہوئی جس کا مقصد بائبل کو چھاپنا اور اس کی تعریف و توضیح کے لئے کتابیں شائع کرنا تھا۔

مذہبی کتابیں شائع کرنے والی سوسائٹی یہ جماعت ۱۸۶۲ء میں عیسائیت کے پروپیگنڈے اور مذہبی کتابیں شائع کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس کے صدر میجر جنرل میکلی گن تھے۔

بمبئی ایجوکیشنل سوسائٹی اسکول ۱۸۱۵ء میں قائم ہوا۔ جس کا مقصد بچوں کو عیسائیت کی تعلیم دینا تھا۔ اس کے طالب علم یتیم یا فوجیوں کے ناجائز بچے تھے۔ اس کے تمام طالب علموں پر لازم تھا کہ وہ عیسائیوں کی دعاؤں میں شامل ہوں اور ان کو دُہرائیں۔

اسی طرح بہت سی مناظرہ سوسائٹیاں اور اسکول قائم کئے گئے جن کو حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی۔ ورنہ عیسائیت کو جو کامیابیاں حاصل ہوئیں اس کا عشر عشیر بھی نہ ہوتا۔

مسلمانوں نے بھی ان اداروں کے مقابلے میں بے شمار تبلیغی ادارے قائم کئے اور ردِ عیسائیت میں علمی و قلمی جہاد کیا۔ عیسائیوں کے زہریلے پروپیگنڈے کا جواب اپنی مدلل اور محققانہ تصنیفات سے دیا۔ ان کے اعتراضات کا رد کیا۔ مباحثے اور معرکۃ الآرا مناظرے کئے۔ تبلیغی انجمنیں قائم کیں۔ اس سلسلے میں چند انجمنیں

درج ذیل ہیں۔

مسلم مشنری سوسائٹی | یہ سوسائٹی مشنریوں کے مقابلے کے لئے ۱۸۲۴ء میں قائم ہوئی تھی۔ جس کا مقصد مسلمانوں کیلئے اصلاحی کام کرنا تھا۔ اس انجمن نے عیسائیوں کی کتابوں کے جوابات شائع کئے اور ان کے بازاری پروپیگنڈے کا مناظرۂ عام میں جواب دیا۔

مسلم انسٹی ٹیوٹ لیورپول | اس انجمن کی غرض اشاعتِ اسلام۔ تعمیر مسجد۔ فارسی، عربی، ترکی، ہندوستانی اور عبرانی تعلیم مؤیدِ اسلام کتابوں کا مشتہر کرنا۔ ایک کتب خانہ مہیا کرنا اور غریب مسلمانوں کی مدد کرنا مولوی رفیع الدین اس کے صدر اور جی لسٹر اس کے اعزازی معتمد تھے۔

انجمن خادم علوم اسلامیہ | یہ انجمن، انجمن حمایت اسلام کے قیام کے تقریباً ۳ سال بعد قائم ہوئی تھی۔ اس کے قیام کا مقصد... مسلمانوں کے اخلاق و معاشرت کو درست کرنا اور علوم عربیہ اسلامیہ کو دوبارہ سربلند کرنا تھا۔ اس کے لئے ایک مدرسہ علوم اسلام قائم کیا گیا جس میں علوم شرعیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لڑکیوں کی دینی تعلیم کا انتظام تھا۔ دست کاری بھی سکھائی جاتی تھی۔
اس انجمن نے سنٹرل ماڈل اسکول لاہور اور دیگر سرکاری مدارس میں مسلمان طلبہ کی دینی تعلیم کے لئے محکمہ تعلیم کی اجازت سے اپنے مدرس مقرر کئے اور دینی تعلیم کے انتظام کے ساتھ طلبہ میں عیسائیت کے اثرات کا سدباب کرنے میں قابل قدر خدمات انجام دیا

انجمن تبلیغ اسلام | یہ انجمن ۱۸۸۸ء میں حیدرآباد دکن میں قائم ہوئی۔ اس کے مقاصد یہ تھے۔ غیر مسلموں میں تحریر و تقریر کے ذریعے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور نو مسلموں کے لئے فرائض و سنن کی تعلیم کا اہتمام اور ان کی حسب ضرورت دستگیری کرنا۔ دکن میں اسلام کی تبلیغ اور عیسائیت کے رد میں اس انجمن نے سب سے زیادہ کام کیا۔ اس کی کوششوں کی وجہ سے کئی نام ور انگریزوں نے اسلام قبول کیا۔ انجمن کی دس ارکان کی ایک مجلس انتظامی تھی جس کے میر مجلس مولانا شاہ عبدالرحیم

نائب، میر مجلس مولانا میر انوار اللہ، معتمد و خازن سید مرتضیٰ قاری۔ شریک معتمد مولوی غلام احمد اور مولوی صفی الدین اور مہتمم مولوی سید احمد تھے۔

انجمن افتخار الاسلام۔ جاورہ یہ تبلیغی اور اصلاحی انجمن مندرجہ ذیل مقاصد کے لئے قائم ہوئی تھی: مسلمان بچوں کی ذہنی اور دینی تعلیم کا انتظام کرنا۔ مفلس یتیم اور لاوارث بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا تاکہ وہ عیسائی پادریوں کی دسترس سے محفوظ رہ کر اسلام پر قائم رہ سکیں۔ مسلمانوں کو تحصیل علوم دینی و دنیوی کا شوق دلانا۔ معترضین اسلام یا پادریوں کے جوابات دینا۔ انجمن کی جانب سے اسی نام سے ایک رسالہ بھی نکلتا تھا۔

دارالامامت دارالامامت ردّ نصاریٰ کے سلسلے میں واعظین کی اصلاح و درستگی اور طریقہ مناظرہ سکھانے کے لئے قائم کیا گیا تھا تاکہ واعظین چالاک پادریوں کے داؤ پیچ میں نہ آئیں۔ ان کو شکست دینے اور مناظرہ کرنے کے طور طریقے سیکھیں تاکہ ناواقفیت کی بنا پر شرمسار ہونے کی کوفت اور مذہب کی بدنامی سے بچ جائیں۔ دارالامامت کی طرف سے اعلان تھا کہ کوئی بھی مسلمان واعظ و مناظر اس وقت تک ردنصاریٰ نہ کرے جب تک وہ دارالامامت سے ردّ نصاریٰ کی سند نہ حاصل کرے۔

انجمن اسلامیہ یہ انجمن دہلی کے غیور مسلمانوں نے اسلامی احکامات اور اصولوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے قائم کی گئی۔ تاکہ مسلمان نصرانیت کے ہتھکنڈوں سے بچ سکیں۔ اس انجمن کے ماتحت ایک مدرسہ بھی تھا۔ جس کے مدرس مولانا محمد شاہ تھے ــــ انجمن کے صدر قطب الدین تھے اور سکریٹری خواجہ علی احمد تھے اور ممبران مولانا الطاف حسین حالیؔ۔ مولوی الفت حسین مولانا عبدالمجید، حکیم ظہیر الدین میونسپل کمشنر وغیرہ معزز حضرات تھے۔ اسی انجمن کے میر مجلس مولانا ابوالمنصور تھے جو ہر ہفتے انجمن کے پروگرام کے مطابق مختلف عنوانات پر علمی اور تبلیغی ردنصاریٰ کے عنوان پر مضامین پڑھ کر مستفید فرماتے تھے۔

اس کے علاوہ انجمن اسلامیہ پشاور۔ انجمن اسلامیہ امرتسر۔ انجمن اسلامیہ انبالہ۔ انجمن اسلامیہ شملہ اور پنجاب کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بھی قائم تھیں۔ مثلاً انجمن اسلامیہ اجمیر۔ انجمن اسلامیہ احمد آباد۔ انجمن اسلامیہ مراد آباد، انجمن اسلامیہ بمبئی وغیرہ نے اردو ادب کی زبان کی بے نظیر خدمات انجام دی۔

مذکورہ بالا تبلیغی و اشاعتی اداروں کا قیام سے ایک طرف مسلمانوں میں ذہنی بیداری پیدا ہوئی تو دوسری طرف ان کے قیام سے اردو زبان کو کافی فروغ ہوا اگرچہ اردو زبان کی ترقی کسی فرقے کے سامنے نہ تھی لیکن بالواسطہ اردو زبان کو بہت فائدہ پہنچا۔ اردو میں مذہبی، علمی مناظرانہ لٹریچر تیار ہوا۔ زبان کا دامن وسیع ہوا ادب کی ترقی ہوئی۔ نثر کے ساتھ نظم میں بھی ادب کا بے نظیر ذخیرہ فراہم ہوگیا۔ اخبار و رسائل جاری ہوتے۔ صحافت کو ترقی ہوئی۔ خطابت اور مناظرے کے اسکول قائم ہونے اور اس فن نے خوب ترقی کی۔

انجمن اسلامیہ، رانچی

یہ انجمن مولانا ابوالکلام آزاد نے سنہ ۱۹۱۷ء میں قائم کی تھی۔ مولانا اس زمانے میں (سنہ ۱۹۱۶ء تا سنہ ۱۹۲۰ء) رانچی میں نظر بند تھے۔ اس کے قیام کے مقاصد کہیں لکھے ہوئے نظر نہیں آتے لیکن جن دائروں میں اس نے کام کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ انجمن مسلمانوں کی اصلاح اُن کے اجتماعی نظام کی درستگی، مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ اور دینی و اصلاحی لٹریچر کی اشاعت کے لیے وجود میں آئی تھی۔ اس کے نظام کو چلانے کے لیے ایک کمیٹی بنا دی گئی تھی۔ اس کے سیکریٹری داروغہ الطاف حسین خاں تھے۔ یہ کمیٹی مولانا آزاد کی ہدایت کے مطابق کام کرتی تھی۔ اگرچہ مولانا ضابطے کے مطابق نہ اس کے صدر تھے نہ رکن۔

الطاف حسین خاں سی آئی ڈی کے انسپکٹر تھے اور رانچی میں مولانا ابوالکلام آزاد کی نگرانی پر انھیں مامور کیا گیا تھا۔ اس کے سوا ان کے پاس کوئی کام نہ تھا مولانا نے انھیں ملت کی خدمت میں لگا دیا۔ وہ کئی سال تک نہایت مستعدی کے ساتھ ملت کی خدمت انجام دیتے رہے اور اپنے سرکاری فرائض سے بھی غافل نہ ہوئے۔

رانچی میں اس وقت تک مسلمانوں کی تعلیم کا کوئی بند و بست نہیں تھا، معاشی طور پر بھی مسلمان نہایت ناگفتہ بہ حالت میں تھے اور بے شمار غیر اسلامی رسوم اور جہالت میں مبتلا تھے۔

انجمن اسلامیہ اور اس کے مدرسہ کے قیام و تعمیر کے بارے میں سہیل عظیم آبادی فرماتے ہیں:

"مولانا آزاد نے رانچی میں انجمن اسلامیہ کی بنیاد ڈالی اور اس کی نگرانی میں ایک مدرسہ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس زمانے میں یہ کام ذرا سخت ہی تھا۔ ہندوستان میں قومی تحریک شروع ہو چکی تھی لیکن عام لوگوں کا شعور بیدار نہیں ہوا تھا۔ پھر یہ کہ رانچی کے مسلمانوں کی عام آبادی غریب تھی۔ مدرسہ کے قیام کے لیے فنڈ

اکٹھا کرنا مقامی طور پر تقریباً ناممکن تھا پھر بھی جب مولانا نے اپیل کی تو اکثر مقامی ہندوؤں اور مسلمانوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا ۔ لیکن اس وقت کا رانچی آج کا رانچی نہیں تھا ۔ مولانا نے اپنے کلکتہ کے دوستوں اور عقیدت مندوں کے پاس الطاف حسین خاں صاحب کو بھیجا اور کافی سرمایہ جمع ہو گیا جس سے انجمن اور مدرسہ کی عمارت بن گئی ۔ بعد میں کلکتہ کے بعض اہل خیر مسلمانوں نے سوچا کہ روپے اکٹھا کر کے اتنی عمارتیں بنا دی جائیں کہ کرایے کی آمدنی سے مدرسہ اور انجمن کے اخراجات پورے ہوتے رہیں اور ایسا ہوا بھی ۔ لیکن مولانا کے رانچی سے چلے جانے کے بعد پروگرام کی تکمیل نہ ہو سکی ۔ البتہ انجمن اور مدرسہ اب بھی قائم ہے بلکہ بعض نوجوانوں نے اس سے متعلق ایک ہائی اسکول بھی قائم کر لیا ہے جو مولانا کے نام سے منسوب ہے اور قابل قدر خدمات انجام دے رہا ہے ۔"

مدرسہ کی عمارت کی تعمیر میں مولانا آزاد نے صرف اپنے عقیدت مندوں ہی سے مدد نہیں کروائی تھی بلکہ انھوں نے خود بھی اس میں بیش از بیش حصہ لیا ۔ سہیل صاحب لکھتے ہیں :

" مولانا کے رانچی سے چلے جانے کے بعد پتا چلا کہ مدرسہ کی عمارت کی دوسری منزل انھوں نے اپنے روپوں سے بنوائی تھی جو انھیں پریس فروخت کر کے حاصل ہوئے تھے ۔"

مولانا غلام رسول مہر نے خود مولانا آزاد سے انجمن اسلامیہ کے قیام کے بارے میں روایت نقل کی ہے ۔ وہ فرماتے ہیں :

" مولانا نے رانچی پہنچ کر ایک انجمن اسلامیہ کی بنیاد رکھ دی اور ایک مرتبہ خود مجھے سنایا کہ ابتدا میں مٹھی مٹھی بھر آٹا وصول کیا جاتا تھا پھر سالانہ جلسے ہونے لگے اس کے زیر اہتمام ایک اسکول جاری ہوا جسے اس وقت کالج کا درجہ حاصل ہے ابتدا میں داروغہ الطاف حسین خاں اس کے سکریٹری تھے ۔ مولانا نے اپنے بعض رسائل بھی انجمن کے حوالے کر دیئے تھے ۔"

مولانا جب رانچی میں قیام فرما تھے تو وہاں کا عجب حال تھا ۔ وہاں کے مسلمانوں میں تعلیم ناپید تھی اور غربت بھی تھی ۔ مسلمانوں کا صرف ایک طبقہ خوش حال تھا جو دیسی شراب

کا کاروبار کرتا تھا ۔ یہ لوگ شہر میں آباد تھے اور دیہاتوں میں بھی ۔ مولانا نے اپنے خطبوں میں دینی اور سماجی مسئلوں پر روشنی ڈالی اور اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مسلمانوں نے شراب کا کاروبار ترک کر کے تجارتیں شروع کر دیں حالانکہ ان مسلمانوں کا یہ خاندانی پیشہ سمجھا جاتا تھا بظاہر انھیں بڑا مالی نقصان اٹھانا پڑا ۔

رانچی میں مولانا کے قیام کا ایک اور فائدہ بھی ہوا جس پر سہیل صاحب نے روشنی ڈالی ہے اور یہ تھا مسلمانوں کا اندرونی دینی اختلاف ۔ سہیل صاحب لکھتے ہیں :

" ان دنوں رانچی میں حنفی اور وہابی کا بڑا جھگڑا تھا ۔ چونکہ مقامی مسلمانوں میں اتنا علم نہ تھا کہ سمجھ سکیں ۔ اس لیے اکثر پیشہ ور مولویوں اور پیروں کے شکار رہتے جو کچھ کہتے تھے یہ سیدھے سادے مسلمان مان لیا کرتے تھے ۔ مولانا نے اس مسئلے پر متعدد خطبے رانچی کی جامع مسجد میں دیے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کچھ لوگ مولانا کے مخالف ہو گئے اور انھیں بھی وہابی ، اور غیر مقلد کہنا شروع کر دیا ۔ لیکن یہ فتنہ بھی جلد ہی دب گیا اور اس کے ساتھ ہی حنفی اور وہابی کا جھگڑا بھی "

انجمن کے زیر اہتمام سالانہ جلسے اور علمی مذاکرے بھی ہوتے تھے جس میں بڑے بڑے علماء کو بلایا جاتا تھا ۔ مارچ ۱۹۱۹ء میں سید سلیمان ندوی نے شرکت کی تھی اسی سال دوسرے سالانہ جلسے میں بھی مولانا سلیمان ندوی اور مولانا ابوالحسنات ندوی کو مدعو کیا گیا اور ان سے بہار کے دوسرے علماء کو مدعو کرنے کے بارے میں مشورہ بھی کیا ۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام سید سلیمان ندوی ایک خط (مورخہ یکم اپریل ۱۹۱۹ء) میں لکھتے ہیں :

" رانچی کی شور وسنگستانی زمین ان کے سحر زبان اور جادوئے بیان سے پانی ہو گئی ہے اور وہ بھی میٹھا ، مدرسہ کی عمارت چھوٹی لیکن خوبصورت اور شاندار بنی ہے ۔ لوگ بہت مانتے ہیں ایک دو تقریریں میری ہوئیں "

ایک خط میں مولانا آزاد سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں :

" بالفعل ضروری بات یہ ہے کہ انجمن اسلامیہ رانچی کا دوسرا سالانہ جلسہ ۲۴ ، ۲۵ ، ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو قرار پایا ہے ۔ اس سال آپ کی شرکت نہایت ضروری ہے ۔ خواہ کچھ ہو مگر آپ کو آنا ہی پڑے گا اگر آپ شریک نہ ہوئے تو بڑا

تعلق ہوگا۔ آپ اس فرض کفایہ کو فرض عین بنایئے۔ کیا اچھا ہوتا اگر آپ صوبہ بہار کی گزشتہ علمی زندگی و تعلیمی حالت پر ایک لیکچر دیجئے۔ مولوی ابوالحسنات صاحب کو بھی ساتھ لایئے گو افسوس کہ عماری (عبداللہؒ) حیدرآباد میں ہیں۔ ایک دن کا جلسہ صوبے کے تعلیمی و علمی مذاکرے کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ مولوی ابوالحسنات صاحب بھی کوئی تحریر تیار کرلیں تو بڑی خوشی ہو"

مولانا ابوالکلام آزاد کی صحبت، ان کی کوششوں اور انجمن اسلامیہ کے قیام سے رانچی میں انقلاب آیا اس کا اندازہ سید سلیمان ندوی مرحوم کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے۔

"رانچی ایک ایسا مقام تھا جہاں مسلمان نہایت ذلت و نکبت کی حالت میں تھے۔ جہالت اور باہمی خانہ جنگی نے ان کو گرد و پیش کے حالات سے ناواقف رکھا تھا۔ عیسائی مشنریوں کا جال تارکی طرح پھیلا تھا۔ عالم دین کا اس خطے میں وجود نہ تھا۔ مذہبی احساسات کی روح ان میں مردہ تھی، لیکن مولانا کے پرتو صحبت نے چند ہی سال کے بعد وہاں کی زمین و آسمان کو بدل دیا۔ اب ہم یہاں اسلامی انجمن کا نام سنتے ہیں۔ ایک مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد و تعمیر دیکھتے ہیں۔ علمائے مشاہیر کے مواعظ کا جلوہ وہاں نظر آتا ہے۔ مذہب اور ملت کی روح کو ان کے جسم و تن میں جنبش کرتے ہوئے پاتے ہیں اور وہاں کے فقرا اور خاک نشینوں میں اب یہ حوصلہ دیکھتے ہیں کہ علم کا پہلا کعبہ اس دیار میں وہ خود اپنے زور بازو سے قائم کرکے رہیں گے۔ جہاں ایک عالم دین کا وجود نہ تھا وہاں اب کوشش ہو رہی ہیں کہ سینکڑوں علمائے دین اسی کی خاک سے پیدا ہو کر اس سرزمین کو منور کریں، جہاں مسجدیں بے چراغ تھیں وہاں ایک خورشید سے دیر و حرم سب میں اجالا ہوگیا۔ جمعہ اور عیدین کے مجامع اس سرزمین میں جہاں اسلام کی کوئی صحبت بہم نہ تھی وہاں اب موکب شاہی کا دھوکہ دیتے ہیں"

دینی رسائل کی اشاعت کے میدان میں بھی انجمن اسلامیہ پیچھے نہیں رہی بقول مولانا مہر مرحوم "مولانا آزاد نے اپنے بعض رسائل بھی انجمن کے حوالے کر دیے تھے۔"

ہمارے علم میں مولانا کا مشہور رسالہ جامع الشواہد عن دخول غیر المسلم فی المساجد (طبع اول) انجمن کی جانب سے شائع ہوا تھا۔ مولانا کا یہ رسالہ غیر مسلموں کے مسجد میں داخلے کے باب میں ہے۔ مولانا کا جمعہ کا خطبہ و وعظ سننے کے لیے کچھ غیر مسلم بھی مسجد میں آنے لگے تھے۔ اس پر بعض مسلمانوں نے اعتراض کیا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ مولانا نے نہایت محققانہ انداز میں اس کے جواز کو ثابت کیا ہے۔ مولانا کا یہ رسالہ موضوع بحث اور تحقیق کے لحاظ سے عجیب و غریب رسالہ ہے۔

مسلم ایجوکیشن سوسائٹی حیدرآباد

سندھ مدرستہ الاسلام کراچی اور اس سے متعلق دیگر تعلیمی اداروں کے بعد جس تعلیمی انجمن اور اس کے اداروں نے سندھ میں تعلیم کی اشاعت میں سب سے زیادہ حصہ لیا وہ مسلم ایجوکیشن سوسائٹی حیدرآباد اور اس کے تعلیمی ادارے ہیں۔ اس سوسائٹی کی کوششوں سے حیدرآباد، سندھ کے دوسرے شہروں اور قصبوں، خاص طور پر دیہات کے مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ کی تحریک کو بڑی کامیابی ہوئی۔

سنہ ۱۹۲۴ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بمبئی کے موقع پر سندھ کے دیہات میں تعلیم کے فروغ کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی، جس کے چیرمین عبدالقادر محمد حسین اور سیکریٹری شیخ نور محمد تھے۔ اس کمیٹی نے بعد میں مسلم ایجوکیشن سوسائٹی کا قالب اختیار کیا، جس کی کوششوں سے سندھ میں تعلیم کا نیا دور شروع ہوا۔

پہلا اسکول جو سوسائٹی کے زیر انتظام آیا وہ گورنمنٹ ہائی اسکول حیدرآباد تھا۔ سوسائٹی کے زیر انتظام آنے کے بعد اسے حیدرآباد ہائی اسکول کے نام سے بدل دیا گیا اور سنہ ۱۹۳۰ء میں مرحوم شیخ نور محمد کے انتقال کے بعد ان کی یاد میں اس کا نام نور محمد ہائی اسکول کر دیا گیا۔ اب یہ اسکول ترقی کرکے آرٹس، کامرس اور سائنس کا ڈگری کالج ہو گیا ہے۔ پرائمری، مڈل اور ہائی اسکولز اس کے علاوہ تھے جو مسلم ایجوکیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام سنہ ۱۹۷۲ء میں نئی تعلیمی پالیسی کے نفاذ تک چلتے رہے۔ سوسائٹی کی ایک عظیم الشان خدمت مسلم ہوسٹل کا قیام ہے۔ ہوسٹل کے قیام سے اندرون سندھ تعلیم کے فروغ میں خاص فائدہ ہوا۔ اس لئے کہ وہ خاندان جو تعلیم کا شوق رکھنے کے باوجود کراچی یا حیدرآباد میں اپنے بچوں کے مناسب قیام کے مسئلے کو حل کرنے سے قاصر تھے ان کے لئے ایک قابلِ اطمینان جگہ پیدا ہو گئی جہاں وہ اپنے بچوں کو رکھ

سکتے تھے اور اعلیٰ تعلیم دلوا سکتے تھے۔

شیخ نور محمد سوسائٹی کے قیام سے اپنے انتقال (۱۹۳۷ء) تک سوسائٹی کے سکریٹری رہے۔ ان کے بعد اسسٹنٹ سکریٹری محمد اسلم شیخ سکریٹری کے منصب پر فائز ہوئے۔ سوسائٹی کی سربراہی کی ذمہ داری غلام حسین سومرو پر تھی۔ ان کے سبک دوش ہونے کے بعد اے۔ ایم نظامانی نے اس ذمہ داری کو اٹھایا اور محمد اسلم شیخ کے انتقال کے بعد نظامانی کو سوسائٹی کا سکریٹری مقرر کر دیا گیا۔ انھوں نے اپنے تجربات، اپنی صلاحیتوں اور کوششوں سے سوسائٹی کے کاموں کو بہت ترقی دی۔ ان کے زمانے میں نئے تعلیمی ادارے قائم بھی ہوئے اور اداروں کا انتظام اور تعلیمی معیار بھی بہت بلند ہوگیا۔ نظامانی ان ذمہ داریوں سے پہلے چونکہ ناظم تعلیمات رہ چکے تھے اور اس عہدے سے سبک دوش ہونے کے بعد انھوں نے سوسائٹی کے کاموں میں حصہ لینا شروع کیا تھا اس لیئے ان کے تجربات، اور علم و مطالعہ سے سوسائٹی کو بہت فائدہ پہنچا۔

شیخ نور محمد کی تعلیمی خدمات کے موضوع پر پروفیسر محمد جمن تالپور (جامعہ سندھ) کا جو مفصل مقالہ برگ گل (گورنمنٹ اردو کالج۔ کراچی) کے تعلیمی پالیسی نمبر میں شائع ہوا ہے، اس میں موصوف نے سوسائٹی کے اداروں کی بدولت سندھ میں تعلیم کے فروغ خصوصًا دیہاتی مسلمانوں میں تعلیم کی اشاعت اور مسلم روایات کے احیاء میں سوسائٹی کے عظیم الشان کردار اور اس کی خدمات کا ذکر کیا ہے۔

بھریا ایجوکیشن سوسائٹی بھریا ضلع نواب شاہ (سندھ) کا ایک قصبہ ہے جس میں بھریا ایجوکیشن سوسائٹی کے نام سے تعلیم کے فروغ کے لیئے ایک ادارہ تھا۔ اس کی جانب سے ۱۸۸۶ء میں اینگلو ورنا کیولر اسکول بھریا قائم کیا گیا تھا۔

شکارپور ایجوکیشن سوسائٹی شکارپور (سندھ) کی یہ تعلیمی انجمن ۱۹ ویں صدی کے اواخر میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے زیر انتظام ہوپ فل اکیڈمی کے نام سے ایک مڈل اسکول قائم تھا بعد میں اس کا نام تبدیل کرکے شکارپور اکیڈمی کر دیا گیا۔

انجمن اسلامیہ ٹیسکا رپور | یہ انجمن بھی ۱۹ ویں صدی کے آخر میں قائم ہوئی تھی۔ منشی عبدالرحمٰن نے اپنے سفرنامے "سیاحت ہند" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ۱۹۰۵ء میں اس کے سکریٹری منشی علی بخش نامی "ایک با اخلاق، علم دوست اور مسافر نواز" شخص تھے۔ (بہ استفادہ جناب ثناء الحق صدیقی و پروفیسر محمد ایوب قادری)

جمعیتہ دعوت و تبلیغ۔ پونا

شدھی تحریک نے مسلمانوں میں جو بیداری اور مسلمانوں کی تعلیم و اصلاح و تربیت اور اشاعت و تبلیغ اسلام کا جو ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ اس کے زیر اثر ۱۹۲۳ء میں جمعیتہ دعوۃ و تبلیغ اسلام کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس کے بانیوں میں خاندان سعادت قصور کے سعید و صالح ارکان مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا عبداللہ قصوری، مولانا محی الدین احمد قصوری اور مولانا محمد علی ایم اے کینٹب تھے۔ جمعیتہ کا مرکز پونا تھا۔ اور دائرۂ خدمت بمبئی سے لے کر مدراس تک اور پورے دکن میں پھیلا ہوا تھا۔ ملیبار میں جمعیتہ نے خاص طور پر خدمات اسلام و ملت اسلامیہ کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

جمعیتہ کی فکری رہنمائی مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تھی۔ مولانا آزاد اور اس کے بانیان کرام اس عظیم الشان دینی کام کو وقتی جوش و جذبات کے بجائے ایک اہم دینی اور ملت کی دائمی ضرورت سمجھ کر انجام دینا چاہتے تھے۔ اس لیے ان کا طریقہ کار بھی ان تمام جمعیتوں اور انجمنوں سے مختلف تھا جو اس زمانے میں وقتی جوش کے تحت خدمتِ دین اور اشاعتِ اسلام کے لیے قایم ہوئی تھیں اور شدھی کی تحریک کے خاتمے کے ساتھ ہی ان سب کا وجود معدوم ہو گیا۔ مولانا آزادؒ نے خاندانِ سعادت قصور کے فیض یافتگان اور ارادت مندوں کی جن مقاصد کار اور جن عزائم امور کی جانب رہنمائی فرمائی وہ دین کی دائمی ضرورت تھی۔ ہو سکتا ہے کہ عموم بلوہ میں اس کی اہمیت کا احساس بڑھ جائے لیکن عام حالات میں اس کی اہمیت کم نہیں ہو جاتی۔ اس لیے جمعیتہ دعوۃ و تبلیغ اپنے عزائم و مقاصد اور طریقہ کار میں وقت کی تمام دوسری انجمنوں سے مختلف اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت گزاری میں سب سے ممتاز ہے۔

جمعیتہ کے اغراض و مقاصد کا تفصیلی پتا نہیں چل سکا لیکن یہ معلوم ہو گیا کہ جمعیتہ کا دستور مرتب کر لیا گیا تھا۔ اور اشاعت کی نوبت بھی آگئی تھی۔ لیکن ہمارے سامنے مطبوعہ دستور کے بجائے مولانا آزادؒ کا ایک خط ہے جس سے اس کے مقاصد قیام معلوم ہو جاتے ہیں۔
مولانا محی الدین قصوریؒ مرحوم کے نام ۱۷ر نومبر ۱۹۲۳ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں :-

"جو مسودہ دستور العمل کا تیار شدہ موجود ہے، وہ ٹھیک ہے۔ توکلاً علی اللہ شائع کر دیا جائے۔ میں نے اس میں صرف اس قدر تبدیلی کر دی ہے کہ اصلی مقصد

- خدمت قرآن،
- اشاعت علوم،
- نشر تراجم وغیر ذالک قرار دے دیا ہے۔
- مشن کا کام تبعاً اس میں آجائے گا۔

اول دن سے جو بات سامنے رہی ہے وہ تھی بھی یہی۔ مسودہ مولانا عبدالقادر صاحب کو دے دیا ہے۔

جمعیتہ کی صدارت کے لیے اس کے بانیوں کی نظر جس ہستی پر پڑی وہ مولانا آزادؒ کی شخصیت تھی۔ لیکن مولانا نے اس ذمے داری کو قبول کرنا مناسب خیال نہ کیا۔
مولانا محی الدین قصوریؒ کے نام خط میں لکھا۔

"بالفعل جمعیتہ کی صدارت سے مجبور ہوں۔ حاجی عبداللہ ہارون (کراچی) کو تین سال یا ایک سال کے لیے صدر منتخب کر لیجیے۔"

مولانا نے اس انتخاب کی وجہ بھی بیان فرمادی ہے۔ لکھتے ہیں :-

"یہ اس لیے کہ طبقہ علماء و مشائخ میں کوئی شخص آپ کے لیے سود مند نہ ہوگا۔"

میرے خیال میں علماء و مشائخ کی یہ عدم سود مندی کچھ تو مالی لحاظ سے ہوگی اور کچھ اس وجہ سے کہ جس عالم دین اور شیخ طریقت کو اس کا صدر بنایا جائے گا وہ جمعیتہ کو اپنے ڈھب پر چلانے کی کوشش کرے گا۔ اور مقصد اختلاف و نزاع کی نذر ہو جائے گا۔ حاجی عبداللہ ہارون کی صدارت میں اس بات کا یقین تھا کہ مرحوم جمعیتہ کے مقاصد کار میں کبھی مداخلت

نہ کریں گے۔ لیکن مناسب یہ خیال کیا گیا کہ مولانا عبدالقادر قصوری کے بھائی مولانا عبداللہ قصوری کو اس کا صدر اور مولانا محی الدین قصوری (ابن مولانا عبدالقادر قصوری) کو اس کا سکریٹری بنایا جائے۔

مولانا آزاد نے صدارت قبول کرنے سے انکار کرنے کے باوجود جمعیۃ سے اپنے علاوہ تعلق کا اطمینان دلایا۔ مولانا لکھتے ہیں :۔

" رہا میرا علاقہ تو وہ پوری باقاعدگی اور التزام کے ساتھ حسب ذیل صورتوں میں رہے گا۔

الف۔ ہر طرح کے تحریری ولسانی مشورے

ب۔ جمعیۃ کی ضروری تحریرات کی تیاری۔

ج۔ بالالتزام ہر تیسرے ماہ ایک مستقل کتاب جمعیۃ کے لیے تیار کر دینا اور طباعت کے لیے حوالے کر دینا۔ یہ ایک مرتب سلسلہ ہوگا جو اسلام اور علوم قرآن کی نسبت ایک خاص سیریز کی تدوین کرے گا۔ اس طرح کہ اس کا مطالعہ کرنے والا بترتیب الف سے ی تک معلومات حاصل کرتا جائے۔

سب سے پہلی کتاب " اسلام کا انٹروڈکشن " ہوگی۔ پھر اعلام اور ارتقائے انسانیت، پھر عقائد اسلام، پھر القرآن۔

انتظام یہ ہوگا کہ جوں ہی ایک کتاب آپ کو ملے اس کے انگریزی اور ہندی (ناگری حروف) ترجمہ کا بھی انتظام ہو جائے۔ اس کا انتظام کرنا آپ کا کام ہے۔ میرا کام اب دنیا میں صرف یہ رہ گیا ہے کہ اس وقت تک کے اپنے تمام افکار جلد سے جلد مدون کر دوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چھوٹے رسالے ماہوار حوالے کر دیئے جائیں۔

اس کے علاوہ میرا طرز عمل و دستور یہ رہے گا کہ جہاں تک میرا حلقۂ اثر ہے لوگوں کو اس کام کی طرف توجہ دلاتا رہوں بالفعل اس پر قناعت کیجئے "

جمعیۃ دعوۃ و تبلیغ کی خدمات کے مختلف پہلو تھے اس نے ہر جہت سے تجدید و احیاء اور تبلیغ و اشاعت اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کی بہترین خدمات انجام

دیں ۔ اس کی خدمات کے چند خاص پہلو یہ ہیں :۔

- شدھی کی تحریک کے مقابلے اور مسلمانوں کی تعلیم و اصلاح و تربیت کے لیے مبلغین تیار کئے ۔
- دعوت تجدید و احیائے اسلام کے لیے لٹریچر تیار کیا ۔
- مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت اسلامی کے لیے مدرسہ قائم کیا ۔
- یتیم اور لاوارث مسلمان بچوں کی پرورش اور انھیں عیسائی مشنریوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک عظیم الشان یتیم خانے کی بنیاد ڈالی ۔

مولانا ابو یحیٰ امام خاں نوشہروی نے اس سلسلے میں جو معلوم بہیا فرمائی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے ۔

۱۔ جمعیۃ کا مدرسہ اور یتیم خانہ مدراس کے ایک مقام "شیر" میں تھا ۔
۲۔ یتیم خانے کی عمارت کی تعمیر کے لیے پچاس ہزار روپے نظام حیدرآباد نے مرحمت فرمائے تھے ۔
۳۔ یتامیٰ کی تعداد ۱۲۰ تک جا پہنچی تھی ۔
۴۔ مدرسہ میں طلبا کی تعداد ۲۰۰ تھی ۔
۵۔ مدرسہ میں سرکاری نصاب کے مطابق مڈل تک کی تعلیم بھی ہوتی تھی اور اس سلسلے میں مدراس گورنمنٹ سے بھی امداد ملتی تھی ۔
۶۔ مدرسہ میں طلبا کا عام شعار شافعی اور بعض کا طریق سلفیت کا تھا ۔
۷۔ ڈاکٹر عبدالکریم غادر امرتسری منیجر تھے ۔
۸۔ مولوی محی الدین احمد اور مولوی محمد علی ان تمام امور کے نگران اور اس تحریک کے روح رواں تھے ۔
۹۔ مولوی محمد علی مدراس میں چمڑے کی تجارت کرتے تھے اور ساتھ ہی مدرسہ و یتیم خانہ کی اور دیگر کاموں کی نگرانی کرتے تھے ۔
۱۰۔ مولانا عبدالقادر قصوری بھی وہاں تشریف لاتے رہتے تھے ۔

مولانا ابو یحیٰ نے یہ مقالہ (ہندوستان میں اہلحدیث کی علمی خدمات) جس سے یہ معلومات

ماخوذ ہیں ۱۹۳۰ء میں تحریر فرمایا تھا۔ اس وقت ان کا اندازِ بیان یہ تھا کہ یہ مدرسہ و یتیم خانہ اس وقت تک جاری تھا۔

جمعیتہ کی ضرورتوں کے لیے کسی قسم کا چندہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کے لیے صرف مولوی محمد علی، سیٹھ مہر بخش اور مولانا عبدالقادر قصوری کی مالی اعانت کفالت کرتی تھی۔ آمدنی کا ایک ذریعہ باغات تھے جو انہی مخیر حضرات نے خرید کر وقف کر دیے تھے۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اول الذکر دو حضرات کے کاروبار کو شدید نقصان پہنچا اور ان دونوں حضرات سے جو مالی امداد ملتی تھی وہ بند ہوگئی اس موقع پر دوسرے حضرات کے مالی تعاون کی ضرورت محسوس کی گئی۔ مولوی محی الدین احمد نے اس معاملے میں مولانا آزاد کو لکھا۔ مولانا نے کلکتہ کے بعض تاجروں سے گفتگو کی۔ ریاست بھوپال کی طرف توجہ کی۔ مولوی محی الدین قصوری کے نام ۱۴ر فروری ۱۹۲۳ء کے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اول دن سے یہ کام آپ ہمت و عزم اور محض اعتماد علی اللہ پر کر رہے ہیں اب ہمت نہ ہاریئے بلاشبہ مشکل سخت پیش آگئی ہے لیکن صرف استقامت ہی سے دور ہوسکتی ہے۔

میں نے جو روپے کا انتظام کیا تھا وہ دو لقو شیئوں کے لیے دے چکا۔ ورنہ سات آٹھ ہزار روپیہ بھیج سکتا تھا۔ عجب نہیں اللہ تعالیٰ جلد ایسے حالات پیدا کر دے کہ کچھ نہ کچھ آپ کا بار میں ہلکا کرسکوں"

مکتوب کے اس مقام پر مولانا غلام رسول مہر نے درج ذیل حاشیہ تحریر کیا ہے۔ اس سے جمعیتہ کے بارے میں چند اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

"پہلے اسے (جمعیتہ کو) سیٹھ مہر بخش اور مولوی محمد علی صاحب (ابن مولانا عبدالقادر قصوری) کی طرف سے مستقل امداد ملتی تھی اور ضروری مصارف کے لیے کسی دوسری طرف توجہ کی ضرورت نہ تھی۔ اچانک مذکورہ بالا دونوں امدادی رقمیں بند ہوگئیں اور جمعیتہ کا کاروبار جاری رکھنے کے لیے باہر سے زر اعانت کی ضرورت پیش آگئی۔ مولانا (آزاد) نے پہلے کلکتہ کے تاجروں میں کوشش کی پھر بھوپال کا خیال آیا۔"

جمعیتہ نے مسلمانوں کی تعلیم و اصلاح و تربیت کی بہترین خدمات انجام دیں۔ مولانا نصراللہ خاں عزیز، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا غلام رسول مہر نے ان خدمات کا اعتراف کیا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم کے انتقال پر معارف (اعظم گڑھ)

میں جو شذرہ تحریر فرمایا تھا اس میں مولانائے قصوریؒ کی اس خدمت دینی کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے ۔

"انھوں نے اپنے ایک صاحب زادے (مولوی محمد علی قصوری ایم اے کینٹب کو ایک طرف عالم بنایا اور دوسری طرف کیمبرج کا گریجویٹ ۔ اسی طرح اپنے دوسرے بیٹے (مولانا محی الدین احمد قصوری) کو بھی عربی، انگریزی کی تعلیم دلائی ۔ اور دونوں کو مع اپنی زندگی کے بہت سے سرمائے کے دعوت وتبلیغ اسلام کے کاموں کی نذر کردیا۔ جس کا سلسلہ ایک زمانے میں بمبئی سے لے کر مدراس تک جال کی طرح پھیلا تھا ۔"

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں ۔

"مولوی محی الدین احمد (قصوری) نے جمعیتہ دعوت وتبلیغ کے نام سے جو انجمن قائم کررکھی تھی، اس کا مرکز پونا تھا ۔ اس انجمن نے دکن کے مختلف حصوں خصوصاً ملیبار میں بڑا عظیم الشان کام انجام دیا تھا ۔"

مولانا ابوالکلام آزاد نے جمعیتہ کے کاموں میں مولوی محی الدین احمد قصوری کے انہماک اور نہایت جوش وخروش کے ساتھ خدمت ملت میں مشغولیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ۔

"آپ کے دل میں تنظیم ملت کا جو عشق ہے اس سے بے خبر نہیں ہوں ۔"

جمعیتہ دعوۃ وتبلیغ کے دینی واصلاحی لٹریچر کے بارے میں ابھی تک کچھ پتا نہیں چل سکا کہ اس کی جانب سے کون کون سی مطبوعات شائع ہوئی تھیں ۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے تعاون کے سلسلے میں جن رسائل کی تصنیف کا وعدہ فرمایا تھا یقین ہے کہ مولانا کو اس جانب توجہ کی فرصت نہیں مل سکی ۔ مولوی محی الدین احمد اور مولوی محمد علی بھی عملی آدمی ہونے کے ساتھ صاحب قلم تھے یقین نہیں آتا کہ انھوں نے اس تحریک کے بارے میں کچھ نہ لکھا ہو ۔ اس بارے میں ہماری محرومی یہ ہے کہ جمعیتہ کا دستور جو یقیناً شائع ہوا تھا ۔ وہ بھی دستیاب نہیں ۔ مولوی ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی نے مولانا عبداللہ قصوری کے دو رسائل کا تذکرہ کیا ہے ۔ ایک حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے رسالہ زیارۃ القبور کا ترجمہ ہے اور دوسرا ازواج النبیؐ کے نام سے ہے لیکن ان کا تعلق جمعیتہ دعوۃ وتبلیغ کے دینی و اصلاحی اور دعوتِ تجدید واحیائے اسلام کے مقصد سے کیا ہے؟ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا ۔

پروفیسر مس نورجہاں۔ شعبہ اسلامیات

چند تعلیمی انجمنیں

انجمن مدرسۃ البنات۔ لاہور یہ ایک تعلیمی انجمن ہے جو لاہور میں خواتین کی مشہور درس گاہ "مدرسۃ البنات" کو چلاتی ہے۔ یہ مدرسہ ۱۹۲۶ء میں جالندھر میں مولانا عبدالحق عباس نے جاری کیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور منتقل ہوگیا اور آج تک سرگرم عمل ہے گذشتہ نصف صدی میں مدرسۃ البنات نے مسلمان لڑکیوں کی اسلامی تعلیم وتربیت میں زبردست حصہ لیا ہے اور پوری دو نسلوں کو متاثر کیا ہے۔ انجمن کے صدر مولانا عبدالحق عباس کے خلف الرشید مولانا عبیدالحق ہیں۔

تدریس قرآن ٹرسٹ۔ لاہور پاکستان کے مشہور تاجر شیخ محمد یوسف سیٹھی نے قرآن حکیم کی تعلیم وتدریس کی غرض سے ۱۹۴۹ء میں "محمد یوسف اینڈ محمد سعید سیٹھی ٹرسٹ" کے نام سے ایک وقف قائم کیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کا نام "تعلیم القرآن ٹرسٹ" کر دیا گیا اور جب ۱۹۷۱ء میں اسے محکمہ اوقاف پنجاب کا مالی تعاون حاصل ہوگیا، تو اس کا نام بدل کر "تدریس القرآن ٹرسٹ" رکھ دیا گیا۔

ٹرسٹ نے ابتدا میں لاہور کی ایک چھوٹی سی مسجد میں قرآن مجید کی تدریس کے ایک مکتب سے اپنے کام کا آغاز کیا تھا۔ لیکن اس سعی جمیل نے بہت جلد قرآن کی تعلیم کی ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی اور ۱۹۷۲ء میں پاکستان کے مختلف صوبوں پر مشمول آزاد کشمیر ۳۰۲ مکتب قائم تھے۔

۴۲ اسکولوں میں قرآن کی تدریس کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ۱۵ کلاسیں ترجمہ

قرآن کی ہو رہی تھیں، نیز قاریوں اور حافظوں کی تربیت کے لئے ۱۹ مراکز قائم تھے۔
ٹرسٹ کے مدارس میں ،،، ۹۴ طلبہ قرآن کی حفظ و ناظرہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔
اور ۴۵۴ حفاظ وقاری مصروفِ خدمت تھے۔

ٹرسٹ کسی مدرسہ کا پورا خرچ برداشت نہیں کرتی، بلکہ مدارس کے قیام اور اُن کے اخراجات کی اصل ذمہ داری محلے والوں پر ڈالتی ہے اور مدرس کی تنخواہ کا ایک تہائی خود ادا کرتی ہے نادار طلبہ کو اور حفظ قرآن کا شوق پیدا کرنے کے لئے طلبہ کو وظائف بھی دیئے جاتے ہیں۔ ٹرسٹ کا مرکز لاہور میں گوجرانوالا چھاؤنی ہے۔

جماعت تحفیظ القرآن، بفہ یہ انجمن ضلع ہزارہ میں تدریس القرآن کی اعانت سے تجوید القرآن کے دس مدرسے چلا رہی ہے جس میں قرآن مجید حفظ و ناظرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

جامعہ چشتیہ ٹرسٹ۔ لائل پور صوفی محمد حسین چشتی ضلع گورداس پور کے ایک بزرگ تھے۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان آ گئے تھے۔ ۱۹۵۱ء میں لائل پور میں آپ نے انتقال فرمایا۔ مرحوم کے مریدین اور معتقدین نے "جامعہ چشتیہ ٹرسٹ" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ جس کے مقاصد میں ادارہ علوم اسلامیہ کے نام تصنیف و تحقیق کا ایک مرکز قدیم و جدید علوم کی ایک بلند پایہ درس گاہ اور ایک عظیم الشان لائبریری کا قیام شامل تھا۔

۱۹۵۵ء میں ٹرسٹ نے اپنا کام ایک پرائمری اسکول کے قیام سے شروع کیا جو ترقی کر کے ہائی اسکول بن گیا۔ ۱۹۶۰ء میں "جائزہ مدارسِ عربیہ" کے نام حافظ نذر احمد کی بلند پایہ تالیف اس ٹرسٹ کے زیر اہتمام مرتب ہو کر شائع ہوئی تھی۔

پروفیسر افتخار احمد چشتی، خلیفہ محمد اکبر چشتی، ریاض عرفی اور اعجاز احمد چشتی، حضرت صوفی محمد حسین چشتی کے نامور فرزند ہیں اور یہی حضرات جامعہ چشتیہ ٹرسٹ کے روح رواں ہیں۔

مسلم راجپوت برادری حیدرآباد یہ اگرچہ ایک برادری کی سوشل اصلاح اور باہمی تعاون کی ایک انجمن ہے۔ لیکن تعلیم کے میدان میں بھی اس کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ یہ انجمن حیدرآباد میں "جامعہ عربیہ ریاض العلوم و درس گاہ دینیات" کے نام سے مدرسہ چلا رہی ہے۔ اس برادری سے نوجوانوں نے ۱۹۴۸ء میں "احباب ملت" کے نام سے اصلاح و خدمت کی ایک تحریک بھی شروع کی تھی۔

انجمن فدایانِ حبیب سیمان پھوٹ ضلع حیدرآباد کی ایک تعلیمی انجمن جو مدرسہ صبغۃ القرآن کا اہتمام کرتی ہے۔

انجمن خدام اسلام۔ لاہور ایک دینی تعلیمی انجمن جو گذشتہ چند سال سے قرآن الحکیم کی تعلیم کے فروغ کے لئے قائم ہے۔ اس کے تحت قرآن کے دس مدرسے اور درس قرآن کے لئے مدرسین کی تیاری کے لئے چار (۴) مرکز قائم ہیں۔ انجمن کے مدارس کی خوبی یہ ہے کہ صرف چالیس (۴۰) اسباق اس طرح پڑھا دیئے جاتے ہیں کہ اس کے بعد بچہ پورے قرآن کو کسی کی مدد کے بغیر صحت کے ساتھ خود پڑھ لیتا ہے۔ انجمن کے صدر جسٹس بدیع الزماں کیکاؤس جنرل سکریٹری محمد انور قریشی اور سکریٹری سعید بدر ہیں۔

انجمن محبان اہلِ سنت۔ لالہ موسیٰ دارالعلوم عربیہ غوثیہ کی نگراں انجمن جس کے صدر ڈاکٹر عبداللطیف چغتائی اور ناظم اعلیٰ غلام مصطفیٰ ہیں۔ مدرسہ کے مہتمم حافظ شاہ محمد ہیں۔

انجمن مدرسہ تقویۃ الاسلام یہ تعلیمی انجمن اڈا لوالا چک ۳۹۳ ضلع لائل پور میں قائم ہے اور مدرسہ تقویۃ الاسلام کا اہتمام کرتی ہے۔ یہ مدرسہ ۱۸۸۳ء میں مولانا حافظ الدین نے رہتک میں قائم کیا تھا۔ مولانا کی وفات کے بعد مولانا حامد علی اس کے مہتمم ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد ملتان میں مدرسہ کا احیاء ہوا۔ مولانا حامد علی اس کے مہتمم و صدر مدرس ہیں۔

انجمن مہاجرین اہل سنت والجماعت یہ انجمن جلال پور پیراوالا ملتان میں قائم ہے اور" جامعہ محمدیہ دارالقرآن" کی نگراں ہے۔ مدرسہ کے مہتمم لال دین ہیں۔

انجمن خدام الاولیاء کہروڑ پکا ضلع ملتان کی ایک انجمن جو مدرسہ اسلامیہ عربیہ غوثیہ چلاتی ہے۔ مدرسہ کے مہتمم مولانا صدیق احمد اور صدر مدرس مولانا منظور احمد ہیں۔

انجمن خادمانِ اسلام۔ جالندھر اس انجمن کا آغاز ۱۹۰۸ء میں مولانا عبدالحق نے کیا تھا۔ اس کے تحت انھوں نے ایک ہائی اسکول قائم کیا۔ قرآن حکیم کی تعلیم وتدریس کا خصوصی انتظام کیا اور دارالقرآن کے نام سے ایک عالی شان عمارت تعمیر کی۔ مولانا عبدالحق نے ردِّ عیسائیت اور تبلیغ اسلام کی طرف بھی توجہ دی اور اپنی تقاریر وتحاریر سے دفاع اسلام اور اشاعتِ دین کی خدمات انجام دی۔ جالندھر کا مشہور مدرسہ" مدرسۃ البنات" جو ۱۹۴۷ء سے لاہور میں خدمت انجام دے رہا ہے۔ مولانا عبدالحق کی مساعی جمیلہ کا ثمر شیریں ہے۔ درس قرآن۔ درس عربی۔ اور دیگر اسلامی موضوعات پر مولانا کے متعدد مفید رسائل یادگار ہیں۔

انجمن رحمانیہ۔ جہلم ایک دینی وتعلیمی انجمن جس کے زیرِ اہتمام" مدرسہ انوار اسلام" جہلم قائم ہے۔ مدرسہ کے مہتمم مولانا محمد صادق ہیں۔

انجمن اصلاح المسلمین ساہیوال ایک دینی وتعلیمی انجمن جس کے تحت جامعہ حنفیہ اور مدرسہ بنات المدینہ جاری ہے۔ مسلمانوں کی اصلاح وتربیت کے لئے قرآن کریم اور حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درس کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ مدرسہ کے مہتمم مولانا عبدالہادی کاظمی ہیں۔

پروفیسر سید منظور حسین شاہ (مرحوم)

المرکز اسلامی کراچی

بیسویں صدی میں اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کی تاریخ میں مولانا عبدالعلیم صدیقی کا نام سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔ ان کے بعد اس روایت کو ان کے داماد مولانا فضل الرحمٰن انصاری نے آگے بڑھایا اور اسے زیادہ سائنٹی فک بنیادوں پر قائم کیا۔ آج سے تقریباً سو ز سال پہلے مولانا انصاری نے "الوفاق العالم الدعوۃ الاسلامیہ (ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز) کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اس کا صدر دفتر ناظم آباد میں ہے جو عام طور پر "المرکز اسلامی" کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

اس ادارے کے تحت دنیا میں تقریباً چالیس تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ پاکستان میں اس کے بہت سے ذیلی ادارے ہیں جن میں الجامعۃ العلیمیہ الاسلامیۃ، دارالتصنیف، دارالقرآن، عربی کوچنگ کلاسز، دارالافتاء، سلیقہ خواتین، دارالصحت، اور نوجوانوں اور خواتین کی کئی بین الاقوامی تنظیمیں شامل ہیں۔

المرکز اسلامی کا سب سے اہم ادارہ جامعہ علیمیہ ہے۔ جو اپنی نوعیت کا پاکستان بھر میں واحد ادارہ ہے۔

اس ادارے کو دین و دنیا کا "سنگم" قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کا نام اسلامی مرکز کے بانی مولانا عبدالعلیم کے نام پر رکھا گیا ہے۔ جامعہ کی بنا ۱۹۵۸ء میں پڑی۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ایسے علماء تیار کئے جائیں جو موجودہ ایٹمی اور خلائی دور کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ملت کی قیادت کی ذمے داریوں کا بوجھ اٹھا سکیں۔ طلباء کی تعلیم و تربیت میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ طلباء فارغ التحصیل ہونے کے بعد اقتصادی طور پر معاشرے پر بوجھ ثابت ہونے کی بجائے ان میں اپنے پاؤں پر کھڑے

ہونے کی صلاحیت پیدا ہو سکے ۔ یہاں عربی زبان و ادب کے ساتھ انگریزی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی ہے ۔ انگریزی زبان کی تعلیم کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ دنیا میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ بہتر طور پر انجام دے سکیں ۔ غیر ممالک کے اردو اور عربی سے نابلد طلبہ کا ذریعہ تعلیم بھی انگریزی ہی ہوتا ہے ۔ جامعہ میں ۱۹۷۲ء میں اقامت پذیر ۵۲ طلبا میں سے ۲۷ کا تعلق افریقہ اور جنوبی مشرقی ایشیا کے ممالک سے تھا ۔

یہاں کا تعلیمی عرصہ ۹ سال کا ہے جس کو تین مراحل میں تقسیم کر دیا گیا ہے ۔ جامعہ کی طرف سے اکثر مذاکرے اور مجالس منعقد کی جاتی ہیں ان مجالس میں جامعہ کی دعوت پر جسٹس قدیرالدین احمد، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، اے کے بروہی، مولانا کوثر نیازی، اور مسٹر کمال اے فاروقی کے علاوہ کئی نامور اشخاص خطاب کر چکے ہیں ۔

اسی ادارے کے تحت اسلام کی روشنی میں مختلف موضوعات پر کتابیں شائع کی جاتی ہیں اب تک کئی اہم کتابیں مختلف زبانوں میں خاص طور پر انگریزی میں شائع ہو چکی ہیں ۔ مرکز اسلامی کی جانب سے انگریزی کا ایک ماہ نامہ " دی منارٹ " شائع ہوتا ہے جس کی ادارت وغیرہ کا سارا انتظام اساتذہ اور طلبائے کے ہاتھ میں ہے ۔

ادارہ طلوع اسلام - لاہور

اپریل ۱۹۳۸ء میں قائداعظمؒ کے ایما پر ماہنامہ طلوع اسلام کا اجرا عمل میں آیا - پرویز صاحب اس زمانے میں برٹش حکومت کی ملازمت سے منسلک تھے لیکن طلوع اسلام انہی کی فکر و کاوش کا رہین منت رہا - تھوڑے ہی عرصے میں اس ماہنامہ نے ایسی ملک گیر شہرت اختیار کرلی کہ یہ ایک مجلّہ نہ رہا، ایک ادارہ یا تحریک بن گیا یہ تحریک علامت تھی قرآنی اصولوں کے مطابق علیٰ منہاج رسالت، قیام مملکت کے لیے ایک جداگانہ خطّہ زمین کے حصول کی - اس کی ساری تگ و تاز کا محور یہی نقطہ تھا - اس کا لائحۂ عمل یہ تھا کہ مجلّہ طلوع اسلام میں ایک خود مکتفی، اہم مقالہ شائع ہوتا تو اسے مختلف زبانوں میں پمفلٹوں کی شکل میں شائع کیا جاتا اور تنظیمی شکل میں اسے سارے ملک میں تقسیم کیا جاتا - اس کے شائع کردہ پمفلٹ آج بھی تحریکِ پاکستان کے سفر کے نشاناتِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس دور کی تاریخ مرتب کرنے میں بڑے ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں -

حصول پاکستان کے بعد اس ادارہ کی سابقہ سرگرمیوں کا میدان تو ختم ہوگیا لیکن اب ایک نئی منزل اس کے سامنے آئی - پاکستان درحقیقت ایک خطہ زمین کا نام تھا جو قرآنی مملکت کے قیام کے لیے حاصل کیا گیا تھا - اور صحیح اسلامی نظام کا تصور صدیوں سے امت کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا -

یہاں آکر ادارۂ طلوع اسلام نے یہ فریضہ اپنے ذمے لیا کہ وہ اُس نظام کا صحیح تصور قوم کے سامنے پیش کرے - ۱۹۴۸ء سے اس وقت تک یہ ادارہ مسلسل اور پیہم اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے اپنی بساط کے مطابق سرگرمِ عمل ہے - ۱۹۵۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد پرویز صاحب نے اپنا سارا وقت اور توانائیاں اس ادارے کے استحکام اور فروغ کے لیے وقف

کردیں۔ اب اس کی تنظیمی شکل یہ ہے کہ لاہور اس کا صدر مقام ہے اور ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں اور بیرونِ ملک بھی اس کی شاخیں قائم ہیں جنھیں "بزمِ طلوعِ اسلام" کہا جاتا ہے۔ ان کا منصب اور فریضہ اس مرکز سے شائع ہونے والی قرآنی فکر کی عام نشر و اشاعت ہے۔ مجلّہ طلوعِ اسلام کے علاوہ اس ادارے کی طرف سے پرویز صاحب اور بعض دیگر ممتاز اہلِ علم حضرات کی نہایت گراں قدر تصانیف شائع ہو چکی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ اسی ادارے کی امتیازی خصوصیات و نظریات حسبِ ذیل ہیں:-

۱۔ یہ کسی فرقہ سے متعلق ہے اور نہ ہی اس نے اپنا کوئی الگ فرقہ قائم کیا ہے۔

۲۔ یہ نماز، روزہ وغیرہ جملہ ارکانِ اسلام کی جمہور مسلمانوں کی طرح پابندی کا داعی ہے۔ اور ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کرنے یا کوئی نئی وضع اختیار کرنے کا کسی کو حق نہیں دیتا۔

۳۔ یہ حق اور باطل کا معیار خدا کی کتاب، قرآن مجید کو قرار دیتا ہے اور حضور خاتم النبیین (یعنی خدا کے آخری نبی اور رسولؐ) کے اسوۂ حسنہ کے اتباع میں نوعِ انسان کی نجات سمجھتا ہے۔

۴۔ یہ عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتا۔

۵۔ اس کی قرآنی بصیرت کی رو سے تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کے پورا کرنے کی ذمے داری نظامِ مملکت پر عائد ہوتی ہے۔

یہ ادارہ انہی نظریات کی فکری نشر و اشاعت کرتا ہے اور اس کے لیے اس نے آج تک کسی سے کوئی مالی امداد حاصل کی ہے نہ حاصل کرتا ہے۔ پرویز صاحب کی تصانیف اس کا بنیادی ذریعہ ہیں اور اس کی بزمیں اپنے طور پر اس فکر کی نشر و اشاعت کے اخراجات برداشت کرتی ہے۔

قوم کا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ اس کی فکر کا اولیں مخاطب ہے اور بفضلِ ایزدی اس طبقہ میں اس کے اثرات عام ہو رہے ہیں کیونکہ یہ قرآنِ خالص کو (یعنی ان قرآنی حقائق کو جن میں انسانی تخیلات کی آمیزش نہ ہو) علوم حاضرہ کی روشنی میں دلائل و براہین کی رو سے پیش کرتا ہے۔ اس کے نتائج بڑے خوشگوار سامنے آ رہے ہیں۔

تعلیم القرآن خط وکتابت اسکول لاہور

تعلیم اور اشاعت وتبلیغ کا ایک اہم ذریعہ خط وکتابت اسکول رہے ہیں۔ اسے تجارتی اور کاروباری مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ عیسائی مبلغین نے اسے نہایت وسیع پیمانے پر عیسائیت کی تبلیغ کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس وقت پاکستان میں ہماری معلومات کے مطابق مسیحی بائبل خط وکتابت اسکولوں کی تعداد بارہ ہے۔ جن میں خط وکتابت کی زبان انگریزی ہی نہیں اردو بھی ہے۔ اردو میں اٹھارہ عنوانات کے تحت ایک سو سترہ سے زیادہ اسباق خط وکتابت کے ذریعہ زیر تدریس ہیں۔ ان اسباق کے صفحات کی تعداد پانچ سو دس سے زیادہ ہے۔ انگریزی میں اڑتیس عنوانات کے تحت چار سو انسٹھ اسباق جن کے صفحات کی تعداد ڈھائی ہزار ہے زیر تدریس ہیں۔ عیسائی پاکستان میں جس سرگرمی کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہیں۔ اس کا اندازہ حافظ نذر احمد کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"غیر مسلم اپنی مشنری مساعی میں جارحانہ حد تک مصروف عمل ہیں۔"

افسوس کہ مسلمانوں نے اس ذریعہ تبلیغ واشاعت دین سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ انھوں نے ہومیوپیتھک کی تعلیم کا خط وکتابت اسکول قائم کیا۔ بعض دوسرے کاروباروں میں بھی اس طریقہ سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن دین کی خدمت کے لئے اس ذریعہ کو استعمال نہیں کیا گیا۔ اس کی صرف ایک مستثنیٰ مثال تعلیم القرآن خط وکتابت اسکول لاہور ہے۔ یہ اسکول حافظ نذر احمد پرنسپل شبلی کالج۔ لاہور نے اپریل ۱۹۶۲ء میں قائم کیا۔ حافظ صاحب لکھتے ہیں:

"برصغیر پاک وہند میں خط وکتابت کے ذریعہ تبلیغ اسلام کا یہ پہلا

ادارہ ہے جو تعلیم القرآن خط وکتابت اسکول کے نام سے قائم ہوا ہے۔
ہر مسلم و غیر مسلم کو گھر بیٹھے، کسی اجرت وفیس کے بغیر، اسلام کا پیغام
پہنچانا اور خط وکتابت کے ذریعے کتاب وسنت کی تعلیم وتدریس
اس ادارے کا مقصد وحید ہے "

اپریل ۱۹۷۵ء میں اسکول کی کارکردگی کا ایک سال مکمل ہوگیا۔ اس دوران میں اسلام کے تعارف میں دس اسباق پر مشتمل ایک عنوان یا کورس اسلام کیا ہے؟ مکمل ہوا۔ کورس مکمل کرنے والے طلبہ کی تعداد کا گوشوارہ یہ ہے۔

مسلم طلبا ۲۴۵۲ مسلم طالبات ۱۴۴ غیر مسلم طلبا (ہندو اور مسیحی)
۳۸ غیر مسلم طالبات ۱۶ کل تعداد ۲۶۵۰

تعلیم القرآن خط وکتابت اسکول کے قیام کے سلسلے میں حافظ نذر احمد کی تحسین کی جانی چاہیے۔ لیکن مسلمانوں کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے انھیں سوچنا چاہیے۔ غیر مسلم تبلیغی مساعی کے مقابلے میں حافظ صاحب کی یہ کوشش اتنی کم ہے کہ یہ فرض کفایہ کے درجے میں بھی داخل نہیں ہوسکتی۔

متفرق تعلیمی، تبلیغی و اصلاحی ادارے

ادارہ اصلاح و تبلیغ - لاہور

اس کے قیام کا مقصد اس کے نام سے ظاہر ہے ۱۹۳۰ء میں قائم ہوا۔ اسلام کی تبلیغ اور اصلاحی لٹریچر تیار کیا۔ درس قرآن اور درس حدیث کے سیٹ شائع کیے۔ حافظ نذر احمد اس کے جنرل سکریٹری ہیں۔

ادارہ اسلامی تبلیغ - کراچی

اسلام اور اسلام کی تعلیمات و افکار کی اشاعت اور مسلمانوں کی ذہنی و فکری اصلاح کے لیے یہ ادارہ ۱۹۷۵ء میں قائم ہوا ہے۔ انسان کو خدا کی آخری وعید کے نام سے اس کا ایک کتابچہ نظر سے گزرا ہے۔ اس کے آخر میں ادارے کے اغراض و مقاصد درج ہیں۔

ادارہ تعلیمات اسلام

یہ ادارہ ۱۹۴۳ء میں مولانا عبدالسلام ندوی نے بڑی عمر کے لوگوں کو عربی سکھانے اور قرآن حکیم کی تعلیم کے لیے قائم کیا تھا جو اگست ۱۹۵۱ء تک قائم رہا۔ عبداللطیف اعظمی لکھتے ہیں۔

"اس ادارے نے مختصر عرصے میں متعدد کتابیں شائع کیں اور عربی زبان اور قرآن حکیم کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ (جامعہ دہلی - جنوری ۱۹۷۵ء)

انجمن خدام المسلمین - کوئٹہ

یہ انجمن محمد صادق شاد نے ۱۹۲۹ء میں قائم کی تھی جو ۱۹۳۵ء تک قائم رہی۔ یہ ایک اصلاحی انجمن تھی مولانا ثناء اللہ کے ساتھ مل کر شمار کمیٹیاں بھی بنائی گئی تھیں۔ یہ کمیٹیاں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی ترغیب دیتی تھیں اس کے ممبران اور مقررہ کمیٹیاں فجر کے اول وقت اٹھتیں اور نظمیں پڑھ پڑھ کر مسلمانوں کو بیدار کرتی تھیں۔ انعام الحق کوثر نے ان نظموں کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے۔

اے محمدؐ کی آنکھوں کے تارو! اٹھو
رات غفلت میں تم نے گزاری، اٹھو

ادبی انجمنوں کے ذیل میں اس کا ذکر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انجمن کے ممبران اشعار کے ذریعے مسلمانوں میں اصلاح کا جذبہ پیدا کرتے اور نماز کی ترغیب دیتے تھے۔

انجمن اصلاح المسلمین۔ کان پور | انجمن کا مقصد اس کے نام سے ظاہر ہے ۱۹۳۵ء سے چند سال پہلے سے قائم تھی۔ اور ربیع الاول کے مہینے میں سیرت النبیؐ کے اجتماع کا خاص طور پر انتظام کرتی تھی اور ہندوستان کے چوٹی کے علماء کو دعوت دیتی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کے ارکان کے بارے میں لکھا ہے کہ " یہ لوگ اخلاص اور مستعدی کے ساتھ یہ کام کر رہے ہیں اور ضروری ہے کہ ان کی ہمت افزائی کی جائے "۔

انجمن وعظ اسلام | مولوی بقا حسین خاں اس انجمن کے سکریٹری تھے۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت خصوصاً اچھوت ہندوؤں میں اس کا خاص مقصد اور دائرہ کار تھا۔ یہ انجمن اچھوتوں کی فہرستیں بھی شائع کرتی تھی۔ اس انجمن نے اردو زبان میں بہت سا تبلیغی لٹریچر تیار کیا۔ اور اس طرح دین کی خدمت کے ساتھ اردو زبان کی ترقی کا موجب بھی بنی۔ یہ انجمن ۱۸۵۵ء کے بعد قائم ہوئی تھی۔

انجمن تبلیغ اسلام۔ حیدرآباد دکن | ایک تبلیغی انجمن جس نے دکن میں اچھوت ہندوؤں میں اسلام کی تبلیغ کی اور بہت سے غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ اس انجمن نے تحریر و تقریر دونوں ذریعوں سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ انجام دیا۔ انجمن ۱۸۵۵ء کے بعد قائم ہوئی تھی۔

انجمن اسلام۔ حیدرآباد دکن | ایک تبلیغی انجمن جس نے اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لیے مبلغوں اور لٹریچر دونوں سے کام لیا۔ یہ انجمن ۱۸۵۵ء کے بعد قائم ہوئی تھی۔

انجمن حامی اسلام - اجمیر

اس انجمن کی اصلی غرض وغایت یہ تھی کہ جو اعتراضات آریہ سماج والے اسلام پر کرتے ہیں اُن کا جواب دیا جائے - نیز اسلام کی تبلیغ کرنا اور نومسلموں کو خوراک اور پارچہ جات بہم پہنچانا شامل تھا -

انجمن حامی اسلام نے ایک زمانے میں اسلام کی حمایت و دفاع میں خاص طور پر اور اسلام کی تبلیغ میں بڑی سرگرمی دکھائی - آریہ سماجیوں سے اس کے مبلغین نے مناظرے بھی کیے اور اسلام کی حمایت و تبلیغ میں تقریروں کے ساتھ تحریروں سے بھی کام لیا اور بہت سا دینی تبلیغی لٹریچر شائع کیا - انیسویں صدی کے آخر میں یہ انجمن قائم ہوئی تھی -

انجمن الاصلاح - کلکتہ

اس کے قیام کا زمانہ ۱۸۹۸ء کا لگ بھگ ہے مولوی امجد علی بانکی پوری اس کے صدر اور مولوی احمد حسن اس کے سکریٹری تھے - مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں اس کے مقاصد یہ تھے :

"علمی مذاق کو ترقی دینا، عام اتحاد واستعداد پیدا کرنا متفرق مضمون تحریر کے ذوق کو ترقی دینا اور اس کی مشق و ترقی کے لیے عمدہ وسائل مہیا کرنا، اصلاح رسوم وغیرہ وغیرہ -

ان مقاصد کے سلسلے میں ایک قرأت خانہ یا دارالاخبار (ریڈنگ روم) اور کتب خانہ بھی قائم کیا گیا - انجمن کے ہفتہ وار جلسے ہوتے تھے - اس کے لیے موضوع مقررین کو دے دیے جاتے تھے - بعض لوگ اپنے خیالات کا اظہار تحریر میں اور بعض لوگ زبانی تقریر کرتے تھے - جب اس کا چرچا ہوا تو کالج کے طلبا بھی اس کے جلسوں میں شریک ہونے لگے اور تقریر و تحریر میں حصہ لینے لگے - بعض موضوعات پر مباحثے کے لیے بھی وقت رکھا جاتا تھا - مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ کلکتہ میں فی الحقیقت ایسی صحبت بالکل ناپید تھی کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں علمی ذوق رکھنے والے اکٹھے ہوں اور علم وفن کا چرچا ہو سکے - اخبار بینی کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا اس لیے اس کلب کے قائم ہو جانے سے واقعی ایک بڑی ضرورت پوری ہو گئی "

اس کے جلسوں کا دائرہ زیادہ وسیع تھا - تھوڑے ہی عرصے میں شہرت ہو گئی - اچھا مجمع ہونے لگا - اس میں علمی وادبی موضوعات کے علاوہ لوگوں کی دلچسپی کے موضوعات پر بھی تقاریر ہوتی تھیں -

۱۹۳۲ء میں مولانا آزاد نے اس کی ضرورت پران الفاظ میں روشنی ڈالی ہے " یہ تو اس وقت بچپنے کا ایک کھیل تھا لیکن آج کل بھی کلکتے میں اس کی ضرورت ویسی ہی ہے جیسی کہ فی الحقیقت اس وقت تھی "

عالمی ادارہ تبلیغ اسلام - لاہور

یہ ایک دینی تبلیغی ادارہ ہے - علامہ علاء الدین صدیقی اس کے چیئرمین اور حافظ نذر احمد اس کے جنرل سکریٹری ہیں - لائٹ آف اسلام کے نام سے اس کا ایک انگریزی زبان میں رسالہ بھی نکلتا تھا -

مرکز اصلاح و تبلیغ - لکھنؤ

ہندوستان کے مشہور عالم دین مولانا محمد منظور نعمانی کا ادارہ جو تبلیغ اسلام اور اصلاح مسلمین کے اہم کاموں میں سرگرم عمل ہے -

اسلامی پنچایت - جے پور

یہ پنچایت ۱۹۲۶ء میں قائم ہوئی اس نے بھی ادب کی خدمت کی لیکن اس کے قیام کا خاص مقصد مسلمانوں میں تعلیم پھیلانا تھا - اس نے اپنے کام کا آغاز ایک مکتب کے قیام سے کیا جو ۱۹۴۵ء تک ترقی کرکے ہائی اسکول بن گیا تھا - ۱۹۴۵ء میں اس انجمن کا نام بدل کر انجمن تعلیم المسلمین رکھ دیا گیا - اس انجمن نے مسلمانوں کی بہترین تعلیمی خدمات انجام دیں - اس کے تحت لڑکوں اور لڑکیوں کے مختلف سطح کے کئی تعلیمی ادارے قائم ہوئے - اس کی جانب سے روشنی کے نام سے ایک ماہوار رسالہ بھی جاری ہوا - شاغل صاحب نے خان بہادر الطاف احمد کو انجمن کا صدر بتایا ہے -

انجمن انیس الاسلام - کلکتہ

یہ انجمن تقریباً ۱۹۰۱-۲ء میں قائم ہوئی تھی - اس کے بانی رضا علی وحشت اور کچھ نوجوان طلبا تھے - شمس الہدیٰ اس کے صدر بنائے گئے تھے - وحشت نے بعد میں شاعری میں بڑا نام پیدا کیا اور حکومت کی جانب سے خان بہادر کے خطاب سے سرفراز فرمائے گئے - شمس الہدیٰ بھی نواب کے خطاب سے مفتخر ہوئے - انجمن کے قیام کا مقصد تقریر و تحریر کے ذوق کی ترویج و ترقی تھا - اس انجمن نے نوجوانوں میں تقریر و تحریر کا ذوق پیدا کیا - مولانا ابوالکلام نے پہلا لیکچر اسی

انجمن کے جلسے میں دیا تھا جسے بہت پسند کیا گیا اور ایک ہفتے کے بعد ایک خاص مجلس نواب شمس الہدیٰ کے مکان پر خاص مولانا کی تقریر کے لیے منعقد کی گئی تھی جس میں مولانا نے مذہب کی ضرورت پر ایک بلند پایہ تقریر کی تھی اس جلسے میں انجمن کے معمولی شرکاء کے علاوہ کلکتہ کے متعدد وکلا اور تعلیم یافتہ حضرات بھی شریک ہوئے تھے اور بہت متاثر ہوئے تھے۔ رفتہ رفتہ انجمن کی مجالس کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا اور نسبتاً بڑے بڑے جلسے ہونے لگے۔

انجمن ترقی تعلیم پاکستان - خان پور

ہر سطح پر اور ہر ممکن ذریعے سے کام لے کر پاکستان میں تعلیم کی ترقی و اشاعت، ادب کی اعلیٰ قدروں سے نوجوانوں کو روشناس کرانا اس انجمن کا مقصد تھا۔ میاں شیخ محمد صدیق اس کے صدر اور محمد اسمٰعیل اس کے جنرل سکریٹری تھے۔

انجمن خادم المسلمین - حیدرآباد دکن

ایک تعلیمی انجمن جس کے زیر اہتمام مدرسہ تعلیمی، مدرسہ صنعت و حرفت اور نادار یتیم طلبا کے لیے ایک دار الاقامہ قائم تھا۔ اس کے صدر نواب فخر یار جنگ ـــــ نائب صدر سید خورشید علی اور خواجہ محمد احمد معتمد تھے۔ یہ انجمن انیسویں صدی میں قائم ہوئی تھی۔

انجمن اشاعت و تعلیم اسلام - بٹالہ

یہ انجمن انیسویں صدی میں قائم ہوئی تھی۔

ان پانچوں انجمنوں کا تذکرہ پروفیسر ڈبلیو آرنلڈ نے اپنی مشہور کتاب پریچنگ آف اسلام میں کیا ہے۔ میرے سامنے ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ کا کیا ہوا اس کا ترجمہ دعوتِ اسلام ہے جو علماء اکیڈمی لاہور نے شائع کیا ہے۔ پروفیسر موصوف کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انجمنیں انیسویں صدی میں قائم ہوئی تھیں اور بیسویں صدی کے آغاز سے قبل ختم ہو چکی تھیں۔

انجمن اشاعت قرآن عظیم - کراچی

یہ انجمن سید محمد جمیل نے ڈھاکہ میں ۱۹۵۳ء یا ۱۹۵۵ء میں قائم کی تھی جب کہ وہ مشرقی پاکستان میں اکاؤنٹنٹ جنرل کے عہدے پر فائز تھے۔ جب وہ کراچی آئے تو انجمن کو بھی اپنے ساتھ کراچی لے آئے۔ انجمن کے مقاصد میں قرآن حکیم کی تدریس، حفظ و ناظرہ کے

مدارس کے قیام کے علاوہ تعلیمات قرآن کی اشاعت کے لیے لٹریچر کی تیاری بھی تھا۔ اگرچہ انجمن اس مقصد کی طرف توجہ نہ کر سکی۔ انجمن نے کراچی میں قرآن اور دینیات کے جن میں سرکاری نصاب کے مطابق پرائمری کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، تقریباً چالیس مدارس قائم کیے تھے۔ یہ مدارس ۱۹۷۲ء میں حکومت نے نئی تعلیمی پالیسی کے مطابق اپنی تحویل میں لے لیے۔ انجمن کی ایک اعلیٰ درجے کی لائبریری بھی تھی جو ضائع ہو گئی۔ انجمن اب بھی قائم ہے اور چند مکاتب اس کے زیر انتظام جاری ہیں۔ انجمن کے پہلے صدر حاجی سید محمد خلیل علیہ الرحمہ تھے مرحوم کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے سید محمد جمیل صدر ہوئے۔

بزم قرآنی۔ لاہور

یہ ادارہ خواجہ عبدالوحید صاحب نے قائم کیا تھا اور اس کے قیام کا مقصد لوگوں کو قرآن حکیم کے اسرار و رموز سے واقف کرانا اور قرآن کے مطالعے کا ذوق پیدا کرنا تھا۔ اس کے لیے طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا تھا کہ مختلف طبقات ملت مثلاً یونیورسٹی کے پروفیسرز، وکلاء، یونیورسٹی، کالج وغیرہ کے طلبا کے ذوق و دلچسپی کے موضوعات پر مختلف علمائے کرام سے تقاریر کروائی جاتی تھیں۔ مجلس کے شرکا مدعوئین کے ذوق اور ذہنی سطح کے مطابق کوئی موضوع پہلے سے چن لیا جاتا تھا۔ خطبا و مفسرین میں مولانا احمد علی لاہوری، مولانا داؤد غزنوی، مولانا علام مرشد، مولانا مظہر علی اظہر وغیرہ شامل تھے۔ اس کے اجلاس مختلف حضرات کے مکانوں پر ہوتے تھے۔ خطبات و تفسیر قرآن کا یہ سلسلہ بہت مقبول ہوا اور لوگوں میں قرآن کے مطالعے کا ذوق پیدا ہوا انھیں اندازہ ہوا کہ ہمارے تمام تر اقتصادی، سیاسی، معاشرتی مسائل کا حل قرآن میں موجود ہے۔ حضرت مولانا لاہوری کے خطبات خاص طور پر مشہور ہوئے اس لیے کہ وہ سب سے زیادہ اپنے مخاطبین کی نفسیات، ان کے ذوق و مزاج، ان کی دلچسپی اور ذہنی و فکری سطح کا خیال رکھتے تھے۔ مولانا داؤد غزنوی کے خطبات عالمانہ شان کے مالک ہوتے تھے ان میں علمی رموز و نکات کی کچھ جاذبیت ہوتی تھی اور وقت کے سیاسی حالات پر ان کا انطباق بے مثال ہوتا تھا۔

(بہ استفادہ خواجہ عبدالوحید صاحب مدظلہٗ)

عائشہ باوانی اکیڈمی - کراچی

کراچی کے مشہور صنعت کار سیٹھ ابراہیم باوانی اور ان کے بھائیوں نے اپنی والدہ کی یادگار کے طور پر ایک وقف قائم کیا۔ جس کے تحت لڑکیوں اور لڑکوں کے دو پرائمری تا ہائی اسکول اور ایک لڑکوں کا آرٹس اور کامرس کالج کراچی میں کھولا گیا ہے۔ اکیڈمی کے مقاصد میں تعلیم کی اشاعت کے ساتھ اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور اسلام کی تبلیغ کے لیے مبلغین کو باہر کے ملکوں میں بھیجنا بھی شامل ہے۔ اکیڈمی اپنے قیام کے تمام مقاصد کو کم و بیش پورا کر رہی ہے۔ اکیڈمی نے چھوٹے بڑے بہت سے تبلیغی رسالے شائع کیے ہیں۔ ایک مجلہ "مسلم نیوز انٹرنیشنل" جو پہلے لندن سے نکلتا تھا اب کراچی سے شائع ہوتا ہے۔ سید محمد جمیل کو اس ادارے نے کئی بیرونی ملکوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے بھیجا۔

کل ہند ایجوکیشن کانفرنس - کالی کٹ

یہ کانفرنس چند سال قبل کیرالا کے مسلمان ماہرین تعلیم نے قائم کی تھی اس کے مقاصد کی اصل مسلمانوں کی زندگی کی اصلاح و ترقی ہے۔ کانفرنس نے مسلمانوں کے ہر قسم کے مسائل کے حل کے لیے ایک تعلیمی منصوبہ مرتب کیا ہے۔ جس میں مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ کے لیے مدرسوں، میڈیکل کالجوں اور فنی اداروں کا قیام شامل ہے۔ کانفرنس کا سالانہ اجلاس فروری ۱۹۶۵ء میں کالی کٹ میں منعقد ہوا تھا۔ مبصرین کا خیال ہے کہ یہ کانفرنس ہندوستان کے غیر سیاست داں اور باشعور مسلمانوں کا پلیٹ فارم بنتی جا رہی ہے۔ کانفرنس کے ارباب بصیرت و کشاد مسلمانوں کے تعلیمی مسائل کو بہت بڑے پس منظر میں حل کرنا چاہتے ہیں۔ کیرالا میں اس کانفرنس کے زیر اہتمام متعدد تعلیمی و فنی ادارے قائم ہیں اور کئی انجمنیں اور ٹرسٹ ہیں جن کے ذریعے متعدد کالج، پولی ٹکنک، ہاسٹل اور دواخانے چلتے ہیں، طلبہ کو غیر ممالک میں اعلیٰ تعلیم اور فنی تربیت کے لیے وظائف بھی دیے جاتے ہیں۔ کیرالا میں اپنے اس تجربے کی بنیاد پر کل ہند تعلیمی کانفرنس کے ذریعے ہمارے ملک کو دعوت فکر دی ہے۔

آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس - لاہور

۱۹۶۲ء میں اس ادارے کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا مقصد نظام تعلیم کو اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے پاکستان میں روحانی انقلاب

برپا کرتا ہے"۔ اس کے لیے ادارے نے ایک ہمہ جہت لائحہ عمل تیار کیا ہے۔ اس کے مطابق قرآن حکیم کے حقائق اور معارف و بصائر کی نشر و اشاعت، تصنیف و تالیف، قرآن کے نظریۂ تعلیم کے مطابق سائنس کی تعلیم اور دیگر علوم و فنون کی تعلیم اور تمام دنیا میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے "قرآن حکیم فاؤنڈیشن" قرآنی ادارہ تصنیف و تالیف، قرآن حکیم سائنس کالج، قرآنی جامعہ علوم، پاکستان عالمی ادارہ تبلیغ اسلام کا قیام عمل میں آیا ہے۔ ادارے کی جانب سے اسلامی تعلیم اور اسلامک ایجوکیشن کے نام سے اردو اور انگریزی میں دو سہ ماہی جریدے بھی نکلتے ہیں۔

اسلام اینڈ ماڈرن ایج سوسائٹی۔ دہلی

یہ سوسائٹی ڈاکٹر ذاکر حسین کے مشورے سے اور انہی کی سرپرستی میں ڈاکٹر سید عابد حسین نے قائم کی تھی۔ اس کے مقصد اور طریقہ کار کے بارے میں عبداللطیف اعظمی لکھتے ہیں:

> "ایک طرف ہمدردانہ تحقیق کی نظر سے اسلام کی بنیادی تعلیم اور اس کے تاریخی مظاہر کا مطالعہ کیا جائے اور دوسری طرف عصر جدید کی قدروں کو جانچا اور پرکھا جائے اور ان میں سے جو اسلام کی روحانی اور اخلاقی اساس سے ہم آہنگ ہوں انھیں قبول کیا جائے اور جو اس کے منافی ہوں ان کو رد کر دیا جائے۔ ان تحقیقات کو عمل میں لانے اور ان سب لوگوں تک پہنچانے تک کے لیے جنھیں اسلام سے ایک مکمل طریقہ زندگی کی حیثیت سے دلچسپی ہے، سیمینار اور کانفرنسیں منعقد ہوں اور رسالے اور کتابیں شایع ہوں۔"

اس ادارے کی جانب سے اپریل ۱۹۶۹ء سے "اسلام اور عصر جدید" کے نام سے ایک بلند پایہ جریدہ شائع ہو رہا ہے۔ جریدے میں لکھنے کے لیے عالمی سطح پر اہل قلم اور علمائے محققین اور مفکروں کا تعاون حاصل کیا گیا ہے۔ ادارے کی جانب سے اس وقت تک چند مطبوعات بھی شائع ہو چکی ہیں اور انگریزی زبان میں بھی ایک بلند پایہ علمی جریدہ نکلنا شروع ہے۔ اس ادارے نے عالمی سطح پر اور اخلاقی، سماجی، سیاسی، معاشی افکار و مسائل میں اسلام کی ترجمانی اور تعارف

[illegible] ڈاکٹر سید عابد حسین ہیں۔

اسلامک ریسرچ سرکل۔ علی گڑھ

یہ اسلامی علوم وفنون اور رفت کے مسائل میں تعلیمات اسلامی کی تحقیق کا ادارہ ہے۔ اس کی جانب سے ایک دینی وتحقیقی مجلہ اسلامک ثقافت بھی نکلتا ہے۔

اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز۔ حیدرآباد دکن

یہ اکیڈمی حیدرآباد میں قائم ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف اس کے صدر تھے۔ اسلامی موضوعات پر اس اکیڈمی کی جانب سے بہت سی تصانیف شائع ہوئیں۔ انھیں میں سے "ذہن جو قرآن تعمیر کرنا چاہتا ہے"

اور بنیادی تصورات قرآن از مولانا ابوالکلام آزاد

کے نام سے ڈاکٹر سید عبداللطیف کی تصنیف وتالیف ہیں۔

ایک ادارے کا تعارف جس کے نگراں ڈاکٹر سید عبداللطیف تھے، ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے ان الفاظ میں کرایا ہے کہ ایک انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد کچھ دن ہوئے ڈاکٹر عبداللطیف کی نگرانی میں حدیث پر کام کرنے کے لیے بنا تھا۔ اس کی اسکیم بہت شاندار اور امید افزا تھی۔

(جامعہ۔ دہلی اپریل ۱۹۶۳ء)

انسٹی ٹیوٹ سے بیدار صاحب کی مراد شاید یہی اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز ہو یا ممکن ہے یہ کوئی الگ انسٹی ٹیوٹ ہو جو خاص طور پر حدیث پر کام کرنے کے لیے بنا تھا۔

اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن۔ بمبئی

یہ ایسوسی ایشن پروفیسر ڈاکٹر اے اے فیضی کی نگرانی میں قائم ہے اس کی طباعت شائع کی ہوئی بہت سی مطبوعات مختلف اسلامی، تہذیبی، سماجی،

اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور۔ کراچی

یہ ادارہ خواجہ عبدالوحید صاحب نے ۱۹۳۵ء میں قائم کیا تھا۔ اس کے قیام کا اولین یا وقتی مقصد یہ تھا کہ اسی سال نومبر میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کا اجلاس ہونے والا تھا اور خواجہ اس میں ایک مقالہ پڑھنے کے متمنی تھے لیکن اکیڈمک کوالی فی کیشن اور علمی وتحقیقی کام کی بنا پر وہ اس کے حق دار نہ قرار پاتے تھے۔ خواجہ صاحب نے اس ادارے کے نام سے ایک لیٹر ہیڈ چھپوایا اور سکریٹری کی حیثیت میں کانفرنس کے سکریٹری کو خط لکھا کہ وہ

سائنٹی فک اسپرٹ آف دی قرآن" کے موضوع پر ایک مقالہ پڑھنا چاہتے ہیں، انھیں اس کا موقع
دیا جائے۔ خواجہ صاحب کو اس کی اجازت مل گئی۔ خواجہ صاحب نے یہ مقالہ اس کے اسلامک
اینڈ عربک سیکشن کے اجلاس میں پڑھا جس کے صدر علامہ اقبال تھے۔ خواجہ صاحب کے اس مقالے
کا ترجمہ سید سلیمان ندوی نے معارف اعظم گڑھ کے شمارہ بابت جنوری و فروری [illegible]ء میں
شائع کیا۔

آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے مذکورہ اجلاس کے بعد خواجہ صاحب نے سنجیدگی کے ساتھ
سوچا کہ اس ادارے کے تحت واقعی علمی، ادبی اور دینی خدمت کیوں نہ انجام دی جائے۔ چنانچہ
اس کے لیے ایک طریقۂ کار مرتب کر کے کام شروع کر دیا۔ اس ادارے نے غالب، شبلی اور اقبال کے
یوم اس شان سے منائے کہ وہ ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

یوم غالب کے ایک اجلاس کی صدارت غالب کے محبوب شاگرد ہرگوپال تفتہ کے پوتے ڈاکٹر
شانتی سروپ بھٹناگر نے کی تھی۔ بھٹناگر پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ کیمیا کے صدر تھے۔ یہ ایک
عجیب و غریب بے لوث اور وضع دار شخصیت تھے کسی کیمیکل ریسرچ پر ایک پٹرولیم کمپنی نے انھیں
ایک لاکھ روپیہ انعام دیا تھا انھوں نے وہ روپیہ پنجاب یونیورسٹی کو دے دیا کہ اس سے طلبا کو
وظائف دیے جائیں۔ دوسرا یوم یوم شبلی منایا گیا۔ اس کے اجلاس میں ڈاکٹر تاثیر، ڈاکٹر سید
عبداللہ، پروفیسر حمید احمد خاں وغیرہ نے مقالات پڑھے۔ تیسرا یوم یوم اقبال منایا گیا۔ یہ علامہ مرحوم
کی زندگی میں پہلا اور آخری یوم اقبال تھا۔ یہ [illegible] کا واقعہ ہے۔ علامہ مرحوم دوسری گول میز
کانفرنس میں شرکت کر کے لوٹے تھے۔ اس یوم کے موقع پر ممتاز حسن، موہن سنگھ دیوانہ، ملک
عبدالقیوم بیرسٹر ایٹ لا جو بعد میں لا کالج لاہور کے پرنسپل ہو گئے تھے، عبدالمجید ایڈیٹر پاکستان ٹائمز
ڈاکٹر تاثیر نے مقالات پڑھے تھے۔ یوم اقبال کے موقع پر پڑھے جانے والے مقالات انسٹی ٹیوٹ کی
جانب سے شائع بھی کر دیے گئے تھے خواجہ عبدالوحید صاحب کا ایک مقالہ پڑھا "حیات ملی میں
عورت کا مقام" (انگریزی) بھی انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے شائع ہوا۔

انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے [illegible]ء میں خالدہ ادیب خانم اور غازی حسین رؤف بے زعمائے ترکی
اور [illegible]ء میں مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی کے خطبات کے لیے بھی متعدد مجالس کا اہتمام کیا گیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد جب خواجہ صاحب لاہور سے ترک سکونت کر کے کراچی تشریف لائے تو ۱۹۵۱ء میں اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا کراچی میں احیا کیا گیا اور کچھ دنوں تک اس کے اجلاس انسٹی ٹیوٹ کے ارکان محمد حنیف صدیقی (ایڈووکیٹ) پیر حسام الدین راشدی، ڈاکٹر داؤد پوتہ وغیرہ کے یہاں ہوتے رہے۔ یہ دور وہ تھا کہ خواجہ صاحب کی ہمتوں اور ولولوں کے باوجود جوانی کا دم خم نہ رہا تھا۔ یہ زمانہ ان کے فقر و خودی کی آزمائش کا بھی تھا اس لیے وہ اسے سرگرمی کے ساتھ زیادہ عرصہ نہ چلا سکے۔

(بہ استفادہ خواجہ عبدالوحید صاحب مدظلہٗ)

ادارہ علوم اسلامیہ ۔ علی گڑھ

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبہ عربی و علوم اسلامیہ کا علمی و تحقیقی ادارہ ہے۔

۱۹۵۴ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین وائس چانسلر اور پروفیسر عبدالعلیم صدر شعبہ کی نگرانی میں قائم ہوا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے اس کے قیام اور اسے ایک علمی ادارہ بنانے میں ذاتی دلچسپی لی اور اس کے علمی و تحقیقی کاموں کی نگرانی اور تدریس کے لیے مصر، ترکی، ایران وغیرہ کے کئی اسکالرز کو شعبہ سے منسلک کیا۔ ادارے کے مقاصد میں اسلامی علوم و فنون، اسلامی تہذیب و تمدن اور علمی و ثقافتی رجحانات کے مطالعے کے علاوہ عربی، فارسی اور ترکی زبان، ادب اور جدید اسالیب سے واقفیت بہم پہنچانا بھی ہے۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی رائے سے استفادہ کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ آزاد ہندوستان میں علوم اسلامیہ کے تحقیقاتی مطالعے اور اسلامی علوم و فنون کی شایان شان انداز میں نشر و اشاعت کا پہلا ادارہ ہے۔

اس ادارے کے زیر اہتمام پہلے دس سال میں جو کام ہوا اس میں البیان فی اعجاز القرآن مرتبہ ڈاکٹر عبدالعلیم، تعریف بالادیب کی کتاب ہے، ہندوستان اور اس کے پڑوسی ممالک (عربی) مرتبہ ڈاکٹر سید مقبول احمد "ترکی" (ڈاکٹر اکمل ایوبی) "عراق" (ڈاکٹر محمود الحق) "عرب لیگ" (ڈاکٹر اقبال انصاری) "مصر میں قومی تحریک کا ارتقا اور الاخوان المسلمون" (مولانا فضل الرحمان گنوری) اور انقلاب کے بعد کا فارسی ادب سہ جلد (ڈاکٹر منیب الرحمان) قابل ذکر تصنیفات و تالیفات اور المسعودی کی یادگار جلدیں ہیں۔ ادارے کی جانب سے ایک شش ماہی مجلہ "علوم اسلامیہ" بھی شائع ہوتا ہے۔ اس

مجلے میں مختلف علوم اسلامیہ اور علمی، تہذیبی مسائل اور تاریخ کے مباحث پر نہایت بلند پایہ مقالات شائع ہوتے ہیں۔ ادارہ علوم اسلامیہ کی ایک نہایت بلند پایہ اور اعلیٰ درجے کی ریسرچ لائبریری بھی ہے جس میں ۱۹۶۳ء کے ایک اندازے کے مطابق ۱۵، ۲۰ ہزار نادر و نایاب کتابیں ہیں۔

ادارے کی علمی و دینی خدمات کا ایک پہلو اس کی آل انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس ہیں جو تقریباً ہر دو سال کے بعد ہوتی ہیں۔ ۱۹۶۷ء تک اس کی پانچ کانفرنسیں ہو چکی تھیں۔ ان کانفرنسوں میں ملک و بیرون ملک کے اہل علم نے شرکت کی اور مختلف موضوعات پر نہایت بلند پایہ علمی و تحقیقی مقالات پیش کیے گئے۔ اور ان کانفرنسوں کی بدولت ملک بھر میں علوم اسلامیہ کا چرچا پھیل گیا۔

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز۔ علی گڑھ

یہ ایک عیسائی مشنری ادارہ ہے جو علی گڑھ میں تقسیم ملک سے بہت پہلے سے قائم ہے۔ اس کے ڈائریکٹرز میں پروفیسر ولفریڈ کینول اسمتھ جیسے مشرقیات کے ماہر رہ چکے تھے۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار کا خیال ہے کہ غالباً مسٹر مارٹن بھی ڈائریکٹر رہ چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے جب تقریباً ۱۹۵۵ء میں یہ ادارہ دیکھا تھا تو اس کے نگراں ڈاکٹر حق تھے۔

اس ادارے کے زیر اہتمام تحقیق بھی ہوتی ہے اور طلبہ کی عربی کی تعلیم کے ساتھ مختلف علوم اور دینی موضوعات کا مطالعہ بھی کرایا جاتا ہے۔ لیکن اس ساری علمی تحقیق اور مطالعے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبا اسلام پر عیسائیت کی فوقیت اور فضیلت کو سمجھ لیں۔ عیسائیت کی بہترین خدمات انجام دینے کے لائق ہو جائیں۔ اس ادارے کے کام کرنے کے طریقے کا اندازہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے بقول ڈاکٹر حق کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہم لوگ تو اکثر یہ سوچا کرتے ہیں کہ اسلام کو عیسائیت کا ایک فرقہ کیوں نہ تسلیم کر لیا جائے اور محمدؐ کو مصلح کا درجہ دے کر سچینائز کیوں نہ کر لیا جائے۔

اس ادارے کی جانب سے تبلیغی رسائل و کتب بھی شائع ہو چکی ہیں۔ ادارے کی ایک عالی شان لائبریری بھی ہے جس میں ان کے مفید مطلب اور اسلامی علوم و فنون پر ۱۵، ۲۰ ہزار کتابیں موجود ہیں اور اس میں اسلامی علوم کے بارے میں دنیا کے تمام مشہور رسالے آتے ہیں۔

ادارہ نشر علوم اسلامی ۔ جھنگ

یہ ادارہ عبدالرشید حنیف نے ۱۹۶۰ء میں قرآن و حدیث کی دعوت دینے، اسلامی لٹریچر مرتب کرنے، ادبی محاذ پر ادیان باطلہ اور بے دینی کی تحریکات کا مقابلہ کرنے، اسلامی تہذیب و ثقافت کے فروغ، اقامتِ دین کی سعی اور مسلمانوں کو توحید و سنت کے ایک جھنڈے تلے جمع کرنے کے اسلامی فریضہ کی انجام دہی کے لیے قائم کیا تھا۔ اس ادارے کی جانب سے اب تک تقریباً چالیس دینی و اصلاحی تصانیف مرتب کرکے یا تصنیف و ترجمہ کراکے شائع کی جا چکی ہیں۔ جن کی اہمیت و افادیت کا اعتراف اخبارات اور خصوصاً دینی رسائل اور شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ روپڑی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، علامہ عبدالقادر عارف جیسے اکابر علمائے دین نے کیا ہے۔ ادارے کی جانب سے سب سے زیادہ تصانیف و تراجم مولانا عبدالرشید حنیف کے شائع ہوتے ہیں۔ حنیف صاحب علمائے حق کی اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جسے عرف عام میں "اہل حدیث" کہتے ہیں۔ ان کی تصانیف و تراجم میں نقوشِ صحابہ (خلافت و ملوکیت، بجواب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی) قرآن مغربی مفکرین کی نظر میں، قرآنی دعائیں، مقبول نماز، سنوہر معاشرہ، اسلامی تہذیب، الاسلام اساس السعادہ (تالیف ڈاکٹر مصطفیٰ حبیب) فضائل ابی بکر (محمد بن علی عشاری) الدرالنضید فی اخلاص کلمۃ التوحید (امام شوکانی) قیام اللیل (علامہ محمد بن نصر مروزی) کتاب الکبائر (امام ذہبی) اور دیگر مصنفین کی کتابوں میں حکیم فیض عالم کی مقام صحابہ، بنات رسول اور واقعہ کربلا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انجمن خیرالاسلام ۔ بمبئی

بمبئی کے مسلمانوں کی ایک تعلیمی، سماجی اور اصلاحی انجمن ہے۔ انجمن خیرالاسلام نے اپنے دائرہ کار میں اس انجمن نے مسلمانانِ بمبئی کی بہترین خدمات انجام دیں۔ تعلیم کی اشاعت کے لیے اس نے مدرسے بھی قائم کیے اور مسلمانوں کی سماجی اصلاح اور ان میں شعور پیدا کرنے کے لیے "بصیرت نو" کے نام سے ایک ماہنامہ بھی شائع کرتی ہے۔

انجمن مناظرہ ۔ دہلی

جولائی ۱۸۸۸ء میں ایک علمی انجمن "پبلک سوشل میٹنگ" کے نام سے دہلی میں قائم ہوئی تھی۔ ایک سال کے بعد مئی ۱۸۸۹ء میں اس کا نام بدل کر انجمن مناظرہ رکھ دیا گیا۔

تبلیغ اسلام اور مختلف زبانوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ تعلیم المرشدین، اصلاح وارشاد کے کاموں کو وسعت دینے کے لیے اردو، مرہٹی، تلنگی وغیرہ میں لٹریچر تیار کرنے کے لیے دارالترجمہ و التالیف اور مسلمانوں کو مختلف فنون کی تعلیم دینے کے لیے دارالصنعت قائم کیے گئے۔ ان شعبوں کے علاوہ دارالضیافت مریدانِ اسلام، دارالمطالعہ و کتب خانہ اور شفاخانہ بھی قائم کیا گیا تھا۔ محمد عبدالمجید اس کے ناظم اور محمد حسام الدین احمد مددگار ناظم تھے۔ اس کے اراکین ہارون خاں شروانی، مولانا مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر ناظر یار جنگ وغیرہ اکابر شامل تھے۔ یہ انجمن ۱۳۳۳ھ سے چند سال پہلے قائم ہوئی تھی۔ راقم الحروف کے سامنے صفحۃ الاسلام کی چند سالہ رپورٹیں ہیں۔

عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ۔ ملتان

اس اشاعتی تبلیغی ادارے کا قیام مارچ ۱۹۶۶ء میں عمل میں آیا۔ اس کے سرپرست علامہ علاء الدین صدیقی اور ناظم اعلیٰ منشی عبدالرحمان خاں ہیں۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ عصری تقاضوں کے مطابق اسلام کی اشاعت اور دینی شعور و بصیرت پیدا کرنے کے لیے اردو اور انگریزی میں ایسا لٹریچر فراہم کرنا جو آسان زبان اور دل نشین اسلوب میں ہو۔ چنانچہ گزشتہ تقریباً دس سال کی مدت میں تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب چھوٹے چھوٹے رسائل ادارے کی جانب سے شائع ہو چکے ہیں جو اسلام کے مختلف پہلوؤں پر حالاتِ وقت کے مسائل و مشکلات اور ان کے اسلامی حل اور اسلامی سیرت کی تعمیر، تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق کی غرض کو بحسن و خوبی پورا کرتے ہیں۔ میری نظر سے اس کے تین مفید رسائل تسخیر قمر قرآن کی روشنی میں، قائد اعظم کی کامیابی کا راز اور معراج کا پس منظر پیش منظر گزرے ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس ادارے کے لٹریچر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ طلبا کی ذہنی ارتداد کو دور کرنے اور تعلیم یافتہ طبقے سے فرنگی اثرات زائل کرنے اور اسے ذہناً اسلام کے قریب لانے میں یہ لٹریچر بہت مفید ہے۔

مسلم انسٹی ٹیوٹ ۔ کلکتہ

مسلم انسٹی ٹیوٹ کا قیام ۱۹۰۲ء میں عمل میں آیا وفا راشدی صاحب کے بقول یہ مسلمانان کلکتہ کا سب سے بڑا علمی، ادبی، قومی اور تہذیبی ادارہ ہے۔ اس کے تحت ایک عظیم الشان

کتب خانہ، کلب، بزم مذاکرہ قائم ہیں۔ مسلم ریویو کے نام سے ایک انگریزی ماہنامہ بھی ایک مدت تک نکلتا رہا۔ اس رسالے نے اسلامی و مشرقی علوم و فنون کے تعارف میں بے نظیر خدمات انجام دیں۔ ہر مذہب و ملت کے لکھنے والوں کا اسے تعاون حاصل رہا۔

کلکتہ اور بیرون کلکتہ کے مسلمان علما اور اکابر اہل علم کو مدعو کیا جاتا تھا اور ان کے لیکچرز کا انتظام کیا جاتا تھا۔ خواجہ عبدالوحید صاحب نے ایک ملاقات میں اس کی اسلامی، تہذیبی اور ثقافتی خدمات کا تذکرہ فرمایا۔ خواجہ صاحب کو اس انسٹی ٹیوٹ نے لیکچر کے لیے کلکتہ آنے کی دعوت دی تھی اور خواجہ صاحب نے کلکتہ کا سفر بھی کیا تھا۔

وفا راشدی نے ۱۹۵۵ء میں اپنی کتاب بنگال میں اردو شائع کی۔ اس وقت اس کے صدر سید بدرالدجیٰ اور سکریٹری پروفیسر عبدالمجید تھے۔ عبدالمجید کے بعد محمد کبیر اس کے سکریٹری ہوئے تھے۔

انجمن اسلامیہ۔ کلکتہ

ڈاکٹر لائٹز کی تحریک ترقی علوم مشرقی اور لاہور میں اورینٹل کالج کے قیام سے علوم مشرقی کی اشاعت و ترقی کی جو تحریک پیدا ہوئی اس کے نتیجے میں انجمن اسلامیہ کلکتہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ یہ انجمن ۱۸۸۷ء میں قائم ہوئی اور دو ہزار لوگوں کے دستخطوں سے علوم مشرقی کی اشاعت و ترقی اور علوم مشرقی کی درسگاہ کے قیام کی تحریک کا آغاز کیا۔

انجمن اسلامیہ آگرہ۔ کراچی

یہ انجمن ۱۹۲۳ء میں منشی ریاض الدین احمد صاحب کی کوششوں سے قائم ہوئی تھی۔ نواب فیاض خاں انجمن کے صدر اور ریاض الدین صاحب اس کے سکریٹری تھے۔ ابتداً اس کے تحت ایک مسلم لائبریری قائم کی گئی۔ ریاض صاحب کی کوششوں سے تھوڑے ہی دنوں میں لائبریری نے بڑی ترقی کی۔ متعدد اہل علم نے اپنے اپنے کتب خانے اس لائبریری میں شامل کر دیئے۔ اس طرح سات ہزار سے زائد کتابیں لائبریری میں جمع ہو گئیں۔ اس لائبریری کے قیام سے آگرہ کے مسلمانوں میں علمی شعور اور ذوق پیدا ہوا اور علمی بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انجمن کی خدمت کا دوسرا پہلو تعلیمی تھا۔ اس کے زیر اہتمام محمودہ نسواں اسکول کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ بھی قائم کیا گیا جس نے بیش از بیش خدمات انجام دیں۔

قیام پاکستان کے بعد ریاض صاحب کراچی تشریف لے آئے۔ یہاں انھوں نے بہت سے تعلیمی ادارے قائم کیے جس میں چھوٹے چھوٹے مکاتب سے لے کر اعلیٰ اور فنی تعلیم کے ادارے بھی تھے۔ جن میں جناح کالج، جناح پولی ٹیکنک، ریاض گرلز کالج اور متعدد سیکنڈری اسکول قابلِ ذکر ہیں۔ ان اداروں نے تعلیم کی اشاعت میں بہت بڑا حصہ لیا۔ ۱۹۷۲ء میں حکومت پاکستان نے اپنی نئی تعلیمی پالیسی کے تحت تمام تعلیمی اداروں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ یہ تمام ادارے اب بھی اپنے سابقہ ناموں سے چل رہے ہیں اگرچہ ان کا انجمن اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ انجمن اسلامیہ کراچی کے صدر مفتی انتظام اللہ شہابی تھے

انجمن اسلامیہ کو حکومت نے اپنی تحویل میں نہیں لیا۔ ریاض الدین صاحب ہی اس کے سکریٹری ہیں۔ انجمن اسلامیہ نے چودھری خلیق الزماں کی مشہور خود نوشت "پاتھ وے ٹو پاکستان" کا اردو متن شاہراہ پاکستان کے نام سے شائع کیا اس کا اردو متن انگریزی سے زیادہ اہم ہے اس لیے کہ انگریزی میں ناشر نے کتاب کو ایک محدود ضخامت میں رکھنے کے خیال سے جو حصے نکال دیے تھے اردو میں وہ بھی شامل ہیں نیز انگریزی کتاب پر تبصروں پر چودھری صاحب نے اردو متن کے شروع میں مفصل بحث کی ہے۔ ان وجوہ سے کتاب کے اردو ایڈیشن کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ انجمن کی جانب سے دوسری کتاب قاموس الفصاحت کے نام سے شائع ہوئی ہے یہ اردو زبان کی کہاوتوں، محاوروں اور روزمروں کا مجموعہ ہے اسے مخمور اکبرآبادی صاحب نے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت ایک مفید کام ہے جو انجمن نے انجام دیا ہے۔

انجمن کا ایک علمی شعبہ جناح لٹریری اکیڈمی کے نام سے ۱۹۵۲ء میں قائم کیا تھا اس کے تحت متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کا تذکرہ الگ مستقل حیثیت میں کیا جا رہا ہے۔

انجمن کراچی میں اپنے قیام کے شروع ہی سے انجمن اسلامیہ میگزین کے نام سے ایک علمی مجلہ بھی شائع کرتی ہے۔ اب اس کا نام صرف "انجمن" ہے۔ یہ بھی انجمن کی علمی خدمت کا ایک خاص گوشہ ہے۔ یہ ماہنامہ نامساعد حالات میں بھی بڑی پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

انجمن اسلامیہ۔ لاہور | لاہور میں یہ انجمن مدت سے قائم ہے اور لاہور کی متعدد [illegible] اہتمام و انتظام کے کاموں کو سرانجام

دیتی ہے۔ اگرچہ محکمہ اوقاف کے قیام کے بعد اس انجمن کی ذمہ داریاں بہت محدود ہو گئیں لیکن کسی نہ کسی حد تک انجمن اب بھی فعال ہے۔ (بہ استفادہ خواجہ عبدالوحید صاحب مدظلہٗ)

انجمن شبان المسلمین۔شملہ۔ ایک ادبی انجمن تھی جو ۲۰ ویں صدی کے بالکل آغاز میں یا اس سے پہلے قائم ہو چکی تھی۔ ملک تاج الدین ایک سرکاری آفیسر اس کے مہتمم یا سکرٹیری تھے اِس کے زیر اہتمام دارالمطالعہ قائم تھا جس میں ہر قسم کے اخبارات آتے تھے اِس کے سالانہ جلسے بڑی دھوم دھام سے ہوتے تھے۔

انجمن اسلامیہ۔امرتسر۔ یہ انجمن امرتسر کے رئیس اعظم خان محمد شان کے قائم کی تھی ۱۹۰۱ء کے زمانے میں اس کے پریسیڈنٹ شیخ غلام صادق تھے۔ حافظ عبدالرحمٰن امرتسری نے اس انجمن کی مستقل آمدنی اور خوش انتظامی کا ذکر کیا ہے۔ اس انجمن نے مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ اور مسلمانوں کی اصلاح میں خاص طور پر حصہ لیا۔ (بہ استفادہ پروفیسر محمد ایوب قادری)

انجمن کشمیری مسلمانان۔لاہور۔ لاہور کی کشمیری برادری کے چند بزرگوں نے ۱۸۹۶ء میں اپنی برادری کی اصلاح اور ان میں تعلیم و تجارت کے فروغ کے لئے ایک سماجی انجمن قائم کی تھی۔ علامہ اقبال جب نئے نئے لاہور آئے اور گورنمنٹ کالج میں زیرِ تعلیم تھے تو اس انجمن کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔ لاہور میں سب سے پہلے اسی انجمن کے جلسے علامہ مرحوم کی شاعری کے تعارف اور شہرت کا باعث بنے۔

جمعیت پنجابی سوداگران دہلی کراچی۔ یہ جمعیت دہلی کے پنجابی سوداگران کی اصلاح ترقی کے لئے قیام پاکستان کے بعد کراچی میں قائم ہوئی تھی۔ لیکن اس کا دائرہ خدمت عام سماجی اصلاحی انجمنوں سے بہت وسیع رہا۔ اِس کی بدولت دوسری برادریوں اور اہلِ پاکستان میں بھی سماجی اصلاح و ترقی کی تحریک پیدا ہوئی۔ پنجابی سوداگران کی کئی انجمنیں دہلی مرادآباد وغیرہ میں بھی قائم تھیں اور ان کے تحت سماجی اصلاح کے علاوہ ادبی اور تعلیمی کام بھی ہوتے تھے۔ ان انجمنوں نے ادب کے فروغ میں بھی حصہ لیا اور تعلیم کی اشاعت کا ذریعہ بھی بنیں۔ دہلی میں فتح پوری مسلم ہائی اسکول کا قیام و ترقی دہلی کی انجمن کا عظیم الشان کارنامہ تھا۔ کراچی میں جمعیت کے زیر اہتمام ابتدائی

ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے ادارے قائم ہیں۔ جن کا فیضان نہ صرف پنجابی سوداگران برادری کے بچوں کے لئے بلکہ تمام طلبہ کے لئے عام ہے۔ سوداگر کے نام سے گزشتہ پچیس سال سے ایک ادبی اصلاحی رسالہ بھی پابندی کے ساتھ جاری ہے۔ جمعیت نے برادری کی حدود سے بہت آگے بڑھ کر پاکستانی معاشرے کی اصلاح و ترقی میں، تعلیم کے فروغ میں اور سنجیدہ اخلاقی، اصلاحی ادب کی اشاعت اور بچوں اور عورتوں سے لے کر ہر طبقہ خیال کے لوگوں کے اسلامی ذوق و مزاج کی تربیت اور اسلامی و قومی سیرت کی تعمیر میں قابل تعریف حصہ لیا ہے

انجمن اصلاح و ترقی سادات رضویہ امروہہ بیسویں صدی کی دوسری دہائی سے سادات رضویہ کی اصلاح و ترقی کے لئے اس انجمن کے قیام کا پتا چلتا ہے۔ اس انجمن کی جانب سے نہایت تزک و اہتمام سے سالانہ مشاعرے کا اہتمام کیا جاتا تھا اور مشاعرے کا کلام "در مقصود" کے نام سے ایک رسالے میں شائع کر دیا جاتا تھا۔ اس کے متعدد رسائل نظر سے گزرے ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں اس کا ۲۱ واں سالانہ شمارہ شائع ہوا تھا۔ ۱۹۴۷ء تک کے بارے میں علم ہے کہ یہ انجمن سادات رضویہ کی اصلاح و ترقی اور ادب و شعر کی خدمت میں مصروف رہی۔

انجمن سادات امروہہ۔ کراچی اگرچہ انجمن برادری کی فلاح و بہبود کے مقصد سے قائم شدہ عام انجمنوں کی طرح کی ایک انجمن ہے لیکن اس نے عرفان نسیم کے نام سے اردو کے مشہور مرثیہ گو شاعر نسیم امروہوی کی شخصیت اور فن پر مقالات کا ایک مجموعہ شائع کر کے ادبی انجمنوں میں بھی اپنے لئے ایک جگہ بنا لی ہے۔ اس کے صدر سید حسن مجتبیٰ نقوی ہیں۔

بزم صوفیائے سندھ اصلاح نفس، تہذیب اخلاق اور ایثار و قربانی کی تعلیم اور صوفیائے کرام کی تعلیمات کی اشاعت کے لئے سندھ کی مشہور علمی و سیاسی شخصیت جی ایم سید نے ۱۹۶۷ء میں یہ بزم قائم کی ہے۔ اس کی جانب سے چند چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں۔

انجمن اصلاح الخواتین میرٹھ یہ ادبی انجمن بیگم نواب اسمٰعیل خاں نے قائم کی تھی۔ سلطانہ مہر نے لکھا ہے کہ رابعہ نہاں اس

انجمن کی سرگرم کارکنوں میں سے تھیں۔ اس انجمن کے تحت ہر ماہ جلسے ہوتے تھے جن کا مقصد خواتین میں علمی رجحان پیدا کرنا تھا۔ اس انجمن کے تحت ایک بہت بڑی کانفرنس بھی ہوئی تھی۔ اس موقع پر ایک مشاعرہ کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ اس میں تمام ہندوستان سے خواتین نے شرکت کی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی بہن آرزو بیگم اور آبرو بیگم بھوپال سے آئی تھیں اور اس کانفرنس اور مشاعرے میں شرکت کی تھی۔ کانفرنس کی صدر آبرو بیگم تھیں۔

انجمن مسلم خواتین۔ امراؤتی یہ انجمن نواب صدیق علی خاں مرحوم کی بیگم خورشید آرا بیگم نے بنائی تھی۔ اس کا مقصد مسلمان عورتوں میں تعلیم کی اشاعت و توسیع اور سماجی پس ماندگی دور کرنا تھا۔ ابتدا میں خورشید آرا کو اپنی کوششوں میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن وہ برابر کوشش کرتی رہیں اور بالآخر لڑکیوں کا ایک اسکول قائم کرانے میں کامیاب ہوگئیں۔ انجمن مسلم خواتین کی بدولت امراؤتی اور علاقے کی دوسری آبادیوں کی مسلم خواتین میں تعلیمی بیداری پیدا ہوئی اور سماجی پس ماندگی کا احساس بھی پیدا ہوا۔ اس تعلیمی بیداری اور سماجی اصلاحی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کو متعدد مسلم خواتین ورکر میسر آئیں۔

عیسائی انجمن ادب۔ پنجاب اس انجمن کا تذکرہ گارساں دتاسی نے ۱۸۷۰ء کے مقالے میں کیا ہے۔ گارساں نے اس انجمن کی رپورٹ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اردو میں چار سو کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ ایک کتاب کا نام آئینۂ دل ہے جس میں گناہ گار قلب اور روشن قلب کی دس مثالی تصویریں دے کر نیک عملی کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس زمانے میں ایک عیسائی تبلیغی انجمن کی طرف سے اردو کی اتنی کتابوں کی اشاعت سے اردو کی تحریک کو جو تقویت پہنچی ہوگی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ۔ حیدرآباد دکن اس کا پورا نام ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز ہے — یہ

ہندوستانی عیسائیوں کا مشنری ادارہ ہے جو نہ صرف اردو زبان میں مذہبی لٹریچر شائع کرتا ہے۔ بلکہ اردو ادب کی ترویج واشاعت سے بھی دلچسپی رکھتا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے نظم ونثر میں تبلیغی مقاصد سے بہت سی کتابیں شائع کی جاچکی ہیں۔ دنگزار، رازِ محبت؛ نوائے دل، خدا کے وعدے، نظموں کے مجموعے ہیں۔ بھولے کبوتر۔ ہوشیار سانپ' افسانوں کا مجموعہ ہے اور "ڈاکٹر سعید ایک ایرانی ڈاکٹر کی سرگزشت۔ یہ تمام مسیحی تبلیغی لٹریچر ہے جسے کمال دانائی سے شائع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی آخری کتاب" پیغام حیات " ہے۔ یہ مسیحی عقائد وتعلیمات پر مشتمل مختلف مسیحی شعرا کی منظومات کا مجموعہ ہے جس میں ہر شاعر کے حالات وتعارف بھی شامل کردیا گیا ہے۔ یا یہ مسیحی شعرا کا تذکرہ ہے۔ لیکن نمونہ کلام کے طور پر مسیحی تعلیمات وعقائد پر مشتمل نظمیں شامل کی ہیں۔ اس طرح انھوں نے مسیحی دعوتی لٹریچر کو اردو ادب کا جزو لاینفک بنا دیا ہے۔ مسلمان ادیبوں اور علمائے کرام کے لئے ایک لمحہ فکریہ پیدا کردیا ہے۔

انسٹی ٹیوٹ کا ایک اردو سہ ماہی مجلہ ہما کے نام سے لکھنؤ سے گزشتہ نو سال سے شائع ہو رہا ہے۔ اس کے ایک ایڈیٹر مشہور مسیحی مبلغ اور ادیب ایس وی بھجن طالب شاہ آبادی تھے، جن کے افسانوں کا مجموعہ " بھولے کبوتر۔ ہوشیار سانپ" اور " پیغام حیات۔ ہندوستانی مسیحی شعرا کا تذکرہ " انسٹی ٹیوٹ نے شائع کیا ہے۔

آخر الذکر کتاب کے مطالعے سے مندرجہ ذیل دو عیسائی مشنری اداروں کے نام بھی معلوم ہوتے ہیں۔

- ادارہ اصلاحی بورڈ مصنفین ہند۔ رام پور
- زندگی کا نور۔ ادارہ مراسلاتی نصاب بائبل۔ حیدرآباد دکن۔ اس کے ڈائرکٹر اردو کے ایک مسیحی شاعر ہنس ریحانی لکھنوی ہیں۔

چرچ مشن سوسائٹی حیدرآباد عیسائیوں کی ایک تبلیغی انجمن تھی جس نے ۱۸۶۲ء میں حیدرآباد (سندھ) میں چرچ مشن اسکول بھی قائم کیا تھا۔

باب چہارم

علمی و ادبی ادارے

سندھ مسلم ادبی سوسائٹی حیدرآباد

اب سے تقریباً ۵۴ سال پیشتر کتنی مبارک تھیں وہ ساعتیں جب سندھ مسلم ادبی سوسائٹی کی بنیاد پڑی اور کتنے عظیم و مخلص وہ قوم کے خدمت گزار تھے جنھوں نے قوم کی اخلاقی و دینی تربیت، ملی و قومی سیرت کی تعمیر، ذہنی و فکری رہنمائی اور علم و مطالعہ کے فروغ کے لئے سندھ مسلم ادبی سوسائٹی قائم کرکے علم و ادب اور تصنیف و تالیف کی ایک عظیم الشان تحریک شروع کی۔

سوسائٹی کا قیام ۱۹۳۱ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بانی اور آنریری سکریٹری خان بہادر حاجی محمد صدیق میمن (ف ۱۹۵۸ء) تھے۔ حاجی صاحب مرحوم سندھ کے ان چند اعاظم رجال میں سے ہیں۔ جنھوں نے مسلمانوں میں تعلیم کی اشاعت اور علم و ادب کی خدمت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا۔ تصنیف و تالیف اور علم و ادب کے ذریعے قوم کے اخلاق کی تہذیب، اور ذہن و فکر کی تربیت ان کی زندگی کا مشن تھا اور انھوں نے اپنے جسم و جان اور ذہن و فکر کی بہترین صلاحیتوں کو اسی راہ میں قوم کی خدمت میں صرف کر دیا۔ وہ ان اصحاب اخلاص و عمل میں سے تھے، جو لوث و لالچ اور خطرات سے بے نیاز ہو کر مقصد کا سفر شروع کرتے ہیں۔ انھیں ستائش کی تمنا ہوتی ہے نہ صلے کی پروا۔ ان کا صلہ صرف ان کا عمل ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک کامیابی کا تصور صرف یہ ہوتا ہے کہ زندگی فرائض کی ادائیگی میں صرف ہو جائے۔ افسوس کہ قوم نے ان کی خدمات کا اعتراف اس طرح نہیں کیا جس طرح زندہ قومیں اپنے اکابر و مشاہیر و محسنین کا کرتی ہیں۔ ضرورت تھی کہ ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں اور ان کے نام پر کئی علمی ادارے اور اکیڈمیاں قائم کی جاتیں، لیکن افسوس کہ آج قوم میں ان کی عظیم الشان علمی

ادبی خدمات کے تذکرہ و تعارف میں کوئی مضمون تک شائع نہیں ہوا۔ حالانکہ انھوں نے سندھ مسلم ادبی سوسائٹی کے قیام سے اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک اسی لیلائے علم و ادب کے عشق میں بسر کئے۔ ان کی زندگی کی ایک ایک صبح و شام کا تذکرہ اسی لیلائے علم و ادب کے قرب و وصال کا دل فریب تذکرہ ہے۔

سوسائٹی کے قیام کے بعد ۱۹۳۱ء سے اس شجر طیبہ کے ثمرات قوم کے سامنے آنے شروع ہو گئے تھے۔ اور ۱۹۴۶ء تک قوم اس سے ذہن و فکر کی غذائے لطیف حاصل کرتی رہی۔ اس کی علمی، اور تعلیمی خدمات کے بارے میں بہت محدود معلومات ہمارے پاس ہیں۔ لیکن اس دوران میں بھی اس نے جو خدمات انجام دیں وہ کسی بہت بڑے ادارے کا سرمایہ افتخار بن سکتی ہیں۔ اس دوران میں سوسائٹی کی جانب سے ہمارے علم کے مطابق تقریباً ۲۵ کتابیں شائع ہوئیں۔ اگر ان مطبوعات کو سالوں پر تقسیم کیا جائے تو تقریباً پانچ کتابیں سالانہ شائع ہوئیں۔ یہ اوسط اشاعت آج کل بڑے بڑے اداروں کا ہے۔ ایسے ادارے جنھیں شہری ادارے اور صوبائی و مرکزی حکومتیں لاکھوں روپے سالانہ کی امداد دیتی ہیں۔ حالانکہ سندھ مسلم ادبی سوسائٹی کی تاریخ میں ایسا کوئی موقع نہیں آیا کہ کسی حکومت نے اسے کوئی امداد دی ہو۔ برٹش حکومت کے نزدیک سوسائٹی ایک فرقہ وارانہ انجمن تھی اور حکومت کسی ایسے ادارے کو امداد دے کر مطعون ہونا نہیں چاہتی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد سندھ میں جو حکومت برسراقتدار آئی، وہ برٹش عہد حکومت کی کسی روایت کو توڑنے کی روادار نہ ہوئی۔ اب توقع تھی کہ ملت کے ایسے خدمت گزاروں کی ہمت افزائی کی جائے اور علم و ادب کے قدیم تاریخی اداروں کے قیام و تحفظ کا انتظام کردیا جائے تو افلاک کے وہ پیکر اور ملت کے وہ غمگسار و خدمت گزار اس دنیا سے منہ موڑ چکے ہیں۔

اس سوسائٹی نے تعلیم قرآن، سیرت طیبہ، اخلاق و تہذیب، تاریخ اسلام، تاریخ سندھ، سوانح مشاہیر اسلام، سندھی زبان و ادب وغیرہ موضوعات پر کتابیں تصنیف کروا کے شائع کی ہیں۔ ان میں سے موضوع وار کچھ کتابوں کے نام یہ ہیں۔ اس فہرست سے سوسائٹی کی عظیم الشان اور اس کے وسیع دائرہ خدمات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

قرآن وسیرت قرآن وسیرت طیبہ نبویؐ میں اسانجو پیارو رسول، ودتیم، رسول پاک، قرآن ۾ نئیں روشنی، تاریخ القرآن، قرانی دعاؤں اور اسانجو پیارو قرآن، اخلاق وتصوف اور تعلیمات اسلامی میں اسلامی رسموں، دین ۽ دنیا، ادبی تحفہ، مسلمانن جی تنزلی جا اسباب، اسلامی تصوف، اسلامی شریعت، فلسفہ اسلام، جوہر اسلام، تہذیب اخلاق، جواہرات، اسلامی ہدایت نامہ، اخلاق محسنی، اسلامی عقائد، سچائی ۽ ہمت، ارکان اسلام، مقاصد اسلام، چالیہہ حدیثوں اور حقوق الوالدین، اکابر ومشاہیر اسلام کے سوانح وخدمات کے تذکرے میں فاتح سندھ محمد بن قاسم، شہید کربلا، خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن عبدالعزیز، سیرت النعمان، سعید بن جبیر، سیف اللہ، ڈہ مختی نبیین جا قصا، دختران اسلام، اور حضرت مخدوم نوح ر، اسلامی تاریخ میں بیت اللہ جی تاریخ، اسلامی کتب خانہ، تاریخ اسلام (۲ جلد) ترکن جی بہادری، ہندوستان جی تہذیب اور ہندوستان ۾ مسلم حکومت جی تہذیب، سیاست میں ہاری جی حکومت، حقوق میں لؤمیین، سندھ کی تاریخ کے موضوع پر سندھ جی رنگین تاریخ، تاریخ سندھ (پانچ جلدیں) سندھ جو شاہناموں اور ترقی سندھ مسلم، سندھی ادبیات میں دیوان گل، مسدس الوجود، سہاء شاعری (دو جلد) دیوان فاضل، سندھ جی ادبی تاریخ اور گلشن بہار، تعلیم میں اسلامی نظام تعلیم اور مدرسۃ البنات جو افتتاح اور دیگر کتب میں سچان زالون، زمان الفردوس، قرب قلیچ، عقود الدلالی، علم النفس، توبۃ النصوح وغیرہ۔ ان مطبوعات میں بعض تراجم ہیں، علمی وتحقیقی تصانیف ہیں اور بعض تالیفات، اسلامی تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ یہ تمام مطبوعات نہایت فکر انگیز، معلومات افزا اور دلچسپ ہیں۔ اپنی ادبی وتعلیمی روح، علمی معیار اور موضوعات کے تنوع کے لحاظ سے بھی قابل توجہ ہیں۔

سوسائٹی کی خدمات کا ایک نہایت اہم پہلو ۱۹۳۰ء میں مدرسۃ البنات کا قیام ہے۔ مدرسۃ البنات نے سندھ میں مسلمان عورتوں میں تعلیم کے فروغ میں ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ سندھ مسلم سوسائٹی کے اہتمام میں مدرسہ کی تینتالیس سالہ خدمات بجائے خود ایک اہم اور مستقل موضوع ہے۔

پروفیسر منیر چودھری

مغربی پاکستان اردو اکیڈمی۔ لاہور

اردو اکیڈمی کے قیام کا تصور ۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈاکٹر سید عبداللہ نے ایک اُردو کانفرنس میں پیش کیا جو پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عمر حیات کی سرپرستی میں منعقد ہوئی تھی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس سلسلے میں ایک قرارداد پیش کی تھی اور اس قرارداد کے مطابق پنجاب یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ نے ۱۹۵۰ء میں ایک سب کمیٹی نامزد کی جس کا کام یہ تھا کہ وہ اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کا تعین کرے اور اکیڈمی کا لائحہ عمل مرتب کرے۔ اس کمیٹی نے اکیڈمی کے لئے جو مقاصد طے کیے ان میں اردو میں فنی کتابوں کی تالیف اور غیر ملکی زبانوں کی کتابوں کے تراجم شامل تھے اور سب سے بڑھ کر ایک جامع اُردو لغات اور اردو گرامر مرتب کرنا اس کا مقصد ٹھہرایا گیا۔ سب کمیٹی کے اس منصوبے کو پنجاب یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ نے منظور کر لیا۔ منصوبہ بن چکا تھا۔ مقاصد طے ہو گئے تھے مگر راستے کی سب سے بڑی دشواری ابھی سامنے تھی۔ یہ دشواری تھی سرمائے کی فراہمی اور ذرائع کا حصول۔ جو پنجاب یونیورسٹی کی سطح پر میسر نہ ہو سکے۔ یونیورسٹی کی حد تک یہ منصوبہ صرف فائلوں کی زینت بنا رہا۔ اس پر بھی ڈاکٹر سید عبداللہ مایوس نہ تھے۔ وہ مسلسل مواقع اور ذرائع کی تلاش میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ پنجاب یونیورسٹی میں ہی ایک بار پھر اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا پروگرام مرتب کیا گیا۔ یہ کوشش ۱۹۵۶ء میں کی گئی جب ڈاکٹر بشیر احمد پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ یہ کوشش بھی کام نہ آئی اور یونیورسٹی میں یہ کام نہ ہو سکا۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ یونیورسٹی سے باہر ہی اُردو اکیڈمی کے قیام کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر بشیر احمد کا عملی تعاون شامل تھا۔

ڈاکٹر بشیر احمد کی کوششوں سے دسمبر ۱۹۵۶ء کو اُردو اکیڈمی کا رسمی افتتاح اُس وقت کے وزیر تعلیم سردار عبدالحمید دستی کے ہاتھوں ہوا۔ اور اس ادارے کے لیے سب سے پہلے عطیہ دینے کا شرف جناب نصیر اے شیخ کو حاصل ہوا۔ یہ عطیہ انھوں نے خازن اکیڈمی مولانا عبدالمجید سالک کو دیا۔ یہ رقم پانچ ہزار روپے تھی۔

دسمبر ۱۹۵۷ء ڈاکٹر بشیر احمد کے انتقال کے بعد ڈاکٹر رضی الدین صدیقی اکیڈمی کے ڈائرکٹر نامزد ہوئے اور وہ تاحال اکیڈمی کے ڈائریکٹر ہیں۔ ان کی سرپرستی میں اکیڈمی تمام مشکلات کے باوجود اپنے نصب العین کو پانے کی جدوجہد کر رہی ہے۔

حکومت کی طرف سے اس اکیڈمی کے لئے بہت دیر بعد گرانٹ منظور ہوئی ۱۹۶۰ء میں حکومت مغربی پاکستان نے اکیڈمی کے لئے پچیس ہزار روپے سالانہ گرانٹ منظور کی۔ اور اس کے تین سال بعد یعنی ۱۹۶۳ء میں یہ گرانٹ دوگنی کر دی گئی۔ اور یوں یہ گرانٹ پچاس ہزار روپے سالانہ ہو گئی۔ اس رقم میں سے ۱۲½ ہزار روپے اردو اکیڈمی بھاولپور کے لئے مختص کر دیئے گئے۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران اکیڈمی کی گرانٹ میں پانچ فی صدکی کردی گئی جو اب تک قائم ہے۔

مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی کے بڑے اور بنیادی عہدے دو ہیں۔ ایک تو ڈائریکٹر اور دوسرے جنرل سکریٹری۔ ان دونوں عہدوں پر ڈاکٹر رضی الدین صدیقی اور ڈاکٹر سید عبداللہ بالترتیب تاحیات فائز رہیں گے۔ ان کے علاوہ ایک عہدہ خازن کا ہے۔

اکیڈمی نے اپنے منصوبوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے اپنے سامنے مندرجہ ذیل مقاصد رکھے

۱۔ اُردو زبان کو ہر پہلو سے ترقی دے کر دنیا کی دیگر ترقی یافتہ زبانوں کے ہم پلہ بنانا۔

۲۔ اُردو زبان میں تالیف و ترجمہ کا اہتمام کرنا۔

۳۔ اُردو زبان میں علوم و فنون کی اشاعت کے لئے جملہ ذرائع مہیا کرنا۔

۴۔ اردو کو پاکستان میں دفتری زبان بنانے کی مہم چلانا۔

۵۔ اُردو زبان کو ہر لحاظ سے باوقار اور باثروت زبان بنانے کی کوشش کرنا۔

ان مقاصد کے حصول کے سلسلے میں اکیڈمی نے سائنسی موضوعات پر مضمون نویسی کے انعامی

مقابلے کرائے، اردو میں سائنسی موضوعات پر ماڈل لیکچرز کا اہتمام کیا۔ اور اس کوشش کو ایک مستقل شکل دینے کے لئے اُردو کالج کا اجرا کیا۔ اکیڈمی کے تحت ہونے والے انعامی مقابلوں نے طلبا اور اساتذہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ ماڈل لیکچرز کا سلسلہ بہت ہی مفید اور مقبول ثابت ہوا۔ لیکن یہ سلسلہ سرمائے کی کمی کے سبب جاری نہ رہ سکا اور ۱۹۶۳ء سے لے کر اب تک سلسلہ معطل ہے۔ انعامی مقابلے بہت مقبول ہوئے۔ اور ان مقابلوں میں شرکت کرنے والوں کو بے شمار انعامات بھی دیئے گئے۔ اُردو کو مقبول ذریعہ تعلیم بنانے کی غرض سے بی۔ اے۔ بی۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ اے۔ ایم۔ ایس۔ سی کے امتحان میں اُردو ذریعہ امتحان کے ذریعے بہتر نمبر حاصل کرنے والے طلبا کو بھی اکیڈمی نے انعامات دیئے۔ انعامات کا سلسلہ بھی اب مالی دشواریوں کی وجہ سے معطل ہے۔

مغربی پاکستان اردو اکیڈمی نے مختلف سائنسی موضوعات پر چالیس سے زائد کتابیں شائع کی ہیں جنھیں مختلف ماہرین نے تحریر کیا ہے۔ ان میں سے بعض کتابیں اتنی مقبول ہوئیں کہ ان کے دو دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ بہت سی کتابیں ایسی ہیں جنھیں ماہرین مکمل کر چکے ہیں۔ لیکن مالی دشواریوں کی بنا پر شائع نہیں ہو سکیں۔ نہایت حیرت کا مقام ہے کہ جس قوم نے اُردو کو قومی زبان تسلیم کیا ہو اُسی قوم میں اُردو کو فروغ دینے والا ادارہ مالی مشکلات کا شکار ہو۔

اکیڈمی نے اپنے محدود مالی وسائل کے باوجود کاوشیں اُردو کے فروغ کے لئے کی ہیں ان میں ۲۰ تا ۲۲ مارچ ۱۹۶۳ء کو منعقد ہونے والی "سائنس اور قومی کانفرنس" بھی شامل ہے۔ اس کانفرنس کی سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ اس کی تمام کارروائی پاکستان کی دونوں قومی زبانوں یعنی اردو اور بنگالی میں ہوئی۔ یہ کانفرنس قومی زبانوں میں درس و تدریس کی مشکلات کا حل ڈھونڈنے کے لئے منعقد ہوئی تھی اور اس سے ایک بہت بڑی خدمت انجام دی گئی۔ اکیڈمی نے اردو کو متبادل ذریعہ امتحان بنوانے کے لئے بے شمار پوسٹر شائع کئے۔ اردو میں تصنیف و تالیف کا کام کرنے والے مصنفین نے جس وقت اور جس قدر مدد چاہی وہ اصطلاحات کی صورت میں اکیڈمی نے انھیں فراہم کی۔ زرعی یونیورسٹی لائل پور کے

زیر تدوین لغت "عمرانیات" کے مسودے کی نہ صرف اصلاح کی، بلکہ بہت سے انگریزی الفاظ اور اصطلاحات کے مترادفات مہیا کیے۔

مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی نے سائنسی علوم پر اُردو میں کتابیں شائع کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ سائنس کی اردو میں تعلیم کا عملی تجربہ بھی کیا اور اس مقصد کی بجا آوری کے لئے جنوری ۱۹۶۴ء میں "اردو کالج" قائم کیا۔ ۶۴-۱۹۶۳ء کے تعلیمی سال میں یہ کالج صرف ایف۔ ایس۔ سی کے طلباء کو میڈیکل اور انجینرنگ کی تعلیم دیتا رہا لیکن اکتوبر ۱۹۶۴ء میں بی۔ ایس۔ سی کی تدریس بھی شروع کر دی گئی۔ امتحانات میں نتائج نہایت ہی حوصلہ افزا رہے۔ لیکن اکیڈمی کی یہ کوشش بھی مالی دشواریوں کا شکار ہو گئی اور ۱۹۶۵ء میں گرانٹ میں پانچ فیصد کی کمی نے اس منصوبے کی تکمیل روک دی اور کالج بند کرنا پڑا۔

مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی نے سائنسی موضوعات پر اہم کتابیں شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ایک "قاموس الاصلاحات" بھی شائع کی ہے۔ جو شیخ منہاج الدین کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ اس کے علاوہ تصنیف و تالیف کا جو منصوبہ اکیڈمی نے تیار کیا تھا اور ۶۲-۱۹۶۱ء میں جو پروگرام بنایا اس میں سائنس انسائیکلوپیڈیا، تذکرۃ المشاہیر اور مختصر لغات اُردو کی تیاری شامل تھی۔ سائنس انسائیکلوپیڈیا کو دو قسم کے معیار پر تیار ہونا تھا۔ ایک انٹرمیڈیٹ معیار کا اور دوسرا بی۔ ایس۔ سی کے معیار کا۔ اس سلسلے میں اکیڈمی نے عملی نمونے کے طور پر انسائیکلوپیڈیا طبیعات، جو تین اجزا پر مشتمل تھا اور جو پروفیسر حمید عسکری کی کاوش تھا، شائع کیا۔ تذکرۃ المشاہیر اس مقصد کے تحت تیار کی جا رہی تھی کہ اُردو میں کوئی عالمی سوانح قاموس موجود نہیں جس میں مشرق و مغرب کے مشاہیر کے بارے میں مختصر مگر مستند معلومات فراہم کی گئی ہوں۔ یہ ایک حوالہ کی کتاب کی صورت میں ہوگی جس سے ہر شعبہ علم کے افراد مستفید ہو سکیں گے۔ گو اردو میں فرہنگوں اور لغاتوں کا ایک بڑا سرمایہ موجود ہے۔ لیکن اُردو اکیڈمی نے یہ محسوس کیا کہ ایک ایسی مختصر مگر جامع لغات تیار کی جائے جو جدید لسانی ضرورتوں کو کما حقہٗ پورا کر سکے۔ چونکہ زمانہ بدل رہا ہے اور نت نئی تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں اس لئے جدید تقاضوں اور تبدیلیوں کے مطابق لغات تیار ہونا چاہیئے۔ اس لغات کی تیاری کی

ضرورت کی طرف، گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل ڈاکٹر نذیر احمد نے توجہ دلائی اور اکیڈمی نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس منصوبے پر کام شروع کر دیا ان تینوں بڑی کتابوں کے لیے باقاعدہ ماہرین کی کمیٹیاں بنا دی گئی ہیں۔ ہر منصوبے پر اس شعبہ کے ماہرین کو کتابوں کی تدوین کا کام سونپا گیا ہے۔ مگر بات گھوم پھر کر وہیں آ جاتی ہے کہ کیا ان تمام منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سرمایہ فراہم ہو جائے گا۔؟ ڈاکٹر سید عبداللہ کی ہمت کی داد دینا پڑتی ہے کہ وہ ایک ایسے ماحول میں یہ کام انجام دے رہے ہیں جس میں دشواریاں ہی دشواریاں ہیں۔ انھوں نے اب تک اُمید کا دامن نہیں چھوڑا۔ نہایت خاموشی اور انکسار کے ساتھ گیسوئے اُردو کو سنوارنے میں لگے ہوئے ہیں —

بعد قیصر آفاق ہاشمی
شعبہ اردو

ادارہ مصنفین پاکستان

برصغیر ہند و پاکستان میں تہذیبی، معاشرتی، سماجی اور سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ادیبوں کے افکار، نظریات اور ان کے تنظیمی ڈھانچے میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد سرسید تحریک کا آغاز اور دوسری عالمگیر جنگ کے بعد ادیبوں کی ایک انجمن "ترقی پسند مصنفین" کے نام سے قائم ہوئی۔ پاکستان میں ۱۹۵۸ء کے مارشل لا کے نفاذ کے دو ماہ بعد جمیل الدین عالی، قدرت اللہ شہاب، ابن الحسن، ابن سعید، ضمیر الدین احمد، غلام عباس، قرۃ العین حیدر اور عباس احمد عباسی نے ۲۸ دسمبر کو یہ اعلان کیا کہ ادیبوں کی ایک تنظیم قائم کی جائے جو ادیبوں اور ان کے خاندانوں کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرے۔ یہ بنیادی مقصد ان آٹھ ادیبوں کے ذہن میں پیدا ہوا۔ جیسا کہ صدر مملکت محمد ایوب خان کے اس اعلان سے مترشح ہوتا ہے جو ۷ اکتوبر کے مارشل لا کے دو ماہ بعد کیا گیا جب کہ زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی تھی اور ہر طرف جمود کی کیفیت طاری تھی۔ معاشرتی، سماجی اور سیاسی زندگی کا مستقبل تاریک تھا۔ ان حالات میں اس اعلان سے مترشح ہوتا ہے کہ پس پردہ حکومت کا منشا اور ایما شامل تھا۔ صدر ایوب نے ابتدائی دو سالانہ اجلاسوں میں شرکت کی اور ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی امداد کا اعلان کیا۔ ظاہر ہے کہ حکومت کا منشا سیاسی تھا یعنی یہ کہ ادیب آمرانہ برکتوں، قوتوں اور اصلاحات کی تعریف کریں۔ قطع نظر اس سے کہ حکومت کے مقاصد کیا تھے مختلف مکاتب فکر کے ادیبوں کو ایک تنظیمی ڈھانچہ دینا ایک مستحسن قدم تھا۔ یہی وہ احساس تھا کہ ملک کے گوشے گوشے سے تقریباً دو ڈھائی سو ادیب پاکستان رائٹرس کنونشن

میں شریک ہوئے۔ اس اعتبار سے جنوری ۱۹۵۹ء میں یہ کنونشن بہت اہم تھا اس لیے کہ اس میں ادارہ کا نام، اغراض و مقاصد، ادیب و ناشر کے معاملات، آزادئ تحریر اور کاپی رائٹ وغیرہ کے مسائل طے کرنا تھے۔ اس مقصد کے لیے کنونشن کے اجلاس ۲۹، ۳۰ اور ۳۱ جنوری کو کرزن ہال میں منعقد ہوئے۔ پہلے اجلاس کی صدارت بنگالی کے مشہور شاعر جسیم الدین نے اور ۳۱ جنوری کو آخری اجلاس کی صدارت بابائے اردو عبدالحق نے کی۔ افتتاحیہ تقریر پروفیسر مرزا محمد سعید احمد دہلوی اور خطبۂ استقبالیہ شاہد احمد دہلوی نے پڑھا۔ ۳۱ جنوری ۱۹۵۹ء کے آخری اجلاس میں منشور اور اغراض و مقاصد منظور ہوئے ــــ منشور یہ ہے:

"ہم پاکستان کی ملکی زبانوں کے ادیب خود کو مادرِ وطن کی ترقی، عظمت، بین الاقوامی امن کے آدرش اور انسانیت کی ترقی کے لئے وقف کرتے ہیں۔ ہم ان حقوق انسانی پر ایمان رکھتے ہیں جن کی تشریح اقوام متحدہ کے منشور میں کی گئی ہے۔ بحیثیت ادیب کے ہم اپنے خیالات کے اظہار اور ترسیل کی آزادی کے لئے بنیادی حقوق کے حامی ہیں جس کے بغیر تخلیقی ادب بے مقصد ہوتا ہے۔ ہمیں اپنی ان عظیم روایات پر جو ہمیں ماضی سے ملی ہیں، پورا فخر ہے۔ ہم ان کے تحفظ اور ان کو مزید فروغ دینے کا عہد کرتے ہیں۔ ہم اپنے مقدس فرض سے جو صداقت کی عکاسی، حبِ وطن کی قدروں کی نشوونما، بین الاقوامی اخوت اور تعاون کے فروغ اور انسانی تعلقات کے قیام سے متعلق ہیں، کما حقہٗ آگاہ ہیں تاکہ انسانیت زیادہ سے زیادہ راحت، طمانیت اور وقار کے ساتھ اپنا وجود باقی رکھ سکے۔

ادیب ہونے کی حیثیت سے فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر ہم ایک ایسے خوش حال اور صحت مند معاشرے کی ترقی کے لئے اپنی

ذمہ داری کو قبول کرتے ہیں جس میں سب کے لئے آزادانہ اور مساوی مواقع فراہم ہوں اور جہاں دولت و اقتدار، انسانی قدروں اور روحانی تصورات کے تابع ہوں۔ اس لئے علم و سائنس کی ترقی کو دنیا میں امن اور خوشحالی کے فروغ کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔"

گلڈ کا نام "ادارۂ مصنفین پاکستان" (پاکستان رائٹرز گلڈ) رکھا گیا۔ اس کا صدر دفتر وفاقی دارالحکومت میں رکھنا قرار پایا اور کراچی، لاہور اور ڈھاکہ میں علاقائی دفاتر قائم کرنا بھی طے پایا۔ مرکزی دفتر کراچی میں کھولا گیا۔ گلڈ کے اغراض و مقاصد یہ طے پائے تھے۔

(۱) ایسے حالات کو فروغ دینا جو خیالات اور ثقافت کے آزادانہ اظہار و فروغ کے ضامن ہوں (۲) ادیبوں کے ادبی مفادات کا تحفظ کرنا (۳) امداد باہمی کی بنیادوں پر دارالاشاعت کا قیام (۴) مشترکہ بیمہ (۵) پاکستانی ادب کی بیرونی ملکوں میں اشاعت کا اہتمام کرنا (۶) کاپی رائٹ ایکٹ وغیرہ۔

۱۹۵۹ء کے کنونشن میں جن مندوبین نے شرکت کی وہ بنیادی اراکین قرار پائے۔ ان اراکین نے مرکزی مجلس عاملہ اور علاقائی مجلس عاملہ کا انتخاب کیا۔ سکریٹری جنرل قدرت اللہ شہاب، اعزازی خازن عبدالعزیز خالد اور افسر رابطہ جمیل الدین عالی منتخب ہوئے۔

حلقۂ کراچی کے معتمد ابن سعید، لاہور کے اشفاق احمد اور ڈھاکہ کے متین الدین احمد کا انتخاب عمل میں آیا۔ ہر دو سال کے بعد سالانہ اجلاس میں انتخابات ہوتے۔ قدرت اللہ شہاب کے بعد جمیل الدین عالی کئی سال سکریٹری جنرل رہے۔ کبھی قائم مقام کی حیثیت سے اور کبھی انتخاب کے ذریعے۔ موجودہ سکریٹری جنرل محبوب جمال زاہدی ہیں۔

ادارے نے خاصی جدوجہد سے مندرجہ ذیل انعامات کا اعلان کیا۔ آدم جی

پچیس ہزار، حبیب بنک پچیس ہزار، یونائیٹڈ بنک بیس ہزار، نیشنل بنک پچیس ہزار،
۶ ستمبر ۱۹۶۵ء دس ہزار اور گلڈ بائیس ہزار روپے۔
یہ انعامات ادیبوں کی بہترین تخلیقات پر پیش کئے جاتے، جن میں اردو، بنگالی اور انگریزی زبان میں تحقیقی، تخلیقی، تہذیبی، تاریخی، سائنسی اور معاشیات کے موضوعات پر کتب شامل تھیں۔ ابتدا میں ادارے نے انعامات کے سلسلے میں خلوص اور صداقت سے بہترین تخلیقات پر انعامات کا اعلان کیا۔ لیکن بعد میں مصلحتیں راہ پا گئیں، جس کی وجہ سے اراکین میں اختلافات بڑھتے گئے۔ مزید برآں بعض اراکین حکومت سے مالی منفعت اور اعلیٰ عہدوں کے خواہشمند تھے۔ انھیں جب خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو گئی تو ادارے سے دلچسپی لینا کم کر دی۔
ادارے نے انعامات کے علاوہ ادیبوں کی بھلائی کے لئے چند اہم اقدام کئے۔ جس میں سے بعض میں کامیابی ہوئی۔ ادارے نے کراچی سے "ہم قلم" اور ڈھاکہ سے "قلمکار" دو جرائد جاری کئے۔ 'ہم قلم' ماہنامہ تھا اور 'قلمکار' ششماہی۔ ان پرچوں میں ادیبوں کی بہترین تخلیقات شائع ہوئیں اور ادیبوں کو معقول معاوضہ ادا کیا گیا۔ ادارے نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ تمام رسائل معاوضہ دیا کریں۔ بدقسمتی سے اس میں کامیابی نہ ہو سکی۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ملک میں زیادہ جرائد کے مالکان خود گلڈ کے اراکین تھے۔ ادارے نے معاوضے کے علاوہ ناشر اور ادیب کے درمیان کاپی رائٹ ایکٹ کا نفاذ کرایا۔ لیکن ادارہ اس ایکٹ پر بھی عمل درآمد نہ کرا سکا۔ اسی طرح مشترکہ بیمہ پالیسی بھی مفلسی کی نذر ہو گئی۔
ادارے کی طرف سے ایک اشاعت گھر اور گلڈ کتاب گھر کا بھی آغاز کیا گیا۔ کل پندرہ کتابیں شائع کی جا سکیں جس میں ادارے کو بھاری نقصان ہوا۔ گلڈ کتاب گھر بھی بدانتظامی کی وجہ سے چند سال کے بعد بند ہو گیا۔
ادارے کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے مرحوم مصنفین کے پس ماندگان کے لئے وظائف مقرر کرائے اور اس بات پر کافی زور دیا کہ سرکاری امداد کے

علاوہ جو بقول جمیل الدین عالی کے ناکافی تھی، اس کے اخراجات کے لیے کوئی مستقل انتظام ہونا چاہیے۔ اس کے لیے لاہور میں پرنس ہوٹل اور ملتان میں گلڈ ہوٹل ایک نجی ادارہ کی مدد سے خریدے گئے۔ لیکن اس میں بھی خسارہ ہوا۔ ادارے کے جتنے بھی منصوبے تھے ان پر نہایت خوش اسلوبی سے عمل درآمد ہو سکتا تھا اگر اراکین جوش و خروش، خلوص، صداقت اور ذاتی اختلافات سے بالاتر ہو کر اپنے فرائض سرانجام دیتے۔ لیکن "میر کارواں" (جمیل الدین عالی) "منزلِ عشق پر تنہا پہنچے۔ کوئی مسافر ساتھ نہ تھا" جس کا اندیشہ مولوی عبدالحق نے اپنی صدارتی تقریر میں کیا تھا۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد ادارے کے انتظامی ڈھانچے میں چند اہم تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں اور اس کے اصول وضوابط میں ترمیم بھی کی گئی ہے۔ ابتدا میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے تین علاقائی دفاتر کراچی، لاہور اور ڈھاکہ میں قائم کیے گئے تھے۔ لیکن اب پاکستان کو آئین کے تحت چار یونٹ میں تقسیم کرنے کے بعد ادارے کے آئین میں بھی تبدیلی کرنا پڑی۔ یعنی مرکزی دفتر کے علاوہ اباسین، بولان، رچنا اور مہران زون کے نام سے چار دفاتر قائم کیے گئے۔

پاکستان کی مختلف زبانوں کے ادیب ادارے کے باقاعدہ رکن ہیں۔ ان کی کل تعداد تقریباً پندرہ سو ہے جن میں دو سو سے زائد غیر ادیب اراکین ہیں۔ ادارے نے تطہیر کا پروگرام بنایا تھا۔ لیکن ذاتی اختلافات اور مصلحتوں کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکا۔ دراصل یہی اراکین گلڈ کو دفنانے میں پیش پیش ہیں۔

مالی وسائل کی کمی، سرکاری امداد میں کٹوتی، اراکین کے درمیان اختلافات اور ادارے کی جانب سے ان کی غیر دلچسپی، عدم توجہی اور کنارا کشی کے سبب گلڈ کے اراکین میں مایوسی اور ناکامی کا شدید احساس پایا جاتا ہے۔

اس وقت گلڈ کو سرکاری امداد صرف پچاس ہزار روپے سالانہ ملتی ہے۔ یہ رقم عملے کی تنخواہوں اور دفاتر کے کرائے میں صرف ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں یہ صاف ظاہر ہے کہ ادارے کی سانس اب اکھڑ چکی ہے۔ ادیب پریشان حال ضرور ہیں۔ لیکن

کوئی مسیحا نفس معالج نظر نہیں آتا۔

ادارے کے بعض ارکان نے بتہیری کوشش کی کہ پاکستانی ادیبوں کو وہ سب کچھ حاصل ہو جائے جس کا حصول گلڈ کے قیام کا مقصد تھا۔ لیکن ادیب ہی اس مقصد کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوئے۔ کچھ یہ وجہ بھی ہے کہ دور آمریت کی یادگار کو لوگ اپنے سینوں سے لگانے کے لئے تیار نہیں۔ اس کے رہنماؤں کے اخلاص پر بھی ادیبوں کو اعتماد نہیں۔ بیشتر ادیب ایوب خاں کے عہد آمریت کی اس یادگار کو باقی رکھنے اور اسے فعال بنانے کی بجائے نہایت خلوص کے ساتھ ایک نئے کارواں کی ترتیب کے بارے میں سوچ رہے ہیں جس میں ادب کی جنس گراں مایہ سے لے کر میر کارواں اور عزم سفر تک ہر چیز حالات و وقت کے تقاضوں اور پاکستان کے ادیبوں کی ہر طرح کی ضروریات کے مطابق ہو۔

پروفیسر محمد ایوب قادری

مجلس المعارف، کراچی

کراچی کی گہما گہمی میں فرصت معدوم ہے، دو چار اہل علم کا یکجا ہونا بڑا مشکل ہوتا ہے اگر ایسا ہو تو بسا غنیمت ہے۔ حکیم محمود احمد برکاتی کے مطب میں اکثر اہل علم آتے رہتے ہیں اور چھوٹی موٹی نشست ہو جاتی ہے ایک مرتبہ یہ خیال کیا گیا کہ اس کو ایک مستقل شکل دیدی جائے۔ چنانچہ ۷ اکتوبر ۱۹۶۵ء بروز جمعہ کچھ اہل علم کی ایک باقاعدہ میٹنگ میں طے پایا کہ ہر مہینے کے پہلے جمعہ کو ایک علمی نشست ہوا کرے۔ اسی موقع پر مجلس المعارف کے نام سے ایک علمی مجلس کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ مولانا محمد عبد الرشید نعمانی کو اس کا صدر اور پروفیسر محمد ایوب قادری کو اس کا معتمد مقرر کیا گیا۔ ان کے علاوہ اس کے اساسی ارکان میں حکیم محمود احمد برکاتی، مولانا محمد منظر بقا، مولوی ابو الفتح، محمد صغیر الدین عزیزی اور مولوی محمد سلیمان بدایونی شامل تھے۔

مجلس کے اجلاس ہر مہینے کے پہلے جمعہ کو منعقد ہوتے تھے اور مختلف حضرات موضوعات پر اپنے مقالے پڑھتے تھے مندرجہ ذیل مقالے خاص طور سے قابل ذکر ہیں جو پڑھے گئے۔

دار الاسلام و دار الحرب (حکیم محمود احمد برکاتی)، مولانا محمد احسن نانوتوی[1] (محمد ایوب قادری) عہد نبوی کی معاشرت (مولوی ابو الفتح محمد صغیر الدین عزیزی)، حیات اعلیٰ حضرت (جلد اول) پر ایک سرسری نظر (مولوی محمد سلیمان بدایونی)، ابن ماجہ اور علم حدیث[2] (مولانا محمد عبد الرشید نعمانی) بدایوں اور شیعیت (مولوی محمد سلیمان بدایونی) اور مولانا لیاقت علی الہ آبادی (محمد ایوب قادری)

---

[1] اول یہ مقالہ العلم کراچی میں دو قسطوں میں شائع ہوا اور بعد ازاں روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی (کراچی) سے ۱۹۶۶ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ [2] العلم کراچی (جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء) میں شائع ہوا۔

[3] کتابی شکل میں نور محمد کارخانہ تجارت کتب (کراچی) سے شائع ہوا۔

شاھد محمود سیکنڈ ایئر
(کامرس)

اردو اکادمی بہاولپور

۱۹۵۸ء میں مسعود حسن شہاب دہلوی کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں اردو اکادمی بہاولپور کا قیام عمل میں آیا۔ اردو زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کی ترقی اور توسیع اس کے قیام کا مقصد ہے۔ یہ مقصد تصنیف و تالیف اور تحقیق و تدوین، علمی ادبی رسائل کے اجرا اور مذاکروں، سمیناروں وغیرہ کے اہتمام اور ایک اردو یونیورسٹی کے ذریعے حاصل کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

اکادمی اردو یونیورسٹی کے قیام کی طرف تو توجہ نہ دے سکی لیکن مقاصد کے دوسرے پہلوؤں کی طرف اس نے ضرور توجہ دی اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنے مقاصد کے سفر میں ناکام رہی ہے۔ بلاشبہ اس کا مقابلہ کراچی و لاہور کے کسی بڑے ادارے سے نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر اس کے محدود وسائل کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو اس کی کامیابیاں کسی دوسرے ادارے کے مقابلے میں کم نہیں ہیں۔

ہمارے علم میں اس کی تقریباً ایک درجن مطبوعات ہیں۔ ان میں سے ادب و شاعری میں بلوچی ادب، نثر تاثیر، مثنوی سیف الملوک، تاریخ میں خطہ پاک اوچ، سوانح میں فارسٹ، خواجہ غلام فرید، لغت و لسانیات میں لغت طب، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، گلگت اور شنا زبان اور کتب حوالہ میں اوچ کی جیلانی لائبریری کے مخطوطات کی فہرست اور کلید اقبال کے نام سے علامہ اقبال پر ببلیوگرافی شامل ہیں۔ یہ تمام کتابیں نہایت مفید اور لائق مطالعہ ہیں۔ اکادمی کی جانب سے اس کے قیام کے زمانے ہی سے الزبیر کے نام سے ایک سہ ماہی علمی مجلہ بھی نکل رہا ہے جس کے خصوصی نمبروں کی اہل علم میں خاص طور پر پذیرائی ہوئی۔ چند خاص نمبر یہ ہیں: سفرنامہ نمبر، آپ بیتی نمبر، کتب خانے نمبر، تحریک آزادی نمبر، ادبی معرکے نمبر۔ ان میں سے کتب خانے نمبر اور ادبی معرکے نمبر نہایت معلوماتی اور دلچسپ ہیں۔ اردو کے ادبی معرکوں پر تو پاکستان کے تمام رسائل میں واحد پرچہ ہے، جو اس موضوع پر نہایت تحقیقی، معلوماتی اور دلچسپ مواد پر مشتمل ہے۔

ادارۂ ادب بلوچستان کوئٹہ

بلوچستان کا یہ علمی ادارہ صوبے کا سب سے بڑا ادارہ ہے - اس کی تعمیر کی خشت اول نومبر ۱۹۴۳ء میں رکھی گئی تھی - اس کے بانیوں میں مسلمان اور ہندو سب شامل تھے - اگرچہ اس کا زمانہ عروج اور عہد خدمت اگست ۱۹۶۸ء سے شروع ہوتا ہے جب اس ادارے کا احیاء کیا گیا لیکن اس کی خدمات کا آغاز اس کے پہلے دور ہی میں ہو چکا تھا - ہفتہ وار ادبی نشستیں ہوتی تھیں ، مشاعروں کا اہتمام کیا جاتا تھا - مدرسہ کا آغاز کر دیا گیا تھا - اور اس کے زیر انتظام ایک لائبریری بھی قائم ہو چکی تھی - یہ اس کے مقاصد کے ذیل میں اس کی خدمات کے مختلف پہلو ہیں - اس زمانے میں اس کے صدر سردار محمد خاں باروزئی اور جنرل سکریٹری میر گل حسن خاں حریم دستوری تھے - ان حضرات کے علاوہ عبدالرحمٰن غور ، میر محمد افضل خاں لونی خاص طور پر قابل ذکر ہیں -

قیام پاکستان کے وقت ہندو ادیبوں کے ہندوستان چلے جانے اور مسلمان ادیبوں کے بسلسلہ معاش منتشر ہو جانے کی وجہ سے یہ ادارہ سرگرم نہیں رہا اگرچہ عبدالرحمٰن غور نے اس کے وجود کو کسی نہ کسی طرح برقرار رکھا - اگست ۱۹۶۸ء میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر ، عبدالرحمٰن غور ، عبدالرحمٰن براہوی ، نیقر بخش بگٹی اور دوسرے بہت سے ادیبوں ، شاعروں کی کوشش سے اسے حیات نو ملی - اس موقع پر اس کے دستور پر بھی نظر ثانی کی گئی اور پہلے کے مقابلے میں اس کی خدمات کے دائرے کو بہت زیادہ وسیع کر دیا گیا - اس کے خاص اغراض و مقاصد یہ ہیں :

بلوچستان میں دستیاب ہونے والے مخطوطات کی حفاظت و اشاعت کا انتظام کرنا - نیز بلوچستان سے متعلق نادر و نایاب مطبوعات اور ان کے تراجم شائع کرنا - اس

خطے کی زبانوں کی گرامر، معیاری لغات، ادبی اور سیاسی تاریخ اور لوک گیت کے مجموعے مرتب کروانا اور انھیں شائع کرنا ۔ اردو، فارسی کی علمی، ادبی، تاریخی بلند پایہ کتب کا مقامی زبانوں میں ترجمہ کروانا اور مقامی زبانوں کے ادب، لوک گیتوں، تاریخ وغیرہ کا انگریزی، اردو وغیرہ میں ترجمہ کروانا اور اس صوبے کی تاریخ، ادب، روایات، تہذیب اور ثقافت کے تعارف اور ترویج و اشاعت کے لیے انگریزی اور ملک کی دوسری زبانوں میں کتابیں شائع کرنا ۔ طلبا کے لیے درسی کتابیں تیار کرنا اور ایک ریسرچ لائبریری کا قیام ۔

ادارے نے ان تمام مقاصد کے لیے کم و بیش کوششیں کی ہیں اور خواہ اس کی رفتار ملک کے دوسرے اداروں کے مقابلے میں کم رہی ہو ۔ لیکن محدود وسائل کے مقابلے میں اس نے جو کامیابی حاصل کی ہے اس کا اعتراف کرنا چاہیئے ۔ پروفیسر عبدالرحمٰن براہوی کی عنایت سے ادارے کی مطبوعات کی جو فہرست ہمیں ملی ہے اس میں تاریخ سوانح، ادب، شعر، لسانیات، اخلاق وغیرہ کی سولہ کتابیں ہیں ۔ دس کتابیں عبدالرحمٰن غور کی ہیں، تین کتابیں عبدالرحمٰن براہوی کی ہیں اور ایک ایک کتاب کامل القادری اور محشر رسول نگری کی اور ایک ناولٹ کا ترجمہ ایم ممتاز کے قلم سے ہے ۔ عبدالرحمٰن غور کی تصانیف ہماری جدوجہد (تحریک آزادی کی داستان) وشین گفتار (بلوچی ضرب الامثال مع اردو ترجمہ) اور پروفیسر عبدالرحمٰن براہوی کی تصانیف قدیم براہوی شعرا اور گوانزخ (براہوی لوک گیتوں کا مجموعہ) ادارے کی بلند پایہ اور خاص مطبوعات ہیں ۔

حلقہ ادب اسلامی

پاکستان کے قیام کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۴۸ء میں "ترقی پسند مصنفین" کے مقابلے میں اسلامی فکر رکھنے والے کچھ ادیبوں نے لاہور میں "تعمیر پسند مصنفین" کے نام سے ایک ادبی حلقہ قائم کیا تھا۔ اس حلقہ میں ابو صالح اصلاحی مرحوم، بشیر احمد ارشد، عبد المجید قریشی، نعیم صدیقی، نیاز احمد ضیا، اور بہت سے دوسرے اہلِ قلم شامل تھے۔ اسی طرح ۱۹۴۸ء کے اوائل میں کراچی میں ایک "حلقۂ ادب اسلامی" قائم ہوا۔ یہ دونوں حلقے فکری لحاظ سے ہم آہنگ تھے کراچی کے "حلقۂ ادب اسلامی" کے ہفت روزہ اجلاسوں میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے ادیب شریک ہوتے تھے۔

مئی ۱۹۴۹ء میں لاہور میں ان دونوں حلقوں کے ادیبوں اور اسی طرز فکر کے پاکستان کے دوسرے شہروں کے ادیبوں کا ایک کنونشن منعقد ہوا جس میں متفقہ طور پر "حلقۂ ادب اسلامی پاکستان" کی بنیاد رکھی گئی، جس کے صدر ممتاز حسین (مدیر ہفت روزہ "نشانِ راہ") اور جنرل سکریٹری جناب اسعد گیلانی (مدیر ہفت روزہ "جہان نو" کراچی) مقرر ہوئے۔ مغربی پاکستان میں اس ادارے کی شاخیں کوئٹہ، پشاور، حیدر آباد، نواب شاہ، سکھر، رحیم یار خاں، ملتان، بہاولپور، مظفر گڑھ، سرگودھا، لاہور، راولپنڈی، لائل پور، اوکاڑہ، منٹگمری میں قائم کی گئیں، اور مشرقی پاکستان میں چٹاگانگ، ڈھاکہ، راج شاہی اور سید پور وغیرہ میں۔ جون ۱۹۵۴ء تک پورے ملک میں اس کی ۷۴ شاخیں قائم ہو چکی تھیں۔ اس حلقہ کے ترجمان جرائد میں ہفت روزہ "جہان نو" کراچی، "نشانِ راہ" کراچی، ماہنامہ "فاران" کراچی، "یثرب" لاہور، ہفت روزہ "ایشیا" لاہور اور ماہنامہ "چراغِ راہ"، اور "مشیر" کراچی کا شمار ہوتا ہے۔

مختلف دینی حلقوں کی طرف سے اس فکر سے تعلق رکھنے والے شاعروں کی تخلیقات کے انتخابات شائع ہوئے، جن کے مطالعہ سے اس حلقہ کے ادب کی فکری اور فنی اہمیت اور خوبیوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسعد گیلانی کے بقول آج کل اس کی کوئی تنظیم باقی نہیں ہے۔ لیکن فکری طور پر ایک نظریہ موجود ہے۔ اور اس نظریہ کے مطابق اسلام پسند ادیب (وہ) شاعر ادب تخلیق کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حلقہ نے کوئی ادبی تحریک پیدا نہیں کی غالباً اس کی وجہ یہ تھی، یہ تمام ادیب جماعت اسلامی کے کارکن بھی تھے اور وہ اپنی ذہنی اور فکری سطح کو جماعت کی سیاست سے بلند نہ کر سکے۔ جہاں تک ترقی پسند ادب کے نقطۂ نظر سے اختلاف کا تعلق ہے، اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اور بلا شبہ اسے منظم کرنے کی ضرورت بھی ہے۔ لیکن اس کا مقابلہ اس قسم کی سیاسی یا اسلامی جماعت کے بس کی بات نہ تھی، نہ ہے۔ کسی ادبی تحریک اور نظریہ کا مقابلہ ادب و تنقید کے بہترین سروسامان سے کیا جانا چاہئے تھا۔ اور یہی چیز جماعت سے تعلق رکھنے والے ادیبوں میں نہ تھی۔ انھوں نے ایک ایسا ادب تو پیدا کر دیا جس کے مطالعہ سے ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کسی ادبی نظریے کی مخالفت میں موثر ہتھیار ثابت نہیں ہو سکا۔

خالد الیاس
پائندہم رسائنس

ایوان اردو کراچی

ایوان اردو کا قیام ۱۹۶۲ء میں عمل میں آیا۔ اس کے قیام کا مقصد اردو زبان و ادب کی توسیع و اشاعت اور عوام میں تعلیم اور مطالعے کا شوق پیدا کرنا ہے۔ اس کے لئے علمی و ادبی اجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں اور کراچی میں بیرونی علمی، ادبی شخصیات کی آمد پر ان کے اعزاز میں ادبی اور تعارفی تقاریب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ایوانِ اردو نے بعض اہم مخطوطات، شعری مجموعے اور ادبی تحقیقات کی اشاعت کے ذریعے بھی زبان و ادب کی توسیع و اشاعت اور مطالعے کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ پروفیسر خواجہ حمید الدین شاہد اس کے اعزازی معتمد ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز حسن مرحوم اس کے پہلے صدر تھے اور ڈاکٹر پیر حسام الدین راشدی اس کے نائب صدر ہیں۔

ایوان اردو نے اگست ۱۹۶۹ء سے جو مطبوعات شائع کی ہیں۔ ان میں پہلی کتاب "رسالہ محمود خوش دہاں بیجاپوری" ہے۔ یہ رسالہ سولھویں صدی عیسوی کی اردو کا نمونہ ہے۔ اس کا شمار اردو کی قدیم تصانیف میں ہوتا ہے۔ اس میں تصوف اور معرفت کے اسرار و نکات کو عام فہم زبان اور انداز بیان میں سمجھایا گیا ہے۔ یہ ایک نہایت اہم مخطوطہ ہے جو ایوانِ اردو نے پہلی مرتبہ شائع کیا۔

ادارے کی دوسری اہم کتاب "اردو میں سائنسی ادب" ہے۔ جس میں ۱۸۵۹ء سے ۱۹۰۰ء تک کے اردو میں سائنسی ادب کا تحقیقاتی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ اہم تالیف بھی پروفیسر خواجہ حمید الدین شاہد کا کارنامہ ہے۔ ان کی یہ خدمات اردو زبان و ادب کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔

اردو کے مشہور شاعر رحمٰن کیانی کی رزمیہ شاعری کے دو مجموعے "حرفِ سپاس" اور

سیف وقلم بھی ادارے کی جانب سے شائع ہوئے ہیں۔ رحمٰن کیانی موجودہ دور میں نظم گو شاعروں میں نہایت ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ ان کے کلام میں تمام شاعرانہ محاسن موجود ہیں۔ ان کے کلام کا مطالعہ دل میں صرف جوش وجذبات ہی پیدا نہیں کرتا، بلکہ قومی انداز میں ذہن وفکر کی تربیت بھی کرتا ہے۔ ادارے نے بیگم پاشا صوفی کی خود نوشت "ہماری زندگی" کلام صائب حیدرآبادی، بلوچستان کے اردو شاعر رشید قیصرانی کا مجموعہ کلام "فصیل لب" وغیرہ ادبی تصانیف بھی شائع کی ہیں۔ یہ تمام کتابیں اپنے اندر مطالعے کی افادیت اور دلکشی رکھتی ہیں۔

اہلِ علم واصحاب نظر نے ایوان اردو کی ان تمام مطبوعات کی علمی، تحقیقی، ادبی اور تخلیقی حیثیت ومعیار کا اعتراف کیا ہے اور ادارے کی ان خدمات کو سراہا ہے۔

ایوان اردو کے زیر اہتمام شاہد صاحب نے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا ہے۔ جس میں پانچ ہزار سے زائد مطبوعات کے علاوہ تقریباً پچیس اہم قلمی کتابیں بھی ہیں۔ اس کتب خانے میں قدیم رسائل کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ شاہد صاحب نے اس کتب خانے میں مشاہیر کے خطوط وتصاویر کے علاوہ علمی آثار، تاریخی مقامات اور علمی وادبی محفلوں کے فوٹو بھی جمع کئے ہیں۔ یونیورسٹیوں کے ریسرچ اسکالروں اور تصنیف وتالیف کرنے والوں کو اس کتب خانے سے استفادے کی سہولتیں مہیا ہیں۔ ایوان اردو سرکاری یا غیر سرکاری ہر قسم کی بیرونی امداد کے بغیر صرف خواجہ حمیدالدین شاہد کے مہیا کردہ وسائل کے دائرے میں قائم ہے۔

مری لٹریری سرکل

اس وقت مری میں ایک ہی ادبی انجمن ہے۔ یہ انجمن 'مری لٹریری سرکل' ہے۔ اس انجمن کی تاریخ گزشتہ تیس سالوں پر محیط ہے۔ تقسیم سے دو برس قبل سیزن میں مری آنے والے چند ادب دوست طلبا نے اس انجمن کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اس انجمن کے قیام میں ایک روشن خیال طالب علم امان اللہ خان نیازی نے سب سے زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ کیا تھا۔ سرکل کے پہلے اراکین میں مس بٹی ریاض۔ بشیر اللہ خاں منور۔ صفدر اقبال پوری۔ راجہ محمد حمید چارہالوی اور محمود احمد منٹو شامل تھے۔

تقسیم کے بعد کچھ عرصے تک مری میں علمی وادبی سرگرمیاں مکمل طور پر معدوم رہیں۔ ۱۹۴۹ء کے بعد یہاں ادبی سرگرمیوں کا احیا ہوا اور کچھ نئی انجمنیں وجود میں آئیں۔ ان انجمنوں میں 'انجمن ترقی اردو' جس کے روح رواں کرم حیدری تھے' اور 'انجمن ترقی پسند مصنفین' جس کے اراکین میں نسیم شمائل پوری، طارق خلیل، نقی احمد ستید (جو آج کل بی بی سی میں ملازم ہیں) چوہدری محمد اسمٰعیل، انور سجاد اور عابد حسین منٹو شامل تھے قابل ذکر ہیں۔ جب انجمن ترقی پسند مصنفین، پر پابندی عائد کی گئی تو اس انجمن کے اراکین نے ایک نئی تنظیم بنائی، جس کا نام 'مری لٹریری یونین' رکھا۔ اسی سال ایک نئی ادبی جماعت 'انجمن ترقی ادب' بھی بنائی گئی تھی۔

۱۹۵۷ء میں امان اللہ خان نیازی کی مساعی سے مری لٹریری سرکل کا احیا کیا گیا۔ سرکل کی سرگرمیاں جب دوبارہ شروع ہوئیں 'مری لٹریری یونین' کے اراکین نے لٹریری یونین کو فعال بنانے کے لئے بھرپور جدّ وجہد کی۔ اس طرح ان دو متوازی انجمنوں میں جذبہ مسابقت پیدا ہوگیا۔ جس کے باعث مری میں مسلسل شعری وادبی نشستوں کا اہتمام

ہونے لگا۔ یہ جذبہ مسابقت یہاں کی علمی و ادبی فضا کے لئے بے حد مفید ثابت ہوا پاکستان کا شاید ہی کوئی ایسا بڑا شاعر و ادیب ہو جس نے کبھی نہ کبھی ان محفلوں میں شرکت نہ کی ہو۔

۱۹۵۹ء میں جب لٹریری یونین کے بانی اور روح رواں نسیم شمائل پوری انگلستان چلے گئے تو لٹریری یونین کی سرگرمیاں بھی ختم ہو گئیں۔ البتہ مری لٹریری سرکل کے زیر اہتمام بڑے تواتر سے ادبی محفلیں منعقد ہوتی رہیں۔ کچھ عرصے کے لیے سلیم شوالوی سرکل کے سکریٹری رہے اور پھر ارمان فارانی سکریٹری بنے۔ ۱۹۶۰ء میں ارمان فارانی کے راولپنڈی منتقل ہو جانے پر حبیب فخری نے سکریٹری کے فرائض سرانجام دینا شروع کئے، حبیب فخری کے بعد یہ ذمہ داری بصیر قریشی نے سنبھال لی۔

آج کل بصیر قریشی مری لٹریری سرکل کے صدر اور جاوید بن صدیق اس کے سکریٹری ہیں۔ سیزن کے دوران سرکل کے ہفتہ وار ادبی اجلاس باقاعدگی سے اقبال میونسپل لائبریری میں منعقد ہوتے ہیں مری کی خنک فضاؤں سے لطف اندوز ہونے کے لئے آنے والے ملک کے مشہور اہلِ قلم ان ادبی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں۔

مری لٹریری سرکل کے زیر اہتمام ہر سال ایک محفل مشاعرہ اور ایک "شام افسانہ" کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان دونوں تقاریب میں ملک بھر کے صفِ اول کے شعرا اور افسانہ نگار حصہ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر سال کسی مشہور ادبی شخصیت کے ساتھ شام بھی منائی جاتی ہے۔

مری لٹریری سرکل اس خطہ کوہسار کی واحد ادبی و ثقافتی تنظیم ہے جس کے ذریعہ یہاں کے قلم کار اس خطے کی برسوں پرانی علمی اور ادبی روایات کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ گذشتہ چند برسوں سے سرکل کی تمام تر سرگرمیاں ملک کے نامور افسانہ نگار لطیف کاشمیری کی مساعی سے جاری ہیں۔ جناب کاشمیری نے سرکل کو ہر آزمائش اور بحران میں سہارا دیا اور فی الحقیقت سرکل آج انہی کے دم قدم سے زندہ ہے۔

پروفیسر اختر راہی
گورنمنٹ کالج۔ مری

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔ راولپنڈی

ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد تک برصغیر پاک و ہند میں فارسی تعلیمی و سرکاری زبان کے طور پر مستعمل رہی۔ اس زبان میں برصغیر کے باشندوں نے بیش بہا علمی و ادبی سرمایہ یادگار چھوڑا ہے۔ فارسی زبان و ادب کی تحقیق کے لئے پاکستان میں جو ادارے سرگرم عمل ہیں ان میں "مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان۔ راولپنڈی" کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کا تصور پہلی بار ۴ر نومبر ۱۹۶۹ء کو پاکستان اور ایران کے سربراہوں کے مشترکہ بیان میں پیش کیا گیا تھا جس نے دونوں حکومتوں کے باہمی تعاون سے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۱ء کو عملی جامہ پہنا۔ مرکز کا صدر دفتر راولپنڈی میں قائم کیا گیا۔

مرکز کے ڈائریکٹر ایران کے مشہور فاضل اور دانشور ڈاکٹر اکبر جعفری ہیں۔ موصوف کی ایک عمر برصغیر میں گزری ہے۔ اس لئے وہ یہاں کے حالات کو بھی بخوبی سمجھتے ہیں۔ مرکز سے پاکستان اور ایران کے کئی محقق وابستہ ہیں جو فارسی زبان کے سرمایہ کی تحقیق و تفحص میں کوشاں ہیں۔

مرکز کے زیرِ اہتمام داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی یاد میں ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا گیا ہے۔ اس کتب خانے میں گذشتہ چار سال میں ہزاروں مطبوعہ کتابوں کے علاوہ تقریباً آٹھ ہزار مخطوطات بھی اکٹھے ہو چکے ہیں۔ اہلِ علم کو اس عظیم سرمایہ سے آگاہ کرنے کے لئے مخطوطات کی تفصیلی فہرست مرتب کی جارہی ہے جس کی دو جلدیں ناظم کتب خانہ محمد حسین تسبیحی کے قلم سے شائع ہو چکی ہیں۔

محمد حسین تسبیحی ایران کے معروف صحافی، ادیب اور محقق ہیں۔ اُن کی کم و بیش بیس

کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ پاکستان کے دوسالہ قیام میں انھوں نے پاکستان کو ایران میں متعارف کرانے کے لیۓ بیسیوں مضامین لکھے جواب "فارسی پاکستانی و پاکستان شناسی" کے نام سے شائع بھی ہوگئے ہیں۔

محمد حسین تسبیحی نے پاکستان کے طول وعرض میں نجی اور سرکاری کتب خانوں کا جائزہ لیا ہے اور ہر کتب خانے میں موجود مخطوطات کی مجمل فہرست تیار کی ہے جو عنقریب اُن کی زیرِ طبع کتاب "دیدارِ کتاب خانہ ہائ پاکستان" کے نام سے اہلِ علم کے سامنے آجائے گی۔ مرکز تحقیقات نے دیگر نجی کتب خانوں کے مخطوطات کی تفصیلی فہرستیں بھی اپنے محققوں سے تیار کرائی ہیں۔ جن کی اشاعت ادارے کے پروگرام میں شامل ہے۔

گذشتہ چار سال کے عرصہ میں مرکز کی طرف سے دس بلند پایہ علمی وتحقیقی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ ان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

فہرست نسخہ ہائ خطی کتاب خانہ گنج بخش (جلد اوّل و دوم) محمد حسین تسبیحی ناظم کتاب نے مخطوطات کی تفصیلی فہرست مرتب کی ہے۔ فہرست نسخہ ہائ خطی سنا راللہ خراباتی۔ سنا راللہ خراباتی پنجاب کے کثیر التصانیف بزرگ تھے، مگر ان کی کوئی کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہوسکی۔ اُن کے ورثا نے مخطوطات کی صورت میں موجود اُن کا سرمایہ مرکز تحقیقات کے حوالے کردیا۔ اسی ذخیرہ کی تفصیلی فہرست ہے جو محمد حسین تسبیحی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ شش جہت۔ روپ نراُن نے فارسی ادب وانشا کے موضوع پر ۱۱۱۳ھ میں یہ کتاب لکھی تھی۔ جس کا مخطوطہ مرکز کے کتاب خانہ میں موجود ہے۔ یہ مخطوطہ ڈاکٹر علی اکبر جعفری کے حواشی و ترتیب سے پہلی بار شائع ہوا ہے۔ فارسی گویان پاکستان حصہ اول۔ ڈاکٹر سبط حسن نے اپنے معاصر فارسی گوشعرائے پاکستان کے موضوع پر پی ایچ ڈی کے لیۓ مقالہ لکھا۔ جس کا حصہ اول "از گرامی تا عریانی" شائع ہوا۔ تقویم ہیئتِ تقویم کے موضوع پر جناب ڈاکٹر علی اکبر جعفری کی کاوش ہے۔ احوال وآثار بہاء الدین زکریا ملتانی۔ مثنوی مہر وماہ۔ روابط پزشکی مابین ایران وپاکستان۔ حکیم نیر واسطی کے قلم سے ایران اور پاکستان کے طبی روابط پر مدلل اور محققانہ کتاب ہے۔

شعر فارسی در بلوچستان۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا محققانہ مقالہ ہے۔

بلوچستان کے ادبی ادارے

بزم ادب۔ کوئٹہ ۱۹۲۷ء میں محمد صادق شاذ کی کوششوں سے بزم ادب کے نام سے ایک ادبی انجمن کا قیام عمل میں آیا۔ اس بزم کے زیر اہتمام ماہانہ مشاعرے ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ ادب سے دلچسپی رکھنے والے بزم ادب میں جمع ہوتے گئے اور ایک وسیع حلقہ قائم ہو گیا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے مشاعروں میں شرکت کرنے والے شعرا کا حلقہ بھی کوئٹہ سے پنجاب تک پھیلتا گیا۔ ۱۹۲۸ء میں جو مشاعرہ کیا گیا وہ سر عبدالقادر مرحوم کی صدارت میں ہوا ۱۹۲۹ء کے مشاعرے میں حفیظ جالندھری جیسے شعرا شریک ہوئے۔

اس انجمن نے اردو زبان کی ترقی اور ادب کی ترویج میں بہت حصہ لیا اس کے حلقے میں شمالی ہند اور پنجاب کے اصحاب ذوق کے علاوہ پشتو، بلوچی، براہوی، اور سندھی زبان کے وہ تمام مسلمان، ہندو اور سکھ شاعر اور ادیب شامل تھے، جو اردو ادب و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ بزم کے صدر وزیرزادہ عبدالاحد خاں تھے اور سکریٹری کے عہدے پر مختلف اوقات میں محمد صادق خاں شاذ، شیخ نذیر احمد اور مرزا طالب شیرازی فائز رہے۔ یہ صدر اور سکریٹری تمام حضرات اردو اور پشتو کے اچھے شعرا میں سے تھے۔

بزم ادب نے ادبی ذوق کی ترویج کے لئے مشاعروں کو ذریعہ بنایا۔ اس کے

نوٹ: بلوچستان کے ادبی اداروں کے بارے میں بلوچستان میں اردو (ڈاکٹر انعام الحق کوثر) سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔

زیر انتظام متعدد نہایت اہم مشاعرے ہوئے جس میں متعدد حضرات کو مدعو کیا گیا۔ باہر سے جو اہلِ علم کوئٹہ تشریف لاتے ان کے اعزاز میں ادبی مجالس اور مشاعروں کا اہتمام کیا۔ ایک مشاعرہ احسان دانش کے اعزاز میں کیا گیا تھا۔ ادبی مجالس منعقد کی جاتی تھیں، ان میں مقالے پڑھے جاتے تھے۔ موضوعات مقرر کئے جاتے تھے اور ان پر شرکاء جلسہ بحث کرتے تھے۔ ستمبر ۱۹۴۲ء کے ایک جلسے کا موضوع بحث یہ تھا: اردو کی خدمت نثر سے زیادہ ہو سکتی ہے یا نظم سے؟

بزمِ ادب کی جانب سے "نوشیرواں" کے نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا گیا تھا۔ اس کا ایڈیٹر طوطا رام نامی ایک سندھی نوجوان تھا۔ ۱۹۳۵ء کے زلزلے میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے انتقال اور زلزلے کی تباہی کے نتیجے میں رسالہ بند ہو گیا۔ لیکن وہ اپنی چند روزہ زندگی میں بھی تاریخ ادب اردو کے دل پر اپنا ایک دائمی نقش ثبت کر گیا۔ بزمِ ادب نے کوئٹہ میں جو ادبی خدمت انجام دی اس کا اندازہ عبدالاحد خاں کے الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے۔ انھوں نے ۱۹۳۹ء میں صنعتی نمائش کوئٹہ کے موقع پر مشاعرے کے صدر کی حیثیت سے اپنی افتتاحی تقریر میں آپ نے فرمایا:

> "بزمِ ادب نے جو کام کیا ہے اس کی وجہ سے بلوچستان کے بچے بچے کے دل میں ادب کا مذاق پیدا ہو گیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس وقت سے اردو کے تین اخبار نکل رہے ہیں۔ ان کی پالیسی کچھ ہی کیوں نہ ہو، لیکن اردو کی خدمت سب کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ بزمِ ادب کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جائے گی، تاکہ وہ اردو کی خدمت زیادہ کر سکے۔"

بزمِ ارتقائے ادب، کوئٹہ

بزمِ ارتقائے ادب کوئٹہ کی چند اہم ادبی انجمنوں میں سے ایک ہے۔ اسے زندگی بھی طویل ملی۔ اس کے مقاصد میں تنوع تھا۔ دائرہ کار وسیع تھا اور ہر مکتبِ فکر کے ادیب کے لئے اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے نوجوانوں کے ادبی ذوق کی تربیت میں بھی زیادہ حصہ لیا

اوراس کی خدمات کا دائرہ بھی وسیع تر ہے۔ انعام الحق کوثر نے کوئٹہ کی علمی ادبی اور ثقافتی تاریخ میں اس کا تذکرہ شاندار الفاظ میں کیا ہے اور اسے اس کا واقعی مقام دیا ہے۔

یہ انجمن ۱۹۴۸ء میں قائم ہوئی۔ اس کے سرگرم کارکنوں میں علی نظامی، ناز اکبرآبادی، صفدر سیالکوٹی، قتیل فرید کوٹی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جب کچھ دنوں کے بعد نظامی، ناز اور صفدر چلے گئے تو اثر جلیلی، شعیب حزیں اور رشید نثار نے اسے زندہ رکھا۔ ۱۹۵۶ء میں بزم کی تشکیل جدید کی گئی۔ اس مرحلے میں شعیب حزیں کو صدر اور اثر جلیلی کو جنرل سکریٹری چنا گیا۔

۱۹۵۸ء میں سید امتیاز حسین باقری حنفی اس کے صدر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں محمد ظہیر فرخ کو صدر، ڈاکٹر عبدالحمید کاکڑ اور ثریا فخری کو نائب صدر، سید عابد رضوی کو خزانچی و محاسب اور رشید نثار کو پروپیگنڈا سکریٹری مقرر کیا گیا۔ اثر جلیلی نے جب سے بزم کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا تھا وہ اس کے جنرل سکریٹری چلے آ رہے تھے۔ انجمن کے خاص مقاصد یہ ہیں :

۱۔ اردو زبان و ادب کی ترویج۔

۲۔ اردو زبان و بیان کی صحت اور

۳۔ ادبی انجمنوں میں اتحاد و اتفاق

ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اس نے مشاعرے اور مناظرے کرائے، ادبی رسائل جاری کئے، ادبی و تنقیدی جلسوں کا اہتمام کیا۔ بزم کے باقاعدہ طرحی مشاعرے ہوتے، مختلف ادبی شخصیات اور اکابر ملت کے یوم منائے جاتے تھے۔ ہفتہ وار ادبی اجتماعات ہوتے تھے۔ باہر سے اگر کوئی شخصیت کوئٹہ آتی تو اس کے اعزاز میں مشاعرہ یا ادبی نشست منعقد کی جاتی تھی۔ چنانچہ اپریل ۱۹۵۶ء میں ایران کے مشہور فاضل سعید نفیسی کوئٹہ تشریف لے گئے تو بزم ارتقائے ادب نے ان کے اعزاز میں ایک مجلس مشاعرہ منعقد کی۔ ۱۹۵۹ء میں یوم عبدالمجید سالک منایا۔ ۱۹۶۱ء میں جشن کوئٹہ

کے موقع پر ایک روزہ جشن "شمع شبستان غزل" کے عنوان سے منایا۔ اس موقع پر جن حضرات نے مقالات پڑھے ان کے نام یہ ہیں: رئیس احمد جعفری، ڈاکٹر محمد اسلم قریشی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، پروفیسر خلیل صدیقی۔ ان اہل علم کے مقالات نے شمع شبستان غزل کے علمی مقام کو بہت بلند کر دیا۔ مختلف فن کاروں نے اساتذہ کی غزلیں پیش کیں جن سے علمی مجالس میں مشاعرے کا سماں بندھ گیا۔ مشاعرے کا الگ انتظام بھی کیا گیا۔ انعام الحق کوثر نے مشاعرے کی روداد بڑے پرلطف انداز میں بیان کی ہے اور متعدد شعرا کے منتخب اشعار بھی پیش کیے ہیں۔

۱۹۵۲ء میں بزم کی جانب سے ایک ماہوار رسالہ "ارتقا" بھی جاری کیا گیا۔ جسے کچھ عرصے کے بعد نامساعد حالات کی بنا پر بند کر دیا گیا۔ لیکن رسالے کی ضرورت کو ارکان بزم نے نظر انداز نہیں کیا اور اگرچہ ولولوں اور جذبوں کی کمی نہ تھی لیکن حالات کی سنگینی بھی ایسی نہ تھی کہ وہ جذبات اور خواہشات سے ٹوٹ جاتی، اس کے لئے مالی قوت کی ضرورت تھی اور وہی چیز یہاں عنقا تھی اس لئے مرقع کے نام سے رسالہ جاری کرنے کی آرزو پروان نہیں چڑھ سکی۔ اس کے باوجود بزم نے اشاعتی ضروریات سے بالکل صرف نظر نہیں کر لیا۔ چنانچہ ۱۹۶۰ء میں بزم کی جانب سے اصغر الباری کا مجموعہ کلام "دست سبو" کے نام سے شائع کیا گیا اور ادبی حلقوں میں بزم کی اس خدمت کا اعتراف کیا گیا۔ انعام الحق کوثر صاحب کی تحقیق و جستجو نے بزم ارتقائے ادب کی ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۱ء تک کی تاریخ خدمات کو پیش کر دیا ہے۔ کوثر صاحب نے بزم کی ادبی خدمات کے بارے میں لکھا ہے "بزم ارتقائے ادب کی ادبی نشستیں کوئٹہ کے تشنگان ادب کی تسکین کا ذریعہ بنیں۔ جن میں تمام ادب دوست حضرات شریک ہوتے تھے۔ ان نشستوں نے نئی پود میں ادبی اور تنقیدی صلاحیتوں کو پیدا کرنے میں بڑا حصہ لیا۔"

(۲)

اسٹڈی سرکل۔ کوئٹہ

یہ اسٹڈی سرکل ۱۹۴۹ء میں گورنمنٹ کالج کے اساتذہ نے قائم کیا تھا۔ اس کا تعلق کالج کی ادبی زندگی سے تھا۔

بلکہ بیرون کالج ایک ادبی حلقہ تھا جس میں بیرونی حضرات بھی شریک ہوتے تھے اور مختلف موضوعات پر اپنی اپنی تحقیق اور مطالعہ کے نتائج پیش کرتے تھے انیس الرحمٰن اس کے کرتا دھرتا تھے، جب ان کا تبادلہ ہوگیا تو سعید احمد رفیق نے اس کا چارج سنبھالا۔ کچھ دنوں کے بعد گورنمنٹ کالج برائے خواتین کی بعض اساتذہ بھی اس میں شامل ہوگئیں۔ کئی سال تک اسٹڈی سرکل کی وجہ سے علم وادب اور تحقیق و تخلیق کا ایک خاص دائرے میں چرچا رہا۔

(انجمن) نیازمندان کوئٹہ جولائی ۱۹۳۴ء میں اس کے وجود کا پتا چلتا ہے۔ ۱۲ر جولائی کو حافظ قطب الدین کی زیرِ صدارت ایک مشاعرے کا انعقاد ہوا تھا جس میں مقامی و بیرونی بہت سے شعراء کرام نے حصہ لیا تھا۔ سامعین کی تعداد کا اندازہ پانچ چھ سو کیا گیا۔

بزمِ ادب کوئٹہ یہ پہلی بزمِ ادب تھی جو کوئٹہ میں قائم ہوئی۔ یہ ۱۹۱۱ء کا لگ بھگ زمانہ تھا۔ انعام الحق کوثر عبدالاحد خاں کی ایک تقریر کے حوالے سے جو انھوں نے ۱۹۳۹ء میں جشن کوئٹہ کے آل انڈیا مشاعرے میں کی تھی، لکھتے ہیں۔

"بلوچستان میں فارسی ادب کا کافی دیر چرچا رہا۔ وقتاً فوقتاً قابل ہستیاں پیدا ہوتی رہیں۔ انگریزوں کے یہاں آنے سے اردو کا رواج ہوا۔ عدالتی زبان اردو قرار پائی۔ شمالی ہندوستان کے صاحب ذوق حضرات ملازمتوں کے سلسلے میں یہاں آئے۔ انھوں نے یہ بات فراموش نہ کی کہ ترقی ادب بھی جزو ہے ترقی کا۔ چنانچہ بزمِ سخن قائم ہوئی۔ اس سلسلے میں مرحوم سردار محمد یوسف خاں کا نام لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے بلوچستان میں مشاعروں کی نبیاد ڈالی۔ بزمِ ادب قائم کی۔ ایک رسالہ نکالا جس میں شعرا کے اشعار ہوتے تھے۔"

وقار انبالوی صاحب کے قول کے مطابق سردار محمد یوسف خاں یوسف ادبی حیثیت سے السابقون الاولون کا مرتبہ رکھتے ہیں ان کی مخلصانہ تگ و دو پر بلوچستان کو

فخر کرنا چاہیے۔

انجمن اصلاح ادب۔کوئٹہ انجمن اصلاح ادب ۱۹۵۳ء میں محشر رسول نگری کی صدارت میں قائم ہوئی تھی اس کا نصب العین ادب برائے اسلام تھا۔ اس کے ہفتہ وار اجتماعات میں مضامین نظم ونثر پڑھے جاتے تھے اور ان پر تنقید ہوتی تھی۔ اس حلقے سے منظور بخاری، ناظم علی دریابادی، صادق شاذ، اکبر بخاری، وحشی جنجوعہ آغا صادق وغیرہ وابستہ تھے۔

بزم سخن کوئٹہ بزم سخن ۱۹۱۵ء میں قائم ہوئی۔ اس کے صدر شیخ چراغ دین تحصیلدار اور ناظم نشتر جالندھری تھے۔ تقریباً تین سال بزم قائم رہی اور اس کے تحت مشاعرے ہوتے رہے۔ ۱۹۱۸ء میں نشتر صاحب کے کوئٹہ سے جانے کے بعد یہ انجمن بھی ختم ہو گئی۔

۱۹۳۱ء کے لگ بھگ بزم سخن کا احیا عمل میں آیا۔ اس دور میں اس کے روح رواں سید آغا محمود تھے، صدر خان بہادر معین الدین خاں اور جنرل سکریٹری غلام محمد جمیل تھے جو اپنے کلام کی رنگیں نوائی کی بدولت بلبل بلوچستان کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۱۹۳۵ء کے زلزلے میں وہ سب لوگ مر کھپ گئے یا منتشر ہو گئے جو رونق بزم سخن تھے اور اس طرح یہ بزم سخن ایسی اجڑی کہ پھر نہ جم سکی۔

بزم سخن۔لورالائی ۱۹۵۸ء کے بعد لورالائی میں رب نواز اور ان کے صاحب ذوق ساتھیوں کی کوششوں سے ایک ادارہ "سماجی ادبی وثقافتی انجمن" کا وجود عمل میں آیا۔ جیسا کہ نام سے واضح ہے اس کے پیش نظر سماجی اصلاح اور ادب وثقافت کا فروغ تھا، اس کی سرگرمیاں انھیں دائروں میں محدود تھیں۔ بعد میں اس کا نام تبدیل کر کے "بزم سخن" رکھ دیا گیا۔ ۱۹۷۰ء کے لگ بھگ انوار الحق چودھری اور سعید احمد گوہر کے دم سے اس کا وجود قائم تھا۔ لورالائی میں ادبی وثقافتی زندگی کے وجود کا یہ انجمن بھی باعث رہی ہے۔

بہارادب کوئٹہ | بہارادب کا قیام جنوری ۱۹۴۳ء میں عمل میں آیا۔ یہ انجمن بلوچستان میں اردو "زبان وادب" کی ترویج وتوسیع کے لئے عمل میں آئی تھی۔ کیپٹن محمد باقرخاں یاس [۱] اس کے سرپرست۔ سید اکبر حسین رضوی، صدر اور متین نائب صدر تھے۔

اس انجمن کو بلوچستان کے بیشتر ادیبوں کا تعاون حاصل تھا۔ اس انجمن کے زیرِ اہتمام ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء میں بڑے شاندار مشاعرے منعقد ہوئے۔ اس کی بدولت کوئٹہ میں ایک ادبی ماحول پیدا ہوا اور شعرائے کوئٹہ کے کلام کے چرچے ہر طرف پھیل گئے۔

حلقۂ ارباب ادب۔ کوئٹہ | یہ ادبی حلقہ ۱۹۴۳ء میں قائم ہوا اس کے صدر قیوم راشد تھے اور پروفیسر انوررومان، پروفیسر شش ضحیٰ وغیرہ کا اسے خصوصی تعاون حاصل تھا۔ کئی سال تک اس حلقے نے کوئٹہ میں زبان و ادب اردو کی نشوونما اور ادبی ذوق کی تربیت میں خاص حصہ لیا۔ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری کیا گیا۔ بر بطِ ناہید حلقے کی ادبی خدمات کی یادگار ہے۔ اگست ۱۹۵۴ء تک اس کے وجود کا پتا چلتا ہے۔

حلقۂ تحریر وتنقید۔ کوئٹہ | یہ ادبی انجمن ۱۹۴۹ء میں گورنمنٹ کالج کوئٹہ کے اساتذہ اور طلبہ نے مل کر بنائی تھی۔ لیکن یہ انجمن چونکہ اپنے مقاصد، دائرۂ کار اور خدمات کے لحاظ سے کالجوں کی عام انجمنوں سے بہت مختلف ہے اس لئے یہاں اس کا ذکر ناگزیر معلوم ہوا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ علمی وادبی ذوق کی تربیت کے ساتھ ناقدانہ شعور اور صحت مند نقطۂ نظر کی نشوونما بھی کی جائے۔ اس کے سکریٹری مسعود الرؤف تھے صدر کوئی مستقل نہ تھا بلکہ ہر ادبی نشست کے لئے صدر کا انتخاب کرلیا جاتا تھا، یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ صدر کوئی استاد ہی ہو۔ حلقے کی رکنیت کے لئے ضروری تھا کہ امیدوار کوئی ادب پارہ پیش کرے اور مجلس قائمہ اس کے معیار سے مطمئن ہو جائے۔ اس کی ادبی نشستیں

پہلے ہفتہ وار ہوتی تھیں، پھر پندرہ روزہ ہونے لگیں۔ اس کی ہر نشست میں ایک نظم، ایک غزل اور ایک نثر پارہ پیش کیا جانا ضروری تھا اس کی ہر پیش کش پر تنقیدی نظر ڈالی جاتی تھی۔ اس سے شریک طلبہ کی ادبی تربیت اور تنقیدی شعور کی نشو و نما میں بڑی مدد ملی۔ اس کی بدولت اچھی خاصی تعداد میں ایسے اہلِ قلم پیدا ہوئے جن پر انعام الحق کوثر کے بقول کالج فخر کر سکتا ہے۔ کوثر صاحب نے ان اہلِ قلم اور حلقے کی مختلف نشستوں میں پیش کیے جانے والے ان کے تحقیقی، تنقیدی مقالات اور ادبی تخلیقات کی فہرست بھی دی ہے۔

لٹریری سوسائٹی۔ کوئٹہ ۱۹۴۱ء میں اس سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے صدر سردار امر سنگھ تھے مشاعروں اور ادبی جلسوں کے ذریعہ ادبی مذاق کی ترقی اس کے قیام کا مقصد تھا۔ اس کے تحت پندرہ روزہ ادبی اجتماعات ہوتے تھے۔ ۱۵ر اگست ۱۹۴۱ء کو ٹیگور کی وفات کے موقع پر ایک جلسہ تعزیت منعقد کیا تھا۔ جس میں تقریر اور نظم میں ٹیگور کی عظمت کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ اگست ۱۹۴۲ء میں بھی ایک جلسہ ہوا۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے اخبار پاکستان کوئٹہ مورخہ ۶ر اگست ۱۹۴۲ء کے حوالے سے اس جلسے کی روداد کی درج ذیل چند سطریں نقل کی ہیں :

> "اگست ۱۹۴۲ء میں سردار امر سنگھ کے دولت کدے پر لٹریری سوسائٹی کی پندرہ روزہ میٹنگ ہوئی۔ سید اعجاز حسین رضوی پوسٹ ماسٹر کوئٹہ نے اس کی صدارت کی۔ محمد صادق شاذ نے "اردو زبان کی نشو و نما میں ہندوؤں کا حصہ" مقالہ پڑھا۔ نظم و نثر کے نمونے بھی پیش کیے۔ آخر میں سر تیج بہادر سپرو کے اس خطبے کے اقتباسات دیئے جس میں انھوں نے اردو زبان کو ہندو مسلمانوں کا مشترکہ ترکہ بتایا ہے اور کہا ہے کہ یہ زبان صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ ہندو اس کے مساوی طور پر دعوے دار ہیں۔"

مجلس مباحثہ۔کوئٹہ یہ مجلس گورنمنٹ سنڈیمن ہائر سیکنڈری اسکول (انٹر کالج) میں ۱۹۴۲ء میں موجود تھی۔ نومبر میں اس مجلس کے زیرِ اہتمام ایک مباحثے کا انتظام کیا گیا۔ قرارداد تھی۔ "کیا اقبال محض اسلامی شاعر تھا؟" شیر زماں خاں پبلسٹی آفیسر نے اس جلسہ مباحثہ کی صدارت فرمائی۔

مرکزِ ادب کوئٹہ ۱۹۵۳ء میں مرکزِ ادب کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم ہوئی، اس کے صدر ناظم علی دریا بادی اور سکریٹری حکیم نسیم الدین پانی پتی تھے۔ اس کے تحت ماہانہ مشاعرے ہوتے تھے۔ انعام الحق کوثر نے اس کے اگست، نومبر اور دسمبر ۱۹۵۳ء کے مشاعروں کی مختصر روداد اور انتخاب کلام پیش کیا ہے۔ نیز بیمش لٹریری سوسائٹی سے اس کی ادبی چشمک اور معرکہ آرائیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ تقریباً ۱۹۵۵ء تک یہ انجمن سرگرم خدمتِ ادب رہی اس کے بعد اس کی سرگرمیاں کم ہوگئیں۔ ۱۹۵۸ء میں جب کہ اس میں کچھ نئے لوگ شامل ہوئے مرکزِ ادب کا دوسرا دور ہوا۔ لیکن یہ دور بھی زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا اور یہ ادبی مرکز دوبارہ انتشار و اضمحلال کی نذر ہوگیا۔

چند دیگر ادارے اس مضمون میں جن اداروں کا تذکرہ کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئٹہ کی تقریباً نصف صدی کی علمی، ادبی، ثقافتی زندگی کے فروغ میں ان اداروں کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ صوبہ بلوچستان کے یہ مستقل ادارے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ادارے قائم ہوئے جنھوں نے اردو زبان و ادب کے فروغ اور اسے مقبول بنانے اور مقامی و اسلامی ثقافت کے فروغ و تعارف میں بہت حصہ لیا۔ بعض کل ہند سطح کے اداروں کی شاخیں بھی قائم ہوئیں انھوں نے بھی گراں قدر ادبی خدمات انجام دیں ان میں سے ترقی پسند مصنفین، حلقہ اربابِ ذوق اور انجمن ترقی اردو کی شاخیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حلقہ اربابِ ذوق کی ادبی سرگرمیوں کے مطالعے سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایک

مستقل ادارہ تھا جو کوئٹہ میں قائم ہوا۔ رائٹرز گلڈ اور پنجاب یونیورسٹی پریس کی شاخ بھی قائم ہوئی۔ ان کے علاوہ پریس کلب کوئٹہ، ریلوے اکاؤنٹس اکیڈمی، اسلامیہ ہائی اسکول اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کوئٹہ اور ریڈیو پاکستان کوئٹہ، نے بھی شعر و شاعری کا چرچا کیا اور ایک ادبی و ثقافتی زندگی کے قیام میں اپنا اپنا حصہ ادا کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جہاں اس صدی کے شروع میں بلوچوں اور پختونوں میں اردو زبان کا جاننے والا اکا دکا نظر آتا تھا۔ پون صدی کے بعد وہاں کے نوجوانوں کے عزم و ہمت کا یہ عالم ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ اس سرزمین پر علم و ادب کا جو کعبہ تعمیر ہو وہ صرف انھیں کے فراہم کردہ سر و سامان سے تعمیر کیا جائے۔

بلوچستان رائٹرز ایسوسی ایشن

بلوچستان رائٹرز ایسوسی ایشن کا قیام ۱۹۵۲ء کے وسط میں عمل میں آیا اس کا دروازہ بلوچستان کے تمام ادیبوں اور شاعروں کے لئے خواہ وہ کسی زبان میں لکھتے ہوں، کھلا تھا۔ اس کے تحت ہفت روزہ ادبی و تنقیدی نشستیں ہوا کرتی تھیں، جن میں تازہ تخلیقات پیش کی جاتی تھیں اور ان پر تنقید کی جاتی تھی۔ بلوچستان میں اس ادبی انجمن نے بلوچی زبان و ادب کی نشوونما اور ارتقا کے لئے باضابطہ کوشش کی اس انجمن کے اراکین میں گل خان نصیر، ملک محمد پناہ، عبدالکریم شورش، آزاد جمال دینی، شیر محمد خان مری، غلام محمد شہوانی مرحوم، عبدالرحیم خواجہ خیل، پیر محمد زبیرانی، عبداللہ جمال دینی، رفیق راز، عین سلام، آغا صادق، گور بخش لعل المعروف نسیم کالڑہ، عبدالصمد خان درانی، خداداد عباسی، کمال خان شیرانی، عبدالخالق تارن اور نیک محمد عاطفی تھے۔ کامل القادری اس کے جنرل سکریٹری تھے۔

اس انجمن نے کتابوں کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا اور بلوچی شعرا کے کلام کا ایک مختصر انتخاب اور پشتو شعرا کی نظموں کا ایک انتخاب بھی شائع کیا۔ لیکن یہ سلسلہ مستقل طور سے جاری نہیں رکھا جا سکا۔ ——— (محمد اویس گوہر)

لاہور کے چند ادبی ادارے

انجمن ارباب علم لاہور یہ انجمن مولانا تاجور نجیب آبادی نے اس زمانے میں قائم کی تھی جب وہ دیال سنگھ کالج میں فارسی کے لیکچرار تھے۔ مولانا تاجور دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ لیکن مذہبی زندگی اور وضع سے دور ونفور ادب وشعر میں سرتا پا ڈوبے ہوئے پہلے مخزن کے ایڈیٹر تھے۔ پھر ہمایوں کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ لاہور کی ادبی زندگی میں ان کی وجہ سے بڑے ہنگامے رہے۔ نوجوان شعرا کا ہر وقت ان کے گرد ایک حلقہ موجود رہتا تھا۔ انجمن ارباب علم قائم کی اور اس کے تحت مشاعرے ہونے لگے۔ ان کے احباب اور شاگرد اس کے مشاعروں میں بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوتے اور واہ وا کا ہنگامہ برپا ہوتا۔

(لاہور کے نوجوان شعرا کے ادبی ذوق اور شاعرانہ صلاحیتوں اور سخن فہمی کے کمال کی تربیت میں اس انجمن نے بڑا حصہ لیا) اس کے مشاعرے پی ایس ہال میں ہوتے تھے۔ حفیظ جالندھری اور دوسرے بہت سے شعرا جو بعد میں شاعرانہ کمال کو پہنچے، پہلے پہل انجمن ارباب علم کے مشاعروں میں نمودار ہوئے۔ مولانا عبدالمجید سالک انجمن کے سرگرم کارکن شعرا میں سے تھے۔ جب حفیظ صاحب اور سالک صاحب اور ان کے دوستوں نے یہاں سے نکل کر بزم ادب پنجاب قائم کرلی تو اس کے فروغ کا چاند گہنا گیا۔ لیکن بزم ادب کے مقابلے میں انجمن ارباب علم زیادہ جاندار ثابت ہوئی۔ چنانچہ حفیظ صاحب کا بزم ادب کا جوش جوں ہی ٹھنڈا پڑا انجمن ارباب علم میں پھر جان پڑ گئی اور اس کے کئی شاندار مشاعرے ہوئے۔

شہرت بخاری صاحب لکھتے ہیں، مولانا تاجور نجیب آبادی بڑے باغ وبہار بزرگ

تھے۔ عربی فارسی اور اردو پر ان کی قدرت کمال کے درجے تک تھی۔ زبان دانی اور اسرار و رموز شعر ان کے ناخنوں میں تھے۔ فن شعر سے آگہی شاید ان سے زیادہ کسی کو نہ تھی ۔۔۔۔۔ ان کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے۔

(اختر شیرانی مرحوم اور احسان دانش صاحب کا ذکر خاص طور سے کیا جا سکتا ہے)

شورش کاشمیری نے لکھا ہے کہ جن نیاز مندان لاہور نے کسی کو ٹکنے نہ دیا اور جس سے نیاز فتح پوری اور سیماب اکبرآبادی مارکھا کر بھاگ گئے تھے۔ تاجور ان سے مرتے دم تک آنکھیں ملاتے رہے اور ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سچ تو یہ ہے کہ چوکھی لڑتے رہے۔

شہرت بخاری صاحب نے بھی ان کی اس خدمت کا اعتراف کیا ہے کہ تاجور مرحوم نے لاہور میں شاعری کا ذوق سنوارنے میں بڑا حصہ لیا۔ تاجور مشاعروں کے شائق تھے اور پرانے اساتذہ کی طرح اپنے شاگردوں کا ایک جم غفیر ساتھ لے کر مشاعرے میں شمولیت کیا کرتے تھے۔ انجمن ارباب علم کے نام سے بڑے بڑے ٹھاٹھ دار مشاعرے منعقد کرتے تھے۔ اور اسی لاہور میں کل ہند قسم کے ایسے ایسے مشاعرے انھوں نے کرائے کہ پھر لاہور والوں نے اتنی بڑی تعداد چیدہ چیدہ شاعروں کی نہیں دیکھی۔"

شہرت صاحب نے مرحوم تاجور کی ایک اور خوبی کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ "تاجور مرحوم اہل پنجاب کو کور ذوق خیال کرتے تھے اور یہ تسلیم کرنے کو ہرگز تیار نہیں تھے کہ پنجاب والے اردو شعر کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ انھیں اردو زبان پر وہ 'قدرت حاصل نہیں ہو سکتی' جو اہل زبان کو قدرتی طور سے حاصل ہے۔" مرحوم کی اس خوبی سے بہت سے نوجوان بگڑتے تھے اور اس چیز نے ان میں الگ اپنے حلقے قائم کرنے کی تحریک پیدا کی چنانچہ انجمن زندہ دلان پنجاب، بزم ادب پنجاب وغیرہ ادارے قائم ہوئے۔

انجمن زندہ دلانِ پنجاب، لاہور اس انجمن کے بانی ڈاکٹر تاثیر تھے۔ ان کے ساتھ کچھ تو مولانا تاجور نجیب آبادی سے ناراض اور انجمن ارباب علم سے الگ ہونے والے نوجوان شامل ہو گئے۔ اور وہ نوجوان ادیب اور شاعر بھی تھے۔ جو انگریزی ادب کے اثرات کو قبول کر کے شاعری کی نئی نئی راہیں تلاش

کرنے کا شوق رکھتے تھے۔ ڈاکٹر تاثیر مرحوم نے پروفیسر پطرس بخاری، عبدالمجید سالک، چراغ حسن حسرت، حکیم احمد شجاع، ہری چند اختر، ابوالاثر حفیظ جالندھری، پروفیسر غلام مصطفیٰ تبسم وغیرہ کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ زندہ دلانِ پنجاب نے بھی اپنے مسلک کے فروغ اور تاجور سے مقابلے کے لئے وہی طریقہ استعمال کیا جو انھوں نے تاجور کی تربیت میں سیکھا تھا، یعنی مشاعرے منعقد کرنا۔ لیکن مقابلے اور شکست دینے کے جوش میں بات زیادہ بڑھ گئی اور ادبی حدود میں نہ رہ سکی۔ شہرت بخاری صاحب لکھتے ہیں :

"یہ ادبی اختلاف ذاتیات تک پہنچ گیا۔ ایک دوسرے کے مشاعروں میں گڑبڑ پیدا کرنے لگے۔ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے لگے، حسب نسب تک اکٹا جانے لگا۔ غرض یہ کہ وہ اودھم مچا کہ مصحفی و انشا کا زمانہ یاد آ گیا۔ مشاعروں سے ہٹ کر یہ طوفان اخبارات و رسائل تک پہنچ گیا۔ آخر کار اپنی اپنی جگہ دونوں ہتھیار ڈال گئے۔"

انجمن زندہ دلانِ پنجاب کی اس خدمت کا اعتراف کرنا بھی ضروری ہے کہ "زندہ دلانِ پنجاب نے مغربی شاعری اور تنقید کی روشنی میں اردو شاعری کو آگے بڑھانے کی کوشش کی اور یوں یہ انجمن ایک انداز میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔"

بزمِ ادب پنجاب، لاہور

بزمِ ادب حفیظ جالندھری نے قائم کی تھی اور مولانا عبدالمجید سالک کو اس کا صدر بنایا تھا۔ انجمن کے قیام کی تاریخ، پس منظر، خدمات اور مدتِ حیات کے بارے میں مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں :

"جب حفیظ جالندھری لاہور کے ادبی افق پر نمودار ہوئے تو ہم نے ان کا تعارف بھی انجمن ارباب علم ہی کے اسٹیج پر کرایا اور حفیظ کی پہلی نظمیں اسی انجمن کے مشاعروں میں پڑھی گئیں۔ لیکن حفیظ کی روز افزوں ہر دل عزیزی سے مولانا تاجور کچھ کھٹک سے گئے۔ اُدھر وہ (حفیظ صاحب) کوتاہی ظرف میں مبتلا، ادھر یہ زود رنج۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کش مکش شروع ہو گئی اور حفیظ صاحب نے جھٹ ایک "بزم ادب پنجاب" کی بنا ڈالی

اور مجھے اس کا صدر مقرر کر کے پہلے مشاعرے کا اعلان کر دیا۔ اب تاجور
صاحب بے حد پریشان ہوئے۔ انجمن ارباب علم کے مشاعرے بہت
"دبلے" ہو گئے اور سالک و حفیظ کے دوستوں نے بزم ادب کو چار
چاند لگا دیے۔ لیکن یہ حفیظ صاحب کا ایک عارضی سا جوش تھا
جو چند روز میں ٹھنڈا پڑ گیا اور بزم ادب درہم برہم ہو گئی۔"

انجمن آزاد خیال مصنفین، لاہور

علم و آگہی کے گزشتہ خصوصی شمارے میں انجمن ترقی پسند مصنفین کا تذکرہ آ چکا ہے۔ اس میں اس کے بعض ارکان کے خیالات و افکار پر گرفت بھی ملتی ہے۔ انجمن کے بعض ارکان کے خیالات نے انجمن میں دو گروہ تو پہلے ہی پیدا کر دیئے تھے پھر ان کے سیاسی رویے نے حالات کو یہاں تک پہنچا دیا کہ حکومت پاکستان کو اس کے خلاف اقدام کرنا پڑا اور اسے خلاف قانون قرار دے دیا۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد انجمن ترقی پسند مصنفین کے بعض ارکان نے انجمن آزاد خیال مصنفین کے نام سے لاہور میں ایک ادبی انجمن قائم کی۔ اس کے اجلاس وائی ایم سی اے ہال میں منعقد کیے جانے لگے۔ اس انجمن کے قیام میں جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا وہ عارف عبدالمتین صاحب تھے۔ جو پاکستان کے ادبی حلقے میں ایک شاعر اور ادیب و نقاد کی حیثیت سے ایک معروف شخصیت ہیں۔ شہرت بخاری صاحب لکھتے ہیں :

> "ہر چند اس جماعت نے اپنے لیے جو لائحہ عمل تیار کیا اور جس کا اعلان کیا، بلکہ جس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی وہ بہت حد تک انجمن ترقی پسند مصنفین سے مختلف تھا تاہم حکومت نے اسے بھی تخریبی کارروائیوں کا مرتکب ٹھہرایا اور انجمن ترقی پسند مصنفین کی طرح اسے غیر قانونی قرار دے دیا۔"

بزم داستان گویاں لاہور

علم و آگہی کے گزشتہ سال کے خصوصی شمارے میں "حلقہ ارباب ذوق" پر پروفیسر آفاق ہاشمی صاحب کا ایک فاضلانہ مضمون شائع ہو چکا ہے۔ لیکن اس میں حلقے کے قیام کا پس منظر

بیان نہیں کیا جا سکا۔ کیوں کہ اس کے پس منظر میں بھی ایک ادبی ادارہ ہے۔ اس لئے یہاں اس ادارے کا تعارف کرایا جارہا ہے۔ یہ اس ادارے کی تاریخ ہے اور حلقہ ارباب ذوق کا پس منظر۔

۹ راپریل ۱۹۳۹ء کو لاہور میں سید نصیر احمد شاہ کے مکان پر لاہور کے چند ادیب جمع ہوئے اور طے پایا کہ ایک ادبی انجمن قائم کی جائے۔ اس انجمن کا نام "بزم داستان گویاں" طے پایا۔ اس پہلے اجتماع میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ اس کے اجلاس باری باری ارکان بزم کے مکانوں پر ہر ہفتے ہوا کریں گے، افسانے پڑھے جایا کریں گے اور جدید مغربی تنقید کی روشنی میں ان پر تنقید کی جایا کرے گی۔ بزم کے نظام کے بارے میں یہ بھی طے پایا کہ انجمن کا کوئی مستقل صدر نہ ہوگا، صرف ایک سکریٹری ہوگا یا ایک مجلس انتظامیہ ہوگی۔ جو بزم کے انتظامات کی ذمہ دار ہوگی۔ صدر ہر اجتماع کے موقع پر حاضر ارکان میں سے چن لیا جایا کرے گا۔ بزم کے بانیوں میں سے حفیظ ہوشیار پوری، شیر محمد اختر، تابش صدیقی، محمد افضل، سید نصیر احمد تھے۔ قرارداد کے مطابق بزم کا پہلا اجلاس حفیظ ہوشیار پوری کی صدارت میں ہوا جس میں نسیم حجازی نے اپنا ایک افسانہ تنقید کے لئے پیش کیا۔ اس طرح اس کے ادبی جلسے ہونے شروع ہوگئے۔ یہ سلسلہ تقریباً چھ ماہ تک نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا اس کے جلسوں میں دوسرے حضرات بھی شریک ہونے لگے۔ جلسے کے آخر میں ارکان شعرا اپنا کلام بھی سناتے تھے۔ لیکن کلام پر تنقید نہیں کی جاتی تھی۔ یوسف ظفر صاحب نے اکتوبر ۱۹۳۹ء کے ایک جلسے میں تجویز پیش کی کہ کلام پر بھی تنقید کی جانی چاہیئے۔ یوسف ظفر صاحب کی یہ تجویز منظور کرلی گئی تو اب بزم کا نام معرض بحث میں آگیا اور اس کے نام میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کرکے حلقہ ارباب ذوق نام تجویز کیا گیا جو شعر و افسانہ دونوں کا احاطہ کرسکتا تھا۔ اس طرح بزم داستان گویاں کی مدت حیات پوری ہوگئی جو تقریباً ۶ ماہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد ۱۶ راکتوبر ۱۹۳۹ء کو حلقہ ارباب ذوق کا پہلا اجلاس منعقد ہوا اور یہ سلسلہ متعدد وقفوں اور رکاوٹوں کے باوجود اب تک جاری ہے۔

حلقہ اربابِ علم۔ لاہور لاہور کے یہ ادبی ادارے جن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک دوسرے سے کتنے وابستہ و پیوستہ ہیں۔ "چراغ سے چراغ جلتا ہے" کی مثل ان پر کس طرح صحیح طور پر صادق آتی ہے۔ حلقہ اربابِ علم نے زندہ دلانِ پنجاب کو جمع کیا، اسی نے بزمِ ادبِ پنجاب کو وجود بخشا، انجمن ترقی پسند مصنفین سے انجمن آزاد خیال مصنفین پیدا ہوئی۔ بزمِ داستان گویاں نے حلقہ اربابِ ذوق کو جنم دیا اور اس سے حلقہ اربابِ علم پیدا ہوا۔ اس کے بانیوں میں خواجہ ولی محمد اور آغا بیدار بخت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس حلقے کے قیام کا پس منظر یہ ہے کہ جب اربابِ ذوق مختلف مزاج و طبائع، اور مختلف ادبی نظریات رکھنے والے جمع ہو گئے تو ان میں اختلاف بھی ناگزیر ہو گیا۔ بقول شہرت بخاری ان میں بعض حضرات ایسے بھی تھے جو اس نئے ادب کو ادب ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ بالآخر یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ ایک دو جلسوں میں بدمزگی پیدا ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض حضرات نے اربابِ ذوق کو خیرباد کہا اور حلقہ اربابِ علم کی بنیاد ڈالی۔ ابتداءً اس کے اجلاس آغا صاحب کے دارالعلوم السنہ شرقیہ باغ بیرون دہلی دروازہ میں ہوتے رہے۔ پھر کچھ مدت کے بعد وائی، ایم، سی، اے کی عمارت میں اتوار کے اتوار اپنے اجلاس منعقد کرنے شروع کر دیئے۔ اس کے پروگراموں کی نوعیت وہی تھی جو حلقہ اربابِ ذوق کی تھی۔ اس حلقے کی طرف نئے ادیبوں اور شاعروں کا رجوع نہیں ہوا۔ اس لئے چند برس کے بعد یہ انجمن خود بخود ختم ہو گئی۔

آل پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن لاہور پنجاب کے مسلمان طلبہ کی اس انجمن کے قیام کی تاریخ تو ہم تلاش نہیں کر سکے۔ لیکن اس کے چند علمی کاموں سے ہم ضرور واقف ہو گئے۔ سنہ ۱۹۴۰ء کے بعد اس کے سکریٹری عبداللہ بٹ مرحوم تھے۔ اس زمانے میں کئی اہم تاریخی و ملی شخصیات کے یوم منائے اور سلطان ٹیپو شہید، شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا ابوالکلام آزاد پر مضامین کے مجموعے بھی شائع کئے۔ بٹ صاحب نے مولانا آزاد پر انگریزی میں بھی ایک کتابچہ "اسپیکٹ آف مولانا ابوالکلام آزاد" کے نام سے شائع کیا۔

بزم قیصری، لاہور بزم قیصری انجمن اتحاد کے ٹوٹے ہوئے ستاروں کا اجتماع تھا۔ شاعرانہ چشمک کی بنا پر انجمن کے ارکان میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ تو کچھ لوگ اس سے الگ ہوگئے اور میر ناظر حسین ناظم لکھنوی کی سرپرستی میں انھوں نے الگ مشاعروں کا اہتمام کیا یہ مشاعرے قصوری باغ میں ہوتے تھے۔ بزم قیصری کے مشاعروں کا کلام شائع ہوتا تھا اور جیسا کہ کسری منہاس نے لکھا ہے کہ ان دونوں انجمنوں کے مشاعرے اور گلدستے عوام میں صحیح شعری ذوق پیدا کرنے کا باعث بنے۔

انجمن مشاعرہ اتحاد لاہور یہ ایک ادبی انجمن تھی جس کی بنیاد ۱۸۹۰ء میں حکیم شجاع الدین محمد نے ڈالی تھی۔ اس کے ہفتہ وار مشاعرے، حکیم امین الدین بیرسٹر کے مکان پر ہوتے تھے، پھر اندرون بھاٹی دروازہ ہونے لگے۔ ۱۸۹۶ء میں حکیم شجاع الدین محمد کے انتقال کے بعد نواب غلام محبوب سبحانی انجمن کے کرتا دھرتا بنے اور مشاعرے ان کی سرپرستی میں ہونے لگے۔ خان احمد حسین خاں اس انجمن کی جان تھے۔ میرزا ارشد گورگانی دہلوی ان مشاعروں میں خاص طور سے شریک ہوتے تھے۔ خان احمد حسین خاں نے شور محشر کے نام سے ایک گلدستہ جاری کیا تھا اور اس میں مشاعروں کی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ انجمن اتحاد کے مقابلے میں بزم قیصری کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم ہوئی تھی اس کے ارکان کی کوشش ہوتی تھی کہ اس کے مشاعرے انجمن اتحاد کے مشاعروں پر سبقت لے جائیں۔ علامہ اقبال مرحوم جب لاہور آئے تو انجمن اتحاد کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ کسری منہاس کے بقول انجمن اتحاد اور بزم قیصری کے مشاعروں کی بدولت عوام میں صحیح شعری ذوق پیدا ہوگیا تھا۔ سر عبدالقادر مرحوم نے بانگ درا کے مقدمے میں اس انجمن کا تذکرہ کیا ہے۔

مجلس مشاعرہ، لاہور مجلس مشاعرہ شیخ عبدالقادر نے قائم کی تھی۔ یہ سنہ ۱۹۰۱ء میں مخزن کے اجرا سے پہلے کا واقعہ ہے۔ سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"شیخ عبدالقادر نے بہت جلدی یہ حقیقت پالی تھی کہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی زبان ایک ہو اور وہ اُردو ہو۔ اس سلسلے میں انھوں نے لاہور میں ایک مجلس مشاعرہ قائم کی۔ کچھ عرصے کے بعد یعنی ۱۹۰۱ء میں ان کی ادارت میں مخزن جاری ہوا۔"

(۲)

انجمن بقائے اردو۔ لاہور گزشتہ ۱۱،۱۲ سال سے انجمن بقائے اردو اُردو کے تحفظ و بقا اور ترویج و اشاعت کے لئے سرگرم عمل ہے۔ روحِ رواں اس کے ڈاکٹر فضل الرحمٰن لاہوری ہیں۔ دسمبر ۱۹۶۲ء میں انھوں نے انجمن کی گیارھویں سالانہ کانفرنس ڈاکٹر سید عبداللہ کی صدارت میں منعقد کی جس کا موضوع تھا "پاکستان میں اردو کا مستقبل"۔

انجمن احیائے ادب پاکستان۔ لاہور یہ انجمن قومی زبان کی ترویج و اشاعت، ادب برائے زندگی کے نظریے کے پرچار اور ادبی اجتماعات اور مطالعہ کتب کے ذریعے عوام میں ذہنی انقلاب پیدا کرنے کے لئے قائم ہوئی ہے۔ ناصح زاہدی اس کے معتمد عمومی ہیں۔ انجمن کے تحت ادبی و قومی شخصیات کے ایام بھی منائے جاتے ہیں۔ مقالات یوم حالی کے نام سے ۱۹۵۸ء میں یوم حالی کے مقالات و پیغامات کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ انجمن نے ایک "اردو لائبریری" بھی قائم کی ہے۔

بزم لطائف۔ لاہور بزم لطائف کا قیام مرحوم عبداللہ بٹ کی طبع لطیف کا کرشمہ تھا۔ اس کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ احباب جمع ہوں اور لطائف بیان کئے جائیں تاکہ دکھ بھری زندگی کو خوش گوار بنایا جائے ساتھ ہی لطائف کے روز بروز گرتے ہوئے معیار کو اچھے اور پاکیزہ لطائف سے بلند کیا جائے۔ اس کا پہلا اجلاس عبدالمجید سالک کی صدارت میں ہوا تھا۔ اس موقع پر سالک صاحب نے

لطائف اور زندگی میں ان کی اہمیت کے موضوع پر ایک دلچسپ تقریر بھی کی تھی۔

بزم کے اس اجلاس میں خواجہ ولی محمد ظہیر کاشمیری، حمید نسیم، مسعود پرویز، ہری چند اختر، عبدالجلیل عشرت، محمد فاضل وغیرہ ادیب اور اہل علم شریک ہوئے اور دلچسپ اور شگفتہ لطائف سے محفل کو کشت زعفران بنا یا۔ بزم لطائف کے بہت سے نہایت کامیاب اجلاس ہوئے۔ محمد فاضل اور عبداللہ بٹ صاحب نے اس کے لطائف کو مرتب کرکے قومی کتب خانہ کی طرف سے شائع بھی کرادیا تھا۔

بزم ارباب دانش لاہور یہ بزم عبدالمجید سالک اور ڈاکٹر سلیم نے قائم کی تھی سالک صاحب ادبی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ڈاکٹر سلیم خلیفہ عبدالواحد کے بیٹے اور برصغیر کے مشہور فلسفی خلیفہ عبدالحکیم کے بھتیجے تھے۔ سالک صاحب صدر اور سلیم صاحب اس کے سکریٹری بنے۔ لا کالج لاہور کے ایک کمرے میں سالک صاحب کی صدارت میں اس کا پہلا مشاعرہ ہوا۔ مشاعرے کی کارروائی پہلے سے طے شدہ قرارداد کے مطابق فارسی میں ہوئی۔ صوفی تبسم، علاء الدین صدیقی، صادق بخاری تائب وغیرہ نے اور آخر میں سلیم و سالک نے اپنی فارسی غزلیں سنائیں۔ ایک موقع پر پروفیسر شستری نے فارسی زبان میں ایک مقالہ بھی پڑھا تھا۔

بزم احباب، لاہور بزم احباب کے قیام کے پس منظر کے بارے میں سالک صاحب نے لکھا ہے کہ چونکہ بزم اردو بڑے آدمیوں کی محفل تھی اور وہاں بڑا اہتمام اور رکھ رکھاؤ ہوتا تھا اور اس میں بڑے لوگ ہی صدارت فرماتے اور امراہی کلام سناتے اور داد پاتے تھے۔ غریب اور عام شعرا کو اس میں بار نہ ملتا تھا یا ان کی خاطر خواہ پذیرائی نہ ہوتی تھی اور اس لئے وہ مطمئن نہ تھے۔ اس لئے سالک صاحب کے بقول "یار لوگوں نے" بزم احباب" کے نام سے ایک عوامی مشاعرہ شروع کیا۔

حکیم مرزا عبداللہ اس کے کرتا دھرتا تھے۔ اس کے زیر اہتمام بھی مشاعرے ہوتے تھے۔ بزم اردو کے زمانے ہی میں یا اس کے بعد یہ انجمن بھی بڑی مشہور ہوئی۔

نوجوان شعرا کا ایک وسیع حلقہ اس کے تحت جمع ہو گیا تھا جس نے لاہور کی ادبی زندگی میں تہلکہ مچا دیا پہلے اس کے چند مشاعرے شاہ عالمی دروازے کے اندر ہوئے لیکن شائقین ادب اور دلدادگان شعر کے رجوع عام نے اس گنجائش کو ناکافی بنا دیا تو اس کی مجلسیں باغ بیرون موچی دروازے میں منعقد ہونے لگیں۔ مولانا عبدالمجید سالک نے ایک مشاعرے کی دلچسپ روداد یاران کہن میں بیان کی ہے۔ اس مشاعرے کی صدارت آغا حشر کاشمیری نے کی تھی۔

بزم اردو لاہور یہ ایک ادبی انجمن تھی جو لاہور کے شعرا نے قائم کر رکھی تھی۔ ایک زمانے میں اس کے شان دار مشاعرے لاہور کی ادبی زندگی کی جان تھے۔ لاہور میں ادبی زندگی کے فروغ اور نوجوان شعرا کے تعارف اور ادبی و شاعرانہ ذوق کی تربیت میں بزم اردو کا خاص حصہ تھا۔

مولانا عبدالمجید سالک نے یارانِ کہن میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ خود انھوں نے اپنی شاعرانہ زندگی کے آغاز میں اس کے مشاعروں میں شرکت کی تھی۔

سالک صاحب نے اپنی "سرگزشت" میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں "بزم اردو بڑے بڑے آدمیوں کی محفل تھی اور وہاں بڑے اہتمام اور رکھ رکھاؤ ہوتے تھے۔ کبھی راجہ نریندر ناتھ صدارت فرما رہے ہیں اور کبھی میاں شاہ دین کلام سُنا رہے ہیں"۔

کراچی کے چند ادبی ادارے

اربابِ قلم پاکستان، کراچی

۱۹۶۶ء میں کراچی کے کچھ ادیبوں نے یہ محسوس کیا کہ انھیں ایک ایسے ملک گیر رابطے کی ضرورت ہے جو متوازن خیال کے ادیبوں اور اصحابِ فکر و نظر پر مشتمل ہو اور زبان و ادب کی خدمت میں مثبت کردار ادا کر سکے۔ انھوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ انھیں اپنے مسائل کو اپنے وسائل کے اندر رہ کر باہمی مدد اور تعاون کے ذریعے حل کرنے کے لئے بھی ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے جس کی بنیاد جذباتی نعروں کے بجائے قوتِ فکر و عمل اور خلوصِ نیت پر ہو۔ ادارہ اربابِ قلم انھیں اصحابِ فکر و اخلاص کے احساسات کی عملی شکل ہے۔

اربابِ قلم نے اپنی زندگی کے مختصر عرصے میں ادبی جلسوں، مشاعروں، تنقیدی نشستوں، مناظروں، مسالموں، مذاکروں، تعارفی و تقریری اجتماعات وغیرہ کے ذریعے کراچی اور بیرونِ کراچی کی ادبی زندگی میں ایک روح پھونک دی ہے۔ یہ ان ادیبوں کے اخلاصِ نیت و عمل اور مقصد کی بلندی و افادیت کا ثمرہ ہے کہ دو تین سال کے اندر اس ادبی ادارے نے ایک ادبی تحریک کی شکل اختیار کر لی اور سندھ، پنجاب اور سرحد کے بہت سے شہروں میں مثلاً پشاور، کوہاٹ، لاڑکانہ، سکھر، جھنگ وغیرہ میں اس کی شاخیں قائم ہو گئیں اور انھوں نے اپنے اپنے دائرے میں ادبی فضا پیدا کرنے اور ادبی ذوق کی تربیت اور اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں نہایت سرگرمی کے ساتھ اپنا کردار ادا کیا ہے۔

اربابِ قلم نے یہ بات شروع ہی میں محسوس کر لی تھی کہ کوئی تحریک اپنے علمی و فکری

ترجمان کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ چنانچہ ادارے کے قیام کے دوسرے ہی سال ارباب قلم کے نام سے ایک ادبی مجلہ بھی جاری کر دیا گیا۔ ارباب قلم کے اب تک تین شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے ذریعے اس ادبی تحریک کو فکری طور پر بھی آگے بڑھایا گیا ہے اور ارباب قلم نے اپنی تخلیقات کے نمونے پیش کر کے بھی اس تحریک کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ مجلے نے اس ادبی تحریک کو کل پاکستان بنیاد پر متعارف کرانے میں خاص حصہ ادا کیا اور نئے لکھنے والوں اور نوجوان ادیبوں کی ہمت افزائی بھی کی اور انھیں ادبی حلقوں میں متعارف بھی کرایا۔

ارباب قلم نے اپنے ارکان کی تخلیقات کی اشاعت میں بھی حصہ لیا۔ اس کی جانب سے میجر جلیل احمد کا مجموعہ کلام "رزم و بزم" شائع ہو چکا ہے۔ ارباب قلم کی اس پیش کش کو ادبی حلقوں میں تحسین کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ اس کی دوسری معرکہ آرا پیش کش برصغیر کے مشہور نقاد مجنوں گورکھپوری کی تصنیف "غالب۔ شخص اور شاعر" ہے۔ غالب کی شخصیت اور فن پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ ان کے ادبی اور تنقیدی مقام کو متعین کرنا مشکل ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ غالبیات میں اس سے کچھ اضافہ ہوا ہے۔ لیکن ہم اس کے مطالعے کی افادیت اور مجنوں صاحب کے نقد اور نظر کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کر سکتے یہ غالب کی شخصیت اور فن پر ایک لائق مطالعہ اور فکر انگیز تحریر ہے۔ ارباب قلم نے اپنی مطبوعات میں حسن فکر و معنی کے ساتھ حسن ظاہر و صورت کے لحاظ سے بھی اپنے ارباب ذوق و نظر ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ رسالہ (ارباب قلم) ہو خواہ تصنیف (غالب۔ شخص و شاعر) ہاتھ میں آئے تو سیر نظری و تسکین ذوق کو جی چاہتا ہے۔

ارباب قلم کے نام سے ایک ادبی مجلہ بھی شائع ہوتا ہے۔ اس کا شمار پاکستان کے بلند پایہ ادبی تنقیدی مجلات میں ہوتا ہے۔ حلقہ ارباب قلم کی ادبی تنقیدی نشستوں کی طرح اس کے مجلے نے بھی نوجوان ادیبوں اور شاعروں کی فکر کی جلا اور ذوق کی تربیت میں قابل قدر حصہ لیا ہے۔ اس کے ایڈیٹر اقبال شوقی اور شبنم رومانی ہیں شوقی صاحب

پاکستان کے منفرد اور بلند پایہ رباعی گو شاعر ہیں۔ ان کی رباعیات کے دو مجموعے صحیفہ دل اور آئینہ اعتبار شائع ہوکر مقبول ہو چکے ہیں اور ان کا ادبی اور شاعرانہ اعتبار قائم کر چکے ہیں۔

شبنم رومانی اس کے چیف کنوینر اور روح رواں ہیں۔ ان کی تعریف و تعارف کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی نازک ادا مثنوی سیر کراچی اور "حسینان شہر کراچی" کے نام اس کے انتساب کی بدولت پہلے ہی بدنام ہونے کی حد تک معروف ہیں۔ اب انھوں نے مہرخوں سے تقریب ملاقات کے لئے ایک روزنامہ میں مصوری یا کالم نویسی بھی شروع کر دی ہے۔

بزم فکر نو۔ کراچی | اظہار روشن بدایونی نے بزم فکر نو کے نام سے کراچی میں ایک ادبی انجمن قائم کر رکھی ہے۔ (سنہ ۱۹۷۶ء)

انجمن نفاذ اردو۔ کراچی | انجمن کا مقصد اس کے نام سے ظاہر ہے، سرکاری اور غیر سرکاری ہر سطح پر اردو کی ترویج اور نفاذ کے لیئے سرگرم عمل ہے۔ اس کے جنرل سکریٹری عبدالرحمن چودھری ہیں اور صدر سندھ کے ایک سابق وزیر اعلی پیر الٰہی بخش ہیں۔

ینگ رائٹرز گلڈ۔ کراچی | جماعت اسلامی سے متاثر نوجوان ادیبوں کی ادبی انجمن ہے۔ اس کے صدر ایک نوجوان جلیس سلاسل، نائب صدر احمد جاوید اور فائزہ صدیقی، معتمد شہزاد چغتائی، شریک معتمد سیف الاسلام اور پریس سکریٹری سید مظفر الحق ہیں۔

لاڑکانہ کے چند ادبی ادارے

لاڑکانہ شہر تہذیبی تاریخ اور جغرافیائی مناظر کے اعتبار سے بالائی سندھ کا وہ خطہ ہے جو صحیح معنوں میں سندھی زبان اور ثقافت کا امین و وارث کہا جائے گا۔ موہن جو دارو جیسی قدیم تہذیب بھی لاڑکانہ ہی کے دامن دولت سے وابستہ ہے اور اس علاقے کی تہذیب کے بعض عناصر اس وقت بھی دیار و تمدن کا انعکاس ہیں۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد لاڑکانہ صرف سیاست ہی کی قلمرو کا نمائندہ نہیں بنا۔ بلکہ اس شہر نے اردو ادب کی ٹھوس اور بامعنی خدمت میں بھی ایک قابل تحسین تاریخ تخلیق کی جس کے آثار "ارباب قلم لاڑکانہ" کی صورت میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔

بزم ادب لاڑکانہ یہاں کی اولین ادبی انجمن ہے جس کو مرحوم صمد رضوی ساز نے منظم کیا ہے۔ مرحوم حیدرآباد دکن کی ترقی پسند تحریک کے کارکنوں اور مخدوم محی الدین کے دوستوں میں تھے۔ محسن بھوپالی کی ذہنی تربیت اسی ادارے کے سائے میں ہوئی ہے۔ بزم ادب کے ادبی اجلاس اور سالانہ کل پاکستان مشاعرے یادگار حیثیت رکھتے ہیں ادارے کی طرف سے ایک مقامی شاعر لطیف مرحوم کا مجموعہ کلام بھی شائع ہوا ہے۔ بزم ادب کے ساتھ ایک چھوٹا سا کتب خانہ اور دارالمطالعہ بھی منسلک ہے۔ بزم ادب کی فعالیت کا عرصہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۷ء کا عرصہ ہے۔ افسوس کہ صمد رضوی ساز مرحوم کے بعد حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ یہ ادارہ تقریباً بے اثر ہو کر رہ گیا۔

لاڑکانہ میں انجمن ترقی اردو کا قیام ۱۹۶۲ء کا واقعہ ہے اس انجمن کی بنا استوار کرنے والوں میں میرے علاوہ ڈاکٹر عرشی کرتپوری، مسلم شمیم۔ شاہ مسعود اور علی حامد تھے۔ انجمن کے ساتھ لائبریری اور دارالمطالعہ موجود ہے اور ادارے کی ذاتی دو منزلہ جدید قسم کی عمارت ہے۔ انجمن اس وقت بھی اپنا کام کر رہی ہے۔

لاڑکانے کا سب سے نمایاں اور اہم ترین ادارہ مرحوم حلقۂ ادب ہے۔ اہلِ نقد و نظر نے اس برق رفتار ارتقا پذیر ادارے کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ ایک ناقابلِ ذکر سانحہ ہے تاہم اپنی چھوٹی سی عمر میں اس ادارے نے ایسے ٹھوس کارنامے انجام دیئے جو ہماری ادبی تاریخ کا حصہ بن کر زندہ ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری فیض احمد فیض، اور بعض ایسے ہی نامور لوگوں نے حلقۂ ادب کی کارکردگی کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

۱۹۶۶ء میں جب زبان بندی کی بنا پر پورے ملک میں گھٹن سے بے چینی کا عالم تھا اس ادارے نے کل پاکستان بین اللسانی مشاعرہ منعقد کیا۔ اس مشاعرے میں فیض صاحب مہمان خصوصی تھے۔ حبیب جالب جیسا باغی اور معتوب شاعر جس پر ایوب حکومت نے سخت پہرے بٹھا رکھے تھے۔ اس مشاعرے میں شریک ہوئے۔ حکومت وقت کی سختی کے باوجود یہ مشاعرہ کچھ اس شان سے ہوا کہ ذوالفقار علی بھٹو بھی اس سے متاثر ہوئے۔ اس زمانے میں بھٹو صاحب ایک نئی سیاسی جماعت بنانے کی فکر میں تھے۔ لیکن چاروں طرف سے ان پر سخت پابندیاں تھیں ان پابندیوں کے باوجود موصوف نے خاص طور پر فیض اور حبیب جالب کی میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔ اس بین اللسانی مشاعرے کی خبریں پورے ملک میں پھیل گئیں اور ہر طرف سے داد و تحسین کی صدائیں آئیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ۱۹۶۶ء میں جمہوری قوتوں کے شعور و ضمیر میں تحرک پیدا کرنے کا وسیلہ یہی مشاعرہ ثابت ہوا۔ حلقۂ ادب نے سب سے پہلے شہر کے تمام اردو اور سندھی ادیبوں کی نمائندہ تخلیقات کا مجموعہ نقش ہائے رنگ رنگ شائع کیا اس مجموعے کو پورے ملک میں قبولِ عام کا شرف حاصل ہوا۔ حلقۂ ادب کا سکریٹری میں تھا جب کہ صدر مشہور صحافی اور برصغیر کی جنگ آزادی کے کارکن سید جمال الدین بخاری تھے۔

حلقۂ ادب کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر فرمان صاحب لکھتے ہیں:

> "یہ در اصل ان حضرات کے اخلاص کا اعتماد تو ہے جو ان کی ترتیب دادہ علمی و ادبی مجالس پاکستان کے گوشے گوشے سے بڑی سے بڑی شخصیت کو کھینچ بلاتی ہیں۔ چنانچہ گذشتہ سال لاڑکانہ حلقۂ ادب کے زیرِ اہتمام جو ادبی اجتماعات اور مشاعرے منعقد ہوئے وہ سندھ کی تاریخ میں یادگار رہیں گے۔"

نقش ہائے رنگ رنگ صنہ

غالب کی صدسالہ برسی کے موقع پر ادارے کی طرف سے میرا مقالہ "غالب خستہ" شائع ہوا اس کتاب کا تعارف ماہانہ کتاب کے غالب نمبر میں قلم بند کیا گیا اور افکار و نگار کراچی جیسے جریدوں نے اس پر تبصرے شائع کئے۔ "غالب خستہ" مطبوعہ حلقہ ادب لاڑکانہ کو پنجاب یونیورسٹی کی نمائش میں بھی جگہ ملی اور لاہور میں تیار ہونے والے اشاریہ غالب میں بھی اس کا حوالہ موجود ہے۔

حلقہ ادب اپنے ہر ادبی جلسے کی مکمل رپورٹ طبع شدہ شکل میں شائع کر کے ملک بھر کے اہل دانش کو روانہ کرتا تھا۔ سنہ ۱۹۷۰ء میں یہ ادارہ ختم ہو گیا۔

امین خیال

گوجرانوالہ کی ادبی انجمنیں

میرے نزدیک ادبا وشعرا کو گروہی تعصب اور دھڑے بندیوں سے بالا ہونا چاہیے۔
نظریاتی اختلافات کو ذاتی رنجشوں اور عداوتوں کے پلیٹ فارم پر نہیں لانا چاہیے، بلکہ نہایت
فراخ دلی، نیک نیتی اور خلوص سے قوم، ملک اور انسانیت کی خدمت کرنا چاہیے۔ میں نے
اپنے طور پر یہ کوشش بھی کی ہے کہ تمام ادبی متحارب گروہوں میں مفاہمت کرا دی جائے۔
میں معاصرانہ چشمک سے الگ ہو کر سب سے پہلے اس بزم کا ذکر کروں گا جو اس بزم
کی حریف ہے جس کا میں پریس سکریٹری ہوں بزم کا نام ہے

"حلقۂ شعر و ادب گوجرانوالہ" صدر۔ شیخ محمد فضل حق آثر لدھیانوی نائب صدر[1]
قریشی عبدالمجید گوہر نائب صدر[2] حافظ محمد یعقوب ندیم۔ سکریٹری جنرل قریشی عزیز الرحمٰن
عزیز لدھیانوی، ناظم نشر و اشاعت بشیر احمد تمنا۔
تصانیف۔ روداد کے نام سے تمام ارکان کا تعارف اور نمونہ کلام طبع ہو چکا ہے۔

حلقہ احباب ادب گرجاکھ۔ اس کے صدر جمشید ملک سکریٹری جنرل امین خیال پریس
سکریٹری احسان رانا۔

مجلس اہلِ سخن۔ اس کے صدر اختر فاروقی۔ نائب صدر شہزاد صحرائی، سکریٹری جنرل
محمود احمد قاضی سکریٹری امین خیال۔ پریس سکریٹری محمد احمد شاد۔
تصانیف۔ شرلائے (پنجابی غزلاں) طبع شدہ۔

بزم اردو۔ اپنے وقت کی فعال بزم تھی جس کے کرتا دھرتا مائل کرنالی تھے۔ ان
کے انتقال کے بعد یہ بزم بھی تقریباً مردہ ہی ہے۔ اس کا بھی ایک کتابچہ موجِ خیال کے نام سے
شائع ہو چکا ہے جس میں اس بزم کے شعراء کے حالات معہ نمونہ کلام موجود ہیں اس کے

سکریٹری جنرل اکبر حمیدی تھے۔

بزمِ شعر و سخن۔ اس کے صدر راشد بزمی جنرل سکریٹری اسمٰعیل داؤدی ناظمِ نشر و اشاعت۔ ایم۔اے قلندر ہیں۔

بزمِ وفا۔ اس کے بانی اور صدر علامہ غلام یعقوب انور مرحوم تھے۔ جو عرصہ ایک سال سے وفات پا چکے ہیں۔ آج کی تنظیم کے صدر استاد محمد الدین فانی۔ نائب صدر سیٹھ اسحٰق جنرل سکریٹری امین خیال، سکریٹری احسان رانا، پریس سکریٹری غلام مصطفےٰ بسمل ہیں۔ عنقریب یہ بزم علامہ مرحوم پر ایک نمبر کی اشاعت کا انتظام کر رہی ہے، جو بعد از اشاعت ارسالِ خدمت کر دیا جائے گا۔

مجلسِ فکر و نظر۔ اس کے صدر راشد میر، نگراں میاں شمیم، جنرل سکریٹری پروفیسر افتخار ملک وغیرہ ہیں۔

پاکستان کے چند دیگر ادبی ادارے

بزم تخلیق ادب۔ گوجرانوالہ یہ ادبی انجمن امین خیال نے فروری ۱۹۷۱ء میں قائم کی تھی۔ اس کے قیام کے خاص مقاصد نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی، ادبی مجالس کا انعقاد، ارکان بزم کی تخلیقات کی اشاعت کا بندوبست اور لائبریری کا قیام، تھے۔ بزم نے اپنے قیام کے تمام مقاصد کی طرف توجہ کی۔ اس نے مشاعروں، مذاکروں، تنقیدی نشستوں کا انتظام کیا۔ ادبی شخصیات کی یاد یا اعزاز میں ادبی اجتماعات کیے، نئے لکھنے والوں کی ہمت افزائی بھی کی اور اُن کے ادبی ذوق کی تربیت میں حصہ لیا، ان میں مطالعہ کا ذوق پیدا کیا اور غلام مصطفی بسمل کی کتاب "اوڈاریاں" شائع کی۔ دیگر کئی ارکان بزم کی تخلیقات کے مجموعے عنقریب شائع ہونے والے ہیں۔ انجمن کے صدر، امین خیال، نائب صدر محمود احمد قاضی، سکریٹری جنرل محمد شاد، جوائنٹ سکریٹری عنصر علی عنصر اور نشر و اشاعت اور مالیات کے سکریٹری نصر اللہ شاکر اور محمد نصیر راہی ہیں۔

بزمِ ندرت خیال۔ واہ کینٹ واہ کینٹ کے نوجوان ادیبوں کی ادبی انجمن جو ادب برائے زندگی کا نظریہ رکھتے ہیں۔ اس کے زیرِ اہتمام مشاعرے اور ادبی اجتماعات ہوتے ہیں۔ اس کے صدر جاوید اقبال مغل ہیں۔

چناب اکادمی۔ ملتان ملتان کی ایک ادبی انجمن جس کے نگراں عبدالغفور خواجہ تھے۔ ۱۹۶۶-۶۷ء میں اس کے وجود کا پتا چلتا ہے۔

سندھی ادبی مجلس۔ نواب شاہ نواب شاہ میں سندھی ادبی مجلس ایک مدت سے قائم ہے۔ اس کا مقصد سندھی زبان وادب کی ترقی اور نوجوانوں کے ادبی ذوق کی تربیت سے بہت زیادہ وسیع اخلاقی وتہذیبی تربیت اور دینی وسیاسی خدمات تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی لئے اس کے ارکان میں مختلف علاقوں کے اصحاب علم وذوق اور اخلاقی، سماجی، ثقافتی اصلاح وتعمیر سے دلچسپی رکھنے والے شامل ہیں۔

مجلس ادب۔ حیدرآباد مجلس ادب کا پہلا نام "مجلس یادگار غالب" تھا جو غالب کی برسی کے موقع پر ۱۹۶۹ء میں تشکیل دی گئی تھی۔ بعد میں اس کا نام بدل کر مجلس ادب کر دیا گیا اور اس کے مقصد کا دائرہ بھی عام ادبی تقریبات اور اکابر ادبی شخصیات کے ایام منانے تک وسیع کر دیا گیا۔ اس دور میں اس کے صدر نامدار خاں ایڈوکیٹ اور سکریٹری اختر انصاری اکبرآبادی منتخب کئے گئے۔ مجلس نے ۱۹۶۹ء میں یوم غالب کے بعد ۱۹۷۰ء میں اقبال، حسرت اور نظیر اکبرآبادی کے یوم منائے۔ ان مواقع پر مذاکرات کی مجالس کا اہتمام بھی کیا گیا۔ مشاعرے کی شاندار محفلیں بھی سجائی گئیں، شخصیات کی زندگی اور فن کے مختلف پہلوؤں اور مسائل پر مباحثے بھی کرائے۔

ان مجالس میں جن شخصیات کو دعوت دی گئی وہ پاکستان کی نامور ادبی شخصیات تھیں اس لئے ان ایام میں حیدرآباد کے ادبی ماحول میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مختلف مجالس میں جو مقالات پڑھے گئے تھے۔ مجلس کے سکریٹری نے انھیں کتابی شکل میں بھی چھاپ دیا تاکہ حیدرآباد سے باہر کے باذوق اصحاب بھی ان مجالس کی ادبی تخلیقات سے استفادہ کرسکیں اور مجلس کا فیضان عام ہوسکے۔

مجلس فکر نو۔ نورشاہ نورشاہ ضلع ساہیوال کی ایک ادبی مجلس جو مشاعروں اور دیگر ادبی تقریبات کا اہتمام کرتی ہے۔

مجلس نظم و نثر حضرو یہ ادبی انجمن چاہتی ہے کہ علاقے میں بکھرے ہوئے اہلِ قلم اور اربابِ ذوق کو متحد کر کے ملت کی تعمیر اور ادب و ثقافت کی ترویج و اشاعت کی خدمت انجام دی جائے۔ اس کے لئے وہ ادبی محفلوں اور مشاعروں کا اہتمام کرتی ہے۔ اس کے صدر خواجہ محمد خاں اسد، نائب صدر عبدالحی خاکی، جنرل سکریٹری جمعہ خاں ندیم، خازن سیٹھ محمد انور اور سکریٹری اطلاعات عبدالرشید صاحبانِ ذوق ہیں۔

دہلی کے چند ادبی ادارے

اردو اکادمی۔ دہلی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں اردو کی تحقیق و تصنیف کا ایک مستقل ادارہ۔

اردو کی ترقی کے لئے حکومت ہند نے اردو اکاڈمی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ یہ ادارہ اردو کی ترقی کے لئے حکومت کو مشورے دیتا ہے۔ علمی و تحقیقی کتابیں شائع کرتا ہے اور اردو کی بہترین علمی، ادبی اور تحقیقی تصانیف پر انعامات دیتا ہے۔ اس کی شاخیں ہندوستان کے تمام صوبائی دارالحکومتوں میں قائم ہیں۔

گجرال کمیٹی۔ دہلی حکومت ہند نے اردو کے فروغ کے لئے یہ کمیٹی مقرر کی ہے۔ اس کی حیثیت ایک مشاورتی بورڈ کی ہے۔ نہ کہ ایسے علمی ادارے کی جو کتابیں تصنیف و تالیف کرتا اور چھاپتا ہو۔ اس کے اعزازی سکریٹری اردو کے مشہور اہلِ قلم اور ترقی پسند ادیب محقق اور شاعر علی جواد زیدی ہیں۔

نیشنل رائٹرز ایسوسی ایشن۔ دہلی اس نام سے دہلی میں ایک ادارہ حکومت کی سرپرستی میں قائم ہے جس میں ہندوستان کی مختلف زبانوں کے ادیب شامل ہیں۔ اس کے صدر ہندوستان کے مشہور عالم اور ادیب پروفیسر مسعود حسین ہیں۔

نیشنل کاونسل آف انڈین رائٹرز۔ دہلی یہ ایک سرکاری ادارہ ہے جو ہندوستان کی تمام زبانوں کے ادیبوں کا مشترکہ ادارہ ہے۔

تمام زبانوں کے مشترکہ مسائل پر غور و فکر کرنا اور راہ عمل متعین کرنا، حکومت کے سامنے تجاویز رکھنا اور اسے مشورے دینا اس کا کام ہے۔ اس کے تحت تمام زبانوں کے الگ الگ ادارے بھی ملک کے مختلف علاقوں میں قائم ہیں۔

جے پور کے ادبی ادارے

ادبی سبھا۔ جے پور

یہ ادبی انجمن ۱۹۲۴ء میں سید ذاکر حسین اثر نے قائم کی تھی جو مولانا اطہر کے شاگرد تھے۔ یہ انجمن چند سال کے بعد ۱۹۳۶ء میں اثر کے انتقال کے بعد ختم ہوگئی۔

بزمِ احباب۔ جے پور

یہ انجمن تقریباً ۱۸۹۰ء میں قائم ہوئی۔ نوجوان شعرا کی تربیت اور مشاعروں کا اہتمام اس انجمن کا بھی مقصد تھا۔ اس کے سکریٹری جے پور کے مشہور شاعر مولانا سراج الدین سراج کنتوری تھے۔ بزمِ احباب نے کتب خانہ احباب کے نام سے ایک لائبریری بھی قائم کی تھی۔ اس انجمن کی وجہ سے بھی ادبی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا اور لوگوں میں مطالعہ کا ذوق بھی پیدا ہوا۔

بزمِ ادب۔ جے پور

یہ ایک ادبی انجمن تھی جو مشاعروں کا اہتمام کرتی تھی۔ جے پور کے تمام شعرا اس انجمن میں شریک تھے۔ اس کا قیام ۱۸۷۱-۷۲ء میں عمل میں آیا تھا۔ جے پور کے مشہور استاد مولانا تسلیم اس کے صدر تھے۔ جے پور میں اس انجمن نے ادبی ذوق پیدا کرنے اور نئے شعرا کی تربیت میں بڑا حصہ لیا۔ ۱۸۷۲ء سے ۱۸۷۳ء تک اس کے ۲۵ مشاعرے ہوئے جن کا ہم طرح کلام فرحت الشعرا کے نام کے ایک مجموعے میں چھپ گیا ہے۔ ایک مدت تک خدمات

نوٹ: ان اداروں کے بارے میں بیشتر معلومات احترام الدین شاغل کے "تذکرہ شعرائے جے پور" سے ماخوذ ہیں۔

انجام دینے کے بعد اس انجمن کو زوال ہو گیا۔ لیکن ۱۹۱۴ء میں دوبارہ اسے میرزا مائل، مولانا سخا، اطہر، تسنیم وغیرہ نے زندہ کیا اور پھر ایک مدت تک ادبی سرگرمیاں جاری ہو گئیں۔ چند سال کے بعد اس کے قوا پھر مضمحل ہو گئے تو ۱۹۳۲ء میں اسے پھر زندہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس مرتبہ صدارت کے مسئلے پر شعرا میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ایک گروہ نے مولانا اطہر کو بزم ادب کا صدر چن لیا اور دوسرے گروہ نے قاضی تنویر کو صدر بنا لیا۔ احترام الدین شاغل صاحب کی معلومات و تحقیق کے مطابق اس دور میں فعال انجمن قاضی تنویر کا گروہ رہا اس نے بہت سے مشاعروں کا اہتمام کیا اور بزم ادب کی عروق مردہ میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔

لٹریری کارپوریشن جے پور

یہ ادبی انجمن فروری ۱۹۳۶ء میں جے پور کے چند با علم اور باذوق نوجوان ادیبوں نے قائم کی تھی اس کے صدر قاضی مسرور احمد صدیقی توقیر اور سکریٹری شیخ مشکور علی برق تھے اس انجمن نے کئی کامیاب ادبی اجتماع کیے۔ ۱۹۳۷ء میں اس انجمن کے زیر اہتمام یوم نذیر احمد نہایت اہتمام سے منایا گیا اور اس کی روداد اور مضامین جو تقریب یوم میں پڑھے گئے تھے "یادگار نذیر احمد" کے نام سے ایک رسالے کی صورت میں مرتب کر کے چھاپ دیے تھے۔

ماڈرن پوئٹس سوسائٹی جے پور

جے پور کی یہ بھی ایک ادبی انجمن تھی جو ۱۹۳۴ء میں قائم ہوئی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں اس کے سکریٹری رشید احمد احمر تھے جو مشاعرے کراتے رہتے تھے۔

سید اظہر علی ترمذی
بی اے فاضل (شام)

حیدر آباد دکن کے چند علمی و ادبی ادارے

حیدر آباد دکن میں ادب و شعر اور علوم فنون کی ترقی کا دور چار سو سال قبل سے شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ علمی و ادبی اداروں کی تاریخ ابھی تک انیسویں صدی کے ربع ثانی سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ ابتدا میں اداروں کے قیام کا رواج نہ تھا۔ بلکہ اصحابِ علم و ذوق امرا ادیبوں اور شاعروں کی سرپرستی فرماتے تھے۔ اور ایک ایک امیر کے دامن دولت سے ادیبوں اور شاعروں کی ایک جماعت وابستہ ہوتی تھی۔ جس میں اس امیر کی ذات شمع انجمن کی حیثیت رکھتی تھی۔ علم و ادب کی سرپرستی کی یہ روایت سقوط حیدر آباد تک باقی رہی۔ دورِ آخر میں مہاراجہ کشن پرشاد، نواب مظفر جنگ، حسام یار جنگ، خانخاناں وغیرہ ایسے امرا تھے جن سے شاعروں اور ادیبوں کی بڑی بڑی جماعتیں وابستہ رہیں، وہ ان کی سرپرستی فرماتے رہے اور اس طرح علم و ادب کی ترقی اور فروغ کا باعث بنے رہے۔

حیدر آباد دکن میں جدید طرز کے علمی، تحقیقی اور جدید علوم و فنون کی تعلیم گاہوں کا قیام تو ۱۸۳۲ء سے شروع ہو گیا تھا۔ لیکن ادبی انجمنوں کا رواج ۱۸۵۷ء کے بہت بعد شروع ہوا۔ دکن کے بہت سے علمی اور ادبی اداروں کا تذکرہ "علم و آگہی" کے اس خصوصی شمارہ میں مختلف عنوانات کے تحت آچکا ہے۔ ذیل میں ہم نصیر الدین ہاشمی کی مشہور کتاب "دکنی کلچر" اور بعض دیگر ماخذ سے استفادے کے بعد چند ادبی انجمنوں کے بارے میں اختصار کے ساتھ معلومات درج کرتے ہیں۔ لیکن تفصیلی مطالعہ کے لئے مذکورہ بالا کتاب ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

ہاشمی مرحوم نے لکھا ہے کہ یہ انجمنیں اپنے ہفتہ وار، پندرہ روزہ یا ماہوار جلسے کرتی

تھیں جن میں علمی اور ادبی موضوعات پر تقریریں ہوتی تھیں یا مضامین پڑھے جاتے تھے ۔ یہ انجمنیں مشاعروں کا اہتمام بھی کرتی تھیں ۔

اقبال کلب حیدرآباد کی ایک مشہور انجمن تھی جو مدت مدید تک علم و ادب کی خدمت میں مصروف رہی اس کے جلسوں کی شہرت حیدرآباد سے نکل کر پورے دکن میں پھیل گئی تھی ۔ مولوی محب حسین نے تعلیم نسواں کی حمایت اور پردے کی مخالفت کی تحریک کا آغاز اسی انجمن کے جلسوں سے کیا تھا ۔ ہاشمی مرحوم لکھتے ہیں ـــ "مہینوں بلکہ برسوں پردہ کی مخالفت پر گرما گرم تقریریں اور مباحثے ہوتے رہے ۔"

انجمن معارف اس انجمن میں حیدرآباد کا وہ نوجوان طبقہ شامل تھا جو علمی ترقی کے شوق کے ساتھ ملک کی خدمت کا جذبہ بھی رکھتا تھا ۔ مولوی مرتضیٰ، مولوی اکبر علی، حضرت کیفی وغیرہ اس کے سرگرم ممبر اور حیدرآباد کے مشہور سیاسی رہنما عبدالقیوم اس کے صدر تھے ۔

انجمن ثمرۃ الادب یہ انجمن اس صدی کے شروع میں قائم ہوئی تھی اور ۱۹۰۶ء میں اس کی خدمات کا پہلا دور ختم ہو گیا ۔ ۱۹۱۷ء میں اس کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا جو جامعہ عثمانیہ کے قیام اور اس کی ادبی سوسائٹی کے آغاز پر ختم ہوا یہ انجمن جامعہ کی ادبی سوسائٹی میں ضم ہو گئی اور اس کا کتب خانہ بھی سوسائٹی کے حوالے کر دیا گیا ۔

یہ انجمن اگرچہ مدرسہ دارالعلوم کی ادبی سوسائٹی تھی لیکن اس کی ادبی خدمات کا دائرہ دارالعلوم کے باہر تک پھیلا ہوا تھا اور اس نے نہ صرف طلبہ میں ادبی ذوق پیدا کیا بلکہ حیدرآباد میں اس کی وجہ سے لوگوں کے ادبی ذوق کی تربیت ہوئی ۔ ہاشمی مرحوم لکھتے ہیں ۔ " جدید حیدرآباد کی ادبی تعمیر میں اس انجمن کا بھی نمایاں حصہ رہا ہے ۔"

عثمانیہ ریڈنگ روم یہ حیدرآباد کی مشہور انجمن تھی جس کے تحت ایک دارالمطالعہ قائم تھا اور ماہوار علمی جلسے ہوا کرتے تھے ۔

اس کے بانی اگرچہ چند معزز ہندو تھے۔ مگر اس کے ممبران میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے۔ اور اس کے جلسوں کے علمی موضوعات بھی عام دلچسپی کے ہوتے تھے۔

دائرۃ المعارف العثمانیہ یہ ادارہ ۱۸۸۸ء میں قائم ہوا۔ برصغیر ہندو پاکستان کا یہ واحد ادارہ ہے جس نے اپنی عربی مطبوعات کی وجہ سے عالمی شہرت حاصل کی۔ اور بہت سی ایسی نادر و نایاب کتابوں کو پہلی بار یا دوبارہ شائع کردیا جو اگر بروقت توجہ نہ کی جاتی تو ہمیشہ کے لئے دست برد زمانہ سے صفحہ ہستی سے مٹ جاتیں۔ اس نقصان کا اندازہ بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔ نظام حیدرآباد کی معارف پروری نے یہ ادارہ قائم کرکے مسلم علمی دنیا پر بہت بڑا احسان کیا اور ہندوستان کے مسلمانوں کا نام ساری دنیا میں روشن کردیا۔

اس ادارے کا سنہری دور تو تقسیم ملک سے پہلے کا تھا جب کہ سینکڑوں کتابیں اس کی جانب سے شائع ہوچکی تھیں۔ تقسیم کے بعد ملک کے ابتر حالات اور مسلمانوں کے علمی اداروں اور اسلامی تہذیب کے آثار و نشان مٹنے کی خبریں جب عرب مسلم ممالک میں پہنچیں تو پروفیسر ڈاکٹر نظام الدین مرحوم کے بقول ہزارہا خطوط عرب دنیا سے صرف اس ادارے کے بارے میں آئے، جن میں اہل علم نے اپنی تشویش کا اظہار کیا تھا۔ آزاد ہندوستان نے اس ادارے کی اہمیت کو بالکل فراموش نہیں کردیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی وزارت تعلیم کے زمانے میں اس کے احیاء کا خاص طور پر انتظام کیا۔ اور ان کی توجہ اور انتظام کی بدولت ۱۹۵۰ء کے بعد بھی ۱۹۶۵ء تک تقریباً پچاس اہم اور نادر و نایاب عربی متون شائع ہوچکے ہیں۔

مجلس تحقیقات اردو دکن کا مشہور علمی و تحقیقی ادارہ جس کے آنریری سکریٹری پروفیسر عبدالقادر سروری تھے۔ اس ادارے نے قدیم اردو ادبیات کی تدوین و اشاعت میں اہم خدمات انجام دیں۔ اس کی مطبوعات میں شکارنامہ حضرت خواجہ بندہ نواز، کلمۃ الحقائق حضرت شاہ برہان الدین جانم، مثنوی کلیات اور دیوان لطف، مثنویات شاہ کمال، دیوان صفا، کلام خرد، مثنوی اکبر، کلیات شاہی وغیرہ نہایت اہم مطبوعات ہیں۔ مجلس کی جانب سے متعدد تنقیدی اور ادبی تصانیف

بھی شائع ہوئیں جن میں سے اردو ادب میں خواتین کا حصہ، اردو نثر کا ارتقا، فن اور فن کار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مجلس کی ایک اعلیٰ درجے کی لائبریری بھی تھی۔ جس میں پانچ سو سے زیادہ صرف اردو کے مخطوطات تھے جن کی توضیحی فہرست بھی ۱۹۶۲ء زیر ترتیب تھی۔

مجلس اشاعت دکنی مخطوطات

حیدرآباد دکن گذشتہ کئی صدیوں سے اصحاب علم و فن کا مرکز رہا ہے۔ یہاں سے علوم و فنون کی کئی تحریکیں پیدا ہوئیں جنھوں نے نہ صرف برصغیر پاک و ہند کو متاثر کیا بلکہ ان کی شہرت برصغیر کے باہر تک جا پہنچی اس سلسلے میں جامعہ عثمانیہ اور دائرۃ المعارف العثمانیہ کا نام خاص طور پر لیا جاسکتا ہے۔ حیدرآباد میں علوم و فنون کی اشاعت میں جو عظیم الشان خدمات انجام دیں اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا خطہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔

حیدرآباد میں مسلمان امرا اور اراکین دولت عثمانیہ کو کتب خانوں کے قیام اور مخطوطات و نوادر کے جمع کرنے کا خاص شوق رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف حیدرآباد میں مخطوطات و نوادر کی تعداد پورے برصغیر میں پھیلے ہوئے مخطوطات و نوادر کی تعداد سے بہت زیادہ ہے۔

۱۹۳۵ء سے پہلے مخطوطات کی اشاعت کا کوئی انتظام عمل میں نہیں آسکا تھا۔ اس سال پہلی مرتبہ مخطوطات کی اشاعت کی اہمیت و افادیت کو محسوس کرتے ہوئے مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کے نام سے ایک ادارہ تشکیل دیا گیا جس کے سرپرست نواب میر یوسف علی خان سالار جنگ تھے انہی نے مجلس کے تمام اخراجات کی ذمہ داری قبول کی۔ مجلس کے عہدے داروں میں سید محمد اعظم صدر اور ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نائب صدر تھے۔ اس کے ارکان میں پروفیسر عبدالمجید صدیقی، پروفیسر عبدالقادر سروری، پروفیسر سید محمد وغیرہ اصحاب علم و فن شامل تھے۔

مجلس نے دکنی مخطوطات کی اشاعت میں عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ اور ۱۹۵۸ء تک دو درجن سے زیادہ نادر مخطوطے شائع کیے۔ ان میں سے اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ کا کلیات (مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور) اردو

کے ایک اور قدیم شاعر سراج اورنگ آبادی کا کلیات (مرتبہ عبدالقادر سروری) قدیم دکنی اردو کی کتاب "پھول بن" (ابن نشاطی) "طوطی نامہ" (از غواصی مرتبہ میر سعادت علی رضوی)، گلشن عشق ، (نصرتی مرتبہ سید محمد) وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ قدیم دکنی اردو کی یہ وہ کتابیں ہیں جن سے اردو زبان کے آغاز اور اس کے ارتقا کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ قلی قطب شاہ کے کلیات کی اشاعت سے اردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم تبدیلی ہوگئی اور اصحاب نقد و نظر کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ولی دکنی نہیں بلکہ محمد قلی قطب شاہ ہے۔

دارالتصحیح یہ ایک تجارتی ادارہ تھا۔ لیکن پورے ہند پاکستان میں اپنی نوعیت کا واحد ادارہ تھا اسے مرزا نظام شاہ لبیب نے قائم کیا تھا۔ اس کے قیام کا مقصد خود ان کے الفاظ میں یہ ہے:

> "قیام ادارے کی تمام تر غرض یہ ہے کہ ایک طرف تو مصنفین و مؤلفین میں صحیح زبان، صحیح بیان، صحیح املا اور صحیح انشا کا ذوق پیدا ہو اور دوسری طرف ملک میں بہترین و مستند مصححین کی جماعت تیار ہو جائے اور ان دونوں جماعتوں کی کوشش سے فصیح اردو زبان میں ہر علم و فن کی معیاری کتابیں فراہم ہونے لگیں۔"

اردو مجلس اردو زبان و ادب کی خدمت میں سرگرم ایک ادبی مجلس جو مشاعروں، ادبی و تنقیدی نشستوں اور مشاہیر علم و ادب کے یوم منانے کا اہتمام کرتی ہے۔ ۱۹۶۳-۶۲ء میں اس کے صدر رائے جانکی پرشاد تھے۔

ادارہ تحقیقات۔ حیدرآباد دکن اس ادارے کا صرف نام معلوم ہو سکا۔ اس کے اغراض و مقاصد تاریخ قیام اور خدمات سے واقفیت نہیں ہو سکی۔

بنگال کے ادبی ادارے

اردو مجلس۔ کلکتہ اردو مجلس ۱۹۳۰ء میں محمد رفیق نواب دہلوی نے قائم کی تھی۔ اس کے سرپرست علامہ وحشت کلکتوی اور علامہ آرزو لکھنوی تھے اور سکریٹری کے عہدے پر رضا مظہری فائز تھے۔ کلکتہ کے تمام چوٹی کے شعرا اور وحشت و آرزو کے تلامذہ اس کے ممبر تھے۔ کلکتہ میں اس کے ادبی جلسوں اور مشاعروں کی بڑی اہمیت تھی۔

انجمن اردو مشرقی بنگال و آسام۔ ڈھاکہ یہ انجمن ۱۹۳۲ء میں یا اس سے قبل قائم ہوئی تھی اس کے بانی اور معتمد ڈھاکہ کے مشہور طبیب، اہلِ قلم اور مصنف حکیم حبیب الرحمان تھے۔ شریک معتمد کی حیثیت سے ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۲ء تک خواجہ اسمٰعیل ذبیح نے خدمات انجام دیں۔ اور یہی زمانہ انجمن کے عروج اور ادبی سرگرمیوں کا رہا۔ ۱۹۳۶ء تک تو اس کے مشاعروں کی خاص دھوم رہی۔ حکیم صاحب کے دولت کدے پر ماہانہ مشاعرے ہوتے تھے۔ ان مشاعروں میں نہ صرف شعرا اور ادیب و اہلِ ذوق شریک ہوتے تھے بلکہ سید اقبال عظیم کے بقول دکان دار، گاڑی والے اور راہ گیر اپنا کام بھول کر اس کی طرف دوڑتے تھے۔ ہر مہینے کا انتخاب مشاعرہ گلدستہ کی شکل میں مرتب کر کے مفت تقسیم کیا جاتا تھا۔ انجمن اردو کے مشاعروں نے صوبے میں اردو کی ترویج اور اُسے

نوٹ:۔ بنگال کے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کے بارے میں وفا راشدی اور سید اقبال عظیم کی معلومات و تحقیقات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

مقبول بنانے میں بہت بڑا حصہ لیا۔

بزمِ احباب۔ کلکتہ۔ ڈھاکہ ۱۹۲۰ء میں قیام عمل میں آیا۔ ہر ماہ اس کے اجتماعات ہوتے تھے جن میں کلکتہ کے اہل علم و ادب جمع ہوتے تخلیقات پیش کی جاتیں اور ان پر تنقید ہوتی تھی۔ اس کے سرپرست علامہ رضا علی وحشت، صدر حکیم ناطق لکھنوی اور سکریٹری پرویز شاہدی تھے۔ ان کے بعد پروفیسر عبدالرحیم صدر اور امیر رضا مظہر کاظمی سکریٹری مقرر کیے گئے۔

قیام پاکستان کے بعد اس کی ایک شاخ ڈھاکہ میں قائم کی گئی جس کے پہلے صدر علامہ وحشت مقرر ہوئے پھر سلیم اللہ فہمی اور سکریٹری احسن احمد اشک مقرر کیے گئے۔ سید اقبال عظیم نے لکھا ہے کہ اشک کلکتہ میں بھی بزم کے سکریٹری تھے کلکتہ اور ڈھاکہ میں اس بزم کی بدولت نوجوان ادیبوں اور شاعروں کے ادبی ذوق کا نشوونما اور تربیت ہوئی اور ایک ادبی ماحول کی تخلیق میں اس سے بڑی مدد ملی۔

بزمِ سخن خضر پور ایک ادبی انجمن جس کے بانی اور سکریٹری رشید الزماں کلکتوی ہیں۔ یہ انجمن قیام پاکستان کے بعد قائم ہوئی تھی۔ اس کے تحت مشاعرے ہوتے تھے۔

بزمِ لوح و قلم۔ کلکتہ کلکتہ کی مشہور اور فعال ادبی انجمن ہے۔ اردو زبان کی ترقی اور ادب کے فروغ کے لئے شاعروں اور ادیبوں کو ان کی تخلیقات پر انعام بھی دیتی ہے۔ ایم اے نصر آج کل اس کے صدر ہیں۔ بنگال و بہار کے مختلف شہروں میں اس کی شاخیں بھی قائم ہیں۔

دائرہ ادب۔ ڈھاکہ یہ انجمن ۱۹۴۷ء کے آخر میں یا ۱۹۴۸ء کے شروع میں مشرقی بنگال میں اردو زبان کی ترقی و ترویج کی غرض سے قائم کی گئی تھی۔ اس کے بانیوں میں افسر ماہ پوری، عابد دانا پوری اور روفا راشدی وغیرہ تھے۔ اس کے صدر ڈاکٹر عندلیب شادانی اور سکریٹری نظیر صدیقی اور افسر ماہ پوری تھے اس کے تحت مشاعرے اور ادبی اجتماعات ہوتے تھے۔ نیز جب کوئی بڑا ادیب

ہندوستان یا مغربی پاکستان سے جاتا تھا تو اس کے اعزاز میں ادبی اجتماعات اور مشاعرے منعقد کئے جاتے تھے۔ اس کی ایک شاخ چاٹگام میں قائم ہوئی تھی غلام سرور غنی اس کے سرگرم ارکان میں سے تھے۔

دل کشا انسٹی ٹیوٹ کلکتہ

مسلم انسٹی ٹیوٹ کے بعد کلکتہ کے مسلمانوں کا سب سے بڑا علمی ادبی تہذیبی ادارہ ہے تقریباً ۱۹۳۳-۳۴ء میں محمد خلیل اور عابد حسین بہی خواہانِ ملت نے اسے قائم کیا۔ پہلے اس کا نام دل کشا لائبریری تھا اور مقاصد محدود۔ بعد میں اس کا نام بدل کر دل کشا انسٹی ٹیوٹ کر دیا گیا اور اس کے دائرہ کار میں بھی وسعت پیدا کر دی گئی۔ اس کے مستقل سکریٹری عابد حسین تھے۔

مسلم لٹریری سوسائٹی کلکتہ

کلکتہ کی ایک ادبی انجمن تھی جس کے بانی اور سکریٹری وفا راشدی تھے۔

چند دیگر ادبی انجمنیں

وفا راشدی نے اپنی کتاب "بنگال میں اردو" میں چند اداروں کے نام بتائے ہیں۔

بزم ادب خضر پور ۱۹۳۴ء میں قائم ہوئی۔ سکریٹری رشید الزماں خلش

بزم ادب کلکتہ ۱۹۴۰ء میں قائم ہوئی۔ سکریٹری عبدالمجید

بنگال لٹریری سوسائٹی کلکتہ۔ اس کے اردو، انگریزی بنگلہ کے تین شعبے ہیں۔

شعبہ اردو کے سکریٹری عبدالوہاب اور وفا راشدی

بزم اردو کلکتہ ۱۹۴۲ء میں قائم ہوئی۔ صدر ابراہیم شبلی۔ سکریٹری طاہر رضوی

انجمن تحریک اردو ڈھاکہ بانی و صدر خواجہ محمد عادل جہانگیر نگری

ان اداروں کے علاوہ اور بھی بہت سے علمی و تعلیمی ادارے اور ادبی انجمنیں قائم ہوئیں، جن میں سے مندرجہ ذیل انجمنوں کا سید اقبال عظیم صاحب نے اپنی کتاب "مشرقی بنگال میں اردو" میں ذکر کیا ہے۔

۱۔ ینگ رائٹرز ایسوسی ایشن ڈھاکہ

۲۔ ترجمانِ ادب چاٹگام

۳۔ قائداعظم اردو لائبریری چاٹگام

۴۔ قرآن سوسائٹی۔ڈھاکہ

۵۔ انجمن مہاجرین چاٹگام

۶۔ ریلوے انسٹی ٹیوٹ چاٹگام

۷۔ بزم ناطق "

۸۔ انجمن تعمیرادب "

بھوپال کے علمی اور ادبی ادارے

اداروں کے تعلق سے جو ادبی روایت پورے برصغیر میں رہی وہی روایت بھوپال میں بھی نظر آتی ہے یہاں بھی ادبی تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف اہل علم اور ارباب ذوق نے علمی ادبی ادارے اور انجمنیں قائم کیں۔ ان اداروں اور انجمنوں نے علمی و ادبی ماحول پیدا کیا، زبان و ادب کی ترقی میں حصہ لیا اور مبتدیوں کے ذوق و فکر کی تربیت کی۔ بھوپال نے جن علمی و ادبی شخصیتوں کو جنم دیا اور جن کے علم و فضل اور انشا کی رنگینیوں کی شہرت پورے ملک میں پھیلی اور جن کے افکار کی خوشبو نے علمی و ادبی دنیا کی مشام روح کو معطر کیا ان کے جنم و تخلیق میں علمی و ادبی اداروں اور انجمنوں کا بھی حصہ ہے۔ ڈاکٹر سلیم حامد رضوی نے اپنی تحقیقی تصنیف "اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ" میں قدیم و جدید متعدد انجمنوں کا تذکرہ کیا ہے۔ رضوی صاحب لکھتے ہیں:

> "علم و ادب کی ترقی میں انجمنوں کا بھی بہت دخل ہوتا ہے۔ بھوپال میں اس مقصد کے لیے چھوٹی بڑی بے شمار انجمنیں قائم ہیں۔ ان میں کچھ تقسیم ہند کے نتیجے میں بند ہوگئیں اور کچھ اب بھی باقی ہیں"

بھوپال کے جن اداروں نے اردو زبان و ادب کی ترقی و اشاعت میں حصہ لیا اور اپنی خدمات کا نقش تاریخ ادب کے صفحات پر ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیا۔ یہاں ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

انجمن سبعہ سیاران

اس انجمن کے سات خاص اراکین تھے جس کی مناسبت سے یہ انجمن سبعہ سیاران کہلاتی تھی۔ محمد حسین محوی، محمد یوسف قیصر، ارشد تھانوی، حضور نعیمی، ماہر دہلوی، ذکا بھوپالی، احسن دہلوی اس کے خاص ارکان تھے۔ یہ سب اعلیٰ درجہ کے ترقی یافتہ، روشن خیال اور اونچے درجے کے ادیب و شاعر تھے جن کی علمی کاوشیں اور ادبی تخلیقات اس دور کے مشہور علمی ادبی رسالوں میں شائع ہوتی تھیں۔

دائرہ ادبیہ

سبو سیاران کے منتشر ہو جانے کے بعد دائرہ ادبیہ کے نام سے ایک انجمن قائم کی گئی اور شعر و ادب کی اصلاح و ترقی کے کام کو جاری رکھا گیا۔ سبو سیاران اور دائرہ ادبیہ کے ذیل میں ڈاکٹر سلیم حامد رضوی لکھتے ہیں :

"بھوپال میں جدید ادب کے بانی دراصل یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی سرگرمیوں سے اساتذہ رنگ قدیم کا بازار سرد کر دیا تھا اور ملک سخن میں اپنی حکمرانی قائم کر لی تھی۔ اس ادبی ماحول نے متعدد بلند پایہ شاعر پیدا کیے جن پر بھوپال کو ناز ہے۔"

ادارہ ادب و تنقید

(نسیم حامد رضوی)[1] اس ادارے کی جانب سے ڈاکٹر سلیم حامد رضوی کی کتاب "تنقید کے لیے خاکے" اور "اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ" شائع ہوئی ہے۔ زیر نظر مضمون کی تیاری میں اسی کتاب سے مدد لی گئی ہے۔

بزم سخن

(شفا گوالیاری، باسط اجینی، صہبا قریشی، ساحل آفندی) انہی حضرات کی کوششوں سے مکتبہ بزم سخن بھی قائم ہوا۔ جس کی جانب سے شگوفہ دل (صابر نیازی) ٹکراؤ (دائم عرفان) موج و طوفاں (ساحل آفندی) امتیاز انجم کے کلام شعر وغیرہ تخلیقات شائع ہو چکی ہیں۔

مرکز ادب

(عشرت قادری)۔ اس انجمن کی جانب سے پہلی کرن (طرفہ قریشی) تار پیراہن (وفا صدیقی) فیض حیات (شفا گوالیاری) شعلہ و حرف (کیف بھوپالی) نوائے ظہیر (ظہیر جعفری) انوار حیات (بدرالدین سرکش) وغیرہ ادبی تخلیقات شائع ہوئی ہیں۔

کاروان سخن

(آنند موہن اعجاز) اس انجمن کی جانب سے "نئی کرنیں" کے نام سے مختلف شعرا کے کلام کا ایک مجموعہ اور اعجاز کے کلام کا مجموعہ "دھنک" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

---

[1] اس مضمون میں اداروں کے نام کے بعد قوسین میں "شخصیات" جو نام آئے ہیں وہ اداروں کے عہدہ دار اور روح و رواں ہیں۔

حلقہ دانش وراں

اس کے سکریٹری ارشد صدیقی تھے ۔ اس کی جانب سے ارشد کے کلام کا مجموعہ " عکس خیال " بھی شائع ہوا تھا ۔ بعد میں کوثر چاندپوری اس کے روح رواں بنے ۔

دیگر ادبی انجمنیں

ان ادبی انجمنوں کے علاوہ مندرجہ ذیل انجمنیں مختلف اوقات میں قائم ہوئیں ان میں سے بعض ختم ہوگئیں اور بعض اب بھی سرگرم عمل ہیں چند انجمنوں کے نام یہ ہیں ۔ انجمن ترقی تعلیم (ابوسعید بزمی مرحوم و ماسٹر امیر الدینہ گن میکر) انجمن توسیع مذاق علمی (ابوسعید بزمی و مشرقی عثمان) انجمن اردو (عبدالجلیل مائل نقوی) ایوان الادب (باسط بھوپالی و غلام اللہ افسوں) بزم ادب (ابویوسف شادانی) ایوان ادب (اختر ردولی و مقصود عمرانی) انجمن اصلاح ادب (قدری بھوپالی) انجمن مصنفین بھوپال (محمد احمد سبزواری و متین سروش اور بعد میں عبدالقدوس) بزم نشر اردو (جوہر قریشی) مجلس مباحثہ علمیہ (اظہار فاروقی) انجمن ترقی ادب (شفا گوالیاری و وکیل بھوپالی) حلقہ ارباب ادب (آفاق احمد و حسن مسعود) ساہتیہ سنگم (ارشد صدیقی) صبح ادب (واحد پریمی و محمود الحسین) بزم انوار ادب (رمزی ترمذی و حمید قریشی)

چند دیگر علمی وادبی ادارے

دائرہ علم وادب۔ کراچی۔ ۱۹۷۱-۶۲ء تک کراچی کا ایک بڑا فعال ادبی ادارہ تھا جس کے تحت مشاعرے، ادبی اور تنقیدی نشستیں منعقد کی جاتی تھیں۔ اس ادارے نے نئے لکھنے والوں اور جدید شعرا کی ادبی تربیت اور ذوق کی تہذیب میں بڑا حصہ لیا۔ یہ ادارہ پروفیسر خواجہ آشکار حسین نے قائم کیا تھا۔ وہی اس ادارے کے روح و رواں تھے۔ ان کے کراچی سے باہر جانے کی وجہ سے اس ادارے کی ادبی سرگرمیاں بھی ماند پڑ گئیں۔

ندوۃ المصنفین - لاہور ڈاکٹر پروفیسر محمد اسلم استاد شعبہ تاریخ جامعہ پنجاب نے اس ادارے کی بنیاد انہی مقاصد پر رکھی ہے جو ندوۃ المصنفین دہلی کے ہیں۔ اس ادارے کی طرف سے ڈاکٹر صاحب موصوف ہی کی دو کتابیں "دین الٰہی اور اس کا پس منظر" اور "عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ" شائع ہوئی ہیں۔

ایوان تمدن۔ درگ روڈ کالونی۔ کراچی۔ جسے ۱۹۵۴-۵۳ء میں سرشار صدیقی، حسین انور رحمٰن کیانی وغیرہ نے قائم کیا تھا، جب کہ آج کل سکریٹری مختار حیات ہیں۔

اس انجمن کی طرف سے مشاعرے اور ادبی محفلیں منعقد ہوتی ہیں، نیز کبھی کبھی تنقیدی نشستیں بھی ہوا کرتی ہیں۔ ثقافتی، اور تہذیبی پروگرام پیش کرنا بھی اس انجمن کے پیش نظر ہے۔

انجمن احیائے ادب پاکستان - لاہور۔ یہ انجمن قومی زبان کی ترویج و اشاعت، ادب برائے زندگی کے نظریے کے پرچار، مطالعہ کتب کے ذریعے لوگوں میں ادبی ذوق اور ذہنی انقلاب پیدا کرنے کے لیے قائم ہے۔ اس نے ایک اردو لائبریری بھی قائم کی ہے۔ اکابر اہل علم کے یوم مناتی ہے۔ "مقالات یوم حالی" کے نام سے ایک مجموعہ ۱۹۵۱ء میں شائع کیا تھا۔ اس کے معتمد عمومی ناصح زاہدی ہیں۔

آل پاکستان انجمن فروغ علم کراچی

حال ہی میں یہ انجمن علم وادب کے شائق چند نوجوانوں نے قائم کی ہے۔ اس کے قیام کا مقصد اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ادبی وتنقیدی نشستیں فی الحال فروغ علم وادب کا باعث ہیں۔ مقاصد میں علمی وادبی رسالے اور تصنیف وتالیف واشاعت کے بڑے بڑے منصوبے بھی شامل ہیں۔ اس کے چیرمین محمد اویس خاں گوہر، وائس چیرمین محمد انور علی صدیقی، جنرل سکریٹری احمد سلیم صدیقی، چیف سکریٹری خالد پرویز، جوائنٹ سکریٹری شجاع اللہ خاں اور لٹریری سکریٹری راشد عزیز ہیں۔

علمی مجلس سندھ حیدرآباد | اسلام کے حفظ ودفاع، موجودہ دور کے مسائل میں مسلمانوں کی دینی رہنمائی، علمائے حق کی علمی، دینی، سیاسی خدمات کے تعارف میں تصنیف وتالیف و اشاعت کے مقاصد کے لئے یہ ادارہ وجود میں آیا ہے۔ اسلامی نظام کی دعوت کے نام سے مولانا عبدالکریم چشتی کی ایک تقریر کتابی شکل میں مجلس کی مطبوعہ نظر سے گزری ہے مجلس کی ایک اور مطبوعہ "انسان کی عظمت" ہے۔

چند اور ادارے | سندھی زبان، ادب، ثقافت اور فنون لطیفہ کی ترقی کے لئے مختلف ادوار میں بہت سے ادارے قائم ہوئے ہوں گے۔ اس موضوع کی طرف ابھی کسی نے توجہ نہیں کی ہے اس لئے ایک وقت میں تمام اداروں کا احاطہ کر لینے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔

ادارہ تحقیق وتصنیف کراچی | یہ ادارہ ۱۱ مارچ ۱۹۶۲ء کو منصۂ شہود پر آیا تھا۔ اس کے پہلے صدر مفتی انتظام اللہ شہابی مرحوم تھے۔ موجودہ صدر جناب بشیر احمد صدیقی اور معتمد عمومی پروفیسر محمد ایوب قادری ہیں۔ ادارہ کے اغراض ومقاصد حسب ذیل ہیں۔

علمی تحقیق کے جذبہ کو ابھارنا، تصنیف وتالیف کے رجحان کو فروغ دینا، ادارے کی تصانیف کی طباعت کرانا، ادارے کی کوششوں کو قومی کردار کی تشکیل کے لیے موثر بنانا اور

قومی تعلیم کے لیے مواد فراہم کرنا۔

اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کے باوصف ادارے نے ان مقاصد کو بڑی حد تک پورا کیا ہے۔ کئی کتابیں لکھی اور شائع کی جا چکی ہیں۔ کتابوں کے نام یہ ہیں:

تذکرہ مخدوم جہانیانِ جہاں گشت (پروفیسر محمد ایوب قادری)۔ روضات (ثناء اللہ ندوی)، میر و سودا کا دور (ثناء الحق)، اسلام کے بنیادی نظریات (سید رشید احمد ارشد) غلام قادر روہیلہ (سید مصطفیٰ علی بریلوی) اسلامی مساوات (حفیظ اللہ پھلواروی) اور بزم انجم (ثناء الحق)

ادارے کے ماہانہ ادبی علمی اجتماعات بھی ارکان کے مکانات پر ہوتے ہیں۔ (ثناء الحق)

مجلسِ نوادرات علمیہ۔ اٹک

اپریل ۱۹۶۲ء میں ضلع کیمبل پور کے اہل علم اور اصحاب ذوق نے مجلس نوادرات علمیہ۔ اٹک کے نام سے ایک علمی ادارے کی بنیاد رکھی تاکہ ضلع میں علمی نوادر کا جائزہ لے کر ان کے تحفظ اور اشاعت کا انتظام کیا جائے۔ ضلع کی ایک علمی تہذیبی اور سیاسی تاریخ مرتب کی جائے، ضلع کے اہل علم اور اصحاب قلم کے آثار علمی کو ایک کتب خانے میں جمع کیا جائے اور ضلع کے اہل علم میں رابطہ قائم کیا جائے تاکہ ایک دوسرے کے علمی ذخیروں سے استفادے کی صورتیں پیدا ہوں۔

مجلس نے اپنے مقصد قیام کی ہر دفعہ پر توجہ کی، اہل علم میں رابطے و تعاون کی فضا پیدا کی، ایک دوسرے کے علمی ذخیروں سے استفادے کی راہیں ہموار کیں اور کئی کتب خانوں کی فہرستیں تیار کیں۔ نومبر ۱۹۶۳ء میں ضلع کے مخطوطات کی ایک نمائش کی اور نمائش کے بعد اس میں شامل ایک سو گیارہ مخطوطات کی فہرست شائع کر دی جسے غلام محمد نذر صابری نے مرتب کیا ہے۔ قاضی زاہد الحسینی مجلس کے سرپرست ہیں نذر بخاری اور سید رفیق صابری اس کے سرگرم کارکن ہیں۔ مجلس کے دوسرے رفقا میں صابر میٹھاوی، خواجہ محمد خان اسد حضروی، مفتی محمد عثمان اور پروفیسر سعد اللہ کلیم قابل ذکر ہیں۔ (پروفیسر اختر راہی)

بزمِ ادب۔ چنڈی گڑھ ایک فعال ادبی انجمن جو تقسیمِ ملک سے پہلے سے قائم ہے اور اب تک سرگرم عمل ہے۔ اس کے بانی اور پہلے سکریٹری باوا کرشن گوپال مغموم تھے اور موجودہ سکریٹری شری پرکاش باکھ پردیپ ہیں۔

حلقۂ فکر و ادب کویت کویت میں حلقۂ فکر و ادب کے نام سے گزشتہ کئی سال سے ایک ادبی مجلس قائم ہے۔ حال ہی میں اس کے نئے انتخابات ہوئے جس کے مطابق اقبال ساجد، قیوم انور، محمد یونس انصاری صدر، نائب صدر اور جنرل سکریٹری مقرر ہوئے ہیں۔

انجمن ترقی علوم و فنون، جے پور جے پور میں یہ پہلی سوسائٹی تھی جو ترقی علوم و فنون کی غرض سے ۲۶ مارچ ۱۸۶۶ء کو قائم ہوئی تھی۔ اسے مہاراجہ سوائی رام سنگھ کی سرپرستی اور ایجنٹ گورنر جنرل کی تائید و حمایت حاصل تھی طے پایا تھا کہ پندرہ دن میں ایک بار اہل علم جمع ہوا کریں گے اور علمی و ادبی موضوعات اور سماجی اصلاح و ترقی کے مسائل پر تقاریر ہوا کریں گی اس سوسائٹی کے تحت ایک مطبع کا قیام اور ایک رسالے کے اجرا کا فیصلہ بھی کیا گیا تھا۔ چنانچہ حکیم سلیم خاں خستہ نے "خاور نور" کے نام سے ایک مطبع قائم کیا اور "نیر راجستھان" کے نام سے ۱۲۸۵ھ میں ایک اخبار بھی جاری کیا۔ یہ پہلا اخبار تھا جو راجستھان میں جے پور سے نکلنا شروع ہوا۔

مجلس مذاکرہ علمیہ اہل اسلام، کلکتہ یہ مجلس سرسید کی تحریک پر ۱۸۶۳ء میں قائم کی گئی تھی اس کے سرپرست لیفٹیننٹ گورنر صوبہ بنگال سسلی بیڈن اور صدر نواب عبداللطیف خاں بہادر تھے۔ اس کا مقصد سرسید کے الفاظ میں یہ تھا کہ مسلمان اپنے آباء و اجداد کی طرح علم و حکمت میں اپنا نام روشن کریں۔ سرسید نے اپنی تقریر میں یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک کمیٹی بنائی جائے جس کے سپرد یہ کام ہو کہ جہاں تک ہو سکے مغربی علوم و فنون کی کتابوں نیز مذہبی و

دینی کتابوں کے اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ترجمے کیے جائیں جن سے ہندو اور مسلمان دونوں استفادہ کر سکیں۔ اس انجمن نے تحقیق اور تصنیف کا ذوق پیدا کرنے اور ہمت افزائی کے لیے مندرجہ ذیل موضوعات پر ۲۰ ہزار روپے کے انعامات بھی رکھے تھے، حیات اورنگ زیب، ہندی مسلمان، انجمن اور اس کے کل پرزے، مطبع کے تاریخ و تمدن پر اثرات۔ گارساں دتاسی نے اپنے چودھویں، سترہویں اور اٹھارہویں خطبے میں اس کا ذکر کیا ہے۔

علمی مجلس، دہلی اردو کے مشہور ادیب اور محقق مالک رام کا علمی و تحقیقی ادارہ۔ اس کی جانب سے ایک بلند پایہ سہ ماہی مجلہ تحریر کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ متعدد علمی تصانیف اور شعرا کے تذکرے بھی اس مجلس کی جانب سے شائع ہو چکے ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ آف انڈو مڈل ایسٹ کلچرل اسٹیڈیز۔ حیدرآباد

یہ ادارہ بھی حیدرآباد دکن میں قائم ہے۔ ڈاکٹر سید عبدالطیف مرحوم اس کے صدر تھے اس ادارے نے بھی اپنے دائرہ کار میں متعدد مفید کتابیں شائع کیں۔ ان میں سے پنڈت سندر لال کی کتاب "گیتا اور قرآن" کا انگریزی ترجمہ از سید اسد اللہ، ڈاکٹر سید محمود کی کتاب "گزشتہ ہندوستان" کا انگریزی ترجمہ از سید اسد اللہ، اساس تہذیب۔ قرآن اور احادیث کا انتخاب (عربی مع اردو ترجمہ) مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللطیف، مختصر ثقافتی تاریخ ہند (انگریزی)، وغیرہ کتابیں ہیں۔

ادارہ تحقیقات و مطبوعات۔ سری نگر علمی و تحقیقی ادارہ ہے۔ جس کی جانب سے تاریخ حسن کئی جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ ادارہ ان تمام مخطوطات کو بھی حاصل کر کے شائع کر دینا چاہتا ہے جو کشمیر سے متعلق ہوں۔

انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز۔ رام پور یہ ادارہ صولت پبلک لائبریری سے ملحق ہے۔ تقریباً ۱۹۶۲ء میں اس کا قیام عمل میں آیا، اس کے قیام کے مقاصد ہیں ہندوستان میں اسلام کا مطالعہ اور ہندوستان

اور اس کے قریبی ممالک یعنی پاکستان، افغانستان، ایران اور وسط ایشیا کے ادبیات، تاریخ اور کلچر کا مطالعہ شامل ہے۔

اس ادارے کی جانب سے ۱۹۶۸ء تک ایک درجن سے زیادہ تصانیف و تالیفات شائع ہو چکی تھیں۔ ان میں فارسی آموز (لغت) مولفہ محمد علی خاں اثر مرحوم، وقائع زماں نواب آصف الدولہ (تفضیح الغافلین) از ابوطالب لندنی مرتبہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار، فہرست مخطوطات عربی و فارسی و اردو وصولت پبلک لائبریری رام پور مرتبہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار، رضا لائبریری رام پور ایک تعارف مولفہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار، کنز العمال (حدیث کی انسائیکلوپیڈیا) از سید علی متقی مترجم و مرتب سید فرید الدین، علوم مشرقیہ و اسلامیہ کی ایک انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار۔ ابوالکلام آزاد (آثار و سوانح و افکار) از ڈاکٹر عابد رضا بیدار، مصحفی (تہذیبی مطالعہ) از ڈاکٹر عابد رضا بیدار اور متعدد جدید شعرا کے کلام کا انتخاب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ آف پوسٹ گریجویٹ اسٹڈیز۔ پٹنہ

یہ ادارہ بہار گورنمنٹ نے عربی و فارسی کی تحقیقات کے لیے قائم کیا ہے۔ اس کے تحت عربی و فارسی کی تقریباً تیس کتابیں جن میں متعدد اہم تذکرے دیوان، مثنویاں مرتب کروائے۔ متعدد شخصیات کے سوانح و علمی خدمات پر مستقل و مفصل تحقیقی تصانیف شائع کی ہیں۔ اس ادارے کے مصنفین اور مرتبین میں ڈاکٹر سید احمد، پروفیسر عطا الرحمن، پروفیسر سید حسن، پروفیسر سید علی حیدر، مولانا شمس الحق دیوی وغیرہ اہل قلم اور اصحاب علم شامل ہیں۔

ایران سوسائٹی، کلکتہ

ہند ایران ثقافتی و تہذیبی روابط کے لیے ایران سوسائٹی قائم ہے۔ اس کا صدر دفتر کلکتہ میں ہے۔ البیرونی اور ابن سینا کی یادگار جلدیں اس ادارے کی جانب سے شائع ہوئی ہیں۔ اس کی جانب سے انڈو ایرانیکا کے نام سے ایک علمی سہ ماہی مجلہ بھی شائع ہوتا ہے۔ ہندوستان کی کئی قومی شخصیتوں پر اس کے

شاندار نمبر شائع ہوئے ہیں ۔ آج کل ایم اے مجید سوسائٹی کے جنرل سکریٹری ہیں ۔

جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی ۔ سری نگر

اس کا پورا نام جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لنگویجز ہے ۔ یہ ایک سرکاری علمی و تحقیقی ادارہ ہے ۔ اس کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ کشمیر میں جس فارسی ادب کی نشوونما ہوئی ہے اس کا مطالعہ کیا جائے ۔ اکیڈمی کی جانب سے دیوان ملا محمد طاہر علی کشمیری (مرتبہ علی جواد زیدی) مثنویات غنی کشمیری (مرتبہ ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی) شائع ہو چکی ہیں ۔ ایک تحقیقی کتاب غنی کشمیری کی زندگی اور شاعری پر فارسی زبان میں ڈاکٹر ریاض الرحمٰن شیروانی کی شائع ہوئی ہے ۔ تفسیر غالب کے نام سے ڈاکٹر گیان چند کی شرح دیوان غالب شائع ہوئی ہے تین جلدوں میں ایک " اردو کشمیری فرہنگ " شائع کی ہے ۔ اکیڈمی کی جانب سے شیرازہ کے نام سے ایک ادبی مجلہ بھی شائع ہوتا ہے جس کے خصوصی شماروں میں نہرو نمبر ۔ زور (محی الدین قادری) نمبر خاص طور پر مشہور ہوئے ہیں ۔ اور ملا حیرتی اور میر علی ہمدانی کی تصانیف کی اشاعت اس کے منصوبے میں شامل تھی ۔

مجلس تحقیقات اردو حیدرآباد دکن

ادارے کے قیام کی غرض اس کے نام سے ظاہر ہے ۔ پروفیسر عبد القادر سروری نے اسے قائم کیا تھا ۔ ان کے اہتمام میں کئی کتابیں مرتب کی گئیں اور شائع ہوئیں ۔ ان میں سے ایک امیر خسرو کا رسالہ " شکار نامہ " مرتبہ ڈاکٹر ثمینہ شوکت نظر سے گزرا ہے ۔

ادارہ تحقیقات اردو ۔ پٹنہ

قاضی عبدالودود صاحب نے ۱۹۵۹ء میں اس ادارے کی بنیاد ڈالی ۔ موصوف اس کے صدر اور قاضی محمد سعید اس کے ناظم ہیں ۔ ادارے کے قیام کے تھوڑے ہی عرصے بعد ایک ادبی کانفرنس بڑی دھوم سے کی ۔ متعدد مفید علمی و تحقیقی کتابیں اس ادارے کی جانب سے شائع ہو چکی ہیں ۔

چند قدیم ادارے

انگریز جس طرح رفتہ رفتہ ملک کے مختلف علاقوں پر قابض ہوتے گئے وہ علمی، ادبی، تعلیمی، مذہبی اور معاشرتی اصلاحی اداروں کا جال بچھاتے گئے۔ بظاہر ان اداروں کے مقاصد اور طریقہ کار میں اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ ایک ہی مقصد کے حصول کے مختلف ذرائع تھے۔ ان اداروں کے بانی خواہ ہندو ہوں خواہ مسلمان لیکن ان کی یہ خصوصیت مشترک تھی کہ وہ صرف انگریز کے وفادار، اس کے بہی خواہ اور اس کے خطاب یافتہ یا مولانا ظفر علی خاں کے الفاظ میں انگریز کے ٹوڈی تھے۔ ان اداروں کے سرپرست، صدر وغیرہ بڑے بڑے انگریز آفیسر ہوتے تھے اور اگر انھیں کوئی عہدہ حاصل نہ ہوتا، تب بھی ان کا تعلق کسی نہ کسی صورت میں ضرور ہوتا تھا۔

ان اداروں کے قیام کا مقصد بظاہر تو علمی اور تصنیف و تالیف و تراجم کی ترقی، ادبی ذوق کی تربیت، تعلیم کی اشاعت، معاشرتی اصلاح وغیرہ ہوتا تھا ــ لیکن فی الحقیقت یہ ادارے برٹش حکومت کے بارے میں عوام کے رجحانات اور خیالات کی تجربہ گاہیں اور تجزیہ کمیٹیاں ہوتی تھیں۔ ان اداروں کے ذریعے انگریز عوام کے ذہنوں کو انقلاب، جہاد، جنگ آزادی، اسلامی حکومت کے احیاء کے نصب العین سے ہٹاتا اور انھیں اپنی اصلاح اور علم و ادب و تعلیم کی ترقی کی بھول بھلیوں میں بھٹکا دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی رہے۔ ان اداروں میں جس قسم کا ادب تیار ہوا اور اس کے ذریعے اہل ملک کو قومی حکومت کے احیاء کے عظیم الشان مقصد سے ہٹانے کی جو سعی نامشکور کی گئی اس کا ایک اچھا نمونہ سرسید احمد خاں کا مضمون "اپنی مدد آپ" ہے جو آج بھی گیارھویں جماعت کے نصاب میں شامل ہے۔ ان

اداروں کے مقاصد کے بارے میں مشہور محقق پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں :

"انگریز کی بالغ نظری اور سیاسی سوجھ بوجھ مسلمہ ہے۔ وہ اس سے پہلے یہاں کا "اشراف و اکابر" کو صدرالصدور اور عہدہ افتا وقضا دے کر اپنا ہم نوا بلکہ معین و مددگار بنا چکا تھا۔ اور ان کے ذریعے سے اپنے اقتدار کی جڑیں مضبوط کر رہا تھا۔ اب بھی اس نے مشرقی علوم وفنون، زبان وادب اور تہذیب وثقافت بالخصوص نظریہ جہاد اور دارالحرب کے مسئلے کو ختم کرنے کے لئے تعلیمی اداروں، تہذیبی و تمدنی مجلسوں اور ملکی اداروں کا جال بچھایا اور اس کام کے لیے "شرفائے ملت" کو تلاش کیا۔ انگریز نے سوچا کہ ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کو جب تک مغربی علوم وفنون اور تہذیب جدید کی برتری کا احساس نہ دلایا جائے گا۔ اس وقت تک جہاد اور دارالحرب جیسے مسائل سے چھٹکارا اور مسلمانوں کا تعاون حاصل کرنا سخت مشکل ہے چنانچہ اس مقصد کے لئے حکومت نے بعض تعلیمی ادارے اور علمی و تہذیبی انجمنیں قائم کیں ۔۔۔"

آگے چل کر پروفیسر موصوف لکھتے ہیں :

"۔۔ انگریزوں نے ہر صوبے کے مرکزی مقامات پر علمی سوسائٹیاں اور تہذیبی انجمنیں قائم کیں۔ مسلمانوں کے قصبوں اور شہروں میں ایسے ادارے خاص طور پر قائم کئے گئے۔ حکومت کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مسلمانوں کا اعلیٰ طبقہ اس سوسائٹی سے ضرور وابستہ ہو جائے بالعموم گورنر، کمشنر، کلکٹر، جج یا کوئی دوسرا انگریز عہدہ داران اداروں کا صدر یا سرپرست ہوتا تھا۔ اس طرح براہِ راست حکومت کی نگرانی اور سرپرستی میں اس کے حسب منشا یہ علمی ادارے خدمات انجام دیتے تھے

جب تک حالات اس امر کے مقتضی رہے ۔ اس قسم کے ادارے کثرت سے قائم ہوتے رہے ۔ جب اصل مقصد کے لئے ان کی افادیت محل نظر معلوم ہوئی ان میں ان کی دلچسپی ختم ہوگئی اور رفتہ رفتہ یہ ادارے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے اور اب ان کا صرف نام تاریخ میں ملتا ہے ۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو زبان کی ترقی میں ان اداروں سے بڑی مدد ملی ۔ نئے نئے موضوعات پر مقالات لکھے گئے اور کتابیں تیار ہوئیں ۔ اس کوشش میں نئے الفاظ اور نئی تراکیب و مصطلحات میں بے پناہ اضافہ ہوا ۔ ادب کے محدود دائرے سے نکل کر اردو کو علمی زبان کا درجہ حاصل ہوا ۔ اسالیب بیان میں انقلاب آیا ۔ ہمارے لئے ان اداروں کی خدمات کا یہی پہلو قابلِ غور ہے ۔

چونکہ اس مضمون میں زیر بحث تمام اداروں کا ماٰخذ ایک ہی ہے ۔ اور ان اداروں کے مقاصد میں یکسانیت ہے ۔ اس لئے ہر ادارے کے اغراض و مقاصد الگ الگ بیان کرنے کے بجائے ان کا مجموعی تذکرہ کر دیا گیا ہے اور ان کی فہرست مرتب کر دی گئی ہے ۔ ان اداروں کا ماٰخذ مشہور فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی کے خطبات اور مقالات ہیں ۔ یہ خطبات ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۹ء کے درمیان دیے گئے تھے ۔ لیکن یہ زمانہ اداروں کے قیام کی تاریخ نہیں ہے ۔ ممکن ہے کوئی ادارہ اس مدت میں قائم ہوا ہو ۔ لیکن خیال یہ ہے کہ یہ ادارے اس مدت سے پہلے قائم ہو چکے تھے ۔

اس مضمون کی تیاری میں خطبات و مقالات گارساں دتاسی کے مختلف ایڈیشن پیش نظر رہے ہیں ۔ ان کی تفصیل اور اشارات کی ضروری وضاحت یہ ہے :

خطب ۱ : خطبات گارساں دتاسی کا ۱۹۳۵ء کا ایڈیشن جو انجمن ترقی اردو نے اورنگ آباد سے شائع کیا تھا ۔ اس کے صرف ابتدائی چودہ خطبات کے حوالے دیئے گئے ہیں ——

خطب ۲ : مجموعہ خطبات گارساں دتاسی " حصہ دوم ۔ جو ۱۹۶۲ء میں انجمن ترقی اردو کراچی نے شائع کیا ہے ——

مقا ۱ : مقالات گارساں دتاسی حصہ اوّل ۱۹۶۴ء انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی
مقا ۲ : مقالات گارساں دتاسی حصہ دوم ۱۹۴۳ء انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

کتاب کے حصہ ۱ یا ۲ کے بعد جو ہندسے آئے ہیں وہ صفحے کے ہیں ایک مکمل حوالہ اس طرح ہے :- "انجمن اسلامی، بریلی۔ خطب ۲ : ۱۷۷" اس کا مطلب یہ ہے کہ انجمن اسلامی بریلی کا ذکر خطبات گارساں دتاسی حصہ دوم کے صفحہ ۱۷۷ پر آیا ہے۔

اسلامی انجمنیں

انجمن اسلامیہ۔ گوجرانوالہ مقا ۲ : ۹۰۔ اسلامی انجمن اجمیر مقا ۲ : ۱۷۹ ۔ انجمن اسلامیہ ہوشیارپور مقا ۲ : ۱۷۹، ۱۸۰ ۔ انجمن اسلامیہ کپورتھلہ مقا ۲ : ۱۸۰ ۔ انجمن اسلامیہ جالندھر مقا ۲ : ۱۸۰ ۔ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ مقا ۲ : ۱۸۰ ۔ انجمن اسلامیہ لاہور مقا ۲ : ۱۸۰، ۲۸۱ ۔ انجمن اسلامیہ دہلی مقا ۲ : ۸۹، ۲۸۹ ۔ ″ ″ کلکتہ خطب ۲ : ۱۱۹ ۔ ۱۲۱، ۲۰۹ ۔ مقا ۲ : ۲۹۰، ۳۷۴ ۔ انجمن اسلامیہ بمبئی مقا ۲ : ۲۹۰، ۳۷۵ ۔ انجمن اسلامیہ لکھنؤ مقا ۲ : ۲۹۰، ۳۴۸ ۔ (انجمن) مجلس اسلامی علی گڑھ خطب ۲ : ۱۲۱، ۱۴۰، ۱۴۱ ۔ انجمن اسلامی بریلی خطب ۲ : ۱۷۷

علمی وادبی انجمنیں

ادبی انجمن۔ کلکتہ خطب ۲ : ۵۶ ۔ مقا ۱ : ۹، ۱۲۲ ۔ انجمن مغل سرائے مقا ۱ : ۹، ۱۰، ۱۲۲، ۱۳۰ ۔ ادبی مجلس دہلی مقا ۱ : ۱۰ مقا ۲ : ۸۹، ۲۸۹ ۔ سائنٹیفک سوسائٹی بہار مقا ۱ : ۱۱ ۔ انجمن آگرہ خطب ۲ : ۳۲ ۔ مقا ۱ : ۱۱

رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ کلکتہ خطب ۱ : ۱۱۳، ۳۹۴ ۔ مقا ۱ : ۱۱۶، ۳۴۳ مقا ۲ : ۲۳۲، ۳۳۰، ۳۷۲ ۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی خطب ۲ : ۲۲۸ ۔ مقا ۲ : ۲۶۵ ۔ سوسائٹی کانپور مقا ۱ : ۹۳ ۔ انجمن کانگڑہ مقا ۱ : ۹۴ ۔ ادبی انجمن گوجرانوالہ مقا ۱ : ۹۶ ۔ سائنٹیفک سوسائٹی مظفرپور خطب ۲ : ۳۰۱ مقا ۱ : ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۲۹ مقا ۲ : ۹۰، ۱۷۶، ۲۷۶، ۳۵۶ ۔ سائنٹیفک سوسائٹی مظفرپور شاخ پٹنہ مقا ۲ : ۹۰ ۔ ادبی انجمن جبل پور مقا ۱ : ۱۲۷

علمی و فنی ادارے

مجالس مباحثہ

معاشرتی اصلاحی وتہذیبی انجمنیں

تعلیمی اشاعتی انجمنیں

خواتین کی اصلاح و تعلیم کی انجمنیں

زنانہ سوسائٹی ۔ کلکتہ مقا ا : ۱۳۴
بیتھون سوسائٹی ۔ کلکتہ خطب ۳ : ۳۴۲

عیسائی تبلیغی ادارے

انجمن عیسائیان ہند برائے تعلیم السنہ ملکی خطب ا : ۲۵۹
ریلیجس ٹراکٹ سوسائٹی کلکتہ خطب ا : ۳۴۷

انجمن حلقہ ہائے تبلیغ مدراس خطب ا : ۳۴۵ تا ۳۴۸ ـــ کرسچین ورنیکلر ایجوکیشن سوسائٹی خطب ۲ : ۱۴۹ مقا ا : ۱۴۸ ـــ انجمن اشاعت انجیل خطب ۲ : ۳۰۵ مقا ا : ۱۴۸ ـــ پروٹسٹنٹ مشن لدھیانہ مقا ا : ۱۴۷ جرمن مشن مظفر پور مقا ا : ۱۵۰، ۱۵۱ ـــ میتھوڈسٹ امریکن ایسکوبل مشن مقا ا : ۱۵۱ ـــ سوسائٹی فار پرموٹنگ کرسچین نالج مقا ا : ۱۵۱ عیسائی انجمن ادب پنجاب مقا ا : ۳۸۷، ۳۸۸

چند دیگر انجمنیں

انجمن جدید ہند (ینوا انڈین ایسوسی ایشن) کلکتہ مقا ا : ۱۱
انجمن نوجوانان (ینگ مین ایسوسی ایشن) بنارس مقا ا : ۱۲

انجمن ہند، لکھنؤ خطب ۲ : ۷۵ ـــ انجمن ہند، بنارس خطب ۲ : ۳۰۰

اردو اکادمی ۔ ملتان

اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے یہ ادارہ قائم ہوا تھا۔ اس نے مختلف مشاہیر علم وادب کی یاد میں تقاریب منانے کا اہتمام بھی کیا اور ہفتہ وار ادبی تنقیدی نشستوں کے ذریعے علم وادب کے فروغ اور ذوق کی تربیت میں حصہ لیا۔ اس کی ہفتہ وار تنقیدی نشستوں میں پڑھے جانے والے مقالات کا ایک مجموعہ "نئے زاویئے" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ ۱۹۶۹ء میں اس کے اہتمام میں یوم غالب کے موقع پر مجلس مذاکرہ اور محفل مشاعرہ کا انعقاد عمل میں آیا۔ فیاض تحسین اور سید قدرت نقوی مختلف اوقات میں اس کے سکریٹری رہ چکے ہیں۔

متفرق علمی و ادبی ادارے

ملک میں ہزارہا علمی، ادبی، تعلیمی اور تحقیقاتی ادارے قائم ہیں۔ جن کا احاطہ کرنا ایک محدود وقت میں اور تعلیم و تدریس کی مصروفیات کے ساتھ قطعی ناممکن ہے۔ ان میں کچھ اداروں کے نام مختلف اخباروں اور رسائل کے ذریعے معلوم ہوئے ہیں۔ یہ ادارے علم و ادب کی خدمت، اردو کی ترویج، شخصیات پر تحقیق و تصنیف کے کاموں میں مصروف ہیں۔ ان اداروں کا طریقہ کار وہی ہے جو عام طور پر دوسرے اداروں کا ہوتا ہے یعنی مشاعروں کے اہتمام، ادبی اور تنقیدی نشستوں کے انعقاد اور مباحثوں اور مذاکروں کے ذریعے علم و فکر کے فروغ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

چونکہ ان اداروں کے مقاصد اور طریقہ کار میں یکسانیت ہے اس لئے ایسے تمام اداروں کی ایک فہرست مرتب کردی ہے۔ اس سلسلے میں ہماری یہ مجبوری بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ وقت کی تنگ دامانی کی وجہ سے ہم بعض اداروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں، یا صفحات کی قلت کی وجہ سے اداروں کی الگ الگ تفصیلات کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

ادبی ادارے

انجمن فانوس ادب۔ کراچی ــــ اردو بزم خواتین لکھنؤ ــــ ادبی دائرہ کراچی ــــ ادارہ ذہن جدید کراچی۔ (صدر۔ رئیس امروہوی) اردو محاذ۔ حیدرآباد (صدر۔ نواب مظفر حسین) اردو سندھی ادبی سنگت۔ شہدادکوٹ۔ انجمن نفاذ اردو۔ کراچی ــــ انجمن بقائے اردو۔ لاہور (صدر ڈاکٹر فضل الرحمٰن) انجمن خادمان اردو۔ لاہور (صدر۔ ممتاز منگلوری) جنرل سکریٹری راجہ رشید محمود) انجمن محافظین اردو لاہور (صدر۔ ذوق مظفر نگری سکریٹری میاں توقیر احمد) انجمن اشاعت اردو۔ لاہور (صدر ــــ

محمد علی خاں فردوسی رحمانی) ایوان ادب ۔ ملتان ۔ احباب شرق لاہور (ناظمِ اعلیٰ ۔۔۔ صادق عارف) ادبی محاذ ۔ لائل پور (پروفیسر ریاض مجید) ارباب قلم ۔ کوہاٹ ۔۔۔ (کنوینر ۔ عزیز اختر وارثی) اردو مجلس ۔ چکوال (سکریٹری جمیل ہاشمی) اردو مجلس ۔ راولپنڈی (صدر ۔ عبدالقدوس قاضی) اردو مجلس ۔ مظفر گڑھ (صدر ۔ جلال خادم) ۔ اردو محاذ پاکستان ۔ لاہور (صدر ۔ رانا محمد سرور ایڈوکیٹ ۔۔۔ ناظم اعلیٰ ۔ جمشید عالم) اردو مشن ملتان (صدر ۔ حکیم گلچیں کرنالی) افکار قومی ۔ لاہور (صدر ۔ کوثر ضیائی) انجمن فروغ تعلیم ۔ لالہ موسیٰ (صدر ۔ محمد صدیق ۔۔ نائب صدر ۔ شیخ نثار احمد) ۔ انجمن سراج ادب ۔ گورکھپور (جنرل سکریٹری ۔ محمد شریف) انجمن تکریم ادب ۔ لاہور (سکریٹری ۔ پروفیسر سردار احمد ۔ صدر، پروفیسر عبدالحمید ڈار) انجمن ترقی ادب ۔ جھنگ (صدر ۔ مرزا امیں تاثر) ادبی محاذ ۔ لائل پور (صدر ۔ ریاض مجید) اسرار ادب ۔ میانوالی (صدر ۔ شریف حزیں ۔۔ جنرل سکریٹری ۔ سید آصف جاہ) اما حبا ۔ لاہور (صدر ۔ چودھری نذیر احمد خان ۔۔ سکریٹری بریگیڈیر ۔ محمد افضل خاں) ادبی انجمن اسٹیٹ بنک پاکستان ۔ لاہور (سکریٹری ۔ ظفر وارثی) ادارہ فکر چمن ۔ لاہور (نائب صدر ۔ تنویر ابراہیم ۔۔ جنرل سکریٹری سید اقبال آزاد) ادارۂ فروغ اردو ۔ کھوڑ (ناظم ۔ حکیم کوثر ضیائی جعفری) ادارہ ترویج اردو ۔ ملتان (ناظم ۔ پروفیسر صادق مصور) اتحاد اردو سرائیکی اکیڈیمی ۔ لاہور ناظم اعلیٰ ۔ ممتاز لیاقت) انجمن ترویج اردو ۔ لاہور (سکریٹری ۔۔ سکین علی حجازی) انجمن فروغ اردو ۔ گجرات (صدر ۔ مرزا مرتضیٰ بیگ ۔ محمد سرور ۔ سکریٹری سید مسعود احمد) انجمن ادب اُردو و ترویج اردو ۔ کوئٹہ ۔ (ناظم اعلیٰ ۔ چودھری محمد اشرف) انجمن تعمیر اردو ۔ ادریہ ۔ سکریٹری (منواز عثمانی) انجمن تحفظ اردو ۔ دھنبار (سکریٹری ۔ معصوم رضا) انجمن اہل قلم لائل پور (جنرل سکریٹری ۔ حسن اختر ملک)

انجمن تنظیم نوجوانان لاہور (صدر چودھری شفاعت احمد) انجمن فروغ ادب ۔ لائل پور ۔

(سکریٹری - محمد امجد) انجمن نوجوانان ملت (صدر - نسیم احسن ۔ نائب صدر جمیل ارشد
انجمن شمع فروزاں - راولپنڈی (صدر - کوکب جمیل ہاشمی - سکریٹری مسعود احمد)
ادارہ ادبیات اردو - نصیر آباد لاڑکانہ (صدر - رانا بھگوان داس) بزم غزل کراچی
بزم دکن - کراچی (جنرل سکریٹری - برکت قادری عرفانی) بزم تعمیر ادب - کراچی
بزم نور - کراچی — بزم فکر و سخن - کراچی (سکریٹری - حاصل مراد آبادی) —
بزم ادب - بھوپال (سکریٹری - ودود کوثی) بزم انجم - حیدر آباد - سندھ -
بزم جمال - کراچی — بزم زندہ دلان - راولپنڈی (صدر - مولانا احمد سندھی)
پنجاب لٹریری لیگ - لاہور (صدر - حامد مجید) بزم فکر و شعور - میانوالی —
(صدر - شرر صہبائی) بزم ترویج ادب و اصلاح عوام (صدر - مقصود بلوچ) —
بزم ادب، رحیم یار خاں (ناظم - ندیم نیازی) بزم ادب ناگپور - بزم شمع ادب -
مظفر آباد (صدر - سید غلام حسن شاہ - سکریٹری - طارق کیانی) بزم ضیائے
سخن - راولپنڈی — بزم اردو - لائل پور (ناظم - سید ذوالفقار حسین) بزم اردو
لالہ موسیٰ (صدر - سید ابوالحسن الہ آبادی) بزم احباب - گجرات (صدر خورشید علی)
بزم اردو - گوجرانوالہ (جنرل سکریٹری - اکبر حمیدی) بزم ترقی ادب - ملتان (صدر -
ارشد حسین ارشد) بزم شرق شناسی - لاہور (سکریٹری ڈاکٹر بشیر حسین) بزم ادب
ہزارہ (صدر - محمد ایاز طاہر) بزم اہل ذوق - لاہور (نائب صدر - فضل الدین فذ کھیم کرنی
(سکریٹری - بشیر رحمانی) بزم علم و فن - ایبٹ آباد (ناظم - سید واجد رضوی) —
بزم فکر و شعور - سرگودھا (صدر - عاشق علی) بزم قصر ادب شیخوپورہ (سکریٹری مقصود ناصر)
بزم ترویج ادب - ڈیرہ غازی خاں — بزم علم و فن - کوہاٹ (ناظم اعلیٰ - محمد حسن صفدر -
سکریٹری - عزیز اختر وارثی) بزم ارباب دانش - لاہور (صدر - چودھری رشید احمد سکریٹری
کنول فیروز) بزم خیابان ادب - گوجر خاں (صدر - محمود حسین طاہر) بزم حبیب - کوٹری -
بزم خیابان ادب - راولپنڈی (صدر - فروغ زیدی) بزم شعر و ادب - کوہاٹ (صدر -
آغا سید محمد شاہ برق - سکریٹری - سید عطوف شفیق) بزم احباب - ملتان (سکریٹری اسلم یوسفی)

(سکریٹری - ولی محمد واحد) پوٹھوار
ادبی مجلس - راولپنڈی (صدر - عبدالقدوس) تحریک فروغ ادب - لاہور -
(صدر - سید اشرف علی جعفری) تنظیم فکر چمن - کراچی (صدر - شفیق الحسن) ـــــ
تہذیب الاخلاق ٹرسٹ - لاہور (صدر - محبوب عالم) ترقی اردو ادب - ہزارہ ـــــ
(صدر - فتح محمد رانا) ترقی اردو بورڈ - دہلی (چیرمین ناظم ڈاکٹر عبدالعلیم) تعمیر ادب - کراچی -
(صدر اعجاز رحمانی) تنویر ادب پاکستان - لاہور (صدر - لطیف شیخ - سکریٹری خلش
بجنوری) تنظیم نوجوانان برائے ترویج و تطہیر اردو - راولپنڈی (صدر - محمد آصف کیانی)
ترقی پسند ادبی سوسائٹی - لکھنؤ (سکریٹری - باقر رضوی) ٹیلنٹس گلڈ کراچی - حلقہ تہذیب
اردو پاکستان - ساہیوال (صدر - محمد رضوی - سکریٹری، طاہر نسیم) حلقہ ادب شیخوپورہ
(صدر - محمد اکبر خاں) حلقہ اردو گجرانوالہ (صدر - بشیر انصاری) حلقہ ارباب علم - لاہور -
(صدر - اصغر علی جعفری) حلقہ احباب ادب - لاہور (سکریٹری شاہد شیدائی) حلقہ
تخلیق ادب - لاہور (صدر - مقبول کاوش - سکریٹری - آفتاب احمد نقوی) حریم ادب
بورے والا - ملتان (کنوینر - جبریل نقوی) رائٹرز کلب - اسلام آباد (سکریٹری -
ثنا مسلم) سفینہ اکیڈمی - کراچی - مسیحی انجمن اردو - لاہور (صدر - علامہ ایچ - ایم - صف)
سندھی ادبی سنگت - شاخ کراچی - سپاہ سائنس - حیدر آباد سندھ (صدر - محمد سعید حمد)
سندھی ادبی سنگت - بدین (پورے ضلع میں اس کی شاخیں قائم ہیں) فروغ ادب -
ملتان (صدر - غفور تنا دی) کل پاکستان مجلس ادب - لاہور (صدر - سنجیدہ رباب
ترمذی) کل پاکستان فروغ مرثیہ کراچی (سکریٹری - سید مسعود الحسن نقوی) لٹریری
سوسائٹی آف پاکستان - کراچی (کنوینر - نعیم جمال) مجلس تعمیر ادب - سرگودھا ـــــ
(ناظم اعلیٰ - شاکر نظامی) مجلس ادب - لاہور (ناظم - احمد حسن) مجلس افق ادب -
لاہور (صدر - چودھری اقبال صلاح الدین - ناظم اعلیٰ - بشیر اصغر) مجلس اہل قلم -
ملتان (سکریٹری - پرویز حسین سحر) مجلس دوستاں - لکھنؤ (صدر - کمال فاطمی) ـــ
مجلس مصنفین - مدراس (کاوش بدری) مجلس اردو - جہلم (صدر - اختر ضیائی) محفل شعر و

ادب۔کیمبل پور (سکریٹری۔چودھری نذیر صابری) مجلس اردو۔راولپنڈی۔مجلس ادب۔حیدرآباد سندھ (صدر۔نامدار خاں سکریٹری۔اختر انصاری) مجلس میزان الادب۔لاہور (صدر۔رانا اکرام علی) یونین آف ینگ رائٹرز۔سرگودھا (صدر۔میاں کامران رشید۔ناظم۔محمد نسیم) ینگ رائٹرز فورم۔کراچی (سکریٹری۔ریاض مفتون) ایوان ادب۔کاروان عمل۔کاروان نو اور ادارہ فوق الادب کراچی (صدر سطوت میرٹھی)

ادبی دینی انجمنیں بزم غفاری۔ملتان (صدر۔عبدالغفور غفاری۔انجمن فکر اسلامی۔لاہور (صدر۔نواب مشتاق احمد۔سکریٹری۔سید ابو تمیم) انجمن تبلیغ الاسلام۔لاہور (صدر۔فرخ سعید ناظم۔صادق عارف) انجمن فیض الاسلام۔راولپنڈی (صدر۔میاں حیات بخش) انجمن سادات اسلام۔راولپنڈی (صدر۔محمد ایوب) انجمن اسلامیہ۔گوجرانوالہ (جنرل سکریٹری ماکر حمیدی) انجمن ثمر الاسلام۔لائل پور (صدر۔رفعت جاوید) انجمن مطالعہ اسلام۔ملتان (سکریٹری۔عبدالعلیم خاں) انجمن افکار اسلام۔لائل پور (صدر۔قاضی محمد اکبر)

چند مزید ادارے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانس اسٹڈی۔شملہ، آل انڈیا ہندی اردو سنگم۔لکھنو (جنرل سکریٹری، حیات وارثی) بزم اردو۔سیتاپور، بزم اردو ادب۔پرتاب گڑھ (صدر: نورتن لال جین ضبط) بزم ادب دہرہ دون (سکریٹری۔ضیا مفتونی) دائرہ ملیہ۔مبارک پور (قاضی اطہر مبارک پور) بزم ادب پھلواری شریف (پٹنہ۔بہار) ڈسٹرکٹ اردو رائٹرس ایسوسی ایشن۔سمستی پور (جنرل سکریٹری۔اصغر ساحل) بزم ادب۔سمستی پور (بہار) بزم لوح و قلم سمستی پور (صدر۔ناشاد اورنگ آبادی) بزم ہم عصر۔مالیر کوٹلہ (سکریٹری۔محمد خالد کفایت۔صدر۔سلامت علی) بزم کمال۔مالیر کوٹلہ (صدر۔اختر پرویز) بزم ادب ہماچل پردیش (جنرل سکریٹری۔کاہن سنگھ جمال) ادارہ تحقیقات علوم شرعیہ۔ٹونک۔راجستھان (ناظم۔شوکت علی خاں) دبستان کیف۔ٹونک (جوائنٹ سکریٹری: عابد کیفی ٹونکی) سکریٹری۔محمد عمر سیفی) مرکز ادب بھوپال (عشرت قادری) مسلم ایجوکیشن سوسائٹی۔سورت (صدر۔محمد حسین گولنداز) انجمن اشاعت اردو۔میسور (سلیم تمنائی)

باب پنجم

علمی و فنی ادارے

میجر آفتاب حسن
کراچی

سائنٹیفک سوسائٹی پاکستان

سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے کہ سرسید علیہ الرحمۃ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ قومی تعمیر میں علم وہ حصہ ادا نہیں کر رہا ہے جو اسے کرنا چاہیئے، اس لئے کہ یہ اس وقت تک موثر نہیں ہوتا جب تک کہ خود عوام کو متاثر نہ کرے اور یہ اس وقت ہی ممکن ہے جب یہ عوام تک پہنچے اور اس کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ عوام تک پہنچنے کے لئے علم کیا ذرائع اور وسائل اختیار کرتا ہے اور کن طریقوں کو استعمال کرتا ہے۔

اس مصلح اعظم نے طے کیا کہ علم کو مؤثر بنانے کا اصول اول یہ ہے کہ اس کو زبان مروج میں منتقل کیا جائے اور زبان مروج ہی کو ذریعہ درس و تدریس بنایا جائے تاکہ علم کی اجنبیت اور نامانوسیت دور ہو اور ہر خاص و عام اس سے مستفید ہو سکیں۔ سرسید کے ہم خیال اور ہم نوا ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اسی اصول کی تبلیغ اور اشاعت کرتے تھے۔ چنانچہ سن ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ اودنی کے رہنے والے شاہ علی نے فلکیات کی مشہور کتاب چغینی کی شرح کے دیباچے میں لکھا تھا۔

"دانایان روزگار اور عاقلان تجربہ کار پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ جس قوم میں زبان مروج ہے جو فن تحریر اور ترقیم پاتا ہے۔ ہر طالب اس قوم سے نہایت آسانی سے اس فن کا فائدہ اٹھاتا ہے، بلکہ بہ نسبت دوسری زبان کے کم مدت میں وہ فن حاصل اور اس میں کامل ہوتا ہے۔ کیونکہ جو مدت وہاں معرفت الفاظ میں جاتی ہے وہ تحصیل معانی میں کام آتی ہے ...."

ایک صدی پہلے زعمار قوم "معرفت الفاظ" اور "تحصیل معانی" کے فرق کو سمجھتے

تھے وہ جانتے تھے کہ معرفت الفاظ سطحی چیز ہے قوم کی زندگی تحصیل معانی میں ہے اور اسی کی طلب اور حصول مقصد اصلی ہونا چاہیئے۔

سر سید جیسی عظیم شخصیت اس بھید سے اصول کو سمجھتی تھی کہ کوئی کام جب تک باقاعدہ اور منظم نہ ہو پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ چنانچہ ۱۸۶۳ء میں سائنٹفک سوسائٹی قائم ہوئی اور اس میں ترجموں کا باقاعدہ کام ہونے لگا اس سوسائٹی نے تقریباً ۴۰ علمی اور تاریخی کتابیں ترجمہ کرائیں، جن میں تیس کتابیں زراعت، معاشیات، علم آلات، طبیعیات، ریاضیات اور جغرافیہ کے مختلف موضوعات پر تھیں۔

تالیف اور ترجمے کی جو رسم ہمارے اکابر نے قائم کی تھی وہ آج تک جاری ہے اور جب تک علم و فن کے متوالے زندہ ہیں جاری رہے گی۔

رسم تو زندہ ہے لیکن زندگی زندگی میں فرق ہوتا ہے۔ ایک زندگی وہ ہے جو دوسروں کو زندگی بخشتی ہے اور دوسری وہ جو خود زندہ رہنے پر ہی اکتفا کرتی ہے سوال یہ ہے کہ کیا علم کا ذوق ہم میں حقیقی طور پر زندہ ہے؟ کیا ہماری قوم اس جذبہ سے سرشار ہے؟ کیا افراد قوم اپنی حالت سے باخبر ہیں؟ کیا ان میں زندہ رہنے کی امنگ یا زندگی کو بہتر اور برتر بنانے کا جذبہ موجود ہے؟ اگر جذبہ ہے تو کیا خوابیدہ ہے یا عمل کی شکل میں نمودار ہو رہا ہے۔

بانی سائنٹیفک سوسائٹی نے مسلمانان ہند میں ایک روح پھونکی اور بالآخر پاکستان نمودار ہوا۔ کیا اہلِ پاکستان اس دولت خداداد کی قدر کریں گے اور اس کو عظمت کے ان بلند مقامات پر پہنچا دیں گے جہاں اسے پہنچنا چاہیے؟ کیا عالمی برادری میں پاکستان کو وہ عزت و وقار حاصل ہوگا جو ہونا چاہیئے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو ہر محب قوم کے ذہن میں آتے ہیں اور اس کا جواب زمانہ دے گا۔ لیکن زمانے کو بنانا اور بگاڑنا تو ہمارے ہاتھ میں ہے ہم کیوں نہ اس پر قابو پانے کی کوشش کریں اور اس کو اپنی خواہش کے مطابق چلائیں۔

اس خیال کے ماتحت چند خادمانِ قوم نے محسوس کیا کہ اگر ہمارے ملک کو سربلند

ہوتا ہے تو اس کا صرف ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ سائنس کے دامن کو مضبوطی سے تھاما جائے۔ سائنس کا جو مقصد اولین ہے یعنی نوع انسان کی خدمت، اس کے مواقع پیدا کیے جائیں اور ملک کی ہر جہتی ترقی کے لیے سائنس سے ممکنہ امداد لی جائے۔ لیکن موجودہ صورت حال یہ ہے کہ سائنس کی ترقی ملکی ضروریات کی بڑھتی ہوئی رفتار کا ساتھ نہیں دے رہی ہے۔ یونیورسٹیاں، سائنسی اور تحقیقی اور صنعتی ادارے اپنے حدود کے اندر مفید کام انجام دے رہے ہیں۔ لیکن ان اداروں کی تعداد بہت کم ہے اور یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ ملک کی ضروریات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان اداروں کا عدم اور وجود برابر ہے۔

یہی سبب ہے کہ قومی تعمیر نو میں سائنس کا استعمال بہت کم ہو رہا ہے۔ تعلیمی اور ثقافتی میدانوں میں سائنس روزمرہ زندگی سے بے تعلق ہو گیا ہے اور عام انسانوں کی ضروریات کی تکمیل میں اس سے مدد نہیں لی جاتی، یہ حال تشویش ناک ہے اگر اس پر فوری توجہ نہ کی گئی تو علم و عمل کی یہ خلیج وسیع سے وسیع تر ہو جائے گی۔

سوسائٹی کا قیام اس لیے تجویز یہ ہوئی کہ ایک انجمن قائم کی جائے جس کا مقصد اولین یہ ہو کہ سائنس کو روزمرہ زندگی سے قریب تر کیا جائے اس کی افادیت کو اہمیت دی جائے اور سرسید کی اولین کوشش کی یاد میں اس کا نام سائنٹیفک سوسائٹی پاکستان رکھا جائے۔ چنانچہ ۱۹۵۵ء میں سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔

اغراض و مقاصد سائنٹیفک سوسائٹی پاکستان، کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں:

۱۔ سائنسی معلومات کو عام فہم زبان میں ہر خاص و عام تک پہنچانا۔
۲۔ سائنسی تحقیقات کو فروغ دینا اور ان کو شائع کرنا۔
۳۔ سائنسی تحقیقات اور ترقیوں کو ملک کے فنی اور اطلاقی مسائل سے ہم آہنگ کرکے دونوں کو فائدہ پہنچانا۔

اس مقصد کے حصول کے لئے سوسائٹی تحریری اور تقریری دونوں طریقوں کو استعمال کرتی ہے۔ اور حسب ذیل پروگرام پر عمل کرتی ہے۔

پروگرام

۱۔ اہل سائنس وصنعت، طلبا اور عام لوگوں کے لئے اردو میں سائنسی کتابیں شائع کی جاتی ہیں۔

۲۔ غیر زبانوں کی علمی وفنی اصطلاحات کو اردو میں منتقل کیا جاتا ہے، اور تمام موجودہ اصطلاحات کو معیاری بنایا جاتا ہے۔

۳۔ جلسے، مذاکرے اور مباحثے منعقد کئے جاتے ہیں۔

۴۔ ممتاز سائنس دانوں سے سائنسی موضوعات پر عام فہم لکچر دلوائے جاتے ہیں۔

۵۔ سائنس کی تعلیم کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے تدریس کے مروجہ طریقے اور موضوعات کو درست کرنے کی مناسب کوشش کی جاتی ہے۔

۶۔ سائنس کے اساتذہ کے درمیان قریبی تعلقات استوار کرنے کے لئے تازہ نصابی تربیت اور تبادلہ خیالات و تجربات کے مواقع فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۷۔ سائنسی ماہرین اور صنعت کاروں کے باہمی تعلقات استوار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا کیفیت سے ظاہر ہوگا کہ سوسائٹی اپنے مقصد کو حاصل کرنے اور پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تحریری اور تقریری دونوں طریقے استعمال کرتی ہے۔ اور یہ دونوں طریقے اہم اور منفرد اس لئے ہیں کہ یہ ساری کارروائی اردو زبان میں ہوتی ہے۔ گویا یہ انجمن بیک وقت ترقی اردو اور ترقی سائنس دونوں کی علمبردار ہے۔

مطبوعات

سوسائٹی کے سامنے مطبوعات کا ایک وسیع پروگرام ہے۔ چار قسم کی اشاعتوں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ لغات مصطلحات، دائرۃ المعارف (حوالے کی کتابیں) عام فہم کتابیں اور رسالے۔

مصطلحات

مصطلحات کی کیفیت یہ ہے کہ الحمدللہ اردو زبان میں عام فنی اصطلاحات کی کمی نہیں ہے۔ کوئی علم ایسا نہیں ہے کہ جس کی ضروری اصطلاحیں اس میں موجود نہ ہوں۔ ہاں کہیں کہیں خصوصی اصطلاحوں کی کمی محسوس ہوتی ہے اور یہ قدرتی بات ہے کہ علوم کے تیز پھیلاؤ کے ساتھ اصطلاحیں بھی پھیلتی چلی جائیں۔ سائنٹیفک سوسائٹی کا شعبۂ تالیف و ترجمہ اس کام کو سب سے مقدم سمجھتا ہے کہ مصطلحات کے سلسلے میں جو کمی اردو زبان میں ہے، وہ جلد از جلد پوری کی جائے۔ مثال کے طور پر سائنسی ادیبوں اور مصنفین کو اشیا کے اردو نام کی تلاش میں سخت دقتیں پیش آتی ہیں۔ چرند پرند اور دوسرے حیوانات، پودوں، پھولوں، پھلوں، دھاتوں، پتھروں، جواہرات، رنگ روغن، کیمیاوی مرکبات وغیرہ وغیرہ کے اردو مترادفات سے ہمارے لغات خالی ہیں۔ اس کمی کو پورا کرنے کی سخت ضرورت ہے یہ بہت بڑا کام ہے۔ لیکن کسی نہ کسی کو کرنا ہے۔ سوسائٹی نے یہ طے کیا ہے اس قسم کا سارا کام جو دوسرے نہ کر سکیں، وہ اپنے ذمے لے گی اور انشاءاللہ پورا کرے گی۔

حوالے کی کتابیں

لغات اصطلاحات سے آگے کی منزل حوالے کی کتابوں کی تیاری۔ مستند معلومات اور حوالہ جات کی جتنی ضرورت علوم کو پیش کرنے اور پھیلانے میں ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ سوسائٹی نے اس کام کو شروع کر دیا ہے۔

ایک کتاب "پاکستان کے مفید پودے" شائع کی جا رہی ہے۔ یہ اُردو کی پہلی کتاب ہوگی جس میں ابجد کے لحاظ سے پاکستان کے کارآمد پودوں کی کیفیات اور تفصیلات درج کی گئی ہیں۔

لیکن اس سلسلے کا سب سے بڑا منصوبہ دو کتابوں کا ہے۔

پہلی کتاب کا نام "جدید معلومات سائنس" ہے۔ یہ دس جلدوں میں ہوگی اور ان دس جلدوں میں سائنس کی مختلف شاخوں پر تفصیلی بحث کی جائے گی اور کوشش

کی جائے گی۔ سائنسی معلومات پر کہ انسائیکلوپیڈیا مستند، عام فہم اور مکمل ہو۔ اس پر کام شروع ہو گیا ہے۔ پہلی جلد کے اجزا جدید سائنس میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

دوسرا منصوبہ "ثروت پاکستان" نامی کتاب کا ہے یہ پانچ جلدوں میں ہوگی اس میں پاکستان کی حیوانی، نباتی، ارضیاتی، آثاری اور افرادی دولت کا تفصیلی بیان ہوگا

عام فہم کتابیں سائنس کو مقبول اور معروف بنانے میں عام فہم، دلچسپ اور خوبصورت کتابوں کا بہت دخل ہوتا ہے۔ سوسائٹی نے اس کے لئے بھی ایک جامع منصوبہ تیار کیا ہے۔ پانچ کتابیں (۱) برقیات نوجوانوں کے لئے (۲) زعمائے سائنس (۳) فتوحات سائنس (۴) جدید سائنس کی کامرانیاں۔ (۵) کیوں اور کیسے سائنس سے پوچھیے" شائع ہو چکی ہیں۔" اس انداز کی دو کتابیں" ہوائی جہاز کی کہانی" اور" مچھلی گھر" زیر طبع ہیں۔ ایک دوسری اہم کتاب "آئنشٹائن اور کائنات" بھی زیر طبع ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ" وحدانی میدانی نظریہ" پر یہ واحد کتاب اردو زبان میں ہے اور نہایت سادہ انداز میں عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس وقت سائنس کا سب سے بڑا معمہ کیا ہے۔ اور عالم اکبر (یعنی نظریہ اضافیت) اور عالم اصغر (یعنی کوانٹم نظریہ) میں ربط اور رشتہ کی تلاش کیوں ضروری ہے ــــــ اس طرح کے اہم مسودے کافی تعداد میں سوسائٹی کے پاس موجود ہیں اور صرف انتظار اس کا ہے کہ مالیات اجازت دیں۔

رسالے اپنے مقصد کو پھیلانے اور پیام کو پہنچانے کے لئے سوسائٹی تین رسالے شائع کرتی ہے ــــ "جدید سائنس" دو ماہی، بڑوں کے لیے اور "سائنس بچوں کے لئے" ماہنامہ، نونہالوں کے لئے۔ سوسائٹی کا رسالہ جدید سائنس اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد اور سائنسی مضمون پر پاکستان کا قدیم ترین رسالہ ہے۔ بچوں کا سائنس بھی پاکستان میں اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ہے اور بہت مقبول ہے۔

سوسائٹی کی شاخ لاہور نے پندرہ روزہ "سائنس نامہ" شائع کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ تینوں رسالے سائنسی معلوماتی ضروریات کو مکمل طور پر پورا کرتے ہیں۔

محفل سائنس اور مذاکرے تحریر کے علاوہ تقریری سلسلے میں سوسائٹی کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ عموماً ہر ماہ محفل سائنس کے نام سے ایک محفل منعقد کی جائے جس میں ملک کے ماہر سائنس دان اپنے خیالات کا اظہار کریں اور مقالے پیش فرمائیں۔ اس کے علاوہ حسب ضرورت مذاکرے وغیرہ بھی اہم قومی ضرورتوں کے سلسلے میں منعقد کیئے جائیں۔

سالانہ جلسہ سوسائٹی کا سب سے بڑا علمی اور تقریری اجتماع اس کا سالانہ جلسہ ہے۔ ہر سال یہ جلسہ ملک کی کسی ایک اہم یونیورسٹی یا علمی ادارے میں منعقد ہوتا ہے۔ اس جلسہ میں سائنس اور معاشرتی علوم کے موضوعات پر ملک کے ماہرینِ تعلیم، فن اور رہنمایان سائنس وصنعت تقریریں کرتے ہیں اور مقالے پیش فرماتے ہیں۔ ملک کی تمام یونیورسٹیاں اور تحقیقاتی ادارے اپنے نمائندے بھیجتے ہیں اور ہر سال یہ سوسائٹی علمی طور پر اس کا مظاہرہ کرتی ہے کہ علوم کا کوئی عنوان ایسا نہیں ہے جس کو قومی زبان بآسانی ادا نہ کرسکے اور اس میں بہ سہولت بیان نہ کیا جاسکے۔

کچھ عرصہ قبل سائنس اور اردو کے اچھے اچھے بہی خواہوں کو بھی اکثر یہ کہتے سُنا گیا کہ اعلیٰ پلیئے کے سائنسی تحقیقی کام تو اردو میں پیش نہیں کیا جاسکتا ــــ سائنٹیفک سوسائٹی نے اس خدشہ کے ازالہ کے لئے عملی قدم اُٹھایا اور تحقیقی مقالات اردو میں پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ابتدا صرف دو شعبوں سے کی گئی۔ یعنی علوم طبیعی اور علوم حیاتی۔ ان شعبوں کی کارروائی میں اس قدر کثیر شرکا و سامعین نے شرکت کی کہ دو سال سے یہ شعبے بڑھا کر چار کر دینے پڑے۔ تحقیقی مقالات کا یہ سلسلہ مقبول ہوا ہے اور اس میں شرکت کرنے والوں کی جیسی زیادتی ہے اس کے نتیجہ میں اب یہ شعبے بڑھا کر آٹھ کر دیئے گئے ہیں۔

آج بھی اگر کسی کو یہ شک ہو کہ اعلیٰ تحقیقاتی کام اردو میں پیش نہیں کئے جاسکتا تو وہ ان شعبوں میں شرکت کر کے اس کے عملی مظاہرے کو دیکھ سکتا ہے۔

ان شعبوں کی کارروائی میں ہر طبقہ کے سائنس دان طلبا اور اساتذہ سائنس اور عوام شرکت کرتے ہیں اور اس میں بولے جانے والے ہر ہر لفظ کو سمجھ کر مستفیض ہوتے ہیں۔

ان شعبہ جاتی اجلاسوں کی نمایاں خصوصیت شرکا و سامعین کی وہ کثرت تعداد ہے جو ملک میں کسی بھی دوسری کانفرنس کے شعبوں کو حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ اور یہ فیض صرف اردو زبان کا ہے۔

سائنٹیفک سوسائٹی کا یہ کارنامہ اس برصغیر پاک و ہند اور اردو کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

مجلس آداب کتاب پاکستان کراچی

اس ادارے کا قیام ۱۹۶۷ء میں عمل میں آیا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ کتاب کے آداب سے قاری کو آگاہ کیا جائے۔ کتاب سے استفادے کے طریقے اور اس کی حفاظت کا طریقہ بتایا جائے، شائقین مطالعہ کو ان کے ذوق کی کتابوں کے انتخاب میں مدد دی جائے۔ عوام میں مطالعے کا شوق پیدا کیا جائے، کتب خانے قائم کرنے کی تحریک پیدا کی جائے اور اس سے بڑھ کر بک اسٹالوں اور کتاب کی دکانوں کی ترتیب و تزئین میں متعلقہ لوگوں کی رہنمائی کی جائے۔ اور لوگوں کو ذاتی کتب خانوں کی ترتیب میں ان کی رہنمائی اور مدد کی جائے۔

مجلس آداب کتاب نے ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے عملی اقدام بھی کئے ہیں اس نے متعدد اسکولوں اور کالجوں میں کتابیں تقسیم کی ہیں طلبہ میں مضمون نویسی کے مقابلے کرائے ہیں۔ کراچی میں ایک فری ریڈنگ روم قائم کیا ہے اور جناح ہسپتال میں مریضوں کے لئے ایک "فری پیشنٹ لائبریری" بھی قائم ہے۔ جس میں تقریباً تین ہزار کتابیں جمع ہو گئی ہیں۔ رشیدہ اختر بیگم سید امیر علی شاہ (ڈائرکٹر جناح ہسپتال کراچی) اس لائبریری کی چیرمین ہیں اور خان عارف مجلس آداب کتاب کے سکریٹری ہیں۔

محمد منظر الدین ملک

حکیم سید محمود احمد برکاتی

برصغیر کے طبّی ادارے

مدرسہ طبابت، حیدر آباد

برعظیم میں طب مغرب (ایلوپیتھی) کی تعلیم و تربیت کا یہ سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ اس کا اجرا ۱۸۴۵ء میں آصف جاہ رابع (ناصر الدولہ) کے عہد میں حیدر آباد دکن میں ہوا تھا، اس کے نگراں اور کئی اساتذہ انگریز تھے۔ ڈاکٹر میکلین، ڈاکٹر جارج اسمتھ، ڈاکٹر ونڈ و وغیرہ، بعد میں اسی مدرسے کے مستندین میں سے مقامی حضرات بھی یہ خدمت انجام دینے لگے تھے۔ ایک اہم خصوصیت اس مدرسے کی یہ تھی کہ اس میں ذریعہ تعلیم اردو تھی، انگریز اساتذہ بھی اردو ہی میں درس دیتے تھے۔

اس مدرسے کی طرف سے اسکول میگزین کے طور پر اردو میں ایک رسالہ بھی ۱۸۵۹ء کے اواخر سے شائع ہونا شروع ہوا تھا جس کا نام "رسالۂ طبابت" تھا، اس کے مدیر جارج اسمتھ تھے، یہ رسالہ اردو کا پہلا طبی جریدہ تھا ـــــ اس مدرسے کے مستندین نے جنوبی ہند میں بڑا نام اور مقام پیدا کیا اور طب مغرب پر کئی چھوٹی اور بڑی کتابیں بھی تالیف کیں۔

میڈیکل اسکول آگرہ

شمالی ہند میں طب مغرب (ایلوپیتھی) کی تعلیم کے لئے یہ مدرسہ ۱۸۵۴ء میں قائم کیا گیا تھا، اس میں ذریعہ تعلیم اردو تھی۔ اور اس کے اساتذہ نے طب پر کئی کتابیں تالیف کی تھیں، دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس اسکول کے فارغین کو ابتداءً جو سند دی جاتی تھی اس میں ڈاکٹر کے بجائے حکیم لکھا جاتا تھا، ابتداءً اس کا نصاب تعلیم دو سالہ تھا ۱۸۶۶ء میں تین سالہ کر دیا گیا تھا۔

طبیہ کالج دہلی

حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں نے ۱۸۹۰ء میں مدرسۂ طبیہ کا اجرا کیا ـــــــ ان کے دونوں چھوٹے بھائی حکیم

واصل خاں اور حکیم اجمل خاں اور دوسرے اطبا درس دیا کرتے تھے، مولوی حکیم فرید احمد عباسی، مولوی حکیم فضل الرحمن خاں، مولوی حکیم کبیر الدین، مولوی حکیم عبدالحفیظ وغیرہ بہت سے مشاہیر اطبا اس مدرسے کے فارغ التحصیل تھے، سنہ ۱۹۰۹ء میں زنانہ مدرسۂ طبیہ بھی جاری کیا گیا اور خواتین کے لئے تاریخ میں پہلی بار طبی تعلیم کا علٰحدہ انتظام ہوا۔

مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے سنہ ۱۹۱۶ء میں اسی مدرسۂ طبیہ کو ترقی دے کر کالج بنا دیا اور اس کا نام "آیورویدک ویونانی طبی کالج" رکھا گیا، اس کالج میں ویدک اور یونانی کے دو مستقل شعبے تھے، بعد میں اس کالج کو اندرون شہر سے قرول باغ میں ایک وسیع رقبۂ زمین پر شاندار عمارات بنا کر منتقل کر دیا گیا (سنہ ۱۹۲۱ء) اس کالج کے ساتھ تصنیف تالیف کا ایک شعبہ بھی قائم کیا گیا جس نے بیش قیمت اور تاریخی اہمیت کی طبی نصاب کی کتابیں تالیف کیں جن میں ایک طرف قدمار اطبا کی کتابیں تھیں دوسری طرف یورپ کے جدید نظریات کی حامل کتابیں بھی تھیں، ان کتابوں کی فہرست کافی طویل ہے اور ان سے اردو کی ثروت میں جو اضافہ ہے، افسوس ہے کہ اردو کے مورخین اور محققین نے اُس کا کبھی جائزہ لینے اور اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، طب قدیم کی تاریخ میں اس کالج کو کئی اعتبارات سے خاص اہمیت حاصل ہے۔

موجودہ دور میں برعظیم کے مشاہیر اطباء کی عظیم اکثریت اسی کالج کے مستفیدین و فارغین کی ہے، اس کالج کے مستندین نے مطب کے علاوہ جو علمی وتحریری خدمات انجام دیں وہ بھی اپنی جگہ کم وقیع نہیں ہیں ——— یہ کالج آج بھی جاری ہے اور طب کی خدمت میں مصروف۔

پروفیسر سلطانہ نصرت
شعبہ کیمیا

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن. کراچی

مسلمانوں نے جب مختلف علوم و فنون کی طرف توجہ دی تو انھوں نے ہر علم و فن کے ایک ایک پہلو پر اتنی تحقیق کی کہ اس فن کو درجۂ کمال پر پہنچا دیا۔ جہاں مسلمانوں نے علم ریاضی، علم فلکیات، علم موسیقی اور مختلف قسم کی دوسری سائنسوں کو مرکز نگاہ بنا کر ان علوم کو اپنی تحقیقات اور اضافات سے مالا مال کیا۔ وہاں انھوں نے طب کو بھی خوب فروغ دیا اور بوعلی سینا اور رازی جیسے فاضل طبیب پیدا کیے۔ ان طبیبوں کے پیش نظر دو باتیں تھیں۔ پہلی تو خلق خدا کی خدمت اور دوسرے علم میں اضافہ۔ مسلمانوں نے طب یونانی کو اس حد تک ترقی دی اور اس میں اتنے اضافے کئے کہ یہ طب درحقیقت طب اسلامی بن گئی۔ طب عربی اور طب مشرقی بھی اس ترقی یافتہ طب یونانی کے نام ہیں۔

مسلمان جب دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلے تو وہ اپنے ساتھ علم کی روشنی بھی لے گئے۔ اس طرح مسلمان جب برصغیر پاک و ہند میں آئے تو طب مشرقی بھی ان کے ساتھ سرزمین ہند پر آئی۔ لیکن اس کو یہاں کی آب و ہوا کچھ ایسی راس آئی کہ یہیں کی ہو کر رہ گئی، بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ طب مشرقی برصغیر پاک و ہند کے باشندوں کے مزاج اور طبیعت کے اتنی موافق ہو گئی کہ اس ملک کی معالجاتی خدمات کا ایک اہم جز بن گئی۔ یہاں کے حکماء نے مقامی طبیبوں کے مفید اور جان دار اجزا اس میں جذب کر کے ان کو طب مشرقی کا حصہ بنا لیا۔ انھوں نے اس کا دائرہ بیماریوں کے علاج تک محدود نہ رکھا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے نئی جڑی بوٹیوں کی تلاش بھی جاری رکھی جو مختلف امراض کے لئے مفید ہوئیں اور اس طرح یہ طب ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے اس درجہ پر پہنچ گئی کہ یہ دنیا کی کسی بھی دوسری طب کے مقابلے میں اپنی برتری کو ثابت کر سکتی تھی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر پر جب انگریزوں نے اپنا تسلط جمایا تو انھوں نے اپنے طریقۂ علاج کو رائج کرنے کی کوشش کی اور طب مشرقی کے متعلق یہ پروپیگنڈا کیا کہ طب مشرقی اب فرسودہ ہو چکی ہے اور یہ عوام کو صحیح طریقہ سے فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ لیکن طب مشرقی نے جس کی جڑیں عوام میں تھیں، ان کٹھن مراحل سے گزرنے کے باوجود اپنا تشخص برقرار رکھا۔ اس سلسلہ میں ہمارے اسلاف نے طب مشرقی کی ترقی، توسیع، ترویج اور تجدید کے لئے جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے۔ تاریخ کے اوراق ان سے بھرے پڑے ہیں اور ان کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں انفرادی کوششوں کے علاوہ اجتماعی اور منظم کوششیں بھی کی جاتی رہی ہیں جس کی ایک زندہ مثال "ہمدرد" ہے۔ ہمدرد کی بنیاد ۱۹۰۶ء میں حکیم عبدالمجید (مرحوم) نے ڈالی۔ اگرچہ انھیں وسائل کی قلت اور دوسری بہت سی مشکلات کا سامنا تھا مگر ان کے دل میں خدمت خلق اور خدمت فن کا جو جذبہ تھا وہ ان تمام وقتی مسائل اور مشکلات پر غالب آیا۔

حکیم عبدالمجید جوانی ہی میں انتقال فرما گئے۔ ان کے بعد ان کے عظیم المرتبت اور بلند ہمت صاحبزادوں، حکیم عبدالحمید اور حکیم محمد سعید نے ہمدرد کو سنبھالا اور شب و روز کی محنت کے بعد اس کو ایک باقاعدہ ادارے کی شکل دیدی۔ ان دونوں حضرات نے ہمدرد کو جن مقاصد کے لئے وسعت و استحکام بخشا وہ یہ ہیں:

(۱) طب مشرقی کی بحیثیت سائنس حفاظت و ترقی۔
(۲) اصول دوا سازی کی اصلاح اور فن دوا سازی کی بلند معیاری اور ترقی۔
(۳) صحیح مفردات اور مرکبات کی ارزاں فراہمی۔
(۴) اصول صحت اور علم طب کی تعلیم اور نشر و اشاعت۔
(۵) عوام کی پرخلوص خدمت۔

اس کی بنیاد اسلامی ہند کے دارالحکومت دہلی میں ڈالی گئی تھی۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد حکیم محمد سعید پاکستان تشریف لے آئے۔ انھوں نے کراچی میں معمولی ساز و سامان کے ساتھ ہمدرد کا آغاز کیا جب کہ ان کے برادر بزرگ نے دہلی میں رہ کر ادارے کے نظم و ترقی کے

لئے کوشش کی۔ یہ وہ دور تھا جب جدید طریقۂ علاج نے لوگوں کے مذاق و مزاج کو بدل دیا تھا اور طب مشرقی پر سے ان کا اعتماد اٹھتا جا رہا تھا۔ ملک میں عطائی حکیموں کی کثرت نے اس رفتار کو اور بھی تیز کر دیا تھا۔ حاذق طبیبوں کی نایابی کی وجہ سے فن پر زوال تھا۔ ان حالات میں ایک ہمہ جہت طبی تحریک کی ضرورت تھی۔ ہندوستان میں حکیم عبدالحمید اور پاکستان میں حکیم محمد سعید قوم کے ان محسنوں میں سے ہیں جنھوں نے اس قومی ضرورت کو محسوس کیا اور اپنی تمام توانائیاں اس عظیم الشان مقصد کے لئے وقف کر دیں۔ ان کی لگاتار کوششوں سے رفتہ رفتہ مشکلات پر قابو پا لیا گیا اور دونوں ملکوں میں یہ ادارے ترقی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ انھوں نے دوا سازی کی معیار بندی اور جڑی بوٹیوں پر تحقیق سے لے کر پیکنگ تک ہر چیز پر پوری توجہ دی، اور رفتہ رفتہ نہ صرف دواؤں کے معیار وافادیت میں اضافہ کیا، بلکہ عوام کے ذہنوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ ہر طرح کے فنی آداب و لوازم کے اہتمام نے ملک کے ہر طبقے اور ہر خیال کے لوگوں میں ہمدرد کو قابلِ اعتماد و احترام بنا دیا۔ اور اس طرح مفردات کے جمع کرنے اور مرکبات کی تیاری کے لئے کارخانہ کے ساتھ ساتھ تحقیق کے لئے ایک اعلیٰ پائے کی جدید ترین لیبارٹری بھی قائم کی گئی۔ اس طرح طب مشرقی کے لئے امید کی ایک کرن چمکی۔ لوگ جو مجبور اور لاچار ہو کر غیر ملکی مہنگے علاج کی طرف رجوع کرنے لگے تھے، ان کے دلوں میں طب مشرقی کا اعتماد بحال ہوا اور وہ دوبارہ طب مشرقی کی طرف لوٹ آئے۔ اس وقت ہمدرد طب مشرقی کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔

۱۹۵۳ء میں حکیم محمد سعید نے اس ادارے کو اپنی ذاتی ملکیت سے نکال کر ایک قومی وقف بنا دیا اور اس کی آمدنی قومی رفاہی کاموں پر خرچ کرنے لگے۔ حکیم صاحب اب صرف اس کے متولی اور رہنما ہیں۔ درحقیقت قومی وقف بنانے کا مقصد یہی تھا کہ ہمدرد کو ایک رفاہی قومی ادارے میں تبدیل کیا جائے۔ ہمدرد کے مقاصد میں طب مشرقی کا تحفظ و بقا اولین اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ انہی مقاصد کی منظم تکمیل کے لئے ۱۹۶۴ء میں جناب حکیم محمد سعید نے ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن قائم کیا۔ جس کے مقاصد میں رفاہی، طبی، صحی، علمی، تعلیمی اور قومی تعمیری خدمات شامل ہیں۔

طب مشرقی کی ترویج و فروغ کے لئے ایک معیاری طبی کالج کے قیام کی ضرورت ایک عرصے سے محسوس کی جارہی تھی جس میں سائنٹیفک بنیادوں پر طب کی تعلیم دی جائے اور ایسے اطبا تیار کئے جائیں جو اپنی فنی مہارت اور طبی تعلیم کو اپنے لئے باعث فخر و ناز سمجھیں، جن کی ذہنی سطح اتنی بلند ہو کہ وہ دیگر طریقہ ہائے علاج سے استفادہ کے باوجود مشرقی طب کے اصولوں کو ترک نہ کریں اور جو اس فن کو پیشے کے طور پر اختیار کرنے کے بجائے اسے خدمت خلق کا ذریعہ سمجھیں۔ اس کے بغیر مشرقی طب پر عوام کا اعتماد کامل طور پر بحال نہیں ہو سکتا تھا۔ حکیم محمد سعید کی دوراندیشی اور دوربینی نے ان حقائق کا پوری طرح ادراک کر لیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے خدا کا نام لے کر ۱۴ راگست ۱۹۵۸ء کو جامعہ طبیہ شرقیہ کی بنیاد ڈال دی اور اس طرح طب مشرقی کے فروغ اور ترویج کے لئے ایک اساس فراہم ہوگئی۔ جامعہ طبیہ شرقیہ کا افتتاح مادرملت محترمہ فاطمہ جناح کے ہاتھوں ہوا۔ اس کالج پر اب تک ہمدرد ۱۴ لاکھ روپے سے زیادہ صرف کر چکا ہے۔

۳ دسمبر ۱۹۶۶ء کو صدر پاکستان نے ادارہ صحت و تحقیقات طبیہ (انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ اینڈ طبی ریسرچ) کا سنگِ بنیاد نصب فرمایا۔ انسٹی ٹیوٹ کا منصوبہ ایک عظیم ہسپتال، ایک ہیلتھ ایجوکیشن سنٹر، ایک بڑی لائبریری، ایک میڈیکل ریسرچ سنٹر، ایک ڈرگ ریسرچ سنٹر اور ایک کالج آف میڈیسن پر محیط ہے۔

مشہور ماہنامہ "ہمدرد صحت"، جو تقسیم ہند سے قبل دہلی سے شایع ہوتا تھا ۱۹۴۸ء میں کراچی سے بھی شایع ہونا شروع ہوگیا۔ اور اب تک نہایت پابندی اور آب و تاب کے ساتھ شایع ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ ایک ماہنامہ "اخبار الطب" شایع ہوتا ہے جس میں جدید طبی نظریات کا تعارف اور تقابل پیش کیا جاتا ہے۔ اخبار الطب اطبا کے لیے شایع کیا جاتا ہے۔

طب مشرقی کو بیرونی ممالک اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ میں مقبول بنانے کے لئے انگریزی زبان میں "ہمدرد میڈیکل ڈائجسٹ" اور "میڈیکل ٹائمز" جاری کئے گئے۔ یہ رسائل حکیم محمد سعید کی ادارت میں شایع ہوتے ہیں اور طب کی علمی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ آگے

علاوہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان میں قومی اور صحیح شعور پیدا کرنے کے لئے ماہنامہ ہمدرد نونہال شائع کیا جاتا ہے۔ جو ۱۹۵۳ء سے باقاعدہ شائع ہوتا ہے اور بچوں کے رسائل میں سب سے مقبول رسالہ ہے۔

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کی ایک اہم خدمت "شام ہمدرد" کا اجرا ہے۔ بظاہر تو "شام ہمدرد" مل بیٹھنے کی ایک مجلس ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایک آزاد قوم کے جذبۂ تعمیر سے وابستہ ایک ایسی کہانی بھی ہے جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ قومیں اپنے تعمیری دور میں زندگی کی جدوجہد میں کس طرح حصہ لیتی ہیں۔ "شام ہمدرد" سے قوم میں علمی، اخلاقی، تہذیبی اقدار اور قومی تعمیر کے احساس و شعور کا پتا چلتا ہے۔ ملک کے مختلف شہروں میں شام ہمدرد کی تقریبات نے قومی سطح پر ایک علمی و تہذیبی روایت قائم کی ہے۔

ہمدرد فاؤنڈیشن کی جانب سے مختلف موضوعات پر بہت سی اہم تصانیف بھی منظر عام پر آئی ہیں! اس میں ایک جانب طب کی کتب ہیں اور دوسری جانب تاریخی، ادبی، سوانحی، دینی کتابیں بھی شامل ہیں۔ فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع کردہ کتابوں میں سے چند اہم کتب یہ ہیں :۔

(۱) البیرونی کی کتاب الصیدنہ، دو حصے، عربی متن و انگریزی ترجمہ از حکیم محمد سعید۔ (۲) ہمدرد فارماکوپیا آف ایسٹرن میڈیسن (انگریزی) مرتبہ: حکیم محمد سعید (۳) مقالات شام ہمدرد (اردو) (۴) مقالات شام ہمدرد (انگریزی) دو جلدیں۔ (۵) تجربات طبیہ از حکیم محمد سعید (۶) تعلیم صحت از حکیم محمد سعید (۷) ذیابیطس نامہ از حکیم محمد سعید (۸) وسط ایشیا کی سیاحت از آغا اشرف (۹) اطبائے عہد مغلیہ از کوثر چاند پوری (۱۰) مقالات ابن الہیثم مرتبہ حکیم محمد سعید۔

"قرآن روشنی ہے" کے عنوان سے ایک عام فہم دینی کتابچوں کا سلسلہ بھی شائع کیا گیا ہے۔ اب تک اس سلسلہ میں مختلف اخلاقی و سماجی مسائل پر چوبیس خوبصورت کتابچے شائع کئے جا چکے ہیں جن میں حکیم محمد سعید نے موجودہ مسائل پر کتاب و سنت کے نقطۂ نظر سے گفتگو کی ہے۔

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن نے علمی تحقیق اور تصنیف و تالیف میں مدد دینے کے لئے ایک

مہتم بالشان کتب خانہ بھی قائم کیا ہے جس میں تقریباً پچیس ہزار مطبوعہ کتابیں اور سات سو سے زیادہ مخطوطات ہیں۔ جس میں طب کے علاوہ تاریخ، مذہب، ادب، فلسفہ، حوالہ جات، لغات اور دیگر موضوعات پر معیاری کتابیں شامل ہیں۔ پاکستان کے علاوہ بیرون ملک سے تقریباً ساڑھے تین سو رسائل و جرائد بھی اس کتب خانے میں آتے ہیں۔ بیرونی ممالک سے جتنی تعداد میں طبی رسائل اس کتب خانے میں آتے ہیں۔ اتنے ملک کے شاید ہی کسی اور کتب خانے میں آتے ہوں۔

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن ہی ہمارے ملک کا واحد فاؤنڈیشن ہے جس کی سرگرمیاں بڑی متنوع ہیں اور جو ایک منظم اور فعال ادارہ ہے۔ اشاعت تعلیم اور تعلیمی امداد کے علاوہ نئی نسل کو اپنی شاندار علمی روایات سے روشناس کرانے اور ان میں خود آگہی و خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے اس فاؤنڈیشن کا ایک مستقل پروگرام عظیم مسلمان شخصیات کے کارناموں کی اشاعت بھی ہے۔ اس سلسلہ میں مشہور ماہر بصریات ابن الہیثم اور شہرہ آفاق مورخ و سائنس داں ابو ریحان البیرونی کے جشن ہزار سالہ کا اہتمام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ خصوصاً البیرونی کے جشن ہزار سالہ کے موقع پر جو بین الاقوامی کانگریس منعقد کی گئی وہ پاکستان کی علمی تاریخ میں ایک درخشاں باب کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس فاؤنڈیشن کے بانی و صدر حکیم محمد سعید ایک متحرک اور اولوالعزم شخصیت کے مالک ہیں اور فاؤنڈیشن کی اکثر سرگرمیوں کی بذات خود نگرانی کرتے ہیں۔ وہ اپنی علمی اور فنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تنظیمی امور میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیرونی ممالک کے علمی دورے اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کے لئے بھی وہ وقت نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے علاوہ بیشتر یورپی ممالک اور امریکہ کے مطالعاتی دورے کر چکے ہیں اور وہاں کے علمی اجتماعات میں مقالات پڑھ کر اپنے ملک کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ ان کے دو سفرنامے "یورپ نامہ" اور "جرمنی نامہ" شائع ہو چکے ہیں۔ نیز چین جہاں وہ ایک طبی وفد کے قائد کی حیثیت سے گئے تھے، وہاں کے دورے کے نتیجے میں "میڈیسن ان چائنا" (MEDICIN IN CHINA) لکھ چکے ہیں۔

ہمدرد فاونڈیشن نے ایک اہم تحریک "تحریکِ صحتِ ملی" بھی شروع کر رکھی ہے ۔ ۱۹۷۱ء میں اس کا آغاز ہوا تھا ۔ اس تحریک کا مقصد عوام میں شعورِ صحت پیدا کرنا اور ان کو صحت کے اصولوں پر عمل کرنے پر مائل کرنا ہے ۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی سماجی تحریک ہے ۔ اس تحریک کے تحت ہر سال صحت ملی کانفرنس منعقد ہوتی ہے ۔ صحت کے بارے میں عام فہم لٹریچر شائع کیا جاتا ہے ۔ صحت اور معاشرتی مسائل پر فیچر فلمیں تیار کی جاتی ہیں اور سارے ملک میں ان کی نمائش کی جاتی ہے ۔

انجمن ترقی طب پاکستان نے طب اور اطبا کو پاکستان میں اہم مقام دلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اپنی منظم اور مسلسل کوششوں کے ذریعہ طب مشرقی کو سرکاری طور پر تسلیم کرایا اور طبی ایکٹ منظور کرانے کی سعیٔ پیہم کی ۔ انجمن ترقی طب کے سکریٹری جنرل حکیم محمد سعید ہیں ۔ ان کی قیادت میں انجمن نے اطبا کا وقار بلند کرنے اور طب مشرقی پر لوگوں کا اعتماد بحال کرنے کے لئے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ۔ اس انجمن کی مالی سرپرستی تمام تر ہمدرد نیشنل فاونڈیشن کرتا ہے ۔

فاونڈیشن کی ایک اور رفاہی خدمت "ہمدرد گشتی دواخانہ" ہے ۔ یہ گشتی دواخانہ ۱۹۶۳ء سے ضرورت مند مریضوں کی بلامعاوضہ خدمت انجام دے رہا ہے ۔ کراچی کی دور دراز بستیوں میں گشتی دواخانہ پہنچ کر مریضوں کو بلا قیمت دوائیں دیتا ہے ۔ اب تک گشتی دواخانہ پر پانچ لاکھ روپے سے زیادہ خرچ ہو چکے ہیں ۔

پاکستان میں ہمدرد نیشنل فاونڈیشن ہی وہ واحد غیر سرکاری فاونڈیشن ہے جس کے مقاصد اور وظائف میں علمی سرگرمیوں کو مرکزیت حاصل ہے اور جو تہذیبی زندگی میں ایک فعال کردار ادا کرتا ہے ۔

قاضی جاوید
بی کام - سال اوّل

انجمن ترقی طب۔ کراچی

مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم نے طب مشرقی کی حفظ و بقا کے لئے جو کوششیں شروع کی تھیں اور اس کی ترقی کے جو خواب انھوں نے دیکھے تھے، اگرچہ ان کی کوششوں کی بارآوری انھیں کے زمانے میں شروع ہو گئی تھی اور خواب کی تعبیر کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ لیکن ان کی کوششوں کی واقعی تعبیر برصغیر پاک و ہند کے دو عظیم بھائیوں حکیم عبدالحمید اور حکیم محمد سعید کی کوششوں کی رہین منت ہے۔ ان دونوں عظیم بھائیوں نے طب مشرقی کی بقا اور ترقی کے لئے نیز مسلمانوں کی علمی و تہذیبی زندگی میں عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔

انجمن ترقی طب کا قیام حکیم محمد سعید دہلوی کی خدمات جلیلہ کا ایک پہلو ہے۔ یہ انجمن ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کے نظام شمسی میں ایک سیارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ اس نظام میں وہ اپنے مرکز ثقل سے وابستہ ہے لیکن اپنے دائرہ افادہ و فیضان کے لحاظ سے ایک مستقل بالذات ادارہ ہے۔ اس کے اغراض و مقاصد میں پیشہ ورانہ معاملات و مسائل میں تعاون، پیشہ کے وقار، مطب کے قیام اور عوام و اطباء میں باہمی روابط وغیرہ کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنے کے علاوہ ایسی دفعات اور مقاصد بھی ہیں جو اسے پیشہ ورانہ اداروں سے نکال کر علمی و فنی اداروں میں شامل کرتے ہیں یہ خاص دفعات مندرجہ ذیل ہیں۔

- طب اور متعلقہ سائنسوں کو ترقی دینا
- اطبا میں مجلسی، اجتماعی اور فنی شعور کو مستحکم کرنا
- پاکستان میں طبی تعلیم کی ترقی کی تدابیر اختیار کرنا اور نصاب تعلیم پر نظر ثانی کر کے اسے تقاضائے وقت کے مطابق کرنا اور میڈیکل کالجوں میں طب کے مضامین داخل کرانے کی جدوجہد کرنا

○ طب کی نصابی اور علمی کتابوں کی تدوین۔ تصنیف و تالیف اور ترجموں کے لئے کوشش کرنا اور ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کرنا اور کرانا

یہ انجمن تقریباً . . . . سال سے قائم ہے اور طب کی ترقی، کتابوں کی تصنیف و تالیف، نصاب کی تیاری، طبابت کے وقار کی بحالی، اطبا کی سماجی حیثیت میں اضافے اور مطب کی تنظیم اور پیشہ کے استحکام کے لئے بہترین خدمات انجام دی ہیں۔ ایک مدت سے اخبار الطب کے نام سے ایک پندرہ روزہ طبی رسالہ بھی شائع ہوتا ہے جس میں نہایت عمدہ علمی مضامین، مباحث اور مفید معلومات ہوتی ہیں۔

انجمن ترقی طب اور اس کے سکریٹری جنرل حکیم محمد سعید دہلوی کی بدولت طب مشرقی کے مطلع پر سپیدہ صبح کے آثار پورے طور پر نمایاں ہو چکے ہیں۔

طبیہ حبیبیہ کالج۔ ڈھاکہ

یہ کالج ڈھاکہ کے مشہور طبیب اور اہل قلم حکیم حبیب الرحمٰن نے تقریباً ۱۹۲۳ء میں قائم کیا تھا۔ حکیم صاحب مسیح الملک حکیم اجمل خاں دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ کالج قائم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ طب یونانی کی زندگی کا علمی بنیادوں پر بھی سروسامان کر دیا جائے، پڑھے لکھے طبقے کے لئے ایک باعزت وسیلہ معاش کا انتظام ہو جائے اور خدمت خلق کا ایک بہترین وسیلہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے۔ حکیم صاحب کے انتقال (۱۹۴۷ء) تک یہ کالج بہترین خدمات انجام دیتا رہا ہے۔ اس کے بعد بھی اگرچہ کالج قائم رہا۔ لیکن حکیم صاحب کی طرح اس میں دلچسپی لینے والا اور روح پھونکنے والا کوئی نہ تھا اس لئے اس کا زوال ہو گیا۔

سید فیض فاروق سبحانی
شعبہ معاشیات

چند دیگر علمی و فنی ادارے

پاکستان کی موجودہ عوامی حکومت کے قیام کے بعد ملک اور قوم کی ترقی، قومی احساس کے نشو و نما، تعلیم کے فروغ، ادب و تہذیب اور فنون لطیفہ کی ترویج و اشاعت اور ذوق کی تربیت کے لئے جو ہمہ جہت کوششیں ہوئی ہیں۔ ان میں اس کا یہ قابلِ قدر اقدام بھی ہے کہ اس نے متعدد علمی و فنی ادارے قائم کئے اور بعض قدیم اداروں کو ملک اور قوم کی نئی ضرورتوں اور حالات کے تقاضے کے مطابق نیا پروگرام دیا اور انھیں فعال بنانے اور قوم کی ذہنی، فکری اور علمی و فنی ضرورتوں کے مطابق ان کے وجود و خدمات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی کی۔ حکومت کی یہ کوششیں نہایت سود مند ثابت ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ اگر متعلقہ اداروں کے کارکن بھی قومی خدمت کے جذبے کے ساتھ حکومت کے پروگراموں کو کامیاب بنانے میں تعاون کرتے تو حکومت کی ان کوششوں کا فیضان اور زیادہ وسیع ہو جاتا اور جن اداروں کے کارکنوں میں یہ جذبہ پیدا ہوا ہے وہاں حکومت کی کوششیں بہت زیادہ کامیاب ہوئی ہیں اور پیش نظر مقاصد کا حصول آسان ہو گیا ہے۔

عوامی حکومت نے علم و تعلیم کے فروغ، ادب و تہذیب اور فنون لطیفہ کی ترقی اور قومی ورثے کے تحفظ کے لئے جو نئے ادارے قائم کئے یا پہلے سے قائم شدہ جن اداروں کی از سر نو تنظیم کی یا انھیں نئے منصوبے دیئے اور فعال بنایا ان میں . . . آر سی ڈی کے ماتحت علمی و ثقافتی ادارے پاکستان نیشنل سینٹرز، پاکستان نیشنل فارم گائیڈ" لوک ورثے کا قومی ادارہ، ادارہ تعلیم بالغان، پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس نیشنل بک فاؤنڈیشن وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان اداروں کے قیام کے مقاصد اور ان کی خدمات کا تعارف اس نمبر کے مختلف حصص

میں کیا گیا ہے اور چند ادارے اس مضمون کا موضوع ہیں۔

پاکستان نیشنل سینٹر قومی و ملکی مسائل سے آگہی، قومی کردار کی تشکیل، ملکی، قومی اور بین الاقوامی مسائل کے بارے میں عوام کی رائے کی تربیت اور پاکستان کی تاریخ، تہذیب، ثقافت اور ملکی و قومی معاملات میں حصہ لینے کے لئے عوام کی ذہنی و فکری تربیت کے لئے پاکستان نیشنل سینٹر کا قیام عمل میں آیا تھا اس وقت پاکستان کے چوبیس بڑے شہروں میں اس کی شاخیں قائم ہیں اور انھیں مقاصد کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ پاکستان نیشنل سینٹرز تقریروں، مذاکروں، علمی و ادبی مجلسوں، فنون لطیفہ کے مظاہروں کے ذریعے ان مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سینٹرز اپنے اپنے شہروں میں تہذیبی و ثقافتی مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مراکز نے قومی یکجہتی کے قیام میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے نیشنل سینٹر کی ہر شاخ کے تحت لائبریری، ریڈنگ روم، آڈیٹوریم وغیرہ قایم ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق تمام شاخوں کی لائبریریوں میں کتابوں کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار ہے۔ راولپنڈی اور کراچی کے سینٹرز میں کتابوں کی دو دکانیں بھی کھولی گئی ہیں مرکزی دفتر میں ایک شعبہ مطبوعات بھی قائم کر دیا گیا ہے جس کی طرف سے قومی مسائل پر کتابیں شایع کر کے تقسیم کی جاتی ہیں۔

ادارہ تعلیم بالغاں۔لالہ موسیٰ ۱۹۵۳ء میں یہ ادارہ دیہی ترقیاتی تنظیم کے کارکنوں کی تربیت کے لئے وجود میں آیا تھا۔ ابتدا میں ایک سال اس کا مرکز فائدآباد ضلع سرگودھا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں اسے لالہ موسیٰ منتقل کر دیا گیا۔ ملک میں بنیادی جمہوریت کے نظام کے نفاذ کے بعد ۱۹۷۱ء میں اس کا نام بدل کر "تربیت گاہ بنیادی جمہوریت" کر دیا گیا اور بنیادی جمہوریت کا نظام ختم کر دیا گیا تو اس کا نام بھی بدل کر "تربیت گاہ مقامی حکومت لالہ موسیٰ" کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں محکمہ مال کے قانون گو، محکمہ تعلیم کے اسسٹنٹ ڈپٹی انسپکٹرز، زرعی ترقیاتی بنک کے مینجرز، فارم گائیڈ کونسل گرل گائیڈ ایسوسی ایشن اور سماجی بہبود کے رضا کاروں کے لئے خصوصی کورس مقرر کئے گئے اور تعلیم بالغاں کا اہتمام بھی کیا۔ یہ ادارہ جس دائرے میں کام کر رہا ہے اس کی تعلیمی، تدریسی ضرورتوں کے مطابق اس نے نصاب بھی مقرر کیا اور اسے شایع کیا، عام معلومات کے لئے کتابیں اور کتابچے بھی شایع کئے۔ تعلیم بالغاں اور ترقیاتی کاموں کے بارے میں کتابیں شایع کیں۔ جن کی تعداد سو سے زیادہ ہو چکی ہے۔ موجودہ دور میں یہ ادارہ نہایت سرگرمی کے ساتھ ملکی ترقی کے مختلف کاموں، عوام، سماجی کارکنوں ...

نیشنل فارم گائیڈ کونسل آف پاکستان

اس کونسل کا مرکز لاہور ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے زرعی ترقی کے کاموں میں کسانوں اور زمینداروں کی رہنمائی کے لیے قائم ہے۔ اس کے رضا کار دیہات میں جاکر کاشت کاروں کو زمین کے قابل کاشت بنانے، بیج کے انتخاب، فصلوں کی حفاظت، مویشیوں کی پرورش، ان کی بیماریوں، علاج وغیرہ اور زرعی ترقیات کے تمام کاموں میں مشورے اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

کونسل نے عوام اور کاشت کاروں کی جہالت دور کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور مختلف فصلوں و اجناس کی کاشت، ان کی پیداوار، کھاد، جانوروں کی پرورش، ان کی نگہداشت اور زراعت کے ہر قسم کے مسائل پر بہت سی کتابیں بھی شائع کی ہیں۔ اس کی جانب سے "دیہی رضا کار" کے نام سے ایک پندرہ روزہ رسالہ اردو میں اور "فارم گائیڈ" کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔

نیشنل بُک فاؤنڈیشن

پاکستان میں "ڈاکٹری" ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ کی کتابوں کا حصول شروع ہی سے ایک مسئلہ رہا ہے۔ ان کتابوں کی قیمتیں اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ غریب طلبہ تو خرید ہی نہیں سکتے۔ بعض اوقات کتابوں کی کم یابی اور نایابی کی بنا پر اُمرا کے لئے بھی ان کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے ڈاکٹری اور انجینئرنگ کی تعلیم پر نہایت ناخوش گوار اثر پڑتا ہے۔ لیکن موجودہ حکومت کے قیام سے پہلے کسی نے ملک کے اس اہم مسئلے کی طرف توجہ نہیں کی۔ موجودہ عوامی حکومت نے اس مسئلے کی اہمیت کا احساس کیا اور اس کے حل کے لیے صحیح سمت میں قدم بھی اٹھایا۔ نیشنل بُک فاؤنڈیشن کا قیام پاکستان کی وفاقی حکومت کے اسی احساس اور مسئلے کے حل کے لیے کوشش کا نتیجہ ہے۔ یہ ادارہ قومی اسمبلی کے ایک فیصلے کے مطابق جولائی ۱۹۷۲ء میں قائم ہوا۔ اس کے چیئرمین وفاقی وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ ہیں۔

اس ضرورت کے پیش نظر ایک طرف تو فاؤنڈیشن نے چالیس لاکھ روپے کی کتابیں درآمد کیں اور سات روپے فی ڈالر کے حساب سے ان کی قیمتیں مقرر کر کے انھیں سائنس،

ٹیکنالوجی، انجینیرنگ، ڈاکٹری اور کامرس کے طلبہ کے لیے مہیا کیں دوسری جانب اس نے غیر ملکی ناشرین سے ان کی مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت کا انتظام کیا اور بیرونی ایڈیشنوں کی اصل قیمت کے مقابلے میں صرف ۲۰ فی صد یا ۲۵ فی صد قیمت مقرر کی۔ اس طرح مذکورہ بالا علوم وفنون کی کتابوں کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی۔

فاؤنڈیشن نے بچوں کے لئے، عام قارئین کے لئے اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے لئے بھی کتابیں شائع کیں۔ ان کتابوں کی اشاعت سے بچوں کے ادب میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے، عام قارئین اور طلبہ کے لئے بھی عمدہ اور مفید کتابیں وجود میں آئی ہیں۔ ان کتابوں کے ذریعے دنیا کے ملکوں، قوموں، ادب، تاریخ وغیرہ کے بارے میں نہایت بیش قیمت معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ بچوں کی کتابوں کی افادیت عام کتابوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ ان کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ عام کتابوں میں بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن کی اشاعت کی وجہ ان کی افادیت واہمیت کی بجائے دوسری ہو سکتی ہے۔

فاؤنڈیشن کی جانب سے غلام سرور مرحوم کا انگریزی ترجمہ قرآن نہایت فخر کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ لیکن یہ ترجمہ اپنی اہمیت کی بنا پر شائع نہیں کیا گیا ہے۔ اس ترجمہ قرآن میں بعض بہت بڑی اغلاط موجود ہیں۔ فاؤنڈیشن کے بعض ملازمین کی کتابیں بھی فاؤنڈیشن سے شائع ہوئی ہیں۔

بچوں اور عام قارئین کے لئے فاؤنڈیشن نے جو کتابیں شائع کی ہیں ان کی قیمتیں بہت زیادہ ہیں۔ بچوں کی کتابوں میں سولہ صفحے کی کتاب کی ایک روپے سے لے کر تین روپے تک قیمت ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر جمیل جالبی کی معرکہ آرا کتاب "ارسطو سے ایلیٹ تک" (۵۰۲ صفحے) کی قیمت اسّی روپے ہے۔ جب کہ جالبی صاحب کی کتاب تاریخ ادب اردو (جلد اول) جو مجلس ترقی ادب نے شائع کی ہے۔ اول الذکر کتاب سے سائز میں بڑی اور ضخامت میں تقریباً دو سو صفحات زائد ہیں۔ چالیس روپے میں ملتی ہے۔

فاؤنڈیشن اپنی کتابوں میں اہتمام تزئین اور کاغذ کے فرق کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کا جواز رکھتا ہے۔ لیکن پاکستان جیسے غریب اور ترقی پذیر ملک کے باشندوں کی قوت خرید سے یہ قیمتیں بہت زیادہ ہیں۔

پاکستان فلاسفیکل کانگریس ڈھاکہ پاکستان میں یہ اپنی نوعیت کا واحد ادارہ تھا جو ۱۹۵۴ء میں فلسفے کے مطالعہ کے فروغ کے لئے قائم ہوا تھا اور ڈھاکہ اس کا مرکز قرار دیا گیا تھا۔ پاکستان میں فلسفہ اور اس کے متعلقات وموضوعات پر دیگر اداروں نے بھی کچھ کتابیں شائع کی ہیں۔ لیکن اس ادارے نے اپنے قیام سے لے کر ۱۹۶۹ء تک سالانہ کانفرنسوں کے ذریعے پاکستان میں فلسفیانہ مطالعے کا جو ذوق پیدا کیا وہ شاید بہت سی کتابوں کی اشاعت سے بھی نہ پیدا ہوتا۔ اس دوران میں اس کی سالانہ کانفرنسوں میں جو مقالات پڑھے گئے ان کی اشاعت کانگریس کی مفید خدمت ہے۔ مقالات کی اشاعت کے علاوہ کانگریس کی جانب سے فلسفے کے موضوع پر چند اور کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں۔ ان میں چودھری عبدالقادر کی لاجیکل پوزٹو ازم، اور ورلڈ آف فلاسفی، محمد سعید شیخ کی اسٹڈیز ان مسلم فلاسفی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

باب ششم

دینی علمی ادارے

ادارہ معارف اسلامیہ لاہور

سنہ ۱۹۲۸ء میں جب کہ آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی تو اس کو دیکھ کر ڈاکٹر سر محمد اقبال کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اسی نمونے پر ایک ادارہ مخصوص طور سے علوم اسلامیہ کی تحقیق و ترویج کے لیئے قائم ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ان کی تحریک اور رہنمائی سے اس مقصد کی تکمیل کے لیئے لاہور کے بعض علم دوست مسلمانوں کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس نے یہ فیصلہ کیا کہ ادارہ مجوزہ کا نام ادارہ معارف اسلامیہ ہو۔ اور ہر دوسرے سال اس کا اجلاس ہندوستان کے کسی بڑے شہر میں ہوا کرے جہاں محققین علوم اسلامیہ جمع ہو کر اپنے علمی مقالات سے حاضرین کو مستفید کیا کریں اور بعد میں یہ مقالات ایک کتاب کی شکل میں شایع کیئے جایا کریں۔ بعینہٖ جیسے یورپ میں مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس یا ہندوستان میں آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کرتی ہے۔

اس اہم مقصد کو عمل میں لانے کے لیئے روپے کی فراہمی ایک مشکل مسئلہ تھا جو اس وقت حل نہ ہو سکا۔ لہذا دو تین سال یہ اسکیم معرض التوا میں رہی تا آنکہ سنہ ۱۹۳۱ء میں ڈاکٹر سر محمد اقبال کو حیدر آباد (دکن) تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا اور ان کی کوشش اور ذاتی اثر سے ادارہ کے لیئے ریاست کی طرف سے دو ہزار روپے سالانہ کی امداد تین سال کے لیئے منظور ہوئی۔ سال اول کی قسط دسمبر سنہ ۱۹۳۲ء میں وصول ہونے پر مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا کہ ادارے کا پہلا اجلاس ۱۵-۱۶ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کو بصدارت ڈاکٹر صاحب ممدوح لاہور میں منعقد ہو۔"

یہ سطریں ادارہ معارف اسلامیہ کے اجلاس اول کی روداد سے نقل کی گئی ہیں۔ ان سے ادارے کے قیام کا پس منظر، اس کی تاریخ، اور پیش نظر مقاصد کے علاوہ اس کے سروسامان

کے اسباب اور اجلاس اول کی تاریخ تک معلوم ہو جاتی ہے۔ اجلاس کی صدارت علامہ اقبال مرحوم نے کی اس اجلاس میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے گیارہ مندوبین تشریف لائے جن میں نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی، علامہ عبداللہ یوسف علی، ڈاکٹر عبدالعلیم شمس العلماء مولوی عبدالرحمٰن، علامہ سید سلیمان ندوی، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اجلاس کی پانچ نشستیں ہوئیں۔ اس موقع پر مخطوطات اور مسکوکات کی ایک نمائش کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ اجلاس کی مختلف نشستوں میں جو مقالات پڑھے گئے ان میں سے سولہ مقالے (اردو ۷۔ عربی ۱۔ انگریزی ۸) ادارے کی روداد میں موجود ہیں۔ جن اہل علم نے اردو میں مقالات پڑھے، ان کے نام اور مقالے یہ ہیں:

سید سلیمان ندوی (لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا) حافظ محمود خان شیرانی (ریختوں کے تعلیمی نصاب) مولوی ریاست علی ندوی (سسلی میں مسلمانوں کا تمدن) مولوی عبدالرحمٰن دہلوی (مناصب اکبری اور ان کی تنخواہیں) مولوی سعید انصاری (عربی علم اللغۃ کی تاریخ) ڈاکٹر سید اظہر علی (قراقویونلو ترکمان) محمد عبداللہ چغتائی (کمال الدین بہزاد مصور)

ادارے کا دوسرا اجلاس بھی لاہور میں ۱۰-۱۱-۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء میں ہوا اس اجلاس کے صدر میاں سر فضل حسین تھے۔ ملک کے مختلف حصوں سے پندرہ مندوبین نے اجلاس میں شرکت کی جن میں سے مولوی عبدالرحمٰن، مولانا اسلم جیراج پوری، ڈاکٹر ہادی حسن، مولانا امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر نظام الدین، ڈاکٹر حمید اللہ، قاضی احمد میاں اختر، مولوی سید ریاست علی ندوی قابل ذکر ہیں۔ اس موقع پر بھی نادر مخطوطات اور مسکوکات کی ایک نمائش کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس اجلاس کی چھ نشستیں ہوئیں جن میں اردو اور انگریزی کے تیئیس مقالات پڑھے گئے۔ ڈاکٹر ہادی حسن نے انگریزی میں ایک عالمانہ تقریر کی۔ ایک مقالہ ڈاک کے ذریعے سے وصول ہوا۔ دوسرے اجلاس کی روداد میں بائیس مقالے اردو (۱۱) انگریزی (۱۱) شامل ہیں۔ انگریزی خطبہ استقبالیہ اور صدارتی تقریر اس کے علاوہ ہے۔ جن اصحاب فضل و کمال نے اردو میں مقالات پڑھے ان کے اسمائے گرامی اور ان کے

مقالات کے عنوانات حسب ذیل ہیں۔

مولانا اسلم جے راج پوری (علم تفسیر) مولانا ریاست علی ندوی (سراج ہندی) قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی (ا۔ مسلمانان سلف اور جمع ومطالعہ کتب کا شوق ۲۔ مدرسہ شبلی بحیثیت شاعر) امتیاز علی عرشی (سمعانی اور اس کی کتاب الانساب) شمس العلما مولوی عبد الرحمان (الرواج حول الجزیۃ والخراج) حافظ محمود خان شیرانی (مثنوی عروۃ الوثقی ا، شہابی) ڈاکٹر محمد عبد الحق (مصر جدید کے دو شاعر ـــ حافظ اور شوقی) ڈاکٹر سید اظہر علی (تاریخ محمد عارف قندہاری) سید مسعود حسن رضوی (ایران میں مرثیہ گوئی کی ابتدا) ڈاکٹر زبید احمد (ہندوستان کی عربی تصانیف متعلقہ علوم قرآنیہ)

اردو معارف اسلامیہ کا تیسرا اجلاس ۲۶-۲۷-۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء کو دہلی میں ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں اٹھارہ اہل علم ملک کے مختلف حصوں سے بہ حیثیت مندوب تشریف لائے۔ اس مرتبہ بھی حسب سابق مخطوطات اور مسکوکات کی ایک نمائش کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اجلاس کی آٹھ نشستیں ہوئیں جن میں بائیس مقالات پیش کئے گئے۔ ڈاکٹر ہادی حسن اور دیگر اصحاب نے زبانی تقاریر کیں خطبہ استقبالیہ کے علاوہ حصار دو میں آٹھ مقالات، مولانا عبد العزیز میمنی کے عربی میں دو مقالے اور انگریزی میں شاہ سلیمان کے صدارتی خطبے کے علاوہ پانچ مقالات شامل ہیں۔ اردو کے مقالہ نگار اور ان کے مقالات حسب ذیل ہیں؛ سید مسعود حسن رضوی (ایران میں تمثیل تعزیہ) سید منظور حسین موسوی (ضیاء الملک اعتماد الدولہ میر فضل علی خاں سہراب جنگ) حکیم محمود علی خاں ماہر اکبر آبادی (سنسکرت پر مسلمانوں کا احسان) پنڈت لچھمی دھر شاستری (ہندی ادب میں تصوف اور مسلمان) سر شاہ محمد سلیمان۔ (اضافیت جدید) اس اجلاس میں بیرون دہلی کے جن مندوبین نے شرکت کی، ان میں چند نام اوپر مقالہ نگاروں میں آگئے ہیں۔ دیگر چند خاص نام یہ ہیں۔ لاہور سے پروفیسر محمد شفیع، ڈاکٹر محمد اقبال، پروفیسر محمد فضل الدین قریشی پشاور سے پروفیسر محمد سخا، حیدرآباد دکن سے ڈاکٹر محمد نظام الدین، رام پور سے امتیاز علی عرشی، جوناگڑھ سے قاضی احمد میاں اختر،

بھاول پور سے ڈاکٹر محمد شجاع منعمی، اعظم گڑھ سے مولوی شاہ معین الدین ندوی، بمبئی سے موسیو ڈبلیو آڈ نوف۔ اس اجلاس میں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے بھی شرکت کی تھی اور ان کی صدارت میں ایک مشاعرہ بھی ہوا تھا۔

ادارہ معارف اسلامیہ کے پہلے صدر سر عبدالقادر تھے پہلے اجلاس کی روداد میں ان کا نام موجود ہے۔ ان کے بعد پروفیسر مولوی محمد شفیع صدر مقرر ہوئے اجلاس دوم اور سوم کی روداد میں ان کا اسم گرامی موجود ہے معتمد اور خازن کے عہدے پر شروع سے آخر تک پروفیسر محمد اقبال فائز رہے۔

ادارے کے بارے میں خواجہ عبدالوحید صاحب سے معلومات حاصل کر لی تھیں۔ بعد میں ادارے کے تینوں اجلاسوں کی ضخیم روددادیں بھی دیکھنے کو مل گئیں اور خواجہ صاحب موصوف کی بتائی ہوئی ایک ایک بات کی تصدیق ہو گئی اور اجلاسوں کی تاریخیں نشستوں کی تعداد تمام مندوبین کے اسمائے گرامی، مقالات کے عنوانات وغیرہ بھی معلوم ہو گئے۔ جو اہل علم ادارے کے قیام سے لے کر آخر تک اس کی مجلس عاملہ میں شامل رہے ان میں خواجہ صاحب بھی تھے۔ خواجہ صاحب ادارے کے سرگرم کارکن تھے۔ خواجہ صاحب نے بتایا کہ جب ادارے کا پہلا اجلاس ہوا اور عہدے داروں کا انتخاب عمل میں آیا تو سر عبدالقادر نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا نام کے لئے تو عہدہ دار مقرر ہو گئے۔ اب کام کے لئے بھی کسی کا انتخاب کر لینا چاہیے۔ سر عبدالقادر کی اس بات سے تمام حضرات محظوظ ہوئے۔ پھر انھوں نے خود ہی خواجہ صاحب کا نام جوائنٹ سکریٹری کی حیثیت سے تجویز کر دیا اور اسے تمام لوگوں نے بخوشی منظور کر لیا۔

ادارہ معارف اسلامیہ ایک علمی ادارے کے مقابلے میں ایک علمی اور فکری تحریک تھی۔ اس کے اجلاسوں اور کوششوں کا ملک کے تمام علمی حلقوں میں اعتراف کیا گیا اہل علم اس کے اجلاسوں میں نہایت ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوتے تھے اس کی کوششوں سے مسلمانوں میں علمی، تحقیقی اور تصنیفی شوق پیدا ہوا۔ اس کے اجلاسوں میں جو مقالات پیش کیے گئے وہ نہ صرف اپنے موضوع کے لحاظ سے اہم تھے۔ بلکہ ان کا تحقیقی معیار بھی انتہائی بلند تھا۔ یہ ادارہ اگرچہ اپنے صرف تین اجلاس منعقد کر سکا۔ لیکن اس نے اپنی علمی کوششوں اور معیار کا جو نمونہ چھوڑا وہ تمام اداروں کے لئے چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس طرح ادارے کے اثاثے میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے۔ اگر عام دلچسپی برقرار رہی تو توقع ہے کہ ادارہ جلد ہی اپنے پاؤں پر کھڑا رہنے کی سکت پیدا کرلے گا۔

اسٹڈیزان اسلام کے نام سے ایک سہ ماہی مجلہ جنوری ۱۹۶۲ء سے نہایت باقاعدگی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ اس کے لکھنے والوں میں بلند پایہ اہلِ قلم شامل ہیں۔ گزشتہ گیارہ سال کی مدت میں اس کے صفحات میں علوم و معارف اسلامی کا ایک نہایت قابل قدر ذخیرہ جمع ہوگیا ہے۔ اس کا ایک نہایت عمدہ اور مفید سلسلہ وہ اشاریہ مضامین ہے جو اسلامی موضوعات کا پاکستان اور ہندوستان میں شائع ہونے والے علمی، تحقیقی، دینی رسائل سے مرتب کیا جاتا ہے۔ ۱۹۶۸ء میں اس کا ایک شان دار اقبال نمبر بھی شائع ہوا ہے جس سے اعلیٰ اور عالمی سطح پر اقبالیات کے مطالعے کی راہیں کھلتی ہیں۔

ادارے کی جانب سے نصف درجن کے قریب کتابیں شائع ہوچکی ہیں، ان میں ایک معرکہ آرا کتاب پروفیسر ڈاکٹر خورشید احمد فاروق کی مختار ثقفی بن ابوعبید بن دی اسٹوری آف این عرب ڈپلومیٹ "کے نام سے ہے۔ یہ کتاب اس دعوے کے ساتھ پیش کی گئی ہے کہ عربی، انگریزی، اردو وغیرہ میں اس شخصیت پر یہ پہلی کتاب ہے جو بنیادی ماخذ کے براہِ راست مطالعے کے بعد تصنیف کی گئی ہے۔ ادارے نے اسلامی موضوعات پر علمی و تحقیقی ذوق پیدا کرنے اور بلند پایہ لٹریچر کی فراہمی کے لیے ۱۹۶۷ء میں پندرہ ہزار روپے کے ایک انعام کا اعلان بھی کیا تھا جس کے نتیجے میں چند نہایت قیمتی اور بلند پایہ علمی مسودات فراہم ہوگئے۔

بیت الحکمت۔ دہلی

مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے ایک سیاسی منصوبے کے مطابق کابل تشریف لے گئے تھے۔ بعد میں برٹش حکومت نے انھیں جلاوطن قرار دے دیا اور ہندوستان میں ان کے داخلے پر پابندی لگا دی۔ ان کی جلاوطنی کی مدت تقریباً ۲۴ سال ہوتی ہے۔ یہ زمانہ انھوں نے کابل، روس، ترکی اور حجاز میں بسر کیا۔ اس دوران میں انھیں جو تجربات ہوئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ دوسرے ملک میں تعطل کی زندگی بسر کرنے کے مقابلے میں اپنے ملک میں رہنا اور کچھ پابندیوں کے ساتھ کام کو جاری رکھنا بہرحال مفید ہے۔ چنانچہ اس ذہنی فیصلے کے بعد انھوں نے برٹش حکومت کی یہ پابندی گوارا کرلی کہ وہ عدم تشدد کے قائل اور آئینی حدود کے اندر رہ کر ملک کی آزادی کے لئے کام کریں گے۔ جب مولانا نے یہ فیصلہ کرلیا تو ان کے دوستوں نے حکومت سندھ کو ان کی ضمانت پر آمادہ کرکے ان کے لئے وطن واپس آنے کا راستہ صاف کردیا۔

مارچ ۱۹۳۹ء میں مولانا سندھی وطن واپس آئے اور کراچی کے ساحل پر قدم رکھا۔ وہ ملک میں سیاسی و علمی کام کرنے کے لئے مکہ معظمہ میں ایک مستقل لائحۂ عمل مرتب کرچکے تھے۔ اس سلسلے میں ان کے فیصلے کا اہم ترین پہلو یہ تھا:

۱۔ فلسفہ عدم تشدد پر یقین اور آئینی حدود کی پابندی

۲۔ کانگریس میں شمولیت

۳۔ لیکن کانگریس کے کسی گروپ کا تابع بن کر رہنے کے بجائے کانگریس میں اپنی مستقل پارٹی بنانا۔ اس پارٹی کا نام انھوں نے جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی رکھا تھا۔

اس پارٹی کے قیام سے وہ کوئی وقتی سیاسی فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اس کے ذریعے ملت کے مفاد کا بہترین تحفظ اور ذہن و فکر کی تربیت کے ساتھ ابنائے وطن کی ایک فلسفہ زندگی کی طرف رہنمائی مقصود تھی، تاکہ مستقبل میں مسلمان ان تمام خدشات سے محفوظ ہو جائیں جو ان کے مفاد کے راستے میں حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک مستقبل میں مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ دستوری تحفظات کے ذریعے نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ اس کا تعلق ایک ذہنی و فکری انقلاب سے تھا جس کی نبیاد امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حکمت پر تھی۔ مولانا سندھی شاہ ولی اللہ کو اپنا امام مانتے ہیں ان ہی کو سیاست میں اسلام کی صورت و معنی کا محافظ سمجھتے ہیں، اور انہی کے طریقے کو ہندوستان کے مسلمانوں کی ترقی کا واحد طریقہ خیال کرتے ہیں۔ جمعیت علمائے بنگال کے خطبۂ صدارت میں مولانا سندھی فرماتے ہیں:

"میں اپنا امام ولی اللہ دہلوی کو بنا چکا ہوں جو اپنی انقلابی سیاست میں اسلام کی صورت اور معنی کا کامل محافظ ہے۔"

جمعیت الطلبہ سندھ کے خطبہ صدارت میں لکھتے ہیں:

"اس وقت ہندوستان مسلمانوں کی ترقی کے لئے امام ولی اللہ کے طریقے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔"

یہی وجہ تھی کہ مولانا سندھی چاہتے تھے کہ شاہ ولی اللہ کے فلسفے سے مسلمان اور ہندو نوجوانوں کو روشناس کرایا جائے تاکہ وہ سمجھ لیں کہ مستقبل میں ہندوستان کی عظمت و شوکت صرف حکومت کی تبدیلی میں نہیں بلکہ اس زندگی اور اس انقلاب میں ہے جن پر ایک مسلمان بھی اتنا ہی فخر کر سکے جتنا کہ دوسرے ابنائے وطن، اس مقصد سے شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی تعلیم و اشاعت کی ضرورت تھی تاکہ ایک ایسا فکری انقلاب پیدا کیا جائے۔ اس فلسفے کی تعلیم و اشاعت کے لئے ایک مرکز کی ضرورت تھی یہ مرکز بیت الحکمت تھا۔ اصحاب علم و حکمت کی ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو اس فلسفے کی عالم، معلم اور محافظ ہو، یہ جماعت انجمن خدام الحکمت تھی اور ملک کی عملی و سیاسی زندگی میں اس فلسفے کے

مطابق رہنمائی کی ضرورت تھی۔ یہ رہنمائی بیت الحکمت کے فارغ التحصیل اوراس فلسفے کے محققین کے ہاتھ میں آئی تھی جو جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی کے نام سے منظم ہوتے۔ ایک بڑی ضرورت یہ تھی کہ یہ رہنمائی ملک کے عام رجحان اور قومی دھارے کے خلاف یا اس سے الگ نہ ہو بلکہ اس کا جزو ہو، اس کے لئے مولانا سندھی کے نزدیک ان کا ہندوستان کی قومی جماعت میں شریک رہنا ناگزیر تھا۔ مولانا سندھی ہندوستان تشریف لائے تو ان کی زندگی کا مقصد اوران کے افکار ومساعی کا محور یہی امور تھے۔ مارچ ۱۹۳۹ء کے بعد ان کی زندگی کے شب وروز اسی مقصد کے لئے تگ ودو میں بسر ہوئے۔ انھوں نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کی تو انھیں اسی مقصد کی کامیابی کی فکر تھی۔ مولانا سندھی کے ذہن میں شاہ ولی اللہ کی حکمت کی تعلیم واشاعت کا جو منصوبہ تھا اور شاہ صاحب کی حکمت کے تعلیم یافتہ اصحاب سے وہ ملک اور ملت کی تعمیر وتربیت کا جو عظیم الشان کام لینا چاہتے تھے جمعیت علمائے بنگال کے خطبہ صدارت میں انھوں نے اس کی طرف اشارے کئے ہیں۔ وہ اپنے منصوبے کے تمام پہلوؤں پر توجہ نہ دے سکے اور وہ تمام ادارے جو وہ قائم کرنا چاہتے تھے قائم نہ کرسکے۔ لیکن بیت الحکمت کے قیام میں وہ کامیاب ہوگئے تھے اور فی الحقیقت ان کے نظام فکر میں سب سے زیادہ اہمیت بھی بیت الحکمت کی تھی۔ اسے انھوں نے قائم کرایا تھا اوراس کے تحت فکر ولی اللہی کی اشاعت وتعلیم کے عظیم الشان کام کا آغاز ان کی زندگی ہی میں ہوچکا تھا۔

مولانا عبیداللہ سندھی وطن واپس آنے سے پہلے ہی اپنے اس عزم کا اظہار کرچکے تھے کہ:

> "میرا محبوب مشغلہ امام ولی اللہ کے فلسفے کی تعلیم واشاعت ہوگا۔ میں اعلیٰ طبقہ اہلِ علم کو اس طرف متوجہ کروں گا۔ اس میں دینی عالم اور دانشمند لوگ مخاطب ہوں گے۔ اگر کوئی غیر مسلم ہندو، مسیحی، آزاد منش اس فلسفے کا مطالعہ پسند کرے گا تو اس کی پوری امداد کروں گا۔"
>
> (خودنوشت)

وطن تشریف لانے کے بعد انھوں نے اپنی مختلف تحریروں میں بیت الحکمت کے قیام کی ضرورت اور شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی تعلیم و اشاعت کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ جمعیت علمائے بنگال کے خطبہ صدارت میں فرماتے ہیں:

- "میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں دہلی کی جامعہ ملیہ میں اس امام کی فلاسفی سکھانے کے لئے ایک مدرسہ بنانا چاہتا ہوں جو میرے استاد شیخ الہند مولانا محمود حسن کی یادگار ہوگا۔
- اس مدرسے میں امام ولی اللہ کی فلاسفی انگریزی زبان میں ترجمہ کر دی جائے گی اور مسلم و غیر مسلم ہر ایک کو مساوی درجہ پر سکھائی جائے گی۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

- "بیت الحکمت میں قرآن عظیم کی حکیمانہ تفسیر پڑھائی جائے گی۔
- بیت الحکمت میں فقط امام ولی اللہ دہلوی کے فلسفے کی تعلیم ہو سکتی ہے۔
- بیت الحکمت میں ایک ایسا کتب خانہ جمع کیا جائے گا جس کی مدد سے امام ولی اللہ دہلوی کے فلسفے کا حکمائے ہند اور حکمائے یورپ سے مقابلہ کیا جا سکے۔"

مرکزی بیت الحکمت۔ دہلی

بیت الحکمت کی علمی و تعلیمی تحریک ایک کل قومی تحریک تھی۔ مولانا سندھی اس تحریک کو کل ہند بنیادوں پر چلانا چاہتے تھے۔ اس لئے انھوں نے اس کا مرکز دہلی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر کو بنایا تھا۔ ان کے نزدیک کسی بھی کل ہند تحریک کے لئے متحدہ ہندوستان میں دہلی کی اہمیت ناقابلِ انکار تھی۔ لیکن مرکزی بیت الحکمت اور اس کی شاخوں کے قیام کی تاریخوں میں وہ ترتیب نہیں ہے جو بظاہر ہونی چاہیئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا نے بیت الحکمت کے قیام کے لئے وطن واپس آتے ہی زمین ہموار کرنی شروع کر دی تھی۔ اور جہاں انھوں نے اس کے قیام کے لئے حالات سازگار دیکھے کام شروع کرا دیا۔ چنانچہ

کراچی، گوٹھ پیر جھنڈا، دین پور وغیرہ میں شاخیں پہلے قائم ہو گئیں اور دہلی میں مرکزی بیت الحکمت کا قیام بعد میں عمل میں آیا۔

دہلی میں بیت الحکمت کا افتتاح ۷، ارنومبر ۱۹۴۰ء کو ہوا۔ اس موقع پر مولانا سندھی بہ نفسِ نفیس موجود تھے۔ شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین، جامعہ ملیہ کے اساتذہ، طلبہ اور دہلی کے بعض علما بھی افتتاح کے موقع پر موجود تھے۔ اس موقع پر مولانا سندھی مرحوم نے جو خطبہ افتتاحیہ پڑھا وہ ان کے مجموعہ "خطبات و مقالات" میں موجود ہے۔

شاہ ولی اللہ کی حکمت اور ان کی سیاسی تحریک کے تعارف میں دو بلند پایہ اور فکر انگیز تصانیف "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ" اور "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" مولانا عبیداللہ سندھی نے بیت الحکمت دہلی کے گوشہ عزلت میں تصنیف کی تھیں۔ مرکزی بیت الحکمت کے سکریٹری مولانا محمد نور کی مولانا سندھی کے ایک مستعد شاگرد تھے۔

لاہور مولانا سندھی مرحوم کا ارادہ تھا کہ بیت الحکمت کی شاخیں ملک کے ہر حصے میں قائم کی جائیں۔ لیکن جو شاخیں قائم ہوئیں وہ سندھ اور پنجاب میں قائم ہوئیں۔ دارالحکومت دہلی کے بعد سندھ اور پنجاب مولانا سندھی کی علمی و سیاسی سرگرمیوں کے سب سے بڑے میدان تھے۔ یوں تو اپنی اپنی جگہ بیت الحکمت کی تمام شاخوں نے شاہ ولی اللہ کے علوم و معارف اور افکار و خیالات کی اشاعت میں حصہ لیا۔ خصوصاً سندھ میں تو ایک مستقل مکتبہ فکر کی بنیاد پڑی۔ لیکن تصنیف و تالیف کا میدان شروع ہی سے پنجاب کے ہاتھ میں رہا۔ سب سے زیادہ کتابیں بیت الحکمت لاہور سے شائع ہوئیں۔ شاخ لاہور کے صدر مولوی خدا بخش اور سکریٹری بشیر احمد لدھیانوی تھے۔ ان دونوں حضرات نے مولانا سندھی سے استفادہ کیا تھا۔ دونوں صاحبوں نے شاہ ولی اللہ اور ان کے سب سے بڑے شارح و ترجمان مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار کی ترتیب و اشاعت میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اور ان کی کوششوں کی بدولت اردو کے قرآنی و تفسیری لٹریچر میں انقلابی اور وقت کے فکری، سیاسی اور معاشی مباحث پر فکر انگیز اور گراں قدر اضافہ ہوا۔ عنوان انقلاب (تفسیر سورہ

فتح) اصول انقلاب (تفسیر سورہ والعصر) جنگ انقلاب (تفسیر سورہ محمدؐ) امام ولی اللہ دہلوی اور ان کا فلسفہ عمرانیات ومعاشیات، رسالہ محمودیہ وغیرہ تصانیف میری نظر سے گزر چکی ہیں۔

کراچی بیت الحکمت کی شاخ کراچی مدرسہ مظہر العلوم محلہ کھڈہ میں قائم تھی۔ اس کا آغاز ۲۸ ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو ہوا تھا۔ اس کے صدر شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد صادق علیہ الرحمہ اور اس کے پہلے سکریٹری حافظ فضل احمد تھے۔ فضل احمد کے بعد مولانا دین محمود وفائی سکریٹری اور مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی جوائنٹ سکریٹری ہوئے۔ اس کے بعد مولانا قاسمی سکریٹری ہوئے۔ اس کے ممبروں میں شیخ عبدالمجید سندھی، دین محمد (علیگ) مولوی عزیز اللہ جروار وغیرہ تھے۔ بیت الحکمت کراچی کی جانب سے شاہ ولی اللہ کی کتاب سطعات خود مولانا سندھی نے چھپوائی تھی۔ بعد میں مولانا سندھی مرحوم کی مشہور عربی تفسیر "الہام الرحمن" کی جلد اول (پارہ الم) مولانا قاسمی نے مرتب کرکے شائع کی۔ اس پر مولانا قاسمی کا عالمانہ مقدمہ خاص مطالعے کی چیز ہے۔ اس میں سندھ کی پوری علمی دینی تاریخ اختصار کے ساتھ مرتب ہوگئی ہے۔ الہام الرحمٰن جلد اول کا سندھی ترجمہ بھی بیت الحکمت کراچی کی جانب سے شائع کیا گیا۔ الہام الرحمٰن مولانا سندھی کی تفسیر ہے جسے ان کے شاگرد موسیٰ جار اللہ روسی عالم دین نے قیام مکہ کے زمانے میں مولانا سندھی کے الفاظ میں قلم بند کیا تھا۔ اس تفسیر کا ایک حصہ جو حروف مقطعات کی تفسیر پر مشتمل ہے بھوپال سے شائع ہوکر اہل علم میں مقبول ہو چکا ہے۔

گوٹھ پیر جھنڈا یہ ضلع حیدرآباد کا مشہور اور تاریخی موضع ہے۔ یہاں مولانا سندھی نے ۱۹۰۱ء میں دارالرشاد کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ ۲۴ ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو دارالرشاد میں بیت الحکمت کی شاخ قائم ہوئی۔ اس کی مطبوعات اور عہدہ داروں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہو سکا۔

گوردپہوڑ بیت الحکمت کی ایک شاخ مدرسہ دارالسعادت گوروپہوڑ میں بھی قائم ہوئی تھی۔ گوردپہوڑ ضلع سکھر میں تحصیل شکارپور کا ایک موضع ہے۔ یہ

مدرسہ مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگردوں اور ان کے عقیدت مندوں نے قائم کیا تھا اور مولانا سندھی مرحوم نے اس کا افتتاح کیا تھا۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی اس کے پہلے صدر مدرس اور مولوی عبیداللہ ولی اللہی اور مولوی عزیزاللہ جروار اس کے دوسرے مدرسین تھے۔ اس مدرسہ کے طلبہ نے جمعیت الطلبہ سندھ کے نام سے ایک جماعت قائم کی تھی۔ جس کے صدر مولوی عبیداللہ ولی اللہی تھے۔ ان کی کوششوں سے جمعیت کا ایک اجلاس مولانا سندھی کی صدارت میں نہایت شان دار حیدرآباد میں ہوا تھا۔ مولانا سندھی کا خطبہ صدارت "خطبات و مقالات" میں موجود ہے۔ بیت الحکمت کی اس شاخ کے صدر مولوی عزیزاللہ اور ناظم مولوی عبیداللہ ولی اللہی تھے۔ اس کے لٹریچر تک رسائی نہیں ہو سکی۔

شہدادکوٹ بیت الحکمت کی ایک شاخ شہدادکوٹ میں بھی قائم تھی۔ اس کے سرپرست مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی اور سکریٹری مولوی قاضی عزیزاللہ جروار تھے۔ یہ شاخ محمد قاسم ولی اللہ تھیولجیکل کالج میں قائم تھی۔ یہ مدرسہ مولانا قاسمی اور ان کے ایک شاگرد مولوی عزیزاللہ نے قائم کیا تھا۔ مولوی عزیزاللہ مدرسہ دارالسعادت گوروپیہوڑ کے مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔

محمد قاسم ولی اللہ تھیولجیکل کالج کا افتتاح ۴ راگست ۱۹۴۴ء کو ہوا تھا۔ رسم افتتاح مولانا سندھی کو ادا کرنی تھی۔ لیکن اس وقت ان کی حالت انتہائی نازک تھی۔ بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے اس لئے وہ خود تو تشریف نہ لے جا سکے۔ لیکن ۲ راگست کو طبیعت قدرے بحال ہوئی تو خطبہ صدارت تحریر فرمایا اور خود ہی اسے چھپوا کر ایک طالب علم کے ہاتھ شہدادکوٹ بھجوا دیا۔ مدرسہ کے قیام کا مقصد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فلسفے کی تعلیم و اشاعت تھا۔ مولانا سندھی مرحوم لکھتے ہیں:

> "ہمارا بیت الحکمت اور محمد قاسم ولی اللہ تھیولجیکل کالج امام ولی اللہ کی حکمت کی اشاعت اور اس کی تعلیم کا انتظام کرے گا۔"

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بیت الحکمت اور کالج کا قیام ایک ساتھ ہی عمل میں آیا تھا شاخ

شہدادکوٹ کی مطبوعہ کسی کتاب کا علم نہیں ہو سکا۔ البتہ کالج نے شاہ ولی اللہ کی حکمت کی تعلیم و اشاعت میں ایک مدت تک بیش بہا خدمات انجام دیں۔

گوٹھ پیر بخش بھٹو ضلع لاڑکانہ میں بیت الحکمت کی دوسری شاخ گوٹھ پیر بخش بھٹو میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے سرپرست نواب نبی بخش بھٹو تھے اور سکریٹری مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی تھے۔ نواب نبی بخش بھٹو سندھ کی ایک عظیم علم پرور شخصیت ہیں۔ ملک کی تحریک آزادی میں انھوں نے عظیم الشان خدمات انجام دیں وہ اپنی معارف پروری اور دین داری کے لئے شہرت رکھتے ہیں۔ اپنے آبائی گاؤں پیر بخش بھٹو کی مسجد میں خطبہ جمعہ خود دیتے ہیں۔ وہ سندھ کی ایک مثالی تہذیبی شخصیت ہیں۔ نواب صاحب ولی اللہی فکر کے حامل ہیں۔ اکابر دیوبند سے عقیدت رکھتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی مالی اعانت ان کا وظیفہ حیات رہا۔ سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ اور موجودہ وفاقی وزیر مواصلات ممتاز علی بھٹو نواب نبی بخش بھٹو کے نامور فرزند ہیں۔

تمدن عرب کے نام سے مولانا سندھی کے افکار پر مشتمل سورہ سبا کی تفسیر جو مولانا قاسمی نے مرتب کی تھی۔ نواب نبی بخش بھٹو کی مالی اعانت سے بیت الحکمت کی شاخ گوٹھ پیر بخش بھٹو سے شائع ہوئی تھی۔

دین پور بیت الحکمت کی ایک شاخ بھاولپور کے ایک مقام دین پور میں بھی قائم ہوئی تھی۔ مولانا سندھی نے لکھا ہے کہ "دین پور کا بیت الحکمت جو ۲۲ راکتوبر ۱۹۴۰ء کو کھلا مستقل آمدنی کا مالک ہے"

ں

پروفیسر ڈاکٹر سید یونس حسنی
گورنمنٹ کالج کراچی

ادارہ معارف اسلامیہ (ہند)

برصغیر کے مسلمانوں نے جہاں سیاسی فتوحات کیں وہیں علمی، ثقافتی اور سائنسی میدان میں بھی وہ کسی طرح پیچھے نہیں رہے۔ برصغیر کی تاریخ ایسے اداروں کی خدمات سے مملو ہے۔ ان اداروں نے مسلم قومیت کو فروغ دینے اور مسلمانوں کے علمی و ثقافتی سرمائے کے تحفظ کے لئے بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ جنوبی ایشیا میں مسلمان کوئی ایسا ادارہ قائم نہ کر سکے جو درس و تدریس، تحقیق و تفتیش اور نشر و اشاعت کا مثالی ادارہ ہوتا اور جدید عہد کے تقاضوں پر بھی پورا اتر سکتا۔ توقع تھی کہ قیام پاکستان کے بعد اسلامی جمہوریہ میں ایک ایسا ادارہ ضرور وجود میں آئے گا جو اسلام اور اس کے متعلقہ علوم پر تحقیق اور علمی کام کرنے کرانے اور اسے شائع کرنے کا بندوبست کر سکے۔ مگر ہماری بدقسمتی کہ پاکستان میں خالص علمی ضروریات کی طرف توجہ ذرا کم ہی دی جا سکی۔ البتہ ہندوستان کی مسلم بیزار سرزمین میں ایک ایسا وسیع اور ہمہ گیر ادارہ وجود میں آیا جو بیک وقت علوم اسلامیہ کی اعلیٰ تعلیم کا بندوبست بھی کر سکے تحقیق و تنقید کے لئے مواد و مواقع بھی فراہم کر سکے اور پھر اس کی اشاعت کا بھی بندوبست کر سکے۔ یہ ادارہ "ادارہ معارف اسلامیہ ہند" ہے۔ اس ادارے کے قیام کا بیڑا ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن (ہند) کے حکیم عبدالحمید نے اٹھایا ہے۔ ان کی شب و روز کی محنت رنگ لائی۔ اور اب یہ ادارہ پرانی دہلی کی ایک بوسیدہ عمارت سے قطب کے دامن میں تغلق آباد میں تیس ایکڑ اراضی پر تعمیر شدہ نئی عمارت میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ یوں تو ادارے نے ۱۹۶۰ء سے کام شروع کر دیا تھا۔ ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی گئی تھی۔ ادارے کے مقاصد طریقہ کار اور منصوبہ کی تفصیلات دنیا بھر میں ماہرین کو ارسال کی گئیں۔ ان کے مشورے طلب کئے گئے، اور ان مشوروں کی روشنی

میں ترمیم واصلاح کے بعد دو پانچ سالہ منصوبے مرتب کئے گئے ہیں۔ یہ منصوبے ۱۹۷۰ء تا ۱۹۸۰ء ہیں۔ گویا ۱۹۸۰ء میں ادارہ اپنی آخری شکل میں وجود میں آجائے گا۔ اس وقت تک نصف سے زیادہ کام مکمل ہوگیا ہے۔ عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ کتابیں جمع کی جارہی ہیں۔ کتب خانے کو جدید ترین انداز میں قائم کیا گیا ہے۔ تعلیمی اداروں کی عمارتیں زیر تکمیل ہیں۔ ایک سہ ماہی مجلے کا اجرا عمل میں آچکا ہے۔ جس میں بین الاقوامی شہرت کے ماہرین معارف اسلامیہ اپنے تحقیقی نتائج فکر پیش کرتے رہتے ہیں۔ ادارے کا اپنا پریس ہے جو قطعاً جدید آلات سے لیس ہے۔ اس ادارہ کی طرف سے کتابوں کی اشاعت شروع ہوچکی ہے اور نصف درجن سے زیادہ کتابیں بازار میں پہنچ گئی ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں جب ادارہ اپنی جامع شکل میں وجود میں آجائے گا تو اس کی شکل یہ ہوگی۔

(۱) کتب خانہ ۔ ادارے کا مرکزی کتب خانہ ادارہ معارف اسلامیہ ہند کی ایک اہم عمارت ہوگی۔ اس کتب خانے میں علوم اسلامیہ کے بارے میں تقریباً ۵ لاکھ کتب فراہم کی جائیں گی۔ تین ہزار رسائل بھی کتب خانے میں آیا کریں گے۔ اس کتب خانے میں مخطوطات ونوادرات کا شعبہ علیحدہ سے قائم کیا جائے گا۔ مائیکروفلم اور فوٹو اسٹیٹ کا بندوبست بھی کیا جائے گا۔ کتب خانے کا اپنا شعبہ اطلاعات ہوگا۔ کتب خانے میں فنون کی تقسیم جدید انداز پر ماہرین کی رائے کی روشنی میں کی جائے گی۔ دنیا کی تمام معروف زبانوں میں موجود اسلامی لٹریچر اس کتب خانے کو فراہم کیا جائے گا۔ اپنی مکمل شکل میں یہ کتب خانہ دنیا بھر میں معارف اسلامیہ کا عظیم کتب خانہ ہوگا۔ اس کتب خانے کی عمارت مکمل ہوگئی ہے اور ابتدائی مرحلے میں کئی ہزار کتابیں اس میں رکھی گئی ہیں۔

اس مرکزی کتب خانے کے علاوہ ادارہ کے مختلف شعبوں کے اپنے کتب خانے بھی ہوں گے جن میں متعلقہ شعبہ سے متعلق ضروری کتب، حوالے کی کتب اور رسائل علیحدہ سے فراہم کئے جائیں گے۔

(۲) میوزیم : مرکزی کتب خانے سے ملحق ہی میوزیم کی عمارت ہوگی۔ جس کی تعمیر

دوسرے پانچ سالہ منصوبے میں عمل میں آئے گی۔ گویا یہ عمارت آئندہ سال سے زیر تعمیر آئے گی۔ فی الوقت میوزیم لائبریری کی بالائی منزل پر عارضی طور پر قائم کردیا گیا ہے۔ میوزیم میں اسلامی تمدن کے نوادرات، سکے، زیورات، خطاطی کے نمونے، صنعت وحرفت کے شاہکار محفوظ کئے جائیں گے۔ اسلامی تہذیب کے گہواروں سے یہ نوادرات فراہم کرکے میوزیم میں جمع کئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ چارٹ، نقشے اور ماڈل وغیرہ بھی مہیا کئے جائیں گے۔

(۳) **درس گاہیں**: اسلام اور علوم اسلامیہ کی تعلیم وتدریس کے لئے ادارے کے زیر انتظام چار کالج ہوں گے۔ اسلامیات، تقابلی مذاہب۔ اقتصادیات اور فقہ کی تدریس کے لئے علیحدہ علیحدہ کالج ہوں گے۔

اسلامیات کے کالج میں درج ذیل امور کی تدریس کا بندوبست ہوگا۔ اسلامی عقائد، شعائر اسلامی، اسلامی اخلاقیات، قرآن، تفسیر، تجوید، قرات، حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال، اسناد وغیرہ۔ تصوف، اسلامی تحریکات اور فقہی مکاتیب فکر۔

تقابلی مذاہب کے کالج میں مختلف مذاہب کے موازنے اور ان کے اصول شعائر پر تنقیدی وتحقیقی تدریس کے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔ یہ اپنی طرز کا واحد تعلیمی ادارہ ہوگا۔

اسلام کے اقتصادی نظام اور جدید معاشیات میں اس کی عملی شکل کی تدریس کے لئے اقتصادیات پر تحقیقی کام کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

فقہ اسلامی کی تدریس کے لئے ایک علیحدہ ادارہ ہوگا۔ اس ادارے میں فقہ اسلامی کی اعلیٰ تعلیم وتحقیق کا بندوبست کیا جائے گا۔ اس کالج میں مختلف فقہی مکاتب کی تدریس وتحقیق کا بندوبست ہوگا۔ نیز عہد حاضر میں قوانین اسلامی کے نفاذ کے امکانات پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ ان کالجوں کے علاوہ ادارہ مختلف شعبوں میں تدریس وتحقیق کا بندوبست کرے گا۔ ہر شعبہ کا سربراہ ایک پروفیسر ہوگا جس کے تحت حسب ضرورت ایسوسی ایٹ پروفیسر اور ریڈر وغیرہ مقرر کئے جائیں گے۔ ہر شعبہ کا اپنا سمعی بصری تدریس کا نظام ہوگا۔ پروجیکٹر، مائیکرو فلم ریڈر، جادوئی لالٹین اور لوڈ ہوں گے۔ ہر شعبہ کا ایک سینما ہال ہوگا۔ محققین کے لئے کم از کم چھ کمروں کا بندوبست کیا جائے گا۔ ہر استاد کو علیحدہ کمرہ فراہم کیا جائے گا۔ شعبہ سے ملحق ہی اس کا انتظامی دفتر اور کتب خانہ ہوگا۔ ہر شعبہ میں کم از کم تین ہزار

کتب فراہم کی جائیں گی۔ جن شعبوں میں تدریس و تحقیق کا بندوبست ہوگا۔ ان پر ایک نظر ڈال لینے سے کام کی ہمہ گیری کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) شعبۂ مذہب، فلسفہ و سائنس (۲) شعبہ۔ مذاہب (۳) شعبۂ اقتصادیات (۴) شعبۂ فقہ اسلامی (۵) شعبۂ تعلیم (۶) شعبہ زبان و ادب (۷) شعبۂ تہذیب و ثقافت اسلامی (۸) شعبۂ تاریخ۔

اتنا بڑا ادارہ قائم کرنے کے لئے بڑا عملہ بھی درکار ہوگا۔ طلباء و طالبات ہوں گے۔ اساتذہ، ملازمین اور محققین کی جماعت ہوگی۔ اور ان کے اپنے مسائل ہوں گے۔ اس لئے ان اداروں کے علاوہ بھی بہت سی تعمیرات کرنا ہوں گی۔ مثلاً ڈائرکٹر کے لئے مکان، اسٹاف کے لئے مکانات، اسٹاف، کلب، لڑکوں اور لڑکیوں کے ہوسٹل، محققین کا ہوسٹل، مہمان خانہ، یونین ہال، کینٹین، ٹریننگ سنٹر، پرائمری اور سیکنڈری اسکول، مسجد، شفاخانہ، ریزروائر وغیرہ وغیرہ ادارے کے جامع منصوبے میں ان تمام چیزوں کے لئے جگہ رکھی گئی ہے۔ سنہ ۱۹۸۰ء میں جب ادارہ اپنے تمام ذیلی اداروں کے ساتھ تکمیل کو پہنچے گا تو اپنی دنیا آپ ہوگا۔ اور بلاشبہ تاریخ اسلامی میں پہلا اس قدر جامع ادارہ ہوگا جو علوم اسلامیہ کے ہر شعبہ میں اعلیٰ ترین تعلیم و تدریس اور تحقیق و جستجو کے لئے مثالی مواقع فراہم کر سکے۔

دوسرے پانچ سالانہ منصوبے کے اختتام تک اس ادارے کے قیام تعمیرات اور غیر ترقیاتی منصوبوں پر تقریباً ۱ کروڑ ۷۹ لاکھ ۸۴ ہزار روپیہ خرچ ہوگا۔

اتنی بڑی رقم کی فراہمی بظاہر بہت مشکل کام ہے۔ اس کے لئے مسلمانوں کے تعاون کی بڑی ضرورت ہوگی۔ اس لئے ادارے نے اعلان کیا ہے کہ جو لوگ اس کی تعمیر میں تعاون کریں گے۔ ادارے کے متعلقہ حصے ان کے نام سے منسوب کردیے جائیں گے۔ اسی طرح کتب خانے کو فراہم کئے جانے والے خزانے معطی حضرات کے ناموں سے منسوب ہوں گے۔ ادارے کے صدر حکیم عبدالحمید صاحب نے ۱۱ لاکھ ۷ ہزار ۶ سو روپے کی قیمت کا اثاثہ ادارے کو وقف کردیا ہے۔ ہمدرد فاؤنڈیشن (ہند) دہلی نے ۲ لاکھ گیارہ ہزار روپیہ کا عطیہ دیا ہے۔ خود ادارے کی تعمیر شدہ عمارات کی قیمت کا اندازہ ۱۵ لاکھ ایک ہزار ۲ سو سے زائد روپیہ لگایا ہے۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام (لکھنؤ)

برصغیر جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی تاریخ بڑی فکر انگیز ہے ۔ اس میں سرمایہ عظمت بھی ہے اور سامان عبرت بھی۔ اس میں حب وطن کا جذبہ بھی ہے اور اپنی جداگانہ قومیت کا واضح اظہار بھی۔ برصغیر میں مسلمانوں کی تاریخ تقریباً ۱۳ سو سال پرانی ہو گئی ہے ۔ وہ فاتح کی حیثیت سے آئے۔ لیکن برصغیر کو انھوں نے "مفتوح علاقہ" نہ سمجھا بلکہ اپنا وطن بنایا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ فکری، 'ثقافتی' اور تہذیبی اعتبار سے وہ اس "نئے وطن" کی جغرافیائی سرحدوں تک محدود نہ رہے۔ اس کی ایک وجہ ہے مسلمانوں کی آمد سے قبل برصغیر میں جو قوم آباد تھی اس کی اجتماعی زندگی کا کوئی زندہ رشتہ برصغیر کی جغرافیائی حدود سے باہر نہ تھا۔ مسلمانوں کا مسئلہ اس کے برعکس ہے۔ وہ دنیا کے کسی حصے میں بھی چلے جائیں، یہ ممکن نہیں کہ سرزمین حرم سے ان کا رشتہ ٹوٹ جائے۔ بحیثیت وطن برصغیر سے مسلمانوں نے محبت ضرور کی۔ لیکن یہ محبت وطن کی محض جغرافیائی سرحدوں تک محدود نہیں رہی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے پہلی بار انسانوں کو یہ راہ دکھائی کہ جغرافیائی سرحدیں انسانی رشتوں اور انسانی عقیدوں کی راہ میں حائل نہیں ہونی چاہئیں۔ اب انسانیت رفتہ رفتہ ایسی سمت جا رہی ہے جہاں فکری رشتوں میں جغرافیہ کی حدیں رکاوٹ نہ بنیں۔

پاکستان کے مطالبے اور قیام سے ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں دشواری کا سامنا ضرور کرنا پڑا ہے۔ لیکن اس وجہ سے پست ہمتی ان کا مقدر نہیں بنی۔ وہ بدلے ہوئے حالات کے باوجود وطن سے محبت کے تقاضے بھی پورے کر رہے ہیں اور اپنی فکری انفرادیت بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اجتماعی زندگی میں انفرادیت برقرار رکھنے کے لئے فکر کا کردار بڑا بنیادی ہوتا ہے ۔ اس حقیقت سے دنیا سب سے پہلے مسلمانوں

کے ذریعہ روشناس ہوئی۔ مسلمانوں نے دنیا والوں پر فکری اعتبار سے انسانی رشتوں کی ترجیحات واضح کیں۔ جس طرح پانی کی سطح پر ایک بوند گرنے سے پھیلتے ہوئے دائروں کا ایک سلسلہ ظاہر ہوتا ہے اسی طرح دنیا میں انسانی رشتوں کا سلسلہ ہے۔ یہ سلسلہ گھر کی زندگی سے شروع ہو کر ساری انسانیت کو اپنے دائرے میں لے لیتا ہے۔ نسل انسانی کی اسی وحدت پر انسانی تہذیب کے تصور کا دارومدار ہے۔ اس پس منظر میں مسلمانوں سے یہ توقع مناسب نہیں کہ وہ خود کو فکری اعتبار سے وطن کے جغرافیہ میں محدود کرلیں۔

اسلام میں زندگی کا تصور جامد نہیں، حرکی ہے۔ اسی لئے فکر اسلامی کی بنیادی صفت ارتقا ہے۔ یہی صفت مسلمانوں کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ مطابقت پیدا کریں۔ پاکستان کے قیام پر ہندوستان میں اکثریت رکھنے والی قوم نے جس ردعمل کا اظہار کیا۔ اس سے وہاں مسلمانوں کی زندگی ایک طویل عرصے تک قدم قدم پر شدید دشواریوں کا شکار ضرور رہی۔ لیکن ان حالات میں بھی ان کی فکر کی بنیادی خصوصیت ان کا سب سے بڑا سہارا بنی رہی۔ وہ منتشر ضرور ہوئے۔ لیکن بالکل بکھر کر نہیں رہ گئے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت وہ علمی، تحقیقی اور اشاعتی مراکز اور تعلیمی و تہذیبی ادارے ہیں جو تقسیم کے بعد بھی نہ صرف قائم رہے بلکہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ وہ ادارے جو تقسیم کے بعد قائم ہوئے ان میں اپنی کارکردگی اور منصوبوں کے اعتبار سے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام مئی ۱۹۵۹ء میں لکھنؤ میں قائم ہوئی۔ مجلس کے بانیوں میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کا نام سرفہرست ہے۔ ندوی صاحب اور ان کے رفقائے کار نے وسائل کی کمی کو عزم و ہمت کی بلندی سے پورا کیا۔ مجلس کے موجودہ انچارج محمد غیاث الدین صاحب کی تحریر کے مطابق اس اہم اور بروقت ضرورت کو پورا کرنے اور اس وسیع اور عظیم کام کا بیڑا اٹھانے والوں کے پاس صرف ایک ہزار کا محدود سرمایہ تھا۔ "لیکن کارکنان مجلس کی جہد مسلسل اور خلوص مقصد کی وجہ سے" نہ صرف ملک کے مختلف حلقوں اور صاحب فکر اور دردمند مسلمانوں نے بلکہ بہت سے بیرونی ممالک کے اہل درد اور

اصحاب بصیرت نے اس کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا"۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے اسی تاریخ میں زندگی بھی ہے اور قوت نمو بھی۔ وہ اقلیت ضرور ہیں لیکن ان میں اعتماد رفتہ رفتہ بحال ہو رہا ہے اور مسلمانوں کی یہ عجیب تاریخی صفت ہے کہ اقلیت میں ہونا ان کی قوت فکر و عمل کو مضمحل نہیں کرتا بلکہ ان کے فکر و عمل کے اتحاد میں اضافہ کرتا ہے۔ مسلمان سے سب کچھ چھینا جا سکتا ہے لیکن دین سے اس کی محبت کسی صورت میں نہیں چھینی جا سکتی یہی وہ فکری اور جذباتی پس منظر ہے جو ہندوستان میں "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" کے قیام کا سبب بنا۔ اور بہتر یہ ہے کہ اسے غیاث الدین ندوی صاحب کے الفاظ ہی میں بیان کیا جائے۔

" ایک عرصے سے عالم اسلام میں ایسے اسلامی لٹریچر کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے جو اسلام کی موثر و طاقتور نمائندگی ترجمانی کرے ایمان و یقین کی بنیادیں ذہن و دماغ میں از سر نو استوار کرے، اس ذہنی بے چینی و انتشار کو رفع کرے جو مغرب کی مادہ پرست تہذیب و ادب نے عالم گیر پیمانے پر پیدا کر دیا ہے اور اس نئے ارتداد کا مقابلہ کرے جو سیلاب کی طرح تمام عالم میں پھیل گیا ہے "۔

" ایسے موثر و صالح اسلامی لٹریچر (جس میں نسل جدید کے دماغوں کی تسکین یا عصر حاضر کے تقاضوں کی تکمیل کی صلاحیت ہو) کے فقدان یا کمی یا عدم تنظیم کی وجہ سے ایک طرف مسلمانوں کا تعلیم یافتہ و ذہین طبقہ (جو ہر ملک میں قدرتی طور پر زندگی پر حاوی اور رہنمائی اور قیادت کے منصب پر فائز ہے) ذہنی اور اندرونی طور پر اسلام کی طرف سے غیر مطمئن، متشکک اور مذبذب ہے، اور کہیں کھلے طور پر اس سے باغی ہے، اگرچہ اس کی سیاسی مصلحتیں اور ملکی حالات اس بغاوت و انحراف کے اعلان کی اجازت نہیں دیتے، سیاست، قانون سازی تعلیم، ادب، صحافت سب اسی طبقے کے ہاتھ میں ہے اور وہی زندگی و معاشرت میں قوم کے لئے نمونہ ہے اس کا نتیجہ ہے کہ یہی بے اطمینانی، شک، نفاق، تذبذب اور اضطراب سوسائٹی کے ہر طبقے میں پھیلتا جا رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ پورے ملک کا رخ الحاد و ارتداد کی طرف نہ ہو جائے۔

(مجلس کی پہلی پیش کش کتابچہ "نیا طوفان اور اس کا مقابلہ" میں اس صورت کی مکمل تصویر پیش کی گئی ہے)

"اس تعلیم یافتہ مسلمان طبقے میں بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو اسلام کے صحیح مطالعہ کا ذوق رکھتے ہیں۔ لیکن انھیں اپنی ذہنی پیاس بجھانے اور قلب ودماغ کو مطمئن کرنے کے لئے ایسا دل آویز ودل نشیں لٹریچر نہیں ملتا جو اپنے محکم استدلال، جدید اسلوب تحریر، بے لوث ومخلصانہ تبلیغ اور معلومات کی وسعت نیز حسن طباعت کے لحاظ سے "جدید مطبوعات" کا مقابلہ کرسکے۔

"دوسری طرف غیر مسلم تعلیم یافتہ طبقہ اسلام کی طرف سے بالکل اندھیرے میں ہے۔ وہ ایک ملک میں ساتھ اور دوش بدوش رہنے کے باوجود اسلام سے اتنا ناواقف اور ناآشنا ہے جتنا کہ کسی ایسے ملک کے باشندے ہو سکتے ہیں جہاں اسلام کے قدم آج تک نہیں پہنچے۔ ان میں سے بہت سے طالب حق اور سلیم الطبع افراد ہیں جن کو اسلام سے ناواقفیت ہے، عناد نہیں۔ اس طبقے کو دینے کے لئے ہمارے پاس مشکل سے انگریزی کی دو چار کتابیں ہیں۔"

"ان حقائق کا احساس اور ان حضرات کے اندازے نے جو اس خلا کی وجہ سے عالم اسلام کو بالعموم اور ہمارے برعظیم کو بالخصوص درپیش ہے بعض سوچنے والوں کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ ایک ایسی تصنیفی واشاعتی مجلس (اکیڈمی) کی تشکیل کریں جو ہر قسم کی جماعتی اور سیاسی اغراض سے بالاتر ہوکر اسلام والنسانیت کی یہ خدمت انجام دے۔"

مجلس کے قیام کا یہ پس منظر ہے۔ ان جذبات کو محسوس کرلینے سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ مجلس کی تشکیل کے وقت مالی وسائل اس قدر محدود کیوں تھے؟ دراصل کثیر مالی وسائل اور اجتماعی فلاح کے مخلصانہ جذبات کا شاذونادر ہی ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن ایک حقیقت ہے جو سامنے رہنی چاہیئے کہ دیانت اور جذبۂ عمل ہو تو عموماً مالی وسائل مہیا ہوجاتے ہیں۔ لیکن مالی وسائل کی بنا پر مخلصانہ جذبۂ اشتراک پالینا آسان نہیں ہوتا۔ مجلس کی کارکردگی اس اصول کی سچائی کا بین ثبوت ہے۔ جس کی تفصیل ضیاء الدین ندوی نے اس طرح

بیان کی ہے۔

"مجلس نے اردو، عربی، انگریزی اور ہندی چار زبانوں میں کتابوں کی تصنیف و اشاعت کا آغاز کیا تھا، الحمدللہ کہ بارہ سال کے اس قلیل عرصہ میں اتنے محدود سرمائے اور کوئی مستقل مالی امداد نہ ہونے کے باوجود اس نے ۲۲۳، اہم اور مفید کتابیں اور ۲۴ کتابچے شائع کئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کم مدت میں اس نے دینی و علمی حلقوں میں خاصی مقبولیت حاصل کر لی ہے، اور اس کی مطبوعات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔"

"مجلس نے صرف کتابوں کی اشاعت ہی کو اپنا مقصد قرار نہیں دیا، بلکہ تعلیم یافتہ حلقوں سے براہِ راست رابطہ بھی ضروری سمجھا اور ان سے علمی تعاون کی بھی درخواست کی۔ چنانچہ مجلس کی رکنیت اور معاونین کا حلقہ وسیع کرنے اور مجلس کے مقاصد کو روشناس کرانے کے لئے مقامی نشستوں اور ملاقاتوں کے علاوہ وفود بھی روانہ کئے گئے اور مجلس کے نمائندوں نے بیرون ہند بھی دورہ کیا۔ چنانچہ اراکین دوامی کی تعداد ۳۰۸، ہمدردوں کی ۱۵، اور معاونین کی تعداد ۲۰۷ ہو چکی ہے۔ اس طرح اب تک ایک سو تیس حضرات مجلس کے باضابطہ ممبر بن چکے ہیں۔"

"مجلس نے علمی کام کو بلند کرنے اور جدید مسائل پر معیاری کتابیں شائع کرنے کی غرض سے ہندوستان کے ایسے اہلِ قلم اور اصحابِ رائے کو اعزازی رکنیت قبول کرنے پر آمادہ کر لیا ہے جن کے اندازِ فکر کی صحت، طبع کی سلامتی، اسلام اور ملت کی بہی خواہی، علم مطالعہ کی وسعت اور تصنیف و تالیف کی مہارت مسلمہ ہے۔ ہندوستان میں اس درجہ بلند پایہ لوگ بہت زیادہ تعداد میں نہیں۔ لیکن جو ہیں مجلس کو ان کا تعاون حاصل ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سرپرستی میں مجلس ترقی کے منازل طے کر رہی ہے اور بیرونی دنیا میں بھی کافی ترقی حاصل کر چکی ہے۔ اس کی عربی مطبوعات نے ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا ہے۔

غیر مسلموں کو اسلام سے قریب لانا اور اسلام کا دلنشین اور موثر انداز میں تعارف کرانا مجلس کا اولین اور بنیادی مقصد ہے۔ مجلس نے اس کو ابتدا سے پیش نظر رکھا اور کتابوں کی

اشاعت میں اس پہلو کو نظرانداز نہیں کیا گیا۔ چنانچہ مجلس کی کتابوں سے جہاں مسلمان فائدہ اٹھا سکتے ہیں وہیں ہندی کتاب "مانوتا کا سندیش"، "آورش شاسک" "اسلام کیا ہے ؟" (ہندی اور انگریزی) مسلمس ان انڈیا" ۔ "اسلام اینڈ دی ورلڈ، سیورس آف اسلامک اسپوٹ" اسلامک فیتھ اینڈ پریکٹس، ریلیجن اینڈ سویلائزیشن، ٹیلس آف دی پرافٹس ۔ وغیرہ کتابیں" اسلام اور مسلمانوں سے قریب کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہیں ۔ مندرجہ بالا کتابوں کو غیر مسلموں نے بھی منگوایا اور انھیں بطور ہدیہ بھیجی گئیں"۔

مجلس نے صرف ایجابی پہلو پر ہی کام نہیں کیا بلکہ اس نے ملحدانہ تحریک، فلسفے اور اسلامی عقائد پر ضرب لگانے اور تبیشہ چلانے والوں کے خلاف اپنی کوششوں کو بروئے کار لانا ضروری سمجھا اور عملی طور پر اس نے سب سے پہلے عالم اسلام میں ارتداد کی لہروں کو روکنے کے لیے اپنا مشہور پمفلٹ "نیا طوفان اور اس کا مقابلہ" بہت وسیع پیمانے پر شائع کیا ۔ عرب ممالک میں اس کا عربی ایڈیشن ایک لاکھ کی تعداد میں شائع ہوا اور تمام اخبارات نے بھی اس کو بالاقساط شائع کیا ۔ اردو اور انگریزی میں بھی اس کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی ۔ اس کے بعد اسلامی عقائد پر ضرب لگانے والی تحریک قادیانیت پر لٹریچر شائع کیے گئے ۔ مختلف انگریزی اردو اور عربی تینوں زبانوں میں اور بہت وسیع پیمانے پر ان کی تقسیم کی گئی خاص کر نائجیریا اور جنوبی افریقہ میں اس کی وسیع اشاعت کی گئی اور اس طرح عصر حاضر کے اس بڑے فتنے کے لئے اس کا روک کا سامان پیدا کیا ۔

ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا مسئلہ چھ برسوں سے اٹھ کھڑا ہوا ہے ۔ لیکن اس مسئلے کی نزاکت اور شرعی حیثیت کا احساس عام طور پر مسلمانوں کو نہیں تھا اردو میں کوئی کتاب موجود نہ تھی مجلس نے اس طرف توجہ کی اور "مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام" شائع کی ۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کی اشاعت کے بعد مسلمان اس مسئلے کی اہمیت کو سمجھنے لگے اور اب اس کے لیئے عام بیداری پیدا ہو رہی ہے ۔

ہندوستان کے تازہ سیاسی حالات میں یہ پروپگنڈا کیا گیا کہ اسلام کی کوئی علیحدہ تہذیب اور قومیت نہیں اس کے ساتھ ہی اسلام پر دوسرے نظریاتی حملے کئے گئے

جس کے جواب میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کا رسالہ "اسلام مکمل دین۔مستقل تہذیب" اردو اور انگریزی شائع کیا گیا اور ہندوستان بھر کے اہلِ علم میں مفت تقسیم کیا گیا۔

ان ہنگامی موضوعات کے علاوہ مجلس نے اسلام کے مشہور ارکان نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے اسرار و حکم پر مولانا ندوی کی شاہکار تصنیف "ارکان اربعہ" پیش کی اور ایک اہم موضوع "مذہب اور سائنس" پر مولانا عبدالباری ندوی کی کتاب شائع کی گئی جن کا اہلِ علم نے خیر مقدم کیا۔

مجلس نے اردو، عربی، انگریزی اور ہندی چاروں زبانوں میں کتابوں کی تصنیف و اشاعت کا آغاز کیا تھا، الحمدللہ مجلس دسمبر ۱۹۷۴ء تک ۸۰ مطبوعات جن کی کل اشاعت ۲،۵۰،۰۰۰ (ڈھائی لاکھ) ہے شائع کر چکی ہے۔اور بنگلہ زبان میں بھی کام کا آغاز ہو گیا ہے"۔

مجلس کا قیام کسی تجارتی ادارے کی حیثیت سے عمل میں نہیں آیا تھا اور نہ اس نقطہ نظر سے اس کے کام کو انجام دیا گیا، بلکہ اس کے پیشِ نظر انسانیت کی بھلائی اور دینِ اسلام کی دعوت اور علمی و اصلاحی کام تھا اسی وجہ سے اس نے دنیا کے اکثر گوشوں میں اپنی کتابیں ہدیۃً روانہ کیں اور اپنے مادی نقصان کی پروا کیے بغیر اس نے اسلام کی خدمت انجام دینے کی حسبِ استطاعت کوشش کی۔مسلم ممالک کے علاوہ غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمانوں اور ان کی انجمنوں، خاص طور پر براعظم یورپ و امریکہ اور افریقہ کے ملکوں میں مقیم مسلم طلبہ کی ذہنی و فکری اور دینی رہنمائی کے لئے مجلس نے ان میں اپنی انگریزی مطبوعات تقسیم کیں اور ان کے دلوں میں ایمان و اسلام کی شمع کو برابر روشن رکھنے میں مدد کی، اور کتابوں کے علاوہ خط و کتابت کے ذریعہ بھی ان سے رابطہ پیدا کر کے اُن کی رہنمائی کی۔

بحیثیت مجموعی مجلس نے پندرہ سولہ سال میں جو کچھ کیا ہے وہ یقیناً قابلِ قدر ہے اور اسی بنا پر توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کا مستقبل روشن تر ہوگا۔ہندوستان میں اسلام کی نزدیک کی ہر مخلصانہ کوشش صرف ہماری اعانت ہی کی مستحق نہیں بلکہ پاکستان میں ہماری قوت فکر و عمل کے لئے ایک چیلنج بھی ہے۔

انتظار الحق تھانوی

مجلس معارف القرآن۔ دیوبند

خدمت قرآن، دارالعلوم دیوبند کی خدمات کا ایک خاص موضوع رہا ہے۔ دارالعلوم کے نصاب میں قرآن حکیم کی تعلیم پر خاص توجہ اس کے امتیازات میں سے ہے۔ دارالعلوم کے اکابر نے تراجم و تفاسیر اور قرآن کی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر اپنی شان دار تصانیف و تحقیقات یادگار چھوڑی ہیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کا ترجمہ قرآن دارالعلوم کی قرآنی خدمات کا طرۂ امتیاز ہے۔ دارالعلوم کے فرزندوں نے منظم طور پر قرآنی و تفسیری لٹریچر میں بیش بہا اضافہ کیا۔ اور اس دور میں جب کہ موجودہ زمانے کے پیچیدہ مسائل میں مستشرقین اور مخالفین اسلام نے ایک نظم وترتیب کے ساتھ اور علمی انداز میں غیر اسلامی نظریات کو پیش کرنا شروع کیا تو اسی نظم وترتیب کے ساتھ، علمی انداز میں مخالفین اسلام کے مدلل جواب اور قرآنی افکار کی اشاعت کے ایک ادارہ "مجلس معارف القرآن" کے قیام کی سعادت بھی دارالعلوم دیوبند ہی کے ناصیہ امامت میں لکھی تھی۔

مجلس کا قیام قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایک خواب کی تعبیر ہے قرآنی خدمت تو حضرت قاری صاحب کی تصنیفی وتالیفی اور تبلیغی زندگی کا ایک خاص موضوع رہا اور قرآنی خدمت کے ایک ادارے کے قیام کا خیال بھی ذہن میں موجود تھا۔ لیکن ہر کام کے لئے قضا و قدر کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے، ابھی وہ وقت نہ آیا تھا اور دینی خدمات کی ہنگامہ خیز زندگی اور تبلیغ واشاعت اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح کی سرگرمیوں میں روز و شب اور ماہ و سال کے جو معمولات بن گئے تھے ان میں کوئی قوی تحریک پیدا نہ ہو سکی۔ اس لئے ادارے کے قیام کا خیال ذہن کے کسی گوشے میں سویا ہوا تھا۔ ۱۳۵۹ھ میں جب قاری صاحب افغانستان کے دورے پر تشریف لے گئے اور اپنے ڈھائی ماہ کے قیام کے دوران میں مختلف فکر و نظر اور

زندگی کے مختلف دائروں سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ملاقات کرنے، ان کے خیالات و افکار کو جاننے اور ان کی ذہنی وفکری الجھنوں کے مطالعے کا موقع ملا تو قرآنی خدمت کے ادارے کے قیام کا خوابیدہ خیال بیدار ہوگیا اور جوں جوں اس مسئلے پر انھیں غور کرنے کا موقع ملا ان کا یہ خیال پختہ ہوتا گیا کہ "قرآنی تحقیقات اور قرآن کی روشنی میں دنیا کے الجھے ہوئے مسائل کا حل چھوٹی چھوٹی تصانیف اور ٹریکٹوں کی صورت میں امت کے سامنے رکھا جائے جس سے مسلمان مستفید ہوں۔"

قاری صاحب نے اسی وقت سے مجلس کے قیام کے لئے کوششیں شروع کردی تھیں اور دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے سامنے ایک تجویز بھی رکھی تھی لیکن اب فکر نے اپنا عمل پورا کرلیا تھا تو تشکیل وتنظیم کی مشکلات تھیں اور ضروری تھا کہ رفقائے کار کے دلوں میں ضرورت کا وہی شدید احساس ہو جس نے قاری صاحب کے دل کو بے چین کردیا تھا۔ اس سخت مرحلے سے گزرنے میں کامل بیس سال صرف ہوگئے۔ ۱۳۸۰ء میں بمبئی کے ایک صاحب فکر وخیر عظیم خاں مرحوم کی توجہ سے اس راہ میں عملی قدم اٹھایا گیا۔ عظیم خاں مرحوم کی زندگی یورپ کے جس ماحول میں گزری تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھیں ایک دور میں قرآن سے زیادہ بائبل سے قرب تھا۔ مولانا فتح محمد جالندھری مرحوم کا ترجمہ قرآن ان کے ذہنی وفکری انقلاب کا باعث بنا۔ ان کے انقلاب حالات نے قاری صاحب کو خاص طور پر متاثر کیا۔ چنانچہ عظیم خاں کے وعدہ تعاون سے قاری صاحب نے مجلس کے قیام کا عزم بالجزم کرلیا۔ لیکن اس راہ میں ابھی کوئی عملی قدم نہ اٹھایا جاسکا تھا کہ عظیم خاں مرحوم کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم کے انتقال کے بعد ان کی صالح اور سعادت اطوار اولاد نے اپنے مرحوم والد کی خواہش اور ارادے کا احترام کیا اور قاری صاحب کے ساتھ پورا تعاون کیا۔ ان کے اسی تعاون کے نتیجے میں مجلس معارف القرآن کے قیام کا تمام سروسامان فراہم ہوگیا۔ اور شوال ۱۳۸۲ھ سے مجلس کے کاموں کا آغاز کردیا گیا۔

مجلس کی جانب سے پہلے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی ایک نادر قرآنی تحقیق کو اردو سے عربی میں منتقل کیا گیا۔ اس کے بعد غور وفکر کے بعد قرآن کے موضوع پر

"قرآنی دائرۃ المعارف" کا عظیم الشان منصوبہ بنایا گیا جس میں دنیا کی تمام زبانوں میں خدمات قرآن کا چودہ سوسالہ مکمل علمی، تصنیفی اور تحقیقی جائزہ، قرآن کریم کے لفظ و معنی سے متعلق تمام علمی، ادبی، تفسیری، اصطلاحی موضوعات اور شبہات کے جوابات پر مشتمل مقالات رکھے گئے ہیں۔ اور کوشش کی گئی ہے کہ قرآن کے بارے میں اور قرآنی تعلیمات کے تعلق سے ہر اس سوال کا جواب اس میں مل جائے جو کسی ذہن میں پیدا ہو۔ اس منصوبے کے کئی حصوں پر کام کر لیا گیا ہے۔ لیکن مجلس کے سامنے اس کی جامعیت کا جو تصور اور علم و تحقیق کا جو معیار ہے اس کی بنا پر خیال ہے کہ اس کی تکمیل میں ابھی وقت صرف ہوگا۔ لیکن جب بھی یہ منصوبہ مکمل ہو، بہر حال یہ ایک عظیم الشان اسلامی و قرآنی خدمت اور وقت کی ایک اہم ترین ضرورت کی تکمیل ہوگی۔

مجلس معارف القرآن کے زیر اہتمام اور بھی کئی منصوبے زیر تکمیل ہیں جس میں دعوتی و اصلاحی قرآنی تصانیف، اکابر دیو بند کی علمی، دینی و قرآنی خدمات، ہندوستان میں قرآنی لٹریچر کا جائزہ اور متعدد علمی و تصنیفی منصوبوں پر کام ہو رہا ہے۔ مجلس کے زیر اہتمام قرآنی علوم و معارف پر ایک عظیم الشان لائبریری بھی قائم کی گئی ہے اور اس کے لئے علمی سرمائے کی فراہمی میں مصر، ایران، ترکی اور دیگر اسلامی ممالک نے دار العلوم دیوبند کی مدد کی ہے مجلس ایک علمی و تحقیقی مجلہ بھی نکالنا چاہتی ہے جو قرآنی تحقیقات اور علوم و معارف کے تذکرے اور تعارف کے لئے مخصوص ہو۔

مجلس کے صدر مولانا قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند اور معتمد عمومی اسی خاندان کے ایک صالح و سعید نوجوان اور عالم دین مولوی محمد سالم قاسمی ہیں۔

پروفیسر محمد فاروق نسیم
شعبہ کامرس

انجمن خدام الدین۔ لاہور

برصغیر کے مشہور عالم دین شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری نے اس خطۂ پاک و ہند میں ایک عظیم قرآنی تحریک شروع کرنے کے لئے منظم طریقے پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی دوران میں ۱۹۲۱ء میں انھوں نے انجمن خدام الدین کی بنیاد ڈالی۔ گذشتہ نصف صدی کی مدت میں انجمن نے قرآن کی اشاعت و تعلیم، علوم اسلامی کے درس و فروغ، اسلام کی تبلیغ، مسلمانوں کی اصلاح اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مولانا احمد علی لاہوری امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سلسلے کے علما حق سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے انجمن خدام الدین کے دائرۂ کار سے باہر ملک کی تحریک آزادی اور دیگر ملیّ تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس راہ میں انھیں متعدد بار قید و بند کے مراحل سے گزرنا پڑا۔ علوم قرآنی کے وہ خاص ماہر تھے اور اسی تبحر علمی اور نظر و بصیرت کی بنا پر انھیں شیخ التفسیر کہا جاتا تھا۔ مولانا عبیداللہ سندھی علیہ الرحمہ کی تعلیم و تربیت اور فیض و اثر صحبت نے انھیں قرآن حکیم کی انقلابی فکر سے آشنا کرا دیا تھا۔ وقت کے تمام بڑے بڑے علمائے نے انجمن خدام الدین کے مقاصد اور قرآنِ مقدس کے احکامات کی تعمیل کو مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل بنانے کے سلسلے میں انجمن کے قیام اور اس کی کوششوں کو سراہا ہے۔ انجمن خدام الدین کی دینی سرگرمیوں کے تین خاص پہلو ہیں ● مسلمانوں کی دینی تعلیم کے لئے دار العلوم کا قیام ● ذہنی و فکری تربیت کے لئے اسلامی لٹریچر کی تیاری ● تبلیغ و اشاعت اسلام۔

دار العلوم کا قیام

انجمن خدام الدین نے مسلمانوں کی دینی تعلیم کے لئے مدرسہ قاسم العلوم اور مدرسۃ البنات کے نام سے دو مدرسے قائم کئے۔

مدرسہ قاسم العلوم کا افتتاح ۱۹۳۴ء میں ہوا یہ مدرسہ لاہور کے چند قدیم دینی درس گاہوں میں سے ایک ہے۔ تفسیر قرآن اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی معرکہ آرا تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ کا درس اس مدرسے کا خاص امتیاز ہے۔ مدرسے کے مہتمم مولانا احمد علی لاہوری تھے۔ اب ان کے صاحبزادے محترم مولانا عبید اللہ انور مدرسے کے مہتمم ہیں۔

طالبات کی دینی تعلیم اور امور خانہ داری کی تربیت کے لئے مدرسۃ البنات قائم ہے۔ مدرسے کا نصاب اسلامی عقائد و ارکان۔ کلام اللہ باترجمہ سیرت النبیؐ خلفائے راشدین اور حدیث کے منتخبات پر مشتمل ہے۔ مزید برآں طالبات کے لئے امور خانہ داری سلائی اور کشیدہ کاری کی تربیت بھی نصاب میں شامل ہے:

اسلامی لٹریچر کی تیاری انجمن خدام الدین نے اسلامی لٹریچر کی اشاعت و طباعت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ خدمات کا دائرہ صرف اردو ہی نہیں۔ انگریزی تک پھیلا ہوا ہے۔ انجمن نے مستقل کتب و رسائل کے علاوہ اردو اور انگریزی میں ہفت روزہ اخبار بھی جاری کئے۔

انجمن نے مستقل کتب و رسائل کے علاوہ اردو اور انگریزی میں ہفت روزہ اخبار بھی جاری کئے۔ انجمن نے اردو میں مختلف عنوانات پر ۳۴ رسائل گیارہ لاکھ نو ہزار کی تعداد میں شائع کئے اور یہ رسائل عام طور پر مفت تقسیم کئے گئے۔ ان میں مولانا احمد علی لاہوری کے خطبات کی سات جلدیں اور مجلس ذکر کے مواعظ کی دو جلدیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ و خلاصہ بھی شائع کیا۔ انجمن کی ایک اور بڑی خدمت حضرت مولانا لاہوری کے ترجمہ قرآن کی اشاعت ہے۔ قرآن حکیم کے اردو تراجم میں یہ بڑی اہمیت اور امتیاز کا حامل ہے۔ اب اس کا سندھی میں ترجمہ کر کے اس کے دائرہ فیضان کو اور وسیع کر دیا گیا ہے۔ اردو کے علاوہ انگریزی زبان میں بھی متعدد ارباب علم و فکر کے رسائل شائع کئے گئے۔ اس سلسلے میں علامہ اقبال کا وہ اہم مضمون جو قادیانی مسئلے کے بارے میں تھا "اسلام اور احمدیت" کے نام سے شائع کر کے اسلام کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔ اس کے علاوہ انجمن کی انگریزی مطبوعات میں ڈاکٹر حمید اللہ کے رسائل "معاشی مسائل کا اسلامی حل" اور ریاست کا قرآنی

تصور، خواجہ عبدالوحید کے رسائل "قومی یک جہتی اور عالمی امن کا قرآنی تصور"۔ اسلامی ثقافت کی روح اور جدید سائنس کا اسلامی پس منظر، سر ٹی ڈبلیو۔ آرنلڈ کا رسالہ "تبلیغ اسلام"۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف کا رسالہ "اسلام میں معاشرے کا تصور"۔ صدر یار جنگ نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کا رسالہ "قرآن میں اسلام کی رواداری و اخوت" وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اسلام

انجمن نے اسلام کے نام سے انگریزی زبان میں ایک پندرہ روزہ رسالہ جاری کیا یہ رسالہ مشہور اہلِ قلم خواجہ عبدالوحید کی ادارت میں ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۹ء تک جاری رہا۔ اسلام میں یوں تو بے شمار علمی اور فکری و اسلامی موضوعات پر سینکڑوں مضامین شائع ہوئے۔ لیکن علامہ شبلی کی معرکہ آرا تصنیف سیرت النبی کے مقدمے کا ترجمہ جو گیارہ بارہ قسطوں میں مکمل ہوا تھا۔ "اسلام" کی گراں قدر اور یادگار دینی خدمت ہے۔ یہ ترجمہ خواجہ عبدالوحید نے کیا تھا۔

خدام الدین

خدام الدین انجمن کا اردو ہفت روزہ تھا، اس کا پہلا پرچہ جون ۱۹۵۵ء کو لاہور سے شائع ہوا تھا۔ خدام الدین نے مسلمانوں کے عقائد کی درستی اور اسلامی افکار و مسائل کی اشاعت میں زبردست حصہ لیا اس کی عظیم الشان دینی خدمت میں ملک کا کوئی دوسرا پرچہ شریک نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی اشاعت اور خدمات کا عظیم الشان دور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کی زندگی میں گزر گیا۔ لیکن یہ رسالہ آج تک پابندیٔ وقت کے ساتھ نکل رہا ہے۔ اور خدمت دین کے اسی مسلک اور جادۂ حق پر قائم ہے جو روزِ اول سے اُس کی روایت تھی۔

تبلیغی سرگرمیاں

انجمن خدام الدین نے دینی تعلیم کی اشاعت، قرآن مجید کی درس و تدریس، اسلامی لٹریچر کی تیاری اور مسلمانوں کی ذہنی و فکری اصلاح کے لیے رسائل کے اجرا، اور مبلغین کے ذریعے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام بھی کیا اور اندرونِ ملک سے لیکر بیرونِ ملک اور افریقہ تک اس سلسلے کو پھیلا دیا

انجمن خدام القرآن۔ لاہور

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ پاکستان کا اصل مقصد سلطنت الٰہیہ کا قیام تھا جس میں کہ صرف اور صرف خدا کے نافذ کئے ہوئے قوانین کی پابندی کی جائے۔ خدا کا سب سے بڑا مرتب شدہ قانون اور ایک مکمل ضابطۂ حیات قرآنِ پاک ہے۔ مارچ ۱۹۶۷ء سے جون ۱۹۶۷ء تک ایک مضمون ماہنامہ "میثاق" لاہور کے ادارتی صفحات پر جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے قلم سے نکلا جس میں تحریک پاکستان کے فکری پس منظر کا جائزہ لیا گیا تھا۔ اور یہ بتایا گیا تھا کہ اس کے بنیادی عوامل میں مذہبی اور دینی داعیات کا حقیقی اور واقعی تناسب کس قدر تھا۔ اور قیام پاکستان کے بعد اسلام کی علم بردار جماعتوں کی رسہ کشی کی وجہ سے اس کا میزانیہ نفع و نقصان کیا ہے۔ اور احیائے اسلام کے صحیح اور مثبت لائحۂ عمل کی نشان دہی کرتے ہوئے "قرآن اکیڈیمی" کے قیام کی تجویز پیش کی گئی تھی۔

اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کو ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنا مقصد حیات بنا لیا اور اس کے لئے تن تنہا بڑی جانفشانی سے جدوجہد شروع کر دی اور بالآخر پانچ سال کی اس محنت و کاوش کا نتیجہ یہ نکلا کہ ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
راہرو ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

اس مقصد کے لئے مکمل طور سے کام کرنے والوں کی تعداد بیس تک پہنچ گئی۔

اور اس کے ساتھ ہی باقاعدہ طور سے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ بیس حضرات انجمن خدام القرآن کے موسسین قرار پائے۔ ان موسسین نے

اس بات کا باقاعدہ اعلان کیا کہ "ہمیں اس امر کا شدید احساس ہے کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور غلبہ دین حق کے دورِ ثانی کا خواب امتِ مسلمہ میں تجدید ایمان کی عمومی تحریک کے بغیر شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا اور اس کے لیے لازم ہے کہ اولاً منبع ایمان و یقین، یعنی قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔"

اس مقصد کی تکمیل کے انجمن کے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد قرار پائے۔

• عربی زبان کی تعلیم و ترویج • قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق،
• علوم قرآنی کو مقصد زندگی بنانا اور ایک ایسی "قرآن اکیڈمی" کا قیام جو قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کر سکے۔

انجمن خدام القرآن کے تحت عملی جدوجہد کے طور پر ایک طرف "حلقہ ہائے مطالعہ قرآن" کا قیام عمل میں آیا تو دوسری طرف "دارالاشاعت الاسلامیہ" کے تحت علوم قرآنی کی عمومی نشریات کی سعی کی گئی اور تیسری جانب "سلسلہ اشاعت قرآن اکیڈمی" کے عنوان سے پے بہ پے کئی کتابچے اس مقصد اور کام کی اہمیت اور اس کے پس منظر کو واضح کرنے کے لیے شائع کیے۔

انجمن کے تحت فی الحال لاہور میں عربی کی تدریس کے شبینہ جماعتوں کا نظام قائم کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطبات جمعہ اور اتوار کی صبح کے درس قرآن کے سلسلے سے حلقہ ہائے درس قرآن کا نظام چل رہا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کو اس انجمن کا صدر مؤسس (تاحیات صدر) منتخب کر لیا گیا ہے۔

اب ملتان اور کراچی میں ذیلی انجمنوں کا قیام بھی عمل میں آ چکا ہے۔

"ادارہ دارالاشاعت الاسلامیہ" کا پورا سلسلہ اب مکتبہ انجمن کو منتقل ہو گیا اور اس کے تحت مندرجہ ذیل کتابیں زیور طباعت سے مرصع ہوئیں:۔

امام حمید الدین فراہیؒ کی

مجموعہ تفاسیر فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی کی

مبادی تدبر قرآن، مقدمہ تدبر قرآن، تدبر قرآن جلد اول تا جلد سوم، جس میں

تفسیر سورہ بقرہ تا سورہ بنی اسرائیل شامل ہے۔ حقیقت دین مشتمل بر نماز، توحید تقویٰ و شرک، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، اقامت دین کے لئے انبیاء کرام کا طریق کار اور قرآن اور پردہ، "ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کی" اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار" اور ان کے علاوہ "ڈاکٹر اسرار احمد کی" تحریک جماعت اسلامی"۔ ایک تحقیقی مطالعہ" "اسلام کی نشاۃ ثانیہ؛ کرنے کا اصل مقام، مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق، راہ نجات: سورۃ والعصر کی روشنی میں، اور قرآن اور امن عالم۔ ابھی حال ہی میں اقبال کے دینی و قرآنی افکار پر مشتمل "ڈاکٹر اسرار احمد اور نذیر نیازی صاحب کے دو رسائل سامنے ہیں۔

اُن تمام کتابوں کی تعداد جو کہ انجمن کے تحت زیور طباعت سے آراستہ ہوئیں تقریباً ڈیڑھ درجن سے زائد ہے۔ اور اتنے قلیل عرصے میں یہ تعداد کافی بہتر اور صحت مندانہ رجحان کا ثبوت دیتی ہے۔ یہ حقیقتاً دین کی خدمت بھی ہے اور اردو ادب کی بھی جس کو سراہا جانا ایک لازمی امر ہے۔

"ماہنامہ" میثاق "، جو کہ پہلے مولانا امین احسن اصلاحی کی زیر ادارت شائع ہوتا تھا، انجمن کے قیام کے بعد انجمن کا ترجمان بن گیا۔ اور ڈاکٹر اسرار احمد کی ادارت میں پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ رسالہ خالصتہً دینی ہے۔

آج ہمارے معاشرے کی اصلاح قوم کے بناؤ اور ملت کے سنوار کے لئے ایسے نوجوان کی ضرورت ہے جو رسول اللہؐ کی حدیث "خیارکم من تعلم القرآن و علمہ" کی پیروی کرتے ہوئے خود کو نمونے کے طور پر پیش کر سکیں۔ اس لحاظ سے انجمن نے اس وقت ایک اہم ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

شکیل احمد شمسی
سینڈ ایئر (کامرس)

مجلس علمی کراچی

مجلس علمی کی بنیاد سنہ ۱۰۳ھ میں رکھی گئی۔ اس کے بانی ارکان میں مولانا انور شاہ کاشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا بدر عالم میرٹھی وغیرہ شامل تھے۔ مجلس کے قیام کا مقصد اسلامی علوم اور اسلامی ثقافت پر تحقیق و تصنیف اور اشاعت قرار پایا تھا اور آج تک وہ اسی مقصد کے سفر کی راہی ہے۔

اس سلسلے میں مولانا محمد امین موسیٰ مرحوم کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مرحوم کو لوگ محبت سے میاں صاحب کے نام سے یاد کرتے تھے۔ وہ ایک نہایت ایثار پیشہ بزرگ تھے۔ مجلس علمی کے تمام اخراجات کی ذمہ داری انھوں نے اپنے سر لے رکھی تھی اور مجلس کی سربراہی کے فرائض بھی وہی انجام دیتے تھے۔ مرحوم اگر مجلس کے علمی مقاصد کے لیے سرمایہ فراہم نہ کر دیتے تو مجلس کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوتی۔ میاں صاحب کا پیشہ تجارت تھا۔ ان کے انتقال کے بعد مجلس کے اخراجات کی ذمہ داری مرحوم کے صاحبزادہ مولانا محمد ابراہیم برداشت کرتے ہیں جو افریقہ میں مقیم اور تجارت میں مشغول ہیں۔

یہ ادارہ جب تک ہندوستان میں رہا اس کے نگران اعلیٰ مولانا سید احمد رضا بجنوری تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ ادارہ کراچی منتقل ہو گیا اور سنہ ۱۹۴۷ء سے اب تک اسی علمی و دینی خدمت میں مصروف ہے جس کے لیے اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اب اس کے ناظم اعلیٰ مشہور عالم دین مولانا محمد یوسف بنوری شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن ہیں اور مولانا محمد طاسین اس کے منتظم ہیں۔ مولانا طاسین پاکستان کے علمی و دینی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کے بلند پایہ اور فکر انگیز مضامین علمی و دینی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مجلس علمی اب تک عربی، فارسی اور اردو کی تقریباً پچاس کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں ایک کتاب مصنف عبد الرزاق گیارہ جلدوں میں ہے۔ ان کتابوں میں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی کی متعدد تصانیف بھی ہیں۔ مجلس نے جو عربی تصانیف شائع کی ہیں ان میں ہر کتاب اپ
موضوع پر بڑی اہمیت رکھتی ہے اور حجاز و مصر اور دیگر اسلامی ممالک میں ان کی اشاعت ۔
دھوم مچ گئی ہے۔ اردو مطبوعات میں تدوین حدیث کے نام سے مولانا مناظر احسن گیلانی کی ایک
نہایت بلند پایہ تحقیقی کتاب ہے۔ اس معیار کی اردو میں اب تک کوئی دوسری کتاب موجود نہ
ہے۔ مولانا گیلانی کے علمی و دینی مقالات کا ایک مجموعہ بھی شائع ہوا ہے۔ تصوف اور دیگر موضوع
پر یہ نہایت فکر انگیز مقالات ہیں ایک بلند پایہ اور ایمان افروز کتاب سیرت رسول ؐ کے عنو
سے مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کی ہے اور ایک علمی کتاب نظام صلاح و اصلاح مولا
عبدالباری ندوی کے نام سے ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کی کتاب خوارق و عادات اور غلام محم
کی کتاب "تذکرہ سلیمان" بھی ۔۔۔ کی مطبوعات میں شامل ہیں۔

مجلس علمی نے اسلامی علوم و فنون اور تاریخ و ثقافت پر ایک بلند پایہ ریسرچ لائبریری
بھی قائم کی ہے جس میں تقریباً آٹھ ہزار کتابیں ہیں۔ اس کے ساتھ ایک دارالمطالعہ بھی ہے جس میں
ہندوستان اور پاکستان کے تقریباً تمام علمی اور دینی رسائل آتے ہیں۔

ادارے کی جانب سے بیرون ملک کو وفود بھی بھیجے جاتے ہیں جن کا مقصد علمی و ادبی
اور مسلمانوں اور ان کی علمی و دینی تحریکات کے بارے میں معلومات فراہم کرنا ہوتا ہے۔

مسلم اکادمی - لاہور

لاہور کے نجی علمی اداروں میں مسلم اکادمی ایک باوقار علمی ادارہ ہے۔ اس نے نہایت خاموشی کے ساتھ مفید علمی، دینی خدمات انجام دی ہیں۔ اس کے بانی و جنرل سکریٹری، حافظ نذیر احمد ہیں موصوف نگینہ ضلع بجنور کے رہنے والے ہیں ۱۹۳۵ء میں لاہور آگئے تھے۔ اس وقت سے لاہور ان کے علم وعمل کی جولان گاہ ہے وہ متعدد اداروں سے وابستہ رہے۔ کئی ادارے انھوں نے خود بنائے بعض ختم ہوگئے بعض اب بھی چل رہے ہیں۔ شبلی کالج جس کے وہ پرنسپل ہیں انھوں نے ۱۹۶۰ء میں قائم کیا تھا۔ اس ادارے نے تعلیم کے میدان میں اہل وطن کی خدمت انجام دی - مسلم اکادمی کا میدان تصنیف وتالیف اور اشاعت علوم وفنون ہے یہ اکادمی ۱۹۶۶ء میں قائم ہوئی۔ اس کے مقاصد میں قدیم اسلامی علوم وفنون کی درس گاہ، جدید طرز کے اسکولوں اور کالجوں، کتب خانوں اور دارالمطالعوں، بالغوں کی تعلیم کے مرکزوں ادبی مجلسوں، شبلی ریسرچ سینٹر اور اشاعتی ادارے کا قیام شامل ہے۔ وہ مسلم اکادمی کو تاریخ ادب، ثقافت اور دوسرے علوم وفنون پر تحقیق اور تصنیف وتالیف کا ایک عظیم الشان ادارہ بنا دینا چاہتے ہیں اور وسائل کی کمی اور مشکلات وموانع کے باوجود انھوں نے جو کام اب تک کیا ہے وہ قابل قدر اور لائق توجہ ہے -

جائزہ مدارس عربیہ ان کی نہایت قابل قدر علمی خدمت ہے، اس میں انھوں نے مغربی پاکستان کے عربی مدارس کی مکمل تاریخ مرتب کردی ہے، گزشتہ چند سال میں اس کی دو اشاعتیں نکل چکی ہیں یہ اپنے موضوع پر معلومات کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ علم وآگہی کے اس خصوصی شمارے کے کئی مضامین کی تالیف میں اس سے بڑی مدد ملی ہے۔ حافظ صاحب کی قرآنی خدمت میں شاریہ ماجدی خاص چیز ہے اس کی اشاعت سے نہ صرف مولانا عبدالماجد دریا بادی کی تفسیر سے استفادے میں آسانی پیدا ہوگئی ہے بلکہ دوسری تفاسیر سے استفادے میں بھی یہ کنجی کا کام دیتا ہے۔ طب نبوی بھی اپنے موضوع پر ایک اچھوتی کتاب ہے۔ ان کے علاوہ مقالات یوم شبلی

لله کے احکام، ا[illegible]

اقبال الرحمٰن
بی کام (فائنل)

ادارہ معارف اسلامی۔ کراچی

ادارہ معارف اسلامی کا قیام ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا۔ یہ ایک آزاد، غیر سیاسی اور خالص علمی ادارہ ہے۔

اغراض و مقاصد ادارہ معارف اسلامی کے بنیادی مقاصد درج ذیل ہیں:-

۱۔ اسلام کے تصور زندگی اور اُس کے نظام حیات کا تحقیقی مطالعہ اور اُس کی تعلیمات کو عقلی دلائل کے ساتھ آج کی زبان میں پیش کرنا۔

۲۔ مغربی علوم و فنون اور نظام تہذیب و تمدن کا تنقیدی جائزہ اور اسلامی نظام کے ساتھ اُس کا موازنہ۔

۳۔ آج کی دنیا کے معاشی، معاشرتی، سیاسی، قانونی اور اخلاقی مسائل کا مطالعہ اور اسلام کے اصولوں کی روشنی میں اُن کا حل تلاش کرنا۔

۴۔ اسلام کے علمی ورثہ کی مختلف زبانوں میں منتقلی کا کام۔

تنظیم ادارہ کا سکرٹریٹ کراچی اور مرکز لاہور میں ہے۔ اس کی شاخ ڈھاکہ میں بھی تھی۔ ایک بااختیار مجلس منتظمہ ادارے کے تمام امور کی ذمہ دار ہے۔ مجلس منتظمہ کے صدر ابتداہی سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ہیں۔ نائب صدر میاں طفیل محمد اور جامعہ اسلامیہ بھاولپور کے سابق وائس چانسلر مولانا محمد ناظم ندوی ہیں۔

سکرٹیری جنرل ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۸ء تک پروفیسر خورشید احمد رہے۔ اُن کے برطانیہ چلے جانے کے بعد چوہدری غلام محمد مرحوم سکرٹیری جنرل مقرر ہوئے۔ اب یہ ذمہ داری سید منور حسن پر ہے۔ چوہدری غلام محمد مرحوم ادارے کے بانی رکن اور خازن بھی تھے۔ اُن کی وفات کے بعد خازن کی ذمہ داری عبدالمتین انصاری انجام دے رہے ہیں۔

دیگر ارکان میں مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا منتخب الحق، پروفیسر غفور احمد، ڈاکٹر الٰہی علوی، خرم جاہ مراد اور چوہدری رحمت الٰہی شامل ہیں۔

شعبہ مطالعہ پاکستان ادارے کا ایک اہم شعبہ "مطالعہ پاکستان" ہے۔ اس کے تحت تقریباً چالیس موضوعات پر اہم قومی اخبارات کے تراشے محفوظ کئے جاتے ہیں۔ ان موضوعات میں پاکستان کی سیاست، معیشت، بین الاقوامی تعلقات، امن و امان کی صورت حال، حکومت کے اہم اقدامات، حکومت کے عہدے داروں اور ملک کی سیاسی جماعتوں اور مختلف قابل ذکر تنظیموں اور شخصیتوں کی سرگرمیاں، تقریریں اور بیانات، طلبہ اور تعلیم کی صورت حال، مزدوروں اور کسانوں کی کیفیت اور اُن کی تنظیموں کی سرگرمیاں اور ایسے ہی دیگر موضوعات شامل ہیں۔ مسلم ممالک کے اہم واقعات کے تراشوں کے فائل بھی اسی شعبہ کے تحت مرتب کئے جاتے ہیں۔

اس شعبہ کے تحت ایک "اکنامک ڈیسک" کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے جس کا مقصد ملک کی اقتصادی صورت حال کا تفصیلی مطالعہ اور تجزیہ کرنا اور اقتصادی مسائل کے حل کے لئے تعمیری تجاویز پیش کرنا ہے۔

بیرونی اداروں سے رابطہ بیرون ملک جو ادارے اور تحریکیں اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور تحقیق کا کام کر رہی ہیں۔ ادارہ معارف اسلامی اُن سے بھی رابطہ رکھتا ہے اور مطبوعات کا تبادلہ کرتا ہے۔

مطبوعات ادارے نے اپنے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے تحقیق و تصنیف، تالیف و ترجمہ کے کام کا آغاز کیا۔ جو آج بھی جاری ہے۔ لیکن جو نئی کتابیں تیار کی گئی ہیں اور تالیف و ترجمہ کا جو کام ہوا ہے اُس میں سے اہم کتابوں کی فہرست ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

- اسلامی ریاست، معاشیات اسلام، ادبیات مودودی، یہ تینوں کتابیں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ہیں۔ تاریخ افکار و علوم اسلامی اوّل و دوم۔ (ترجمہ افتخار احمد بلخی) اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل (ترجمہ۔ پروفیسر عبد الحمید صدیقی) نظریہ ارتقاء

ڈاروِن (ترجمہ۔ ساجد رحمٰن صدیقی) مطالعہ نفسیات (ترجمہ۔ ساجد رحمٰن صدیقی) کیمیائے سعادت (تلخیص۔ طاہر رسول قادری) حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک احیائے اسلام (البصار عالم)

اردو مطبوعات کے علاوہ انگریزی زبان میں بھی اسلامی قانون اور دستور، خاندانی منصوبہ بندی۔ سیرت نبوی۔ بینکنگ، انشورنس، معاشیات وغیرہ پر متعدد اہم اور بلند پایہ کتابیں شائع کی ہیں۔

رسائل ادارے کی جانب سے ایک ماہنامہ انگریزی میں کرائیٹیرین ـ "THE CRITERON" ـ کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں دورِ حاضر کے مسائل پر اسلام کا نقطۂ نظر اور عالمِ اسلام کے ممتاز مفکروں کی تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اردو میں 'چراغِ راہ' کے نام سے ایک رسالہ ادارے کے زیرِ اہتمام شائع ہوتا رہا ہے۔ ۱۹۶۹ء میں چراغِ راہ نے سوشلزم نمبر شائع کیا۔ یہ نمبر ریسرچ اور تحقیق کے میدان میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج کل مالی مشکلات کے سبب چراغِ راہ کی اشاعت معطل ہے۔

لائبریری ادارہ معارفِ اسلامی کے زیرِ اہتمام ایک لائبریری بھی قائم ہے، جس میں مختلف موضوعات پر سات ہزار سے زائد کتب موجود ہیں۔ لائبریری میں جو ماہنامے اور ہفت روزے اور روزنامے آتے ہیں۔ اُن کی مجموعی تعداد "۶۶" ہے۔ ان میں انگریزی، اردو، عربی اور سندھی کے جرائد شامل ہیں۔

ان تمام کاموں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ادارہ جن مقاصد کے لئے قائم کیا گیا تھا، اُن کو خوش اسلوبی سے انجام دے رہا ہے۔ جو کہ قابلِ داد ہے۔

نوٹ: بہ استفادہ و بشکریہ جناب منور حسن و ثروت جمال اصمعی۔

ترویج اسلام اکادمی (لاہور)

آج تاریخ اس موڑ پر کھڑی ہے جہاں انسان ہمیشہ سے زیادہ "سلامتی کی راہ" کا محتاج ہے، اس لئے کہ وہ ہر سراب کو پکڑنے کی کوشش کر چکا، ہر رہزن کے ہاتھوں لٹ چکا۔ اب وہ جاں بلب، آبلہ پا، پیاسی نگاہوں سے اپنے درد کا درماں، اپنے زخم کا مرہم اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک، اپنی راہ کا رہبر تلاش کر رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ ——— "یعنی سلامتی کی راہ" ——— صرف اور صرف اسلام ہے۔ لیکن چونکہ خضر ——— یعنی ملتِ اسلامیہ ——— خود گم گشتہ راہ ہے، اس لئے پہلے اسی کو معرفتِ رسم و راہِ منزل کی احتیاج ہے۔ خود اس کے نہاں خانہ ہائے دل تاریک ہیں، اس لئے پہلے اس کے قلب کو اسلام کی حقانیت کے نور اور ایمان و ایقان کی روشنی سے منور کرنا ہے۔

اسی فریضہ کی ادائیگی کے لئے اللہ کے کچھ نیک بندوں نے برصغیر پاک و ہند میں اس دور کی سب سے بڑی اسلامی تحریک برپا کی ہے۔ اسی تحریک کے صفِ اول کے مجاہدوں میں سے ایک سید اسعد گیلانی اردو کے ممتاز ادیب، انشا پرداز اور اسکالر ہیں۔ انھوں نے ایک اکیڈمی "ترویجِ اسلام اکادمی" قائم کی ہے ——— ——— یہ اکادمی لاہور کی ایک نئی بستی "دارالاسلام کالونی" میں قائم کی گئی ہے۔ اس کا قیام یوں تو یکم نومبر ۱۹۷۳ء ہی میں عمل میں آ گیا تھا، مگر وسائل کی کمیابی اور بعض دوسری رکاوٹوں کے باعث یکم جولائی ۱۹۷۴ء سے اس نے کام کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اس کے پانچ نکاتی مقاصد حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں، پاکستان کے اندر اور باہر، اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لئے موزوں اور حسبِ حالات و ضروریات اسلامی لٹریچر کی تیاری اور فراہمی۔

۲۔ نوجوانوں کے لئے تعمیری لٹریچر کی تیاری تاکہ نئی نسل، آوارہ مزاجی اور محرومی کا شکار نہ ہے۔

۳۔ تبلیغی نفسیات کے پیش نظر مختصر کتابچوں کی ترتیب و اشاعت کا اہتمام، اس لئے کہ تبلیغی لٹریچر بالعموم مفت اور کثرت سے تقسیم ہوتا ہے۔

۴۔ اردو کے علاوہ انگریزی اور دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ اور تیاری لٹریچر کا انتظام

۵۔ طباعت و اشاعت بھی (تاکہ لٹریچر کی اشاعت میں تاخیر نہ ہو) اسی اکادمی کے ذمہ

سید اسعد گیلانی نے جو کام اس اکادمی کے تحت شروع کیا ہے، وہ عظیم بھی ہے اور وقت کی انتہائی اہم ضرورت بھی۔ ساتھ ہی بے حد کٹھن بھی ہے۔ شاید یہ کام تنا دشوار نہ ہوتا اگر وسائل کی کمی نہ ہوتی اور افرادِ کار و اصحابِ علم مکمل اور بر وقت تعاون کرتے۔ مگر یہاں تو صورت یہ ہے کہ وسائل انتہائی محدود ہیں اور اصحابِ علم و افرادِ کار بھی کمیاب۔ نیز مذاقِ علم و تحقیق و تخلیق بھی نایاب۔ ان ناموافق حالات میں ایک علمی و تحقیقی و تخلیقی اکادمی نہ صرف قائم کی گئی، بلکہ کامیابی سے چلائی بھی جا رہی ہے۔ یہ بے شک ایک قابلِ تحسین امر ہے۔ اور اس بات کا ثبوت بھی کہ مردانِ باعزم و ہمت کے لئے وسائل کی کمیابی سوئے منزلِ حق جادہ پیما ہونے میں بہرحال آخری رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

جب "ترویجِ اسلام اکادمی" نے کام شروع کیا تو اس کے پیشِ نظر سب سے پہلے تحقیق و تخلیق کا پانچ سالہ منصوبہ تھا۔ جس کے تحت تحریکِ اسلامی کو تازہ بتازہ مسائل پر تازہ بتازہ لٹریچر فراہم کرنا مقصود ہے، تاکہ یہ تحریک فکری طور سے تازہ دم رہ سکے، اور اس کے فکر کے سوتے بھی خشک نہ ہونے پائیں۔ اسی لئے گوناگوں موضوعات اور مسائل پر مشتمل مضامین تیار کرنے کا درجِ ذیل منصوبہ تیار کیا گیا۔

اسلام سے متعلق موضوعات | ۱۲ مختصر کتابچوں کا سیٹ۔ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت و تشریح۔

۵ رکتابچے۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات پر مشتمل ہیں۔

"مبلّغ کا مختصر کورس"۔ دیہاتوں میں تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے علمِ دین کی ایک گائیڈ بک۔ "اسلام ۔ سو زاویوں سے"۔ اسلام کے اخلاقی، روحانی، معاشی، معاشرتی، تمدنی اور سیاسی پہلوؤں پر سوالات اور اُن کے جوابات۔

مشاہیرِ اسلام کے حالات پر مشتمل مختصر کتابچے — "ارشادِ محمدؐ" اور "مومن کا آئینہ" — مومن — مختصر اور جامع احادیث پر مشتمل دو کتابچے — "تین انقلابات" — فرانس کا جمہوری انقلاب، روس کا اشتراکی انقلاب اور عرب کا اسلامی انقلاب — کا تقابلی جائزہ — "حضورِ اکرمؐ — سیاست داں کی حیثیت سے" — "مسلمان کی روزمرہ کی زندگی" — ایک سچے مسلمان کے روزمرہ کے معمولات آسمانی ہدایت کی روشنی میں کیا ہونے چاہئیں — "حضورِ اکرمؐ اور آپ کے ساتھیؓ" — "قوانینِ فطرت اسلام کی روشنی میں صحت کے لئے رہنمائی"۔

تحریک سے متعلق موضوعات

۶ مختصر کتابچوں کا سیٹ — مثلاً "تحریکِ اسلامی کی سیاسی ضرورت" — تاریخی کتابچے —

احیائے دین اور اقامتِ دین کے لئے جد و جہد کرنے والی علمی اور عملی اسلامی تحریکوں کے مختصر حالات کا جائزہ و تعارف — مثلاً "حضرت عبداللہؓ ابن زبیرؓ اور ان کی سیاسی جد و جہد" "حضرت حسینؓ ابن علیؓ اور ان کی اصلاحی جد و جہد" — "امام ابنِ تیمیہؒ اور ان کی تجدیدی جد و جہد" — "سید احمد شہیدؒ اور ان کی جماعت" — "حسن البنا شہیدؒ اور ان کی جماعت" — "سید مودودی اور ان کی جماعت" — وغیرہ

"تحریکِ اسلامی — منزل بمنزل" — موجودہ تحریکِ اسلامی کی پیش قدمیوں کا جائزہ۔ ۷ کتابیں، تحریکِ اسلامی سے متعلق۔ کردار کی تشکیل و تعمیر کے لئے قافلۂ سخت جاں کے رہ نوردوں کے سوانح — علم و ادب کے میدان میں اسلامی نظریات کی برتری اور پیش قدمی کا تذکرہ اور حالات کے تجزیہ و تحقیق سے متعلق الکتب — مثلاً "یورپ دلیشس" — "تلاشِ حق" — "رودادِ زنداں" — وغیرہ

سوشلزم اور سرمایہ داری کے نظریاتی موقف کی تردید اور ان کے بلند آہنگ دعووں کے پسِ پردہ بھیانک حقائق کی تصویر۔ نیز ان کی تباہ کاریوں کا جائزہ۔

اسی طرح نوجوانوں کے ذوق کے مطابق ہلکا پھلکا ادبی اور تفریحی لٹریچر مہیا کرنا بھی اس اکادمی کے پیشِ نظر ہے تاکہ وہ ذہنی بے راہ روی اور پھر فکر کی دورنگی اور کردار کی دو عملی کا

شکار نہ ہوں۔

آغازِ کار کے وقت "ترویجِ اسلام اکادمی" (لاہور) کے پیشِ نظر کم از کم یہ مندرجہ بالا کام تھا۔ اس پروگرام پر عمل درآمد کے لئے سید اسعد گیلانی نے مختلف اصحاب علم و قلم سے رابطہ قائم کیا اور انھیں ان موضوعات پر لکھنے کی دعوت دی۔ خدا کے فضل سے بہت سے اہلِ قلم و اصحاب علم نے انھیں اپنا تعاون پیش کیا۔ یہ ان کے مخلصانہ تعاون ہی کا نتیجہ ہے کہ دسمبر ۱۹۷۲ء تک اکادمی کی مندرجہ کتب شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ رسالہ جات و تبلیغی لٹریچر:۔ "اسلام ایک عالمی ضرورت" ۔۔۔ "اسلام ایک قومی ضرورت" ۔۔۔ "اسلام ایک معاشی ضرورت" ۔۔۔ "اسلام، امنِ عالم کا ضامن" ۔۔۔ "مقصدِ زندگی اور معاش" ۔۔۔ "تخریب کاری کا منصوبہ"۔

۲ ۔۔۔ سیرت و سوانح :۔ "سیرتِ گیلانی (صدیق الحسنؒ)" ۔۔۔ "اقوالِ مودودی"۔

۳ ۔۔۔ ادب : "دوش بدوش" (مجموعۂ مکاتیب)

عبدالنعیم خان خاکی
کامرس سال اول

علماء اکیڈمی لاہور

لاہور میں جہاں بادشاہی مسجد، شاہی قلعہ، مینار پاکستان اور علامہ اقبال کی آخری آرام گاہ ہے۔ اب وہاں ایک علمی مرکز کا اضافہ بھی ہو گیا ہے۔ یہ علمی مرکز علما اکیڈمی ہے۔ علماء اکیڈمی کے دفاتر حضوری باغ کی اس عمارت میں واقع ہیں جو ابوظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں ایک عظیم درس گاہ کا ہوسٹل تھا۔

محکمہ اوقاف پنجاب نے یہ فریضہ اپنے ذمے لے رکھا ہے کہ آئمہ وخطبا کو وہ سہولتیں فراہم کرے گا جو دار العلوموں میں انھیں میسر نہ تھیں اور وہ ان سہولتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر اپنا وہ مقام حاصل کریں جو انھیں بطور امام ایک مسلم معاشرے میں حاصل ہونا چاہیئے تاکہ آج کی اصطلاح میں وہ صحیح معنوں میں کمیونٹی لیڈر کا رول ادا کر سکیں۔ علما اکیڈمی کا قیام اسی منصوبے کو پائے تکمیل کو پہنچانے کے لئے عمل میں لایا گیا ہے۔ محکمہ اوقاف اس سلسلے میں ہر قسم کی سہولتیں مہیا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پروفیسر محمد یوسف گورایہ نے ان سہولتوں کی تفصیل بھی بیان فرمائی ہے۔

۱۔ قدیم وجدید علوم کے ماہرین کی خدمات مستعار لی گئی ہیں۔ تاکہ ہمارے آئمہ عصر جدید کے علوم اور تقاضوں سے پوری طرح آگاہ ہوں۔

۲۔ اکیڈمی میں ایک اچھی لائبریری قائم کی گئی ہے جس میں اسلامی علوم وفنون کے علاوہ دیگر قدیم وجدید علوم کا بھی بیش قیمت ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے۔ تاکہ علماء اور آئمہ کرام جو صوبہ بھر سے تعلیم وتحقیق کی غرض سے علماء اکیڈمی میں تشریف لاتے ہیں انھیں بہ یک مقام ان کے موضوع تحقیق سے متعلق زیادہ سے زیادہ ذخیرہ بہ آسانی مل جائے۔ اس مرتبہ لائبریری کو وسعت دینے اور پاکستان کے مرکز علمی لاہور کی ایک

بلند پایہ علمی دینی لائبریری بنا دینے کے لئے علماء اکیڈمی کوشش کر رہی ہے۔

علماء اکیڈمی کا ایک شعبۂ تبلیغ و تعلیمات ہے جس کے ذمے دینی مدارس کی دیکھ بھال اور ان کی ترقی و بہبود کا کام ہے اور شعبۂ مطبوعات ہے جس کے تحت متعدد بلند پایہ مفید علمی دینی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جہاں تک علماء اکیڈمی کے قیام کا تعلق ہے موجودہ دورِ حکومت سے پہلے قائم ہو چکی تھی۔ لیکن جہاں تک اس کی خدمات کا تعلق ہے وہ موجودہ دورِ حکومت کی علمی رہنمائی اور اس کی معارف پروری کی رہینِ منت ہے۔ ہمارے یہاں مسئلہ یہ کبھی نہیں رہا کہ ترقی و فلاح کے منصوبے مفقود تھے۔ المیہ یہ تھا کہ اخلاصِ عمل مفقود تھا اور کوئی دستِ رہنما اور دیدۂ نگراں موجود نہ تھا۔ عوامی انقلاب کے بعد زندگی کے جن جن گوشوں میں یہ احساس پیدا ہوتا جاتا ہے کہ کوئی دستِ رہنما اور دیدۂ نگراں بھی ہے۔ جذبۂ عمل اور احساس فرض کی شمعیں روشن ہوتی جا رہی ہے۔

یہی صورتِ حال محکمۂ تعلیم میں پیدا ہوئی اور یہی صورتِ حال محکمۂ اوقاف میں پیدا ہوئی اور اس تبدیلی کا اثر ہر جگہ اور ہر محکمے میں پیدا ہوا۔ اس کا اثر علماء اکیڈمی کی کارکردگی اور اس کے کاموں کے معیار پر بھی پڑا۔ اسی طرح اس کے افادہ و فیضان کا دائرہ بھی وسیع ہوا۔ علماء اکیڈمی نے اپنی خدماتِ علمی سے نہ صرف حکومت کے حلقوں میں اپنے قیام کے جواز کو ثابت کیا بلکہ ملک کے علمی حلقوں میں بھی اس نے اپنی ساکھ بنائی اور اپنا اعتبار پیدا کیا ہے۔ اس میں اکیڈمی کے پہلے ڈائریکٹر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری اور موجودہ ڈائرکٹر پروفیسر محمد یوسف گورایہ کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ گورایہ صاحب کی شخصیت ایک علمی شخصیت ہے۔ علمی حلقوں میں ان کا تعارف ہے۔ انھوں نے ملک اور بیرونِ ملک کی اعلیٰ تعلیم گاہوں میں تعلیم اور تحقیق و تصنیف کے کاموں کی تربیت حاصل کی ہے۔ انھوں نے اگرچہ زیادہ نہیں لکھا ہے۔ لیکن جو کچھ لکھا ہے اس کا علمی و فکری وزن محسوس کیا گیا ہے۔ ان کی معرکہ آرا اور فکر انگیز کتاب "نظامِ زکوٰۃ اور جدید معاشی مسائل" کا علمی

حلقوں میں بڑے زور خیر مقدم کیا گیا۔

علماء اکیڈمی نے بزرگانِ دین، اولیائے کرام، صوفیائے عظام کے سوانح حیات، ملفوظات اور تصوف کی اہم کتابیں شائع کی ہیں۔ ان میں عربی، فارسی کے متون بھی ہیں، تراجم بھی ہیں اور اردو کی بعض اہم کتابیں بھی ہیں۔ یہ تمام متون اور تراجم اور تصانیف نہ صرف صحتِ متن اور زبان و بیان کے لحاظ سے معیاری ہیں بلکہ یہ تحقیق و تدوین کے بلند معیار پر بھی پوری اترتی ہیں۔ تقریباً ایک درجن مطبوعات راقم السطور کی نظر سے گزری ہیں۔ ان میں اہم تو ساری ہی کتابیں ہیں۔ لیکن بعض کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مثلاً اسلامی فقہ میں علامہ عبدالرحمن الجزری کی "کتاب الفقہ" اپنے موضوع پر اہم ترین اور لاجواب کتاب ہے۔ اس کے تین حصے اب تک شائع ہو کر عوام میں مقبول ہو چکے ہیں۔ پروفیسر آرنلڈ کی مشہور تصنیف "پریچنگ آف اسلام" محتاج تعارف نہیں۔ اس کے ترجمے کی اشاعت ایک اہم علمی خدمت ہے۔ یہ ترجمہ "دعوتِ اسلام" کے نام سے ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ کے قلم سے ہے اور اپنی ادبی خوبیوں کی وجہ سے اصل سے کم نہیں ہے۔ مترجم نے کتاب کا مجرد ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ اس پر کثرت سے مفید حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔ ان حواشی نے ترجمے کی اہمیت و افادیت کو اصل سے بڑھا دیا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں "فوائد الفواد" کی اشاعت بھی ایک گراں بہا خدمت ہے۔ یہ کتاب تصوف کے سلسلۂ چشتیہ کے طریق تزکیۂ نفس کے حقائق و معارف کا نادر مجموعہ ہے۔ اس کا ترجمہ پروفیسر محمد سرور نے کیا ہے۔ ترجمے میں اصل کی تمام انشائی اور ادبی خوبیاں موجود ہیں۔ ایک نہایت اہم کتاب شیخ احمد سرہندی کے حالات میں "حضرات القدس" کے نام سے حضرت مرحوم کے ایک نامور شیخ بدر الدین سرہندی کے قلم سے تھی۔ یہ کتاب حضرت موصوف علیہ الرحمۃ پر دو قدیم اور اہم ترین کتابوں میں سے ایک تھی۔ اس کے تین مخطوطے پاکستان میں موجود تھے۔ محمد محبوب الٰہی نے ان تینوں نسخوں کو سامنے رکھ کر اس کا صحیح ترین متن (فارسی) تیار کیا۔ اگر اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو جائے تو

تو اس کتاب کا دائرہ فیضان بہت وسیع ہو جائے گا۔

ان کتابوں کے علاوہ امام غزالی کی "المنقذ من الضلال" اور اس کا اردو ترجمہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور تصنیف "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" اہم ترین مطبوعات ہیں۔ ضرورت ہے کہ شاہ صاحب کی اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا جائے۔ یہ کتاب اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تصنیف "فیصلہ ہفت مسئلہ" ایسی کتابیں ہیں جن سے اتحاد و اخوت پر مبنی معاشرے کی تعمیر میں بہت مدد ملے گی۔ ان کتابوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی ضرورت ہے۔

علماء اکیڈمی کی جانب سے ایک سہ ماہی علمی و تحقیقی مجلہ بھی شائع ہونا شروع ہوا تھا لیکن اس کا ایک ہی شمارہ نکل سکا۔ اس کے ایڈیٹر، اکیڈمی کے پہلے ڈائریکٹر رشید احمد جالندھری تھے۔

چلڈرن قرآن سوسائٹی۔ لاہور

یہ سوسائٹی ۱۹۶۱ء میں لاہور میں قائم ہوئی۔ اس کا مقصد قرآن حکیم کی تعلیم کو عام کرنا ہے۔
غیر ممالک میں کام کرنے والے اسلامی مشنوں کو اپنی مطبوعات اور اسلامی لٹریچر فراہم کرتا ہے
سوسائٹی بچوں کے لئے ایک ماہنامہ نکالنا چاہتی ہے اور اسلامی موضوعات پر آسان زبان اور
دلچسپ اسالیب۔ مثلاً کہانی یا سوال و جواب کی صورت میں کتابیں چھاپنے کا بھی پروگرام ہے۔

اس سوسائٹی کے بانی انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے سابق وائس چانسلر خان بہادر
محمد انعام اللہ خان ہیں۔ شیخ مختار احمد ریٹائرڈ چیف انجینئر اور میاں عبدالمنان سکریٹری ہیں۔
کراچی میں اس سوسائٹی کی نگرانی ادارے کے بانی خان بہادر محمد انعام اللہ خاں کے بھائی ڈاکٹر
کرنل نجیب اللہ خان کرتے ہیں۔ کتابوں کی اشاعت کا اہتمام ڈاکٹر شمشاد الحق فریدی کے ذمے
ہے۔ ایڈیٹر مقبول انور داؤدی ہیں۔

ابتدا میں اس سوسائٹی نے بچوں کو ناظرہ قرآن کریم پڑھانے کا بندوبست جو ہنوز جاری
ہے۔ ۱۹۶۵ء میں مسلمان بچوں میں دینی تعلیم کو عام کرنے کے لئے آسان اور دیدہ زیب کتب
کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ اب تک مندرجہ ذیل کتب چھپ چکی ہیں۔
سب سے زیادہ مہربان انسان۔ سب سے بڑے جرنیل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔
بچوں کے لئے نماز با ترجمہ۔ بچوں سے پیار کرنے والے رسول۔ جان و مال سے جہاد کرنے والے مجاہد
(حصہ اول و دوم) قصص القرآن۔ حصہ اول تا چہارم۔

مجلس اشاعۃ السنۃ۔ لائل پور | مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف جامعہ تعلیمات اسلامیہ
کے قیام اور ہفت روزہ المنبر کے اجراء کے علاوہ عظیم الشان
دینی خدمت میں مصروف ہیں۔ ان کی خدمات دینی کا ایک میدان مجلس اشاعت السنہ ہے۔
اس کے قیام کا مقصد اس کے نام سے ظاہر ہے لیکن اس کے قیام کا مقصد اور دائرہ کار

اس سے بہت وسیع ہے۔ حفظ و دفاع اسلام اور تبلیغ و اشاعت کتاب و سنت کے لئے درس کا اہتمام، جلسوں کا انعقاد، لٹریچر کی تیاری، تبلیغی وفود کے انتظام وغیرہ کے ذریعے پیش نظر مقاصد کی تکمیل میں یہ مجلس مصروف ہے۔ مجلس کی جانب سے متعدد نہایت مفید چھوٹے چھوٹے رسائل نظر سے گزرے ہیں۔

ادارہ عالمگیر تحریک قرآن

حیدرآباد دکن میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک عقیدت مند اور ان کے افکار قرآنی سے متأثر ایک بزرگ مولوی ابومحمد مصلح (سہسرامی) تھے۔ مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن شائع ہوئی تو مولانا نے مسلمانوں کی تعلیم و اصلاح اور قیام ملت کے لئے مطالعہ قرآن اور اشاعت علوم و معارف قرآنی کی جن ضرورتوں کی طرف توجہ دلائی تھی مصلح صاحب نے انھیں مقاصد کے لئے ادارہ عالمگیر تحریک قرآن قائم کیا مولانا آزاد کی تفسیر کے نام پر ایک ماہنامہ مالہ ترجمان القرآن جاری کیا۔ انھیں دنوں حضرت علامہ ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ جمعیت علمائے ہند کے ترجمان روزنامہ الجمعیۃ کی ادارت سے الگ ہوئے تھے۔ اگرچہ جمعیت کے لوگ حضرت علامہ محترم کے اخلاق کے ... اک تھے لیکن مصلح صاحب نے حسن ظن سے کام لے کر ترجمان القرآن میں انھیں بھی شریک کر لیا۔ کچھ دنوں بعد ان کے مزاج و سیرت سے مصلح صاحب کو بھی شکایت پیدا ہو گئی اور ترجمان القرآن کے سلسلہ میں نزاع پیدا ہو گئی۔ نتیجۃً ترجمان القرآن ان کے قبضہ سے نکل کر مودودی صاحب مدظلہ کے قبضہ میں چلا گیا۔ تحریک قرآن کو شدید نقصان پہنچا۔ مودودی صاحب مدظلہ نے الگ تحریک اسلامی کے نام پر کام شروع کیا۔ مصلح صاحب مسلمانوں کی اصلاح و تربیت اور علوم معارف قرآنی کی اشاعت میں مصروف رہے انہوں نے تفسیر و ترجمہ کے علاوہ علوم قرآنی پر متعدد کتابیں شائع کیں۔ بہادر یار جنگ اکادمی نے مملکت حیدرآباد میں علمی خدمات کے سلسلے میں کتابوں کی جو عظیم الشان فہرست شائع کی ہے اس میں ادارہ عالمگیر تحریک قرآن کی کتابیں شامل ہیں۔

محمد مظفر الدین

چند دیگر دینی علمی ادارے

ادارہ تبلیغ القرآن - کراچی

حاجی عبداللطیف باوانی پاکستان کے مشہور مخیر صنعت کار تھے کراچی کا شاید ہی کوئی ایسا مذہبی ادارہ ہو، جس کی انھوں نے مدد نہ کی ہو۔ ان ہی کی مالی امداد سے ۱۹۵ء میں ایک "ادارہ تبلیغ القرآن" قائم ہوا۔ اس کے سربراہ فیروزالدین روحی تھے۔ روحی جالندھر یا اس کے قرب وجوار کے رہنے تھے۔ مگر مدت سے آگرے میں رہتے تھے۔ ان کا تعلق قادیانیوں کی لاہوری جماعت سے تھا۔ وہ محمد علی لاہوری (قادیانی) کے شاگرد تھے۔ وہ اپنے یہ حالات ہمیشہ پردۂ خفا میں رکھتے حاجی عبداللطیف مرحوم نے اپنی آخر عمر میں فیروزالدین سے قرآن پڑھا تھا۔ استادی شاگردی کے اس تعلق سے یہ ادارہ وجود میں آیا۔ ادارے کی طرف سے قرآن کریم کی تفسیر مکمل علیحدہ علیحدہ تیسوں سیپاروں کی شکل میں غالباً دو مرتبہ شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ اس ادارے سے مندرجہ ذیل چھوٹی بڑی کتابیں بھی شائع ہوئیں۔

(۱) اسلامی زندگی (۲) نماز کی ترکیب (۳) سیرت نبوی (دو جلد) (۴) تذکرہ ابوبکر صدیقیؓ (۵) تذکرہ فاروق اعظمؓ (۶) تذکرہ عثمان غنیؓ (۷) تذکرہ علی مرتضیٰؓ (۸) سیرت خدیجۃ الکبریٰؓ (۹) سیرت عائشہ صدیقہؓ (۱۰) احادیث النبی۔ منکرین حدیث کے جواب میں (۱۱) آئینہ صداقت۔ (بریلوی اور دیوبندی مسلک کی حقیقت) (۱۲) چار باغ اہل اللہ (شاہ اہل اللہ دہلوی کے رسالہ کا اردو ترجمہ) (۱۳) باغ عارف (تین جلد شاہ سلیمان لاجپوری کے حالات وملفوظات) (۱۴) گنج نامہ (فارسی) شاہ عبداللطیف انصاری) (۱۵) گنج نامہ (اردو) شاہ عبداللہ انصاری) (۱۶) اوراد الکبیر۔

ان کے علاوہ بھی چند چھوٹے چھوٹے رسالے شائع ہوئے۔ سورہ فاتحہ اور قرآن کریم

کے دو سیپاروں کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر بھی شائع ہوئی تھی۔ کئی رسالے گجراتی میں بھی شائع ہوئے۔

روحی صاحب نے جو کتابیں شائع کیں اگرچہ ان پر نام انہی کا ہوتا تھا۔ لیکن یہ کتابیں عام طور پر دوسرے قلم کاروں کی کاوشوں کا نتیجہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ ہمیں معلوم ہے کہ کتاب ۲ سے نمبر ۱۱ تک کی آٹھ کتابیں ہمارے ایک فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری کا عطیہ ہیں

ادارے کی طرف سے تین چار سال تک ایک ماہانہ رسالہ "القرآن" بھی نکلتا رہا۔ اس پر حیثیت ایڈیٹر فیروز الدین روحی اور خلیل احمد کا نام ہوتا تھا۔ مگر اس کی ترتیب و ادارت کے جملہ فرائض سیماب اکبر آبادی کے فرزند منظر اکبر آبادی (پرچم پریس کراچی) انجام دیتے تھے۔ جب حاجی عبداللطیف باوانی کا ۳۰ راگست ۱۹۶۰ء کو انتقال ہو گیا تو ادارہ ختم ہو گیا۔ ۳۰ راگست ۱۹۶۷ء کو فیروز الدین روحی کا بھی انتقال ہو گیا۔

ادارہ لغات القرآن۔ راولپنڈی

ریٹائرڈ میجر عزیز احمد نے قرآن کی تفہیم کے لیے یہ ادارہ قائم کیا ہے۔ اس ادارے کی جانب سے لغات القرآن (پہلا پارہ) شائع ہو چکی ہے جس میں الف بائی ترتیب کی بجائے سورہ کی آیات میں الفاظ کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔

انجمن تعلیم و تعمیر پاکستان۔ کراچی

سید محمد جمیل سابق اکاؤنٹنٹ جنرل پاکستان نے یہ انجمن ۱۹۵۸ء میں قائم کی تھی۔ اس انجمن کی خاص اور قابل قدر دینی خدمت یہ وہ جائزہ ہے جو پاکستان میں عیسائیت کے فروغ کی رفتار اور اس کے اسباب و محرکات کے بارے میں لیا گیا تھا۔ یہ جائزہ ۱۹۶۱ء میں انگریزی میں کتابی شکل میں چھپ چکا ہے۔ انجمن کی جانب سے چند اور بھی چھوٹے چھوٹے رسالے شائع ہو چکے ہیں انجمن کے صدر سید محمد جمیل، عائشہ باوانی اکیڈمی کراچی کے مالی تعاون سے جنوب مشرقی ایشیا کے کئی ممالک کا تبلیغی دورہ بھی کر چکے ہیں۔

جلسہ تائید دین متین۔ بریلی

یہ ایک دینی انجمن تھی جو مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی اصلاح کی غرض سے ۱۲۷۱ھ میں مفتی عنایت احمد کاکوری نے قائم کی تھی۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی انجمن تھی جو مسلمانوں نے انگریزوں کے تعاون و امداد کے بغیر اسلام کی تبلیغ اشاعت اور مسلمانوں کی اصلاح کے لئے قائم کی تھی مفتی صاحب شاہ محمد اسحاق کے شاگردوں میں سے تھے ۱۸۵۷ء میں برٹش حکومت کے خلاف ملک گیر تحریک آزادی میں حصہ لینے کے جرم میں کالے پانی کی سزا ہو گئی تھی۔ ان کے جزائر انڈمان جانے کی وجہ سے یہ انجمن ختم ہو گئی تھی لیکن جب چند سال کے بعد انھیں ہندوستان واپس آنے کی اجازت ملی تو انہوں نے کانپور کا مشہور دینی مدرسہ فیض عام قائم کیا اور کتب و رسائل کی اشاعت کے ذریعہ مسلمانوں کی اصلاح کا کام دوبارہ شروع کیا۔ گویا کہ یہ انجمن کا دوسرا دور تھا لیکن اس زمانہ میں حضرت مفتی صاحب کی ساری توجہ مدرسہ فیض عام کی ترقی اور اسلامی علوم و فنون میں کامل اور تعلیم و تربیت سے مزین ایسے افراد کی تیاری پر مرکوز رہی جو سائنٹیفک بنیادوں پر مختلف میدانوں میں اسلام اور ملت اسلامیہ کی خدمات انجام دے سکیں مفتی صاحب اپنے مقصد میں ناکام نہیں رہے چنانچہ دار العلوم ندوۃ العلماء کی تحریک کا آغاز مدرسہ فیض عام سے ہوا جس کی بدولت ملت اسلامیہ کو سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الباری ندوی، مولانا عبد السلام ندوی کے سے اہل علم و اصحاب قلم اور مسعود علی ندوی کے سے منتظم اور ملت اسلامیہ کے بالغ نظر خدمت گزار میسر آئے۔

اس انجمن کی جانب سے متعدد چھوٹے چھوٹے دینی رسائل ہزار ہا کی تعداد میں شائع کر کے مسلمانوں میں مفت تقسیم کئے گئے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق ایک رسالہ جو کلمہ کے معنی و مطالب کی تفہیم پر مشتمل تھا تین بار میں چھتیس سو کی تعداد میں شائع ہوا تھا۔

EAGLE
EAGLE
وہ قلم جس کی کارکردگی
سے ہر کوئی مطمئن
ایگل
ایک عالمگیر قلم
AFC-2/74
Crescent

باب ہفتم

علاقائی ادبی لسانی ادارے

پروفیسر جمال الدین شیخ
شعبہ کامرس

سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد

سندھ کی علمی روایات بہت قدیم ہیں۔ سندھ میں عربوں کی آمد اور طلوع اسلام سے بھی پہلے سندھ کے رہنے والے لوگ علم و ادب کے زیور سے آراستہ تھے۔ سندھ کی پرانی تاریخ میں ذکر آتا ہے کہ۔ بدھ مذہب کے ایک حاکم نے اپنے ایک وزیر بدھی مان کو یہ حکم دیا کہ امور سلطنت اور عدل و انصاف کے اصولوں پر ایک کتاب لکھ کر پیش کرے چنانچہ اس نے حکم کی تعمیل میں ایک کتاب لکھی۔

۷۱۲ء میں سندھ جب اسلامی تعلیمات سے منور ہوا تو یہاں علم و ادب کا چرچا بہت بڑھ گیا۔ یہاں کے مقامی پنڈت اور برہمن جنھوں نے اسلام بخوشی قبول کیا انھوں نے عربی سندھی، دونوں میں بیش بہا کتابیں لکھیں۔ دیول کے ایک عالم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کو "مکاتیب المرسلین" کے نام سے جمع کیا ہے۔ عربوں نے وسط سندھ میں منصورہ اور محفوظہ کے نام سے دو شہر آباد کئے تھے۔ وہاں پر حکومت کے اہل کاروں کے علاوہ قاضی بھی رہتے تھے۔ جو از روئے شریعت مسائل و مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے یہ تقرر اکثر نومسلم عالموں میں سے کیا جاتا تھا۔ یہ لوگوں کے حالات، روایات، اور تنازعات کے اسباب سے بخوبی واقف ہوا کرتے تھے۔

قاضی کے عہدے پر کسی شخص کا تقرر کرنے سے پہلے اس بات کی نہایت چھان بین کی جاتی کہ قاضی کے عہدے پر مقرر کئے جانے والا شخص علم و فضل اور کردار کے لحاظ سے قابل اعتماد بھی ہے یا نہیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ منصورہ اور محفوظہ کے ان سندھی قاضیوں نے سندھی اور عربی زبان میں بیش بہا علمی اور مذہبی کتابیں لکھیں۔

سندھ میں عربوں کے دورِ حکومت کے بعد پہلے سومرہ کی اور اس کے بعد سمہ خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کے بعد ارغون، ترخان اور آخر میں مغلوں کی حکومت قائم ہوئی۔ ان ادوار میں بھی سندھ میں تصنیف و تالیف کا کام جاری رہا اور بے شمار کتابیں لکھی گئیں، جن میں سے کچھ محفوظ اور موجود ہیں۔ مغلوں کے آخری دنوں میں کلہوڑہ نامی ایک مقامی قبیلہ سندھ کی سیاست پر چھا گیا اور بالآخر اس نے اتنا زور پکڑ لیا کہ دلی کے مغل شہنشاہ کو سندھ پر کلہوڑوں کی حکومت تسلیم کرنی پڑی۔ کلہوڑہ دور میں سندھ میں علم و ادب کی فضا اس حد تک تیار ہو چکی تھی کہ سندھی زبان کا سب سے بڑا شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی پیدا ہوا۔ شاہ صاحب کے بعد کا زمانہ زیادہ تعارف کا محتاج نہیں۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سندھ کی ادبی روایت کتنی پرانی ہے۔ اور سندھ کا علمی و ادبی سرمایہ کتنا وسیع ہے۔ انگریزوں کے عہد حکومت میں عیسائی مبلغوں اور سول افسروں نے اس سرمائے کو یکجا اور محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ ان میں آرنیسٹ ٹرمپ اور ڈاکٹر سورلے کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام کوششیں اگرچہ نہایت اہم اور قابل قدر تھیں لیکن انفرادی نوعیت کی ہونے کی وجہ سے کچھ زیادہ ثمر آور نہ ہو سکیں۔

۱۹۳۶ء میں جب سندھ بمبئی سے الگ کیا گیا اور آزاد صوبہ بنا تو صوبائی حکومت نے سندھ کے علمی اور ادبی سرمائے کو محفوظ کرنے کی طرف بھی توجہ کی۔ اور سندھی ادب کی ترقی کے لئے مرکزی مشاورتی بورڈ کے نام سے ایک علمی اور ادبی ادارہ قائم کیا گیا۔ اس ادارے میں ہندو اور مسلمان دونوں برابر کے شریک تھے کہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو ہندوؤں کے ترک سکونت اور دیگر اسباب کی وجہ سے اس ادارے کا کام سرد پڑ گیا ۱۹۵۱ء میں سندھ کی صوبائی حکومت نے پھر اس مسئلے کی طرف توجہ کی اور مرکزی مشاورتی بورڈ کو ختم کر کے "سندھی ادبی بورڈ" کا قیام عمل میں لائی۔

سندھ کے صوبائی وزیر تعلیم آغا غلام نبی پٹھان تھے جب کہ سندھ کے باکمال اہل قلم شمس العلماء ڈاکٹر داؤد پوٹا۔ علامہ آئی۔ آئی قاضی۔ پیر علی محمد راشدی، عثمان علی انصاری، پیر حسام الدین راشدی اور جی ایم سید بورڈ کے رکن مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۴ء

میں بورڈ کو خود مختار اور آزاد ادارہ بنادیا گیا۔

سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ محمد ایوب کھوڑو جو اس زمانے میں مرکز میں وزیر دفاع تھے، بورڈ کے صدر مقرر ہوئے اور سندھ کی صوبائی اسمبلی میں حزب اختلاف کے قائد جی۔ ایم سید نائب صدر مقرر ہوئے۔ اس طرح بورڈ کے اراکین میں بھی ردّ و بدل ہوتی رہی اور قاضی محمد اکبر، مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ پروفیسر غلام مصطفےٰ شاہ، میراں محمد شاہ مرحوم، جو اسپین میں پاکستان کے سفیر تھے اور بڑے پائے کے شاعر اور ادیب تھے۔ نیز آغا بدالدین درانی جو سندھ اسمبلی کے اسپیکر تھے بورڈ کے اراکین مقرر ہوئے۔ اس طرح سندھ کے بڑے بڑے زعمار اور مشہور اہل قلم نے بورڈ کی سرپرستی اور رہنمائی کی لیکن صحیح معنی میں بورڈ کو ایک فعال اور بلند پایہ علمی ادارہ بنانے والے محمد ابراہیم جویو ہیں جو ۱۹۵۱ء میں بورڈ سے وابستہ ہوئے۔ اور نہایت جفاکشی سے بورڈ کے طباعت اور اشاعت کے کاموں کو آگے بڑھایا اور عربوں، سموں، سومروں، ارغونوں، ترخانوں اور مغلوں کے زمانے میں مشاہیر سندھ کے علمی نوادر کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر چھاپا اس طرح سندھ کا بہت بڑا علمی ذخیرہ ضائع ہونے سے بچ گیا۔ محمد ابراہیم جویو نے جہاں قدیم اور کلاسیکل ادب کے تحفظ کے اقدامات کئے وہاں انھوں نے جدید ادب کو پروان چڑھانے میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مہران کے نام سے ایک سہ ماہی علمی رسالہ جاری کیا جس نے سندھی ادبی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ محمد ابراہیم جویو نے دنیا کے تین سو ممتاز اور مشہور اہل قلم کی تصانیف کو انگریزی سے سندھی میں منتقل کرنے کا کام شروع کیا جس سے سندھی زبان اور ادب کو زبردست فائدہ ہوا۔ دس سال کی خدمت کے بعد ۱۹۶۲ء میں محمد ابراہیم جویو بورڈ سے علیحدہ ہوئے تو ان کی جگہ مختلف حضرات اعزازی سکریٹری کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ پھر غلام ربّانی کو بورڈ کا سکریٹری مقرر کیا گیا۔ غلام ربانی کا انتخاب بھی محمد ابراہیم جویو نے کیا تھا اور ۱۹۵۰ء میں انھیں

بورڈ کا نائب سکریٹری مقرر کیا تھا اور ان کی تربیت خود کی تھی ۔ غلام ربانی نے محمد ابراہیم کی قائم کی ہوئی علمی روایت کو قائم رکھا اور بورڈ کی شاندار کامیابیوں میں اضافہ کیا ۔ اس وقت تک وہی بورڈ کے سکریٹری ہیں ۔ آج کل اس کے چیرمین سندھ کی مشہور علمی اور تہذیبی شخصیت اور روحانی پیشوا ، مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ ہیں ۔ موصوف پاکستان پیپلز پارٹی کے نائب صدر اور وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دست راست ہیں نیشنل اسمبلی کے ممبر ہیں ۔ طالب المولیٰ سندھی زبان کے بلند پایہ شاعر اور انشا پرداز ہیں ۔ سندھی ادبی بورڈ کو آج بھی سندھ کے نامور اہل قلم کا تعاون حاصل ہے ۔

سندھ کے سب سے بڑے عالم اور مورخ سید حسام الدین راشدی اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ اس کے سرگرم رکن ہیں ۔ جب کہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ، محمد ابراہیم جویو اور ڈاکٹر اسد اللہ شاہ حسینی اس کے اراکین میں شامل ہیں ۔

بورڈ اس وقت تک ڈھائی سو سے زیادہ کتابیں شائع کر چکا ہے ۔ بورڈ کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سندھی زبان کا لوک ادب جمع کر کے چالیس جلدوں میں شائع کر دیا ۔ یہ کام پورے پاکستان اور ہندوستان میں اور کوئی ادارہ سرانجام نہیں دے سکا ۔ بورڈ کا ایک اور اہم منصوبہ سندھ کی ایک مستند تاریخ ۹ جلدوں میں شائع کرنے کا ہے ۔ جو سندھ میں آریاؤں کی آمد سے لے کر قیام پاکستان تک ہوگی ۔ وہ تاریخ سندھی ، انگریزی اور اردو تین زبانوں میں شائع ہوگی ۔ اس کی تین جلدیں شائع بھی ہو چکی ہیں ۔ چوتھی جلد چھپ رہی ہے سندھی زبان کی کوئی مستند لغت تاحال موجود نہ تھی ۔ بورڈ نے اس کام کا بھی بیڑا اٹھایا ہے اور ایک جلد لغت کی شائع کر دی ہے ۔ اور بقیہ تین جلدوں کے لئے مواد جمع کر لیا گیا ہے ۔ سندھ میں اسلامی علوم اور صوفیائے کرام کی تعلیمات کی اشاعت پر خاص توجہ دی گئی ہے اور بہت سی کتابیں شائع بھی کر دی ہیں ۔ بورڈ نے حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی ، شاہ عنایت رضوی ، سچل سرمست روحل فقیر ، بیدل ، بیکس ، خلیفہ نبی بخش لغاری ، محمد فقیر اور دیگر صوفی شعراء کے کلیات شائع کئے ہیں ۔ بورڈ قرآن حکیم کا ایک فارسی ترجمہ بھی شائع کر رہا ہے جو برصغیر پاک و ہند میں قرآن مجید کا پہلا فارسی ترجمہ بتایا جاتا ہے ۔ یہ ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مشہور فارسی

ترجمے سے دو صدی قدیم ہے۔ یہ ترجمہ سندھ کی ۹ ویں صدی ہجری کے مشہور روحانی پیشوا مخدوم نوحؒ نے کیا تھا۔

بورڈ کے مصنفین اور عالموں کے استفادے کے لئے بورڈ نے ایک شاندار کتب خانہ بھی قائم کیا ہے جہاں تاریخ، لسانیات اور ادبیات وغیرہ کے موضوعات پر دس ہزار سے زیادہ کتابوں کے علاوہ پانچ سو بیش بہا اور نادر فارسی، عربی اور سندھی مخطوطات موجود ہیں۔

اس وقت پاکستان میں جتنے علمی ادارے سرگرم عمل ہیں ان میں سندھی ادبی بورڈ اپنے کام کی وجہ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ بورڈ کی شائع کردہ کتابیں، روس، امریکہ انگلینڈ، جرمنی اور خاص طور پر اسلامی ممالک میں پاکستان کے لئے باعثِ شہرت بھی ہیں اور بنائے فخر بھی۔

برطانیہ کے ایک مشہور محقق سائمن ڈگبی نے بورڈ کے کام پر تبصرہ کرتے ہوئے

ہیں اور بنائے فخر بھی۔ برطانیہ کے ایک مشہور محقق سائمن ڈگبی نے بورڈ کے کام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ "برصغیر پاک وہند میں فارسی اور عر.بی تاریخی متون شائع کرکے علم وادب کی جو خدمت سندھی ادبی بورڈ نے سرانجام دی ہے اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے"۔ پاکستان کے مشہور دانش ور بورڈ کا ذا بورڈ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے پاکستان میں جتنے بھی علمی ادارے دیکھے ان میں سندھی ادبی بورڈ سب سے زیادہ مستعد اور فعال ہے۔ پروفیسر ابو سلمان شاہجہاں پوری نے ایک مضمون میں بورڈ کے کام کے تحقیقی معیار اور علمی خدمات پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

"سندھی ادبی بورڈ کا قیام اگرچہ علاقائی زبان وادب کی ترقی کے لئے عمل میں آیا تھا۔ لیکن اس نے جس دائرے میں کام کیا وہ دائرہ

ہندوستان اور پاکستان کے کسی کثیر المقاصد علمی ادارے کے دائرے سے
کم وسیع نہیں ہے اور اس نے علمی کام کا جو معیار پیش کیا ہے، برصغیر کے
ایک دو ادارے ہی اس کے مقابلے میں لائے جا سکتے ہیں۔ اس کی مطبوعات
کی جامعیت اور تحقیقی معیار کو دیکھ کر یورپ کی ان بلند پایہ اکیڈیمیوں
کی یاد آتی ہے جو دورِ جدید میں علم و تحقیق کی رہنما ہیں۔ سندھی ادبی
بورڈ کے وسائل پاکستان کے بعض دیگر علمی اداروں کے مقابلے میں بہت
کم ہیں لیکن اس کی خدمات کا پیمانہ کیف و کم دونوں لحاظ سے سب سے
بلند ہے۔

بورڈ نے اردو زبان میں بھی چند اہم اور بلند پایہ تصانیف شائع کی
ہیں۔ بورڈ کے سامنے اس سلسلے میں صرف موضوع کی اہمیت اور تصنیف
کا علمی معیار اور افادی پہلو رہا ہے۔ اگر اس کے علمی معیار پر اردو، فارسی،
عربی اور انگریزی کی کوئی کتاب بھی پوری اتری تو اس نے اسے اپنے
منصوبۂ اشاعت میں ضرور شامل کر لیا یہی وجہ ہے کہ اس کی مطبوعات
میں ان تمام زبانوں کی کتابیں موجود ہیں۔"
جہاں تک اس کے مقصدِ قیام کے خاص دائرے کا تعلق ہے تو یہ بات
کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس میدان میں برصغیر پاک و ہند میں یہ واحد ادارہ
ہے۔ سندھی ادبی بورڈ نے، سندھی زبان، ادب، تہذیب، تاریخ،
تذکرہ میں جو لٹریچر شائع کیا ہے اس سے سندھ کی علمی ادبی اور تہذیبی
تاریخ کا دامن مالامال ہو گیا ہے۔ سندھی پاکستان کی زبانوں میں سب
سے زیادہ علمی زبان ہے جس میں ہر قسم کے ادب کا بہت بڑا ذخیرہ موجود
ہے۔ بلاشبہ یہ ذخیرہ سندھی میں اوریجنل تصانیف ہی کے ذریعے سے نہیں
آیا بلکہ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی تراجم بھی اس کا سبب بنے لیکن
یہ بات تو ہر زبان کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ اس سے کسی زبان کے

علمی وادبی ذخیرے کی حیثیت کم نہیں ہو جاتی۔ جس طرح پورے ملک میں ایک زمانے تک مسلمانوں کی علمی زبانیں عربی اور فارسی رہیں۔ سندھ میں بھی عربی اور فارسی کا دور دورہ تھا۔ اس لئے سندھ کی مذہبی تاریخی، سوانحی کتابیں زیادہ تر عربی فارسی میں ہیں اور موجودہ زمانے میں جب کہ عربی اور فارسی زبانوں سے واقفیت اور ادبی ذوق صفر رہ گیا ہے۔ . . . ضرورت تھی کہ عربی و فارسی کی وہ تمام تصانیف جو صنف یا موضوع کی جہت سے سندھ سے تعلق رکھتی ہیں انھیں سندھی زبان میں منتقل کر دیا جائے تاکہ موجودہ نسل کا تہذیبی، علمی اور تاریخی رشتہ اس کے شاندار ماضی سے منقطع نہ ہو جائے۔ سندھی ادبی بورڈ کے ارباب حل و عقد نے اس حقیقت کو سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ بورڈ کی خدمات کا یہ پہلو نہایت شاندار اور عظیم الشان ہے۔

سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے ایک سہ ماہی علمی، ادبی، تاریخی مجلہ مہران شائع ہوتا ہے اس کے ایڈیٹر مشہور عالم اور ادیب و محقق مولانا غلام محمد گرامی ہیں۔ مہران میں زبان وادب، سندھ کی تاریخ اور تاریخ و ثقافت کے موضوع پر سینکڑوں بلند پایہ مقالات شائع ہوئے ہیں۔ مہران کا سوانح نمبر (۷، ۱۹۵۵ء) تو ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس سے کوئی علمی آدمی اور سندھ کی تاریخ، تہذیب، زبان اور ادبی، تاریخی، سیاسی اور دینی شخصیات پر تحقیق کرنے والا بے نیاز نہیں رہ سکتا۔"

پروفیسر سید حامد علی
شعبہ کامرس

جمعیت الشعراء سندھ

"اگر سندھ کے کسی ایک ادبی ادارے کا نام لینا ہو جس کا نام آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری کے مطابق ادب و شعر، تہذیب و ثقافت اور علم و فکر کے تمام خصائص و کمالات کا تنہا موصوف ہو تو وہ جمعیت الشعرا کے سوا کوئی دوسرا ادارہ نہیں ہو سکتا جمعیت الشعرا نے ادب و شعر اور تہذیب و ثقافت کے میدان میں فکری طور پر سندھ کی رہنمائی کی اور سندھی زبان و ادب کے دامن کو اعلیٰ افکار کے سچے موتیوں اور گہر ہائے آب دار سے مالا مال کر دیا۔ برصغیر پاک و ہند کی علاقائی یا قومی زبانوں کا کوئی ادبی ادارہ ایسا نہیں جو اپنی ہمہ جہت خدمات کے لحاظ سے جمعیت الشعرا کا مماثل و ہم پایہ قرار دیا جا سکے۔ وہ اگرچہ نام کے اعتبار سے شاعروں کی انجمن ہے لیکن وہ ایک ہمہ جہت اور وسیع المقاصد ادبی ادارہ ہے جس نے علم و ادب، تہذیب و ثقافت، تصنیف و تالیف، تاریخ و صحافت کی "تحریکیں" پیدا کی ہیں اور متعدد تحریکوں کو اپنی آغوش فکر و تربیت میں لے کر انھیں ادب و ثقافت کا ایک سیل بے پناہ بنا دیا ہے اس کی مثال ایک ایسے سمندر کی ہے جس میں بڑے بڑے دریا آکر سما جاتے ہیں وہ ایک ایسے چشمے کی مانند ہے جس سے بیسیوں آب جو نکلتی ہیں اور اطراف و جوانب کی کھیتوں کو سرسبز و شاداب کر دیتی ہیں۔ جمعیت الشعرا نے اپنی خدمات سے سندھ کی ادبی تاریخ میں اپنا نام و مقام پیدا نہیں کیا بلکہ سندھی زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کی تاریخ بنائی ہے۔"

جمعیت الشعرا سندھ کی بنیاد سنہ ۱۹۳۶ء میں آل سندھ ادبی کانفرنس کے موقع پر لاڑکانہ میں رکھی گئی۔ سندھ میں ادبی کانفرنسوں کا آغاز سنہ ۱۹۲۱ء سے ہو چکا تھا۔ پہلی ادبی کانفرنس لاڑکانہ میں رکھی گئی۔ پہلی ادبی کانفرنس لاڑکانہ میں ہوئی جس کی صدارت سندھ کے نامور عالم اور عظیم مصنف و مورخ مرزا قلیچ بیگ نے میں ہوئی جس کی صدارت سندھ کے نامور عالم اور عظیم مصنف و مورخ مرزا قلیچ بیگ نے

فرمائی تھی۔ ۱۹۵۳ء کے بعد سے تمام ادبی کانفرنسیں جمعیت الشعرا کے اہتمام میں ہوئی ہیں ۲۰ ویں کانفرنس دسمبر ۱۹۸۱ء میں لاڑکانہ میں ہوئی۔

جمعیت الشعرا سندھ کے مقصد اور نصب العین میں اہم اور قابل قدر اصول یہ ہے کہ سندھی زبان و ادب، تہذیب و ثقافت کی ترویج و اشاعت کی جائے اور اس کے تحفظ و بقا کے لیے مناسب تدابیر اختیار کی جائیں اور اس مقصد کیلیے علمی ادبی مفید مجلسوں کا انتظام کیا جائے۔ مذاکرے، سیمنار، کانفرنسیں اور مشاعروں کی محفلیں منعقد کی جائیں اور اس سلسلے میں حکومت کا تعاون بھی حاصل کیا جائے۔

جمعیت الشعرا ترقی پسندوں اور رجعت پرستوں کی ادبی انجمنوں کی طرح کوئی خاص فکر و نظر رکھنے والے ادیبوں اور شاعروں کی انجمن نہیں ہے وہ سندھ کی عظیم تہذیبی روایات اور اخلاقی اقدار کو نظر انداز کرکے ادب برائے ادب کے نظریے کی حامل بھی نہیں ہے۔ اس کے ادیبوں اور شاعروں نے بہترین ترقی پسندانہ خیالات، تعمیری افکار اور مثبت رجحانات کو ہمیشہ لبیک کہا۔ لیکن ادب کو کسی خاص نظریے اور فکر کے پروپیگنڈے کا ذریعہ بھی نہیں بننے دیا۔ اس کے ادیبوں اور شاعروں نے بلاشبہ ایک مقصد مد نظر رکھا ہے جس میں اعلیٰ درجے کے قومی افکار اور قوم کے بہترین مفادات کی ترجمانی ہوتی ہے لیکن ان کی تخلیقات میں ادبی روح مجروح نہیں ہوئی ہے۔

جمعیت الشعرا کی علمی، ادبی، لسانی، تہذیبی، ثقافتی خدمات کا دائرہ اس سے بہت وسیع ہے جس کی توقع شاعروں کی ایک انجمن سے کی جانی چاہیئے۔ جمعیت نے سندھی زبان کی ایک اعلیٰ درجے کی لغت کی تدوین کا منصوبہ بنایا اور عملی طور پر کام کیا، شاہ عبداللطیف بھٹائی کے افکار کی اشاعت اور عالمی سطح پر کلام کے تعارف اور ان پر تحقیق و تصنیف کے کاموں کے لیے لطیف اکیڈمی کے قیام کا انتظام و انصرام کیا، زبان و ادب کی اصلاح کے لیے کوششیں کیں اور کتابیں لکھوائیں۔ سندھ کی تاریخ و ادب و ثقافت پر علمی و تحقیقی کام کے لیے اہل علم و اصحاب نظر کا کارواں تیار کیا اور اس کی رہنمائی کی۔ سندھ کی ادبی انجمنوں اور علمی اداروں میں نظم و ضبط پیدا کرنے اور ان کی کوششوں کو متحد کرنے اور انھیں علم و ادب کی ایک ہمہ گیر تحریک بنانے کا سرو ساماں کیا۔ سندھی زبان

ہیں اور سندھ کے قدیم اہل علم اور اصحاب قلم کے آثار کی حفاظت اور جدید ادبا و شعرا کی تحقیقات کو دست برد زمانہ سے بچانے کے لیے ایک بلند پایہ لائبریری کا قیام اپنے مقاصد میں شامل کیا ۔ نئے شاعروں اور ادیبوں کے ذوق و فکر کی اصلاح و تربیت اور ان کی تخلیقات کی اشاعت کے مسئلے کو بھی نظر انداز نہیں کیا ۔ سندھی ادبی صحافت کو بااصول بامقصد بنانے کی کوشش کی ، اس کے کارکنوں نے خود بھی بلند پایہ علمی ادبی رسائل نکالے اور دوسرے جرائد کی ہمت افزائی بھی کی اور ان کی مشکلات کو دور کرنے اور مسائل کو سلجھانے میں عملی طور پر تعاون کیا ۔ یہ جو کچھ عرض کیا جمعیت الشعرا کے مقاصد کے مختلف پہلو ہی نہیں اس کی خدمات کے دائرے بھی ہیں ۔

جمعیت الشعرا نے سندھی زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کی ترویج و اشاعت میں جو کارنامہ انجام دیا ہے اور اپنے کارناموں سے ادب و ثقافت کی جو تاریخ بنائی ہے اس میں مخدوم محمد زماں طالب المولیٰ کی رہنمائی اور سرپرستی کا سب سے زیادہ حصہ ہے وہ سندھ کی ایک عظیم ادبی و تہذیبی شخصیت ہیں ۔ وہ اپنی سیرت اور فکر کے ذاتی محاسن کے علاوہ اپنے خاندان کی صدیوں پرانی علمی و ادبی اور تہذیبی و ثقافتی اور دینی روایات کے امین اور علم بردار بھی ہیں ۔ آج کل موصوف ہی جمعیت کے صدر ہیں ۔ ان کے علاوہ جمعیت کے دیگر عہدوں پر مندرجہ ذیل حضرات فائز ہیں ۔

نائب صدر فیض بخشاپوری (جیکب آباد) جنرل سکریٹری محمد علی جوہر (لاڑکانہ) جوائنٹ سکریٹری نشتر (ناکھن شاہی) اور ساجد مرشادی (کراچی) خزانچی سید جمال الدین بخاری (لاڑکانہ) اور پروپیگنڈہ سکریٹری سید اظہر گیلانی (ڈگھڑی)

یہ تمام حضرات سندھی زبان و ادب کے مشہور ادیب اور شاعر ہیں ۔

نوٹ : اس مضمون کی تیاری میں " جمعیت الشعرا کے تعارف میں محمد علی جوہر کا کتابچہ " جمعیت الشعرا سندھ " نیز موصوف کا " خطبہ استقبالیہ ۳۰ ویں آل سندھ ادبی کانفرنس " اور مہران (حیدرآباد سندھ) کے سوانح نمبر کے چند مضامین سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا ہے ۔

سندھی زبان و ادب کے چند دیگر ادارے

محفل احباب - کراچی

سنہ ۱۹۵۰ء میں چند اصحاب ذوق نے مخدوم طالب المولیٰ کی سرپرستی میں محفل احباب کے نام سے یہ ادارہ قائم کیا۔ یہ کراچی کی ایک سرگرم ادبی انجمن تھی جو سندھی زبان و ادب کی ترقی کے لیے کوشاں تھی اس کے زیر اہتمام مشاعروں کی بڑی دھوم تھی مشاعروں کی صدارت کے لیے مخدوم طالب المولیٰ ہر ماہ ہالا سے کراچی تشریف لاتے تھے۔ سنہ ۱۹۵۰ء سے سنہ ۱۹۵۵ء تک اس کا خاص طور پر عروج رہا یہی زمانہ فقیر اللہ بخش سرشار عقیلی کی صدارت کا ہے۔ سندھی زبان و ادب کی ترقی اور ترویج کے لیے تحریک کو زیادہ منظم طور پر آگے بڑھانے کے لیے سنہ ۱۹۵۱ء میں اس نے جمعیت الشعراء سندھ سے الحاق بھی کر لیا گیا۔ اس کے بعد سرشار عقیلی کو جمعیت کا نائب صدر مقرر کر لیا گیا تھا۔ اس لے سندھی زبان و ادب کی اشاعت و ترویج کرنے والی دوسری ادبی انجمنوں سے بھی تعاون کیا۔ بھٹ شاہ کے عرس کے موقع پر ادبی کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا تو اس کا وفد ادبی کانفرنس میں اور دوسری انجمنوں کے زیر اہتمام ادبی اجتماعات میں التزام کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔

انجمن علم و ادب - ہالا

مخدوم طالب المولیٰ کی سرپرستی میں قائم ہونے والی ایک ادبی انجمن جس کے پیش نظر سندھی زبان و ادب، اور ثقافت کی ترقی اور ترویج و اشاعت کا مقصد تھا۔ ہالا کی حد تک اس انجمن نے شاعروں اور ادیبوں کے ذوق ادبی کی تربیت میں خاصا حصہ لیا۔

ادارہ روح ادب سندھ - ہالا

سنہ ۱۹۵۵ء میں سندھی زبان و ادب کی ترقی کے لیے اس ادارے کا قیام

عمل میں آیا۔ یہ ادارہ مخدوم طالب المولیٰ نے قائم کیا تھا۔ اس کے جنرل سکریٹری فقیراللہ بخش سرشار عقیلی تھے۔ فروری ۱۹۵۷ء میں ادارے کے زیراہتمام ایک کل سندھ موسیقی کانفرنس منعقد کی گئی۔ سرشار عقیلی سندھ کے نامور ادیب اور بلند پایہ شاعر تھے انھوں نے سندھی زبان وادب اور ثقافت کی ترقی اور ترویج و اشاعت میں بے نظیر خدمات انجام دیں۔

بزم سخن۔ جھوک

جھوک کی ادبی انجمن جو مشاعروں اور ادبی اجتماعات کے ذریعے سندھی زبان وادب کی ترقی کی کوشش کرتی تھی۔

سنٹرل ایڈوائزری بورڈ آف کنٹرول فار سندھی لٹریچر

مارچ ۱۹۴۰ء میں جب جی ایم سید سندھ کے وزیر تعلیم بنائے گئے تو انھوں نے سندھی زبان وادب کی ترقی کے لیے مذکورہ بالا نام سے ایک مرکزی مشاورتی ادارہ قائم کیا تھا۔ اس ادارے نے ایک مدت تک سندھی زبان وادب اور تہذیب و ثقافت کی ترقی کے لیے راہیں پیدا کیں۔ وزارت تعلیم سے علیحدگی اور قیام پاکستان کے بعد بھی سید صاحب کی یہ کوششیں کسی نہ کسی طرح جاری رہیں اور یہ انھیں کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اس بورڈ نے آگے چل کر سندھی ادبی بورڈ کی شکل اختیار کی۔

سندھی زبان کا تحقیقی ادارہ بمبئی

قیام پاکستان سے پہلے بمبئی یونی ورسٹی کے تحت یہ ادارہ قائم تھا۔

سندھی مرکزی بورڈ۔ حیدرآباد

یہ بورڈ سید میران محمد شاہ نے ۱۹۴۰ء میں قائم کیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ سندھی زبان وادب کی ترقی اور اصلاح کے لیے تدابیر اختیار کی جائیں۔ اس بورڈ کے تحت سندھی زبان کی ایک بلند پایہ لغت کی تدوین کا منصوبہ بنایا گیا۔ سندھی زبان وادب کی ترقی کے لیے اعلیٰ درجے کی تصانیف و تخلیقات پر انعام دینے کا انتظام کیا گیا۔ سید میران محمد شاہ ۱۹۵۱ء تک اس بورڈ کے صدر رہے۔ ۱۹۵۱ء میں اس بورڈ کی جگہ ایک دوسرا بورڈ مقرر کیا گیا جو اب تک ہے۔

لاڑ سندھی ادبی کانفرنس - میرپور بٹھوری

جنوری ۱۹۵۶ء میں خواجہ محمد عیسیٰ مست سرداری کے زیر اہتمام اس ادبی کانفرنس کی بنیاد پڑی ۔ اس کا مقصد سندھی زبان ادب اور کلچر کی ترقی اور ترویج تھا ۔ اس کانفرنس کے تحت ہر سال ادبی کانفرنس کا اہتمام کیا جاتا ہے ۔

اس قسم کے اداروں کو مرتب کیا جا چکا تھا کہ محکمہ اطلاعات حکومت سندھ کا ایک رسالہ سچل سرمست پر نظر سے گزرا ۔ اس سے مندرجہ ذیل اداروں کے نام اور بعض معلومات و مطبوعات کا علم ہوا ۔

سندھی ساہت سوسائٹی حیدرآباد | یہ سوسائٹی اس صدی کے شروع میں قائم تھی ۔ اس کی جانب سے ۱۹۱۶ء میں سچل سرمست پر لال چند امر ڈنو مل جگتیانی کی " سونہارو سچل" کے نام سے ایک کتاب کا پتا چلتا ہے ۔

سری سہائی سنگت - بمبئی ۔ سندھی زبان و ادب کی ترقی کا ادارہ جو تقسیم ملک کے بعد قائم ہوا ۔ اس کی جانب سے ۱۹۶۳ء میں جیٹھ مل پرسرام گلراجانی (ف ۱۹۴۸ء) کی ایک کتاب "سچل سرمست" کے نام سے شائع ہوئی ۔

سندھی ادبی سنگت - کراچی ۔ سندھی زبان و ادب کی ترقی، ترویج اور تصنیف و تالیف کے لئے قیام پاکستان سے قبل یہ ادارہ قائم ہوا تھا ۔ ۱۹۴۷ء سے قبل ادبی حلقوں میں اس کا بڑا شہرہ تھا اور اس کے بعد بھی یہ ادارہ ادب و ثقافت کی خدمت میں سرگرم رہا ۔ اس کی جانب سے ایک کتاب "سچل سائیں" کے نام سے ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی ۔

ایک اور ادبی ادارہ انجمن شعرائے سندھ کے نام سے حیدرآباد میں قائم ہے جس کے صدر ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل ہیں ۔

پروفیسر محمد رئیس
گورنمنٹ خپ وزر کالج کراچی

پنجابی ادبی اکیڈمی

قیام پاکستان کے بعد سے اب تک یہاں کم و بیش ایسے پچیس علمی، ادبی، قومی، تہذیبی اداروں کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ جو مختلف زبانوں اور موضوعات پر علمی، ادبی، تاریخی، ثقافتی تنقیدی، تحقیقی اور ترجمے کے کاموں، ان کی طباعت اور نشر و اشاعت میں مصروف ہیں۔

پنجابی ادبی اکیڈمی کا قیام ۱۹۵ء میں عمل میں آیا۔ اس کے دائرۂ عمل میں ادب، سائنس، تاریخ اور دوسرے علمی موضوعات پر پنجاب میں اردو، پنجابی، فارسی۔ عربی یا انگریزی زبان میں لکھی گئی ان کتابوں اور تحریروں کی اشاعت شامل ہے جو غیر مطبوعہ ہیں۔ اس کے علاوہ پنجاب کے مختلف علاقوں، مقامات و شخصیتوں کے بارے میں اور پنجابی زبان کے ادب عالیہ پر تنقیدی و تشریحی کتابوں کی اشاعت بھی اس کے مقاصد کا ایک اہم جزو ہے ساتھ ہی ساتھ تحقیق کے لئے اہم نوادر مخطوطات، کتابیں جمع کرنا اور ایک کتب خانہ اور نوادرات کے لئے ایک عجائب خانہ کا قیام بھی اس کے مقاصد میں شامل ہے۔

دائرۂ کار کی وسعت، گہرائی اور اس کی علمی و تہذیبی اہمیت کے پیش نظر پنجابی ادبی اکیڈمی پاکستان کے خود مختار اداروں میں ایک نہایت اہم مقام رکھتی ہے۔

اس ادارے کی جانب سے اب تک پچاس سے زیادہ کتابیں و رسائل اردو پنجابی فارسی، اور انگریزی زبان میں ادب، تاریخ، جغرافیہ اور دوسرے موضوعات پر شائع ہو چکے ہیں۔ اردو میں اکیڈمی کی جانب سے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں، ان میں "مسلمانوں کے فنون" ترجمہ شیخ عنایت اللہ۔ "تحقیقات چشتی" مصنف مولوی نور احمد چشتی۔ "واقعات درانی" ۔ مصنف عبدالکریم مفتی۔ اس کے علاوہ شاعری اور ادب کی بعض دوسری کتابیں اس میں شامل ہیں۔

اکیڈمی کا سب سے بڑا کام پنجابی زبان میں ہے اس کی جانب سے پنجابی زبان کے لوک اور کہانیوں کو بھی بڑی محنت سے مرتب کر کے شائع کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی اہم کتابوں ہیں۔ بول فرید (بابا فرید کے افکار)، کلیاں بلھے شاہ، غزلیات حافظ، شکوہ (علامہ اقبال کے شکوہ کا منظوم ترجمہ) ہیر وارث شاہ، سیف الملوک (نظم)، کافیاں شاہ حسین وغیرہ شامل ہیں۔ ادب و شاعری کے علاوہ اکیڈمی نے دوسرے موضوعات پر بھی پنجابی زبان میں مختلف کتابیں اور رسائل شائع کئے ہیں۔ ان کتابوں کی مقبولیت اور اہمیت بے پناہ ہے اور نہ صرف پنجاب میں بلکہ تمام پاکستانی ان کتابوں میں دلچسپی رکھتے ہیں، کیا اچھا ہوتا اگر پنجابی زبان کے کلاسیکی ادب و شاعری کے ترجمے اکیڈمی کی نگرانی میں اردو اور ملک کی دوسری زبانوں میں کئے جاتے اور دل کش طباعت کے ساتھ سامنے آتے تو ملک کے تمام گوشوں میں یہ دل نواز نغمے لوگوں کے دلوں کو برماتے اور قومی یک جہتی اور ربط باہمی کے اعلیٰ مقاصد بھی پورے ہوتے۔

فارسی میں اکیڈمی نے۔ کلیات آفریں لاہوری، عبرت نامہ (تاریخ پنجاب مصنف علی الدین مفتی) دیوان غنیمت، تذکرہ مردم دیدہ (فارسی شاعروں کا تذکرہ) مصنف عبدالحکیم، نیرنگ عشق (منظوم داستان) دیوان واقف، اور مختلف مضامین پر دیگر کتابیں شامل ہیں۔

اکیڈمی نے انگریزی میں بھی کچھ رسائل اور کتابچے شائع کئے ہیں جن میں لاہور اور سیالکوٹ کے مردم خیز اور خوبصورت شہروں کے بارے میں کتابچے بھی شامل ہیں۔

پنجابی ادبی اکیڈمی ایک خود مختار ادارہ ہے اور حکومت کی جانب سے اسے مالی امداد بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن علمی اور ادبی، تحقیق اور تخلیق کی ضرورتیں قومی اور تہذیبی بنیادوں پر معاشی نظام کے بدلنے یا تکنیکی صلاحیتوں میں اضافے کی کوششوں یا تجارتی نقطۂ نظر کے فروغ سے کبھی کم نہیں ہوتیں، بلکہ ان ضرورتوں کے احساس کا کم ہو جانا اجتماعی اور قومی مفاد کے زاویۂ نگاہ سے کبھی کبھی ایک خطرناک استعارہ ہوا کرتا ہے۔ ارباب اختیار ایسے اداروں کے وسائل کے بڑھانے کی طرف توجہ دیں تو یہ کارواں آگے بڑھ سکتا ہے۔

پروفیسر اختر راھی
گورنمنٹ کالج۔ مری

پشتو اکیڈمی پشاور

پشتو یا پختو دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے جو برصغیر پاک و ہند کے جنوب مغرب میں کوہ ہندوکش سے لیکر دریائے سندھ کے کنارے تک ہزاروں سال سے رائج ہے۔

لیکن پشتو زبان اپنی قدامت کے باوجود اتنی ترقی یافتہ نہیں جتنی کہ دوسری زبانیں ہیں اور جو نسبتاً اس سے کم عمر ہیں۔ اس کے قدیم ادب کا پتہ نہیں چلتا۔ پشتو کی قدیم ترین کتاب جو آج دستیاب ہے، ۱۴۱۷ء میں لکھی گئی تھی۔

اکیڈمی کا قیام قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء حضرت باچا گل کے زیرِ صدارت پشتو زبان و ادب اور ثقافت کی ترقی و پیش رفت کے لئے پشاور میں ایک اجتماع ہوا۔ سردار عبدالرب نشترؔ نے اس اجتماع میں شرکت کی اور پشتو زبان و ادب کی ترویج کے لئے ایک علمی مجلس کے قیام پر زور دیا گیا۔ ۱۹۴۹ء میں پشاور یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی اور مادرِ علمی میں پشتو زبان کی تعلیم کا انتظام کیا گیا اور پشتو ادب میں تحقیق اور تہذیب و ثقافت کے آثار کے تحفظ کے لیے ایک ادارہ کی ضرورت محسوس کی گئی۔

چنانچہ اپریل ۱۹۵۵ء میں یونیورسٹی کے تحت پشتو اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ صوبے کی حکومت نے مالی امداد کا بیڑا اٹھایا اور ملک کے ممتاز ماہر تعلیم مولانا عبدالقادر مرحوم اکیڈمی کے پہلے ڈائریکٹر نامزد ہوئے۔

لائحہ عمل بائیس نکات پر مشتمل اکیڈمی کا لائحہ عمل تیار ہوا جس میں ایک جامع لغت کی تیاری نئے وضع شدہ الفاظ و اصطلاحات کی توثیق و اجرا، رسم الخط کی یکسانیت، پشتو ٹائپ رائٹر کی وضع و ترویج، پشتو زبان کی

ترقی۔ دوسری زبانوں کی علمی کتابوں کے پشتو تراجم اور پشتو کے کلاسیکی ادب کی اشاعت شامل ہے۔

اکیڈمی روز اول سے اپنے مقاصد کے لئے کوشاں ہے اور محدود وسائل کے باوجود ساٹھ سے زائد کتابیں شائع کرچکی ہے۔ اکیڈمی کا مجلہ "پختو" باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے جس میں علمی و تحقیقی، ادبی اور سائنسی مضامین اشاعت پذیر ہوتے ہیں۔ ابتدا میں یہ مجلہ سہ ماہی تھا مگر آج کل ماہنامہ کی صورت اختیار کرگیا ہے۔

۱۹۶۲ء سے ایم اے پشتو کی کلاسز اکیڈمی میں ہوتی ہیں۔ اکیڈمی کے کام کو چار شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ادارہ تحقیق و ترجمہ، تدریس، مطبوعات اور کتاب خانہ

اکیڈمی کی چند مطبوعات

اکیڈمی کی جانب سے پشتو، فارسی اور بعض اردو کی جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں سے چند کتابوں کا ذیل میں تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

تراجم کلامِ اقبال ۔ اقبال اکیڈمی کراچی کے لئے علامہ اقبال کے مجموعہ ہائے کلام زبورِ عجم، ضربِ کلیم، بالِ جبریل، بانگِ درا، ارمغانِ حجاز، جاوید نامہ اور پیامِ مشرق کے پشتو تراجم تیار کئے۔

اردو میں پشتو کا حصہ ۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی ماہر غالبیات کی حیثیت سے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ پشتون قبیلہ حاجی خیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے قلم سے " اردو میں پشتو کا حصہ" کے موضوع پر ماہنامہ "معارف" میں سلسلہ مضامین شائع ہوا تھا جسے بعد میں نظر ثانی اور بعض اضافوں کے بعد کتابی شکل میں شائع کرایا گیا

کھوار ۔ چترالی زبان کی گرامر۔ سابق ریاست چترال صوبہ سرحد

میں شامل ہے۔ چترال کو مقامی لوگ " قشقار" کہتے ہیں۔ چترال کا لفظی مطلب " خوبصورت علاقہ" ہے۔ چترا بمعنی خوبصورت اور آل بمعنی علاقہ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نام اُسے چین نے دیا۔ چترال میں بولی جانے والی زبان "چترالی" نہیں بلکہ " کھوار" کہلاتی ہے۔ " کھو" ایک قبیلہ تھا جو اس حسین وادی میں آباد تھا " کھو" کا لفظی مطلب وادی ہے " وار" والا کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ کھوار۔ یعنی وادی والوں کی زبان۔

شہزادہ صمصام الملک نے کھوار کی گرامر لکھی۔ اُن سے پہلے صرف ایک انگریز مستشرق لاد یرے نے کچھ کام کیا تھا۔

ترجمہ مسدس حالی ۔ خواجہ الطاف حسین حالی کی مسدس " مدوجزرِ اسلام " کو برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ میں اہم مقام حاصل ہے۔ پشتو اکیڈمی نے اس بہترین اصلاحی نظم کا منظوم ترجمہ مع ضمیمہ شائع کیا۔ یہ ترجمہ غلام محمد خان پوپلزئی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

پٹھان ۔ سر اولف کیرو کی مشہور کتاب " دی پٹھانز"۔ پشتونوں کی تاریخ پر ایک اہم دستاویز ہے۔ جو دنیا کے اکثر فضلاء اور تاریخ و سیاسیات کے طالب علموں کی توجہ کا مرکز بنی ہے۔ کیرو تقسیم ہند سے کچھ پہلے صوبہ سرحد کا گورنر تھا اور اُس نے انڈین سول سروس کے ایک عہدیدار کی حیثیت سے اپنی عمر کے تیس برس اس خطے میں گزارے تھے۔ کیرو پشاور کا ڈپٹی کمشنر، حکومت ہند کی وزارت خارجہ کا سکریٹری اور آخر میں گورنر صوبہ سرحد رہا۔ کیرو نے یہ کتاب ۱۹۵۷ء میں لکھی۔ اکیڈمی نے سید محبوب علی کا اردو ترجمہ مع تعلیقات شائع کیا۔

خیرالبیان ۔ صوبہ سرحد کی مشہور تحریک روشنیہ کے بانی بایزید انصاری کی تالیف " خیرالبیان " کا ایک خطی نسخہ اکیڈمی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ یہ کتاب علمی اور تاریخی اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ اکیڈمی نے حافظ

محمد عبدالقدوس قاسمی کی ترتیب وتدوین سے کتاب کے ابتدائی دو حصے شائع کئے ہیں۔

کتاب الشعر - ارسطو کی بوطیقا (POETICS) کو فن شاعری میں عالمی شہرت حاصل ہے۔ مولوی محمد اسرائیل کا پشتو ترجمہ اکیڈمی نے شائع کیا۔

خوشحال خاں - خوشحال خاں خٹک پشتو زبان کا عظیم شاعر ہے۔ بقول فارغ بخاری پشتو ادب کے سرمائے میں قریب قریب نصف حصہ خوشحال خاں خٹک کا ہے۔ اکیڈمی نے خوشحال خاں خٹک کے افکار کی اشاعت کے لیے اُس کے کلام کا اُردو ترجمہ شائع کیا ہے۔

اسی طرح اکیڈمی نے بابا عبدالرحمان کے دیوان کا اُردو ترجمہ شائع کیا اور دوسرے قدیم پشتو شاعروں کے دیوان منظر عام پر لائی۔

پشتو لغت - اکیڈمی کے زیر اہتمام پشتو زبان کا ایک بے نظیر لغت تیار کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ چنانچہ لغت تیار کی گئی۔ اس کی چار ابتدائی جلدیں "پشتو ژبہ" (پشتو زبان) کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔

اکیڈمی ایک سہ زبانی لغت (پشتو، اردو اور انگریزی) تیار کر رہی ہے مگر پشتو لغت کی اشاعت کی وجہ سے یہ کام تعویق میں پڑا ہوا ہے۔

اکیڈمی کا ایک اہم کارنامہ

پشتو اکیڈمی کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے ٹائپ رائٹر مشین کے لیے ایک ایسا مشترک کلیدی تختہ مرتب کیا ہے جس کے ذریعے ایک ہی مشین سے اُردو، پشتو اور سندھی بآسانی ٹائپ کی جا سکتی ہے۔ پشتو اکیڈمی نے اپنی یہ ایجاد مرکزی بورڈ لاہور کے حوالے کر دی ہے۔ بورڈ نے اپنے ماہرین کے ذریعے معمولی ترمیم و تبدیلی کے بعد اس نئے کلیدی تختے کے مطابق مشین بنوانے کے لیے حکومت پاکستان سے منظوری حاصل کی ہے۔

اکیڈمی کے رفقائے کار

اکیڈمی کے پہلے ڈائریکٹر مولانا عبدالقادر مرحوم

نے عالم و فاضل رفقاء کا ایک حلقہ بنایا تھا ڈاکٹر سید انوار الحق، جناب محمد نواز طاہر اور جناب خیال بخاری اُن کے اہم رفقاء میں سے ہیں۔ مولانا عبدالقادر مرحوم ۱۹۷۹ء تک اکیڈمی کے ڈائریکٹر رہے اور پشتو جماعتوں کی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ان کی وفات پر سید رسول رسا اور جناب خیال بخاری نے ڈائریکٹر کے فرائض انجام دیئے۔

آج کل شعبہ پشتو (ایم اے کلاسز) کے چیرمین جناب پریشان خٹک ہیں جو ممتاز ادیب اور شاعر ہیں۔ اکیڈمی کے سربراہ جناب محمد نواز طاہر ہیں۔

پشتو ادبی ٹولنہ۔ کوئٹہ

کامل القادری کے بیان کے مطابق "پشتو ٹولی" ۱۹۵۳ء میں قائم ہوئی تھی اس کے سرگرم کمال خان تھے۔ اس کی جانب سے "پشتو" نام کا ایک رسالہ بھی کمال خان اور خداداد صاحبی کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا تھا۔

انعام الحق کوثر نے ۱۹۵۷ء کی ادبی سرگرمیوں کے ذیل میں اس ادبی انجمن کا ذکر کیا ہے۔ اس کے جنرل سکریٹری سلطان محمد صابر تھے جو فارسی، پشتو اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اس ادارے کی طرف سے ۱۹۵۷ء میں پشتو کے مشہور شاعر رحمان بابا کی یاد میں ایک بہت بڑا مشاعرہ ہوا جس میں مقامی شعرا کے علاوہ قابل اجمیری، حافظ ذاکر دہلوی وغیرہ باہر کے شعرا نے بھی شرکت کی۔

چند مزید ادبی لسانی ادارے

براہوی اکیڈمی۔ کوئٹہ

یہ اکیڈمی براہوی زبان و ادب کی ترویج اور اشاعت و ترقی کے لیے ۱۹۵۶ء میں قائم کی گئی۔ اس کے بانیوں میں کامل القادری، نور محمد پروانہ، نواب غوث بخش رئیسانی وغیرہ شامل تھے۔ اس کے موجودہ عہدے داروں میں صدر عبدالرحمٰن کرد، نائب صدر نور محمد پروانہ، جنرل سکرٹری غلام حیدر حسرت، جوائنٹ سکریٹری محمد اکبر ایڈوکیٹ اور خزانچی رئیس نبی داد ہیں۔ ادارے کی جانب سے براہوی قاعدہ (نور محمد پروانہ) براہوی گرامر (پیر محمد زبیرانی) اور گلدستہ۔ براہوی شعرا کے کلام کا مجموعہ (رئیس نبی داد) شائع ہوا ہے۔

انجمن سرائیکی۔ بہاول نگر

فروری ۱۹۷۵ء میں سرائیکی ثقافت اور ادب کے تحفظ اور ترقی کے لیے اس انجمن کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اس کے صدر محمود اقبال خاں خاکوانی، نائب صدر سلیم شہزاد، جنرل سکریٹری مجاہد حمید اور جوائنٹ سکریٹری فہیم ریاض ہیں۔

گجراتی ساہتیہ سبھا۔ کراچی

گجراتی زبان و ادب کی ترقی کے لیے یہ سبھا مدت سے قائم ہے اور اپنے مقاصد میں کامیابی کے لیے سرگرم عمل ہے۔ حال ہی میں سبھا نے گجراتی ادیبوں کی ہمت افزائی کے لیے گجراتی زبان میں سال کے بہترین افسانہ نگاروں، شاعروں، مقالہ نویسوں، مضمون لکھنے والوں اور سال کی بہترین نثر کی کتابوں اور مجموعہ کلام پر چاندی کے تمغے دینے کے فیصلے کا اعلان کیا ہے۔

بلوچی دیوان بلوچی زبان اور ادب ایک عرصے سے ساکت وجامد نظر آتے تھے اس سکوت اور جمود کو توڑنے کے لئے ۱۹۵۳ء کے وسط میں "بلوچی دیوان" تشکیل پایا۔ اس کے جنرل سکریٹری غلام محمد شہوانی مرحوم تھے اور اراکین مجلس عاملہ میں گل خان نصیر، عبداللہ جان جمالدینی (پروفیسر شعبہ بلوچی جامعہ بلوچستان) شیر محمد خاں مری، آزاد جمالدینی وغیرہ شریک تھے۔ کچھ دنوں تک نواب اکبر خاں بگٹی اس کے صدر رہے۔ پھر وہ اس سے الگ ہو گئے۔

"بلوچی دیوان" کے پیش نظر بلوچی زبان وادب کی خدمت کا نہایت عمدہ منصوبہ تھا۔ غلام محمد شہوانی بہت پر امید تھے اور نہایت جوش وخروش سے شب وروز کام کر رہے تھے لیکن حالات نے ساتھ نہ دیا اور "بلوچی دیوان" گل خان نصیر کے کلام کا ایک انتخاب "گلبانگ" ہی شائع کر سکا۔

بلوچی ادبی بورڈ۔ کراچی یہ ادارہ کراچی کے علاقہ لیاری میں قائم ہے۔ اس کی جانب سے قاضی عبدالرحیم صابر کی مرتبہ کتاب "بلوچستان کی وادی میں" شائع ہوئی ہے۔

(محمد ادریس گوہر)

باب ہشتم

ثقافتی ادبی ادارے

پاکستان کلچرل سوسائٹی کراچی

یہ ادبی وثقافتی انجمن ۱۹۵۵ء میں قائم ہوئی۔ اس کے بانی پاکستان کے مشہور دانشور محقق، ادیب اور نقاد ڈاکٹر جمیل جالبی ہیں۔ یہ ایک وسیع المقاصد اور ہمہ جہت ادبی وثقافتی انجمن ہے۔ بانی کے پیش نظر اس کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ اپنے ادبی ذوق کی تسکین کے سر و سامان کے ساتھ نوجوان ادیبوں کے ادبی و فکری ذوق کی تربیت اور ادبی ماحول کی تخلیق بھی کی جائے اس کے لئے ضروری ہے علوم و فنون اور ادب وثقافت کی اشاعت و ترویج کا انتظام کیا جائے علمی ادبی کتابوں کی اشاعت اور بلند پایہ ادبی جرائد کے اجرا کا اہتمام کیا جائے۔ ایک ایسا اعلیٰ درجے کا اشاعت گھر قائم کیا جائے جس کا نام اس کی مطبوعات کے علمی و فکری معیار کی علامت ہو، مختلف علمی، ادبی، فکری موضوعات پر لیکچروں اور وقتاً فوقتاً مذاکروں اور سمیناروں کا بندوبست ہو اور ایک اعلیٰ درجے کی لائبریری قائم کی جائے۔ اس سلسلے میں یہ بھی ضروری سمجھا گیا تھا کہ کلچرل سوسائٹی کی اپنی ایک عمارت ہو جو تمام مقاصد کے لئے کافی ہو۔

سوسائٹی ابھی تک اگرچہ اپنے مقاصد کے صرف ایک حصے ہی کی تکمیل کی طرف توجہ دے سکی ہے۔ لیکن اس کے بانی کے ارادوں میں ضعف و اضمحلال پیدا نہیں ہوا، ان کی نظر بلند اور عزائم ناقابلِ شکست ہیں، اُن کے شب و روز سوسائٹی کے تمام مقاصد کو بروئے کار لانے میں صرف ہوتے ہیں۔

سوسائٹی نے قیام کے بعد سب سے پہلے ادبی اجتماعات کا سلسلہ شروع کیا جو کئی سال تک مسلسل جاری رہا۔ ان اجتماعات میں تخلیقات پیش کی جاتی تھیں، ان پر تنقید و تبصرہ ہوتا تھا اور بعض اجتماعات خاص خاص علمی و ادبی موضوعات پر مذاکرات کے لئے وقف ہوتے تھے۔

ادبی و تنقیدی اجتماعات اور مذاکرات کے اہتمام کے ساتھ قیام کے پہلے سال ہی سے سوسائٹی کا ایک علمی ادبی ثقافتی ترجمان نیا دور کے نام سے جاری کیا گیا۔
اس کا پہلا پرچہ اگست ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا تھا۔ دسمبر ۱۹۷۴ء تک اس کے ۵۸ شمارے (بعض شمارے مشترک ہیں) نکل چکے ہیں۔ نیا دور برصغیر کے علمی و ادبی جرائد میں ایک بلند پایہ جریدہ شمار کیا جاتا ہے۔ نیا دور کے لئے شروع ہی سے ایک معیار کا تعین کر لیا گیا تھا جس پر آج تک نہایت سختی کے ساتھ عمل کیا گیا ہے۔ اس میں آج تک جو علمی تحقیقی، تنقیدی مقالات اور ادبی شہ پارے یا دیگر تخلیقات شائع ہوئی ہیں۔ ان میں دوسرے درجے کی شاید ہی کوئی چیز ملے۔ نیا دور اردو ادب اور ادبی و تنقیدی اور فکری، ثقافتی رجحانات کی ترجمانی کرتا ہے۔ صرف نیا دور کی مجلدات کو سامنے رکھ کر برصغیر میں ادبی، تنقیدی، ثقافتی رجحانات و تحریکات کی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔ نیا دور کو شروع سے اب تک اردو کے بلند پایہ اور صفِ اوّل کے ادیبوں، نقادوں اور محققوں کا تعاون حاصل رہا ہے۔

سوسائٹی نے بہت سی ادبی، تنقیدی، ثقافتی مطبوعات بھی پیش کی ہیں۔ اور جس طرح نیا دور کا نام ادب و تنقید کی ایک علامت بن گیا ہے۔ اسی طرح سوسائٹی کی مطبوعات بھی علمی، ادبی، تنقیدی معیار کے لحاظ سے اعلیٰ درجے کے لٹریچر میں شمار کی جاتی ہیں۔ سوسائٹی کی مطبوعات میں اردو کے صاحب طرز ادیب شاہد احمد دہلوی کی دو تصانیف شامل ہیں۔ گنجینۂ گوہر ان کے لکھے ہوئے خاکوں کا مجموعہ ہے۔ اور دلی کی بپتا ۱۹۴۷ء میں فسادات دہلی پر ان کا رپورتاژ ہے۔ جمیل الدین عالی کے کلام کا مجموعہ "غزلیں، دوہے، گیت" سوسائٹی کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ اردو کی مشہور افسانہ نگار اور ناول نویس خاتون جمیلہ ہاشمی کا بلند پایہ ناول "روحی" بھی سوسائٹی نے شائع کیا ہے۔ بین الاقوامی شہرت کے ادیب اور نقاد ایلیٹ کے تنقیدی مضامین کا ترجمہ "ایلیٹ کے مضامین" کے نام سے اسی ادارے کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ ان مضامین کا ترجمہ جمیل جالبی کے قلم کا شاہکار ہے اور یہ ترجمہ بجائے خود ایک ادبی تخلیق کا درجہ رکھتا ہے۔

سوسائٹی کی ایک قابل فخر مطبوعہ "پاکستانی کلچر" ہے۔ یہ شاہکار ادب و ثقافت

جمیل جالبی کے قلم سے ہے۔ اس کے لئے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اردو میں ثقافت پر اور پاکستانی ثقافت پر پہلی اور آخری بلند پایہ اور فکر انگیز کتاب ہے۔

انجمن کے پہلے صدر اس کے بانی جمیل جالبی تھے۔ ان کے بعد شاہد احمد دہلوی کو اس کا صدر مقرر کیا گیا۔ مرحوم اپنی وفات (۱۹۶۷ء) تک اس کے صدر رہے، مرحوم کے انتقال کے بعد سے، اب تک ڈاکٹر احسن فاروقی اس کے صدر ہیں۔ سوسائٹی کے پہلے سکریٹری ثناء اللہ تھے ان کے بعد سے اب تک مقصود الزماں ہیں اور اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدے پر خاور جمیل فائز ہیں۔ اگرچہ ایک ادارے کے قیام اور اس کی ترقی میں مختلف ذہنوں، فکروں اور مشترکہ افکار و مساعی کا حصہ ہوتا ہے اس لئے جمیل جالبی صاحب کے ساتھ سوسائٹی کی عظیم الشان خدمات میں ان تمام ادیبوں، نقادوں، مبصروں، اور دانشوروں کا حصہ ہے جنھوں نے کسی نہ کسی حد تک اور کسی دور میں ان کا ساتھ دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ شروع سے اب تک انجمن کی تمام ادبی، تنقیدی، ثقافتی، اشاعتی سرگرمیوں میں روح رواں کی حیثیت جمیل جالبی کو حاصل رہی ہے۔

علاقائی ثقافتی ادارہ اسلام آباد

آرسی ڈی کے تحت پاکستان ایران اور ترکی میں ہمہ جہتی تعاون اور ترقی کے متعدد عظیم الشان منصوبوں پر کام ہو رہا ہے اور ان کے نہایت مفید نتائج بھی سامنے آ چکے ہیں۔ ان متعدد اور مختلف قسم کے اداروں میں ایک ادارہ ایسا بھی ہے جو ہمارے پیش نظر منصوبے کے تحت آتا ہے۔ یہ ذیلی ادارہ آرسی ڈی کا "علاقائی ثقافتی ادارہ" ہے۔ اس سلسلے میں ادارے کے رکن انوار صولت صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"علاقائی ثقافتی ادارے کا مرکزی دفتر تہران میں واقع ہے، اور اس کے دو ذیلی دفاتر اسلام آباد اور ترکی میں کام کر رہے ہیں، انسٹی ٹیوٹ کا قیام ۱۹۶۲ء میں عمل میں لایا گیا ہے اس کے مقاصد میں علاقائی روایات، سماجی رسوم و رواج کا مطالعہ، تحقیق اور اس کی اشاعت ہے۔ جس کی خاطر کتابیں، معلوماتی کتابچے اور رسائل و جرائد متعلقہ زبانوں میں شائع کئے جاتے ہیں، آج یہ ادارے ایسی کتب شائع کر رہے ہیں۔ جو آرٹ، کلچر اور علمی موضوعات پر مشتمل ہیں اور جو علاقائی ترقی کی عکاس اور لائبریریوں کی زینت ہیں۔ ادارے نے ابھی تک ان موضوعات پر پچاس کتابیں شائع کی ہیں۔ جو اصل تحقیقی مقالات کے علاوہ تراجم پر مشتمل ہیں۔ دانشوروں اور عام آدمی نے ان تصانیف کو بڑا پسند کیا ہے۔ ان میں سے ایک کتاب بطور نصاب یونیورسٹی میں بھی پڑھائی جاتی ہے۔ فارسی مینوسکرپٹ کی سات ضخیم جلدیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ جو موضوعات کے حوالے کے طور پر کام آئیں گی۔ اس کے علاوہ آرسی ڈی کا ایک سہ ماہی جریدہ انگلش میں شائع ہوتا ہے۔ جو علاقائی تعاون کے ثقافتی موضوع پر مواد شائع کرتا ہے۔"

ادارے کے ڈائرکٹر صاحب فکر و اہل قلم قدرت اللہ فاطمی۔ خانوادہ علمی صادق پور کے ایک نامور فرزند ہیں۔

ثقافتی ادبی ادارے

بزمِ ثقافت۔ کوئٹہ مارچ ۱۹۶۱ء میں چند سرکاری افسران کی نگرانی میں قائم ہوئی۔ اس کے پہلے صدر سید دربار علی شاہ (اڈیشنل کمشنر) اور پہلے سکریٹری ابو عثمان (ڈپٹی ڈائرکٹر قبائل نشرو اشاعت کوئٹہ) تھے۔ بعد میں کے جی علی (ڈائرکٹر ایڈیٹر پاکستان کوئٹہ) اُس کے صدر مقرر ہوئے۔ پھر اس کی زمام کار نور محمد پروانہ ایڈیٹر "الیم" کے ہاتھ میں آئی۔ بزم ثقافت نے علاقائی ادب و ثقافت کے فروغ کے علاوہ اقبال کے تعارف اور ان کی تعلیمات کی اشاعت میں بھی حصہ لیا۔ ۱۹۶۲، ۶۳، اور ۶۴ء میں نہایت شاندار طریقے پر یوم اقبال منائے۔ ان تقریبات میں مقامی اور بیرونی بہت سی علمی و ادبی شخصیات نے حصہ لیا۔ ان میں سے سعید احمد رفیق، نذیر احمد بھٹی، ڈاکٹر مس کنیز یوسف، انعام الحق کوثر، بیگم آثم ملک، مولانا عبدالکریم، میاں بشیر احمد، پروفیسر کرار حسین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

بزم ثقافت نے تالیف و اشاعت کی جانب بھی توجہ کی۔ انعام الحق کوثر نے اس کی دو مطبوعات کا تذکرہ کیا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں بزم ثقافت کی ایک شاخ لورالائی میں قائم ہوئی۔ اس نے بھی انھیں مقاصد کو پیشِ نظر رکھا جو بزم ثقافت کوئٹہ کے تھے۔ یعنی مقامی ادب و ثقافت کو فروغ دینا اور قومی اور اسلامی تاریخی اہمیت کے حامل ایام منانا۔

بزمِ ثقافت۔ ملتان بزم ثقافت کے نام سے ملتان میں ایک انجمن قائم ہے جس کے تحت مختلف قومی اور مذہبی ایام میں تقاریب منعقد کی جاتی ہیں۔ بزم ثقافت نے ۱۹۶۹ء میں غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر مجلس غالب کے ساتھ جشن غالب منانے کے پروگرام بھی بنایا تھا۔

تھرپار ڈسٹرکٹ کلچر ایسوسی ایشن میرپورخاص

یہ میرپورخاص کی ایک ادبی اور ثقافتی انجمن ہے جس کے صدر محمد نظام الدین احمد اور سکریٹری سیف سلطان پوری ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں غالب کی صدسالہ برسی کے موقع پر ادبی اجتماع کا اہتمام کیا اور تعارف غالب کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ بھی شائع کیا۔

سندھی ثقافتی بورڈ۔ بھٹ شاہ

ون یونٹ کے قیام سے پہلے جی ایم سید نے اس بورڈ کے قیام کے لئے حکومت سے پچاس لاکھ روپے منظور کروائے تھے۔ لیکن ون یونٹ کے قیام سے سندھی ثقافت کی ترقی اور ترویج واشاعت کا یہ عظیم منصوبہ التوا میں پڑ گیا۔ لیکن سید صاحب کی کوششیں حکومت اور عوام کی سطح پر ختم نہ ہوئیں، وہ برابر اس منصوبے کی تکمیل کے لئے سرگرداں رہے اور یہ انھیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ شاہ عبداللطیف کی آخری آرام گاہ کے نزدیک بھٹ شاہ میں یہ ثقافتی مرکز تعمیر ہو گیا ہے۔ اور سندھ کی تہذیب وثقافت کے تحفظ اور ان کی ترویج واشاعت میں بہترین خدمات انجام دے رہا ہے۔

مجلس ثقافت۔ حیدرآباد

ادب وثقافت کی ترقی کے لئے حال ہی میں یہ مجلس قائم ہوئی ہے اس کے کنوینر محمد حسین قریشی ہیں۔

مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن آف سودرن انڈیا، مدراس

مدراس کی یہ انجمن مختلف ملی تقریبات کے موقع پر علمائے دین اور اکابر ملت کی تقاریر کا اہتمام کراتی تھی۔ لیکن اس کی حیات جاوید کا سروسامان مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم اور علامہ اقبال کے خطبات کی بدولت ہوا۔ سید صاحب نے یہ خطبات اکتوبر نومبر ۱۹۲۵ء میں سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مدراس میں دیئے۔ یہ خطبات اسی زمانے میں وہاں کے اخبارات ہندو اور ڈیلی ایکسپریس میں نکلتے رہے تھے

اس کے بعد اس کے اب تک بیسیوں ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

- علامہ اقبال کے خطبات جو مدراس، حیدرآباد دکن اور علی گڑھ میں دیئے گئے تھے اس کا اہتمام بھی اسی مسلم ایسوسی ایشن نے کیا تھا۔ علامہ مرحوم کے یہ چھ لیکچرز تھے جو ۱۹۳۰ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے زیر اہتمام شائع ہوئے تھے۔ دوسرے ایڈیشن میں جو ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔ ارسٹوٹیلین سوسائٹی لندن کی دعوت پر ایک مزید خطبے کا اضافہ کیا گیا۔ بزم اقبال لاہور کی جانب سے ان خطبات کا ترجمہ "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" کے نام سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا۔ یہ ترجمہ سید نذیر نیازی نے کیا ہے۔

- مسلم ایسوسی ایشن تقسیم ملک کے بعد بھی قائم رہی۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے بھی اپنے خطبات "سیرت قرآن کی روشنی میں" اسی انجمن کے اجلاسوں میں پڑھے تھے اس انجمن نے اور بھی متعدد اکابر ملت کو خطبات کی دعوت دی۔

انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشن دہلی

ہندوستان کی وزارت تعلیم کے تحت اسلامی ممالک سے ثقافتی تعلقات کے قیام و استحکام کے لئے یہ ادارہ ۱۹۴۹ء کے اواخر میں مولانا ابوالکلام آزاد نے قائم کیا تھا۔ مولانا آزاد نے ثقافتی مجلس کے قیام کا مقصد یہ بتایا تھا کہ اسلامی دنیا کو قدیم ہندوستان کی تاریخ، تہذیب، فلسفہ، ادب، ادیان کی کچھ خبر نہیں بلکہ وہ اس ملک میں اسلامی تاریخ اور اس کی اہمیت سے بھی قطعاً بے خبر ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ بیرونی ملکوں خصوصاً اسلامی دنیا سے ثقافتی رشتے جوڑے جائیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ثقافتہ الہند کے نام سے ایک سہ ماہی جریدہ بھی نکالا گیا جس کے ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی تھے۔ یہ رسالہ تقریباً دس سال تک جاری رہا۔ اس ادارے کی جانب سے متعدد کتابوں کا فارسی اور عربی میں ترجمہ بھی شائع کیا گیا جن میں سے بھگوت گیتا، شکنتلا اور وکرم وتشی کا ترجمہ فارسی میں اور میراث ہند کا ترجمہ ۶.۵ میں قابل ذکر ہے۔

ثقافتی اور فنی ادارے

ہندوستان میں فنون لطیفہ کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اسٹیج ڈراموں کا آغاز بھی ۱۸۵۰ء سے پہلے ہو چکا تھا، اس مقصد کے لئے تجارتی اغراض سے بہت سی کمپنیاں قائم ہوئیں۔ یہ تھیٹر کمپنیاں ہندوستان میں فلم کے آغاز سے قبل بہت زیادہ مقبول تھیں۔ اس قسم کی کمپنیوں کو اس فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ اس قسم کے اداروں کے بارے میں معلومات کے لئے ڈاکٹر عبدالعلیم نامی، امتیاز علی تاج وغیرہ کی تصانیف کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس میں جو ادارے ہیں۔ یہ وہ ہیں جنھوں نے فنی اور علمی طور پر ثقافت اور فنون لطیفہ کی ترقی میں حصہ لیا ہے۔ صرف لوگوں کی تفریح طبع کے لئے ہی سامان فراہم نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان اداروں نے اسٹیج ڈرامے کی ترقی اور کامیابی، اداکاروں کی تربیت۔ رقص و موسیقی کی تعلیم کے لئے بھی خدمات انجام دی ہیں۔ ذیل میں اداروں کی جو فہرست دی جا رہی ہے۔ ان میں سے بعض ادارے اب تک سرگرم عمل ہیں۔ بعض ادارے اپنی زندگی کے قیام کا مقصد پورا کر کے ختم ہو گئے۔ لیکن تاریخ میں ان کا نام موجود ہے۔ علم و آگہی کے اس خصوصی شمارے میں ثقافتی اداروں پر اور مضامین بھی شامل ہیں۔ چند اداروں کے بارے میں یہاں معلومات اور ایک فہرست درج کی جاتی ہے۔ یہ فہرست مکمل نہیں کہی جا سکتی۔ لیکن ایک طالب علم کی طرف سے اس کی تعلیمی مصروفیات کا لحاظ کرتے ہوئے یہ ناچیز تحفہ قبول فرمائیے۔

بزمِ ثقافت ملتان یہ ثقافتی و ادبی ادارہ ۱۹۶۱ء میں قائم ہوا۔ اس کا مقصدِ قیام یہ تھا کہ مقامی ثقافت کو ترقی دی جائے۔ قدیم ادبی، اور ثقافتی سرمائے کے تحفظ کا انتظام کیا جائے۔ قدیم و جدید مصنفین کی تصانیف شائع کی

جائیں۔علاقائی ادب وثقافت کو اردو، انگریزی کے ذریعے متعارف کرایا جائے۔ لوک گیت، کہانیاں وغیرہ مرتب کی جائیں اور منتخب چیزوں کو اردو انگریزی وغیرہ ترجمہ کرکے شائع کیا جائے۔ ادبی اور ثقافتی مراکز اور علاقائی تھیٹر قائم کیا جائے۔ شاعروں، ادیبوں اور فنکاروں کی ان کی تخلیقات کی اشاعت کے سلسلے میں مدد کی جائے، اور ادبی، ثقافتی موسیقی وغیرہ کے مقابلوں کے اہتمام سے لوگوں میں ذوق پیدا کیا جائے اور علاقائی ادب ثقافت اور فنونِ لطیفہ کی ترویج واشاعت اور تعارف کے لیئے ایک رسالہ جاری کیا جائے

جہاں تک ادبی، ثقافتی رسالے کے اجرا کا تعلق ہے۔ ہمیں اس باب میں بزمِ ثقافت کی کسی کارگزاری کا علم نہیں۔ لیکن اردو سرائیکی، بنگالی اور انگریزی میں اس نے چند کتابیں شائع کی ہیں۔ اردو میں نغمۂ صحرا کے نام خواجہ غلام فرید کی کافیوں کا ترجمہ اور پریت نہا کے نام سے خواجہ علیہ الرحمہ کی شاعری پر مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے پہلی کتاب کے مترجم کشفی ملتانی اور دوسری کے رئیس کریم خاں، محمد تونسوی، ارشد ملتانی اور ریاض انور ہیں

اباسین آرٹ سوسائٹی۔پشاور

جس زمانے میں مسرت حسین زبیری پشاور ڈویژن کے کمشنر تھے، ان کی سرپرستی میں یہ ادبی سوسائٹی قائم ہوئی تھی۔ یہ ۱۹۵۸ء سے پہلے کی بات ہے۔ اور ۱۹۶۲ء میں پروفیسر خاطر غزنوی نے لکھا تھا کہ آج تک یہ سوسائٹی جوش اور جذبے سے کام کر رہی ہے۔ نقوش لاہور کے شمارہ مارچ ۱۹۶۳ء میں ایوان زریں کے عنوان سے اباسین آرٹ سوسائٹی کی نمائش ونقاشی پر ایک مفصل مضمون شائع ہوا ہے جس سے اس کے قیام کی تاریخ اور خدماتِ فن پر روشنی پڑتی ہے۔

انجمن فنون لطیفہ۔کراچی

فنون لطیفہ کی ایک قدیم اور اہم انجمن۔ ہم اس کے حالات فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ ایک زمانہ میں اس کی سرگرمیوں کی شہرت تھی۔ فنون لطیفہ کی ترقی میں اس نے بہت خدمات انجام دیں۔ اور تاریخ میں اپنا نام ہمیشہ کے لیئے روشن کردیا۔ اس کی اہمیت اور اس کی فنی خدمات کی تاریخ کا اندازہ کرنے کے لیئے یہ کافی ہے کہ نقوش۔ لاہور اکتوبر ۱۹۶۹ء میں اس پر ایک مفصل مضمون شائع ہوا ہے

سارنگ کلچر اکیڈمی۔ حیدرآباد | حیدرآباد سندھ کا معروف ثقافتی فنی ادارہ جس کی سرگرمیوں کی حال ہی میں دھوم ہے۔

دیگر مختلف ادارے | اسٹار تھیٹر اکیڈمی۔ لاہور (عشرت رحمانی۔ سلمہ ممتاز۔ محمود نظامی) اسٹرین ڈرامیٹک کلب۔ بمبئی، الحمرا آرٹس کونسل۔ لاہور، اردو تھیٹر۔ دہلی، الفنسٹن ڈرامیٹک کلب، اکاڈیمی آف فائن آرٹس۔ کلکتہ، امیچورس، ڈرامیٹک کلب، اوریجنل وکٹوریہ کلب، بھارت کلا منصد۔ حیدرآباد (دکن) پاکستان آرٹس کونسل۔ لاہور۔ (آغا بشیر سعید الرحمٰن چغتائی۔ جسٹس ایس۔ اے رحمان صدر۔ امتیاز علی۔ خلیل صحافی آنرری سکریٹری) پنجاب ریفارمنگ تھیٹر۔ لاہور (آغا رحمت علی) تھیٹر گروپ۔ لاہور (عشرت رحمانی۔ ملک حبیب احمد امتیاز علی تاج۔ شوکت تھانوی) تھیٹر گروپ۔ (نفیس خلیل۔ قتیبہ خانم) تھیٹر آرٹس سنٹر۔ (علی احمد) تھیٹر گلڈ۔ (حمید وائن) جہاں آرا تھیٹریکل کمپنی۔ لاہور (جہاں آرا)۔ راوی آرٹس سرکل۔ لاہور۔ زوراسٹرین کلب۔ سنگیت سمیتی۔ الہ آباد۔ سندھ آرٹسٹ سوسائٹی۔ کراچی۔ فرحین آرٹ سوسائٹی۔ کراچی۔ (بانی قمر محمود)۔ کاسموپولیٹن ڈرامیٹک لبریشن۔ کراچی۔ (چیرمین امیرخان سکریٹری امجد فاروقی۔ گورنمنٹ پریس ڈرامہ کلب۔ لاہور پلے ہاؤس۔ لاہور مرکزی کلچرل کلا اکاڈیمی۔ دہلی۔ والینٹرز کلب۔ وکٹوریہ کلب۔

اب کچھ ادارے ایسے ہیں جو پاکستان کے مختلف شہروں میں قائم ہیں، جو مختلف مواقع پر ڈرامے اسٹیج کرتے ہیں۔ اردو ادب وثقافت پاکستان۔ (صدر ابوالاختر) بزم ادب وثقافت۔ (صدر کرامت حسین۔ سکریٹری عبدالرحمٰن)۔ بزمی آرٹ کونسل ملتان۔ (صدر۔ ایس۔ اے بزمی)۔ بزم ثقافت۔ ڈیرہ غازی خاں (ڈاکٹر سید ارشاد متوجی)۔ بزم ثقافت وترویج اردو۔ چکوال (صدر سید افتخار حسین نائک) بزم فنون۔ ڈھاکہ۔ پاکستان آرٹ اینڈ میوزک سوسائٹی۔ کراچی (سکریٹری اسمٰعیل جنگو) حلقہ ثقافت۔ پنجاب۔ خیرپور کلچرل سوسائٹی۔ سکھر۔ (صدر۔ منظر اکبر ڈی سی)

سندھ ایونیو اینڈ کلچرل سوسائٹی - حیدر آباد - سندھ پیپلز تھیٹر کراچی -
(صدر - ارشاد بیگ - سکریٹری عبدالرحمٰن) مرکز ثقافت کشمیر راولپنڈی -
(صدر خواجہ غلام الدین - سکریٹری - عبدالعزیز)

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں نقوش، لاہور نمبر، شاعر بمبئی "قومی یک جہتی نمبر" آج کے بعض شماروں اور چند دیگر رسائل سے استفادہ کیا گیا ہے۔

پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس یہ کونسل اسلام آباد میں قائم کی گئی ہے۔ یہ کونسل پاکستان کے علاقائی اور قومی ثقافت اور آرٹس پر تحقیق و تدوین اور اشاعت کی غرض سے قائم کی گئی تھی۔ یہ کانفرنس اپنے قیام کے مقصد، قومی وحدت اور مساوات و ترقی کے لئے ہمہ وقت ساعی ہے۔ قومی ثقافت اور اس کے مسائل پر تبادلہ خیالات کے لئے اس نے اب تک متعدد سیمناروں، مذاکروں اور موسیقی اور فنون لطیفہ کی کئی محفلوں کا اہتمام کیا ہے اور لوک گیتوں، موسیقی اور آرٹس اور کلچر کے موضوع پر اس کی جانب سے کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ حال ہی میں ثقافت کے نام سے ایک سہ ماہی مجلّہ بھی شائع کرنا شروع کیا ہے۔

لوک ورثے کا قومی ادارہ پاکستان کی عوامی حکومت کے مستحسن اقدامات میں سے ایک اقدام اس ادارے کا قیام بھی ہے۔ اس ادارے کا مرکز اسلام آباد میں ہے اور اس کا اصل نام نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف فوک ہیری ٹیج ہے۔ یہ ادارہ قومی شعور کی تربیت اور علاقائی لوک ورثے کی ترویج کے کام کر رہا ہے۔ اس نے علاقائی لوک ورثے کے تحفظ کے لئے چند نہایت مفید اقدامات کئے ہیں۔ اس سلسلے میں پاکستان کے مختلف علاقوں کے لوک گیتوں کہانیوں کے کئی مجموعوں کے علاوہ ڈاکٹر محمد اجمل سکریٹری وزارت تعلیمات کی ایک اہم کتاب سائیکلوجی آف فوک لور" اور پاکستان کی لوک کہانیوں کا ایک مختصر کیٹلاگ بھی شائع کیا ہے اپنے موضوع پر اس ادارے کی ایک اہم ریسرچ لائبریری بھی ہے جس میں مطبوعات اور مخطوطات کے علاوہ ٹرانسپیرنسیز، ریکارڈز اور گراموفون ریکارڈز بھی ہیں۔

باب نہم

شخصیاتی علمی ادارے

شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد

ٹھٹھہ، سندھ میں مسلمانوں کی آمد کے آغاز اور اسلامی حکومت کے قیام کے وقت ہی سے علوم و فنونِ اسلامی کا مرکز رہا ہے۔ اس کی خاک سے بڑے بڑے محدث، مفسر، فقیہ، مفتی، مصلح، شیخِ طریقت اور اصحابِ درس و تدریس گزرے جنھوں نے اپنی خدمات سے علوم دینی کے فروغ و اشاعت کی ایک تاریخ بنائی۔ جن کی عطر بیزیٔ افکار نے ایک عالم کی مشامِ روح کو معطر کیا اور جن کی سیرت کی تابانیوں نے لوگوں کے اخلاق اور ان کی سیرتوں کو مجلّیٰ و مصفیٰ کیا۔ ایک زمانہ تھا کہ ٹھٹھہ کے مساجد و مدارس میں اصحابِ علم پر غرناطہ، قرطبہ اور کوفہ و بغداد کے اصحابِ فضل و کمال اور تشنگانِ علوم و فنون کا دھوکا ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ ٹھٹھہ کا فیضانِ علم و فکر نہ صرف سندھ میں بلکہ ہندوستان اور اسلامی ممالک اور بغداد و حجاز تک پھیل گیا۔ ٹھٹھہ کی آبادی جنت نگاہ اور رشکِ کوفہ و بغداد بن گئی اور اگرچہ اسلامی ہند کے زوال کے ساتھ ٹھٹھہ کی علمی رونق بھی ماند پڑ گئی اور بہارِ علم و دانش کو مسلمانوں کے افلاس و نکبت کے موسمِ خزاں نے گھیر لیا۔ لیکن گزشتہ دورِ علم و تہذیب تک اس کی خاک میں فکر و سیرت کی ایسی چنگاریاں چھپی رہیں جن کی چمک دمک نے ایک عالم کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔

ایک عظیم خاتون میں یہاں سندھ کے ان اعاظم رجال کا تذکرہ نہیں کروں گا جن کا تعلق سرزمینِ ٹھٹھہ سے تھا اور جنھوں نے دو صدیوں میں سندھ کی علمی تعلیمی، تہذیبی اور سیاسی تاریخ بنائی ہے۔ میں یہاں بیسویں صدی کی صرف ایک خاتون کی فکر و نظر کی بلندی اور کمالِ ایثار کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جس نے ۱۲۵ ایکڑ زمین وقف کر کے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حکمت اور افکار و تعلیمات کی اشاعت کا انتظام کر دیا۔ یہ ضلع ٹھٹھہ کے قصبہ سجاول کی ایک خاتون زیب النساء تھیں۔ ان کے شوہر سید عبدالرحیم شاہ (ف ۱۹۲۷ء) مٹیاری سادات کے خاندان کے ایک فرد تھے۔ یہ خاندان شروع ہی سے دینی تعلیمات اور ـــــــــ اسلامی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت میں نامور تھا۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء میں سید عبدالرحیم شاہ نے اپنی زمین کا ایک حصہ اور ایک بنگلہ وقف کر کے ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا جو آج بھی سجاول اور اس کے قرب و جوار کی آبادیوں میں اپنی ایک درجن شاخوں کے ساتھ قائم ہے اور علوم دینی کی خدمات میں مصروف ہے۔ یہ مدرسہ ضلع ٹھٹھہ کا سب سے بڑا مدرسہ اور سندھ کے چند بڑے اور قدیم مدارس میں شمار کیا جاتا ہے۔

بی بی زیب النساء کی سیرت کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ انھوں نے زمین تو اپنے حصے کی وقف کی لیکن یہ وقف اپنے خسر سید محمد رحیم شاہ کے نام پر قائم کیا۔ جس گھر کی ایک خاتون کی سیرت اور فکر کی بلندی کا یہ عالم ہو سوچنا چاہیئے کہ اس خاندان اور اس معاشرے کے علمی و فکری اور اخلاقی و دینی ماحول کی پاکیزگی کا کیا عالم ہوگا؟

اغراض و مقاصد ۱۹۶۳ء کے شروع میں محکمہ اوقاف مغربی پاکستان نے یہ وقف اپنی تحویل میں لے لیا اور واقفہ بی بی زیب النساء رحمۃ اللہ علیہا کی بابرکت خواہش کے مطابق شاہ ولی اللہ اکیڈمی قائم کر دی۔ جس کے مندرجہ ذیل اغراض مقاصد قرار پائے۔

- شاہ ولی اللہ کی تصنیفات ان کی اصلی زبانوں میں اور ان کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع کرنا۔
- شاہ ولی اللہ کی تعلیمات اور ان کے فلسفہ و حکمت کے مختلف پہلوؤں پر عام فہم کتابیں لکھوانا اور ان کی طباعت و اشاعت کا انتظام کرنا۔
- اسلامی علوم اور بالخصوص وہ اسلامی علوم جن کا شاہ ولی اللہ اور ان کے مکتب فکر سے تعلق ہے۔ ان پر جو کتابیں دست یاب ہو سکتی ہیں انھیں جمع کرنا تاکہ شاہ صاحب اور ان کی فکری و اجتماعی تحریک پر کام

کرنے کے لئے اکیڈمی ایک علمی مرکز بن سکے۔

- تحریک ولی اللہی سے منسلک مشہور اصحاب علم کی تصنیفات شائع کرنا اوران پر دوسرے اہل قلم سے کتابیں لکھوانا اوران کی اشاعت کا انتظام کرنا۔
- شاہ ولی اللہ اوران کے مکتب فکر کی تصنیفات پر تحقیقی کام کرنے کے لئے علمی مرکز قائم کرنا۔
- حکمت ولی اللہی اوراس کے اصول ومقاصد کی نشرو اشاعت کے لئے مختلف زبانوں میں رسائل کا اجراء۔
- شاہ ولی اللہ کے فلسفہ وحکمت کی نشرو اشاعت اوران کے سامنے جومقاصد تھے۔ انہیں فروغ دینے کی غرض سے ایسے موضوعات پر جن سے شاہ ولی اللہ کا خصوصی تعلق ہے۔ دوسرے مصنفوں کی کتابیں شائع کرنا۔

مطبوعات شاہ ولی اللہ اکیڈمی نے اپنے قیام کے مقاصد کے مطابق متعدد بلند پایہ تصانیف شائع کی ہیں۔ ان میں شاہ صاحب کی مشہور عربی فارسی تصانیف بھی ہیں اوران کے افکار وتعلیمات پر تحقیقی کتاب بھی۔

ہمعات کے نام سے فارسی میں شاہ صاحب کی ایک مشہور تصنیف تصوف کی حقیقت اوراس کے فلسفے میں ہے۔ اس کا اصل متن صحت کے کافی اہتمام کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ لمحات کے نام سے ان کی ایک کتاب عربی میں تھی۔ یہ کتاب بھی فلسفہ تصوف کی اہم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے اس کے متن کی صحت کرکے اور حواشی ومقدمہ سے مزین کرکے شائع کیا۔ شاہ صاحب کی سطعات بھی شائع ہوچکی ہے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے وصایہ اربعہ کے نام سے شاہ صاحب کی مشہور وصیت اورچند دیگر وصایا کو مرتب کردیا۔ شاہ ولی اللہ کی تعلیم کے نام سے پروفیسر غلام حسین جلبانی کی ایک نہایت فکرانگیز کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس میں فاضل

مصنف نے نہ صرف شاہ صاحب کے افکار و تعلیمات کا احصا کیا ہے بلکہ ان کی فکر و تعلیم کے ہر پہلو پر مفید بحثیں کی ہیں۔ اردو میں شاہ صاحب کی تعلیم پر یہ نہایت جامع کتاب ہے۔

رسائل شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی جانب سے اُردو، انگریزی اور سندھی میں متعدد علمی رسائل شائع ہوتے ہیں۔ ان میں الرحیم کے نام سے اُردو میں ایک ماہنامہ جون ۱۹۶۳ء سے نکلنا شروع ہوا تھا جو اگست ۱۹۶۹ء میں بند ہو گیا۔ الرحیم نے شاہ ولی اللہ اور ان کے مکتب فکر کے تعارف اور حکمت و فلسفہ اور تعلیمات کی نشر و اشاعت میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ اس میں اسلامی علوم پر بے شمار بلند پایہ علمی تحقیقی اور فکر انگیز مقالات شائع ہوئے۔ اس کی پانچ سالہ مجلدات علم و فکر کا بیش قیمت سرمایہ اور افکار ولی اللہی کا بے نظیر گنجینہ ہے۔ اب اس کی جگہ الولی کے نام سے ایک ماہنامہ ۱۹۷۱ء سے نکل رہا ہے۔ الولی بھی اپنے پیش رو کی علمی و فکری روایات کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

نومبر ۱۹۶۴ء تک الرحیم کے ایڈیٹر پروفیسر محمد سرور جامعی تھے ان کے بعد مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے زمام ادارت سنبھالی اور آخر تک اس کے ایڈیٹر رہے۔ الولی کے ایڈیٹر شروع سے اب تک مولانا قاسمی ہیں۔ ایک رسالہ سندھی میں بھی الرحیم کے نام سے نکلتا ہے یہ بھی الرحیم (اردو ہی) کی طرح شاہ ولی اللہ اور انکے مکتب فکر کی اسلامی خدمات اور افکار و تعلیمات کی نشر و اشاعت میں سرگرم عمل ہے۔ اس کے متعدد خصوصی شمارے اہل علم میں مقبول ہو چکے ہیں، خصوصاً مشاہیر سندھ نمبر اور مولانا عبید اللہ سندھی نمبر اس کے نہایت معلوماتی اور تحقیقاتی نمبر ہیں۔ مشاہیر سندھ میں تو تیرہویں صدی ہجری میں سندھ کی علمی شخصیات اور علوم اسلامی کے فروغ و اشاعت کی پوری تاریخ مرتب ہو گئی ہے۔

اکیڈمی کی جانب سے الحکمہ کے نام سے انگریزی میں ایک سالنامہ شائع ہوتا ہے الحکمہ نے انگریزی ادب کا ذوق رکھنے والوں میں شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادۂ علمی کے افکار و تعلیمات کی اشاعت میں قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ دسمبر ۱۹۶۴ء سے اب تک اس کے صرف تین نمبر شائع ہوئے ہیں۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی

مولانا قاسمی، مولانا عبید اللہ سندھی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ لیکن اب سندھ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مولانا عبید اللہ سندھی کی تصانیف کی تدریس اور خانوادۂ ولی اللّٰہی کے افکار کی تشریح و تفسیر میں ان کی حیثیت استاد الکل کی ہے۔ کالجوں کے طلبہ کو شاہ ولی اللہ کے علوم و افکار سے متعارف کرانے میں انھوں نے قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی پوری زندگی شاہ ولی اللہ کے علوم کی اشاعت و تعلیم میں گزری۔ ان کی کوششوں کی بدولت سندھ میں افکار ولی اللّٰہی و عبید اللّٰہی کی شمعیں روشن رہی ہیں۔ متعدد مقامات پر... بیت الحکمت کی شاخوں کے قیام اور شہداد کوٹ میں محمد قاسم ولی اللہ تھیولوجیکل کالج کے قیام کے سلسلے میں ان کی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں وہ سندھ کی واحد شخصیت ہیں جو شاہ صاحب کے علوم و افکار کے مطالعہ و تحقیق میں رہنمائی کر سکتے ہیں۔ فکر و مطالعہ و نظر کے ان امتیازات کے ساتھ وہ محاسنِ سیرت اور اخلاقِ حمیدہ کا ایک نادر نمونہ اور اول و آخر ایک علمی و تہذیبی شخصیت ہیں۔

شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی خدمات کا دائرہ نہ صرف اردو بلکہ سندھی، عربی، فارسی اور انگریزی تک پھیلا ہوا ہے اور اگرچہ اس کے محدود وسائل کی بنا پر اس کے کاموں میں سرگرمی اور تیزی نظر نہیں آتی لیکن اس نے رفتہ رفتہ جو کام کیا ہے اُسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ملک کے تمام علمی حلقوں میں اس کے کام کی اہمیت و افادیت کا اعتراف موجود ہے۔

محمد قاسم ولی اللہ تھیوسوجیکل کالج شہداد پور

لاڑکانہ کے ضلع میں شہداد کوٹ ایک مشہور تاریخی قصبہ ہے۔ اس کی خاک سے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے اور ایک زمانے تک یہ سندھ میں مسلمانوں کا کعبۂ علم و فکر بنا رہا۔

اسی شہداد کوٹ میں جسے مولانا عبیداللہ سندھی اپنی تحریروں میں شہداد نگر کے نام سے یاد کرتے ہیں، مولانا سندھی کے تلامذہ نے محمد قاسم ولی اللہ تھیوسوجیکل کے نام سے ایک علمی و فکری مرکز قائم کیا جہاں شاہ ولی اللہ کی کتابوں کی خاص طور پر تعلیم ہوتی تھی اور شاہ ولی اللہ کے افکار کے مطابق طلبہ کی ذہنی و فکری تربیت کی جاتی تھی۔

یہ مدرسہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی اور ان کے ایک مستعد شاگرد مولوی عزیزاللہ جروار نے قائم کیا تھا۔ مولانا قاسمی مولانا عبیداللہ سندھی کے نامور شاگرد ہیں۔ مولوی عزیزاللہ نے گوٹھ پیر جھنڈو کے مدرسے سے سندِ فراغت حاصل کی تھی۔ وہی اس مدرسے کے صدر مدرس مقرر کئے گئے تھے اور ایک عالم دین عبیداللہ کلنتی بھی مدرس تھے جن کا آبائی وطن جاوا سماترا تھا اور انھوں نے ملائیشیا کے ایک عالم دین سے علوم دینی کی تحصیل کی تھی۔ بعد میں غلام مصطفیٰ قاسمی سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتابوں کا درس لیا تھا۔ مدرسے کا افتتاح ۱۴ اگست ۱۹۴۴ء میں ہوا تھا۔ مولانا سندھی کو اس کی رسم افتتاح ادا کرنی تھی۔ مولانا اس وقت کراچی میں تھے۔ ان کی حالت انتہائی نازک تھی۔ اسہال کی شدید شکایت تھی اور بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ ۱۰ اگست کو قدرے طبیعت ٹھیک ہوئی تو خطبۂ استقبالیہ تحریر فرمایا اور خود چھپوا کر اسے ایک طالب علم کے ذریعے بھیج دیا۔ مولانا کو ان کے عزیز اور معتقدین پور لے گئے۔ جہاں ۱۶ اگست کو ان کا

انتقال ہوگیا۔ مولانا کا خطبۂ افتتاحیہ، ان کے خطبات و مقالات (مرتبہ پروفیسر محمد سرور جامعی) میں موجود ہے۔ مولانا اپنے خطبے میں اس مدرسہ اور یہیں قائم ہونے والے ... بیت الحکمت کے مقاصد قیام کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ہمارا بیت الحکمت اور محمد قاسم ولی اللہ تھیوجیکل کالج امام ولی اللہ کی حکمت کی اشاعت اور اس کی تعلیم کا انتظام کریں گے"۔

مولانا کو اس کام کی اہمیت کا بھی اندازہ تھا لیکن وہ راہ کی مشکلات کے بارے میں بھی کسی خوش فہمی کا شکار نہ تھے۔ البتہ انھیں طلبہ کی صلاحیتوں پر اعتماد تھا۔ اور وہ یقین رکھتے تھے کہ ایک دن وہ مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"ہم اپنے نوجوان طلبہ کو بڑی نرمی سے ادھر متوجہ کرتے ہیں بے شک یہ کام مشکل ضرور ہے مگر ہمارے نوجوان طلبہ خدا کے فضل سے بڑی ہمت کے مالک ہیں۔ وہ اگر چاہیں تو اپنی ہمت اور قوت سے اس مہم کو بآسانی سر کر سکتے ہیں"۔

یہ مدرسہ بہت زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا لیکن سندھ میں آج بھی حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی کے علوم و افکار سے جو شغف پایا جاتا ہے اس میں اس مدرسہ کا بھی حصہ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر دو علمی ادارے

محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی۔ لاہور

یہ سوسائٹی بھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے انقلاب آفریں افکار کی اشاعت کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اس کے جنرل سکریٹری بشیر احمد لودھیانوی تھے۔ اس سوسائٹی کی جانب سے مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے افکار پر مشتمل حجۃ اللہ البالغہ کی اردو شرح جلد اول اور فکر انقلاب کے نام سے سورہ اخلاص اور معوذتین کی حکیمانہ تشریح راقم السطور کی نظر سے گزری ہے۔ یہ دونوں کتابیں سوسائٹی کے جنرل سکریٹری بشیر احمد نے مرتب کی ہیں۔

امام ولی اللہ اکیڈمی۔ لاہور

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے مشورے سے یہ اکیڈمی شاہ ولی اللہ کی کتابوں کی اشاعت اور اردو انگریزی وغیرہ زبانوں میں شاہ صاحب کی کتابوں کے تراجم کی اشاعت کے لئے قائم کی گئی تھی۔ سید محمد شاہ۔ سکریٹری اقبال اکیڈمی لاہور اس کے مہتمم تھے۔ ماہنامہ پیغام حق لاہور کی اشاعت بابت ماہ اپریل ۱۹۴۴ء میں اس کا اعلان بھی کر دیا گیا لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ اکیڈمی مستقل ادارے کی حیثیت سے کام شروع نہیں کر سکی۔ البتہ اقبال اکیڈمی کی طرف سے اگست ۱۹۴۳ء میں پیغام حق کا ایک شاہ ولی اللہ نمبر ضرور شائع کیا۔ یہ پورا نمبر مولانا عبد الرحیم کا ایک مفصل اور مبسوط مقالہ ہے۔ ماہنامہ پیغام حق کے اسی شمارے میں حجۃ اللہ البالغہ کا ترجمہ چھاپنے کے ارادے کا بھی اعلان کیا ہے۔ اور افادات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (مرتبہ مولانا ناصر الدین اصلاحی) نیز شاہ صاحب کی عربی کتاب القول الجمیل کے نام اقبال اکیڈمی کی مطبوعات کی فہرست میں نظر سے گزرے ہیں۔

برکات اکیڈمی۔ کراچی

خیرآبادی مکتبہ فکر کے مشہور عالم دین، قدیم فلسفے کے ماہر حاذق طبیب اور صاحب درس و تدریس مولانا سید برکات احمد ٹونکی نے ۱۹۱۸ء میں بیت الحکمت کے نام سے ٹونک میں ایک علمی ادارہ قائم کیا تھا۔ حضرت موصوف کی کتاب "اتقان العرفان فی ماہیۃ الزمان" اسی ادارے کی جانب سے شائع ہوئی تھی۔ پاکستان میں حضرت علیہ الرحمہ کے پوتے حکیم سید محمود احمد برکاتی نے اسی علمی ادارے کی تجدید کی۔ لیکن اس کا نام جد مرحوم کی یاد میں برکات اکیڈمی کر دیا۔

اس ادارے کے قیام سے دین و ادب کی جن خدمات کا تصور وابستہ کیا گیا ہے! اس میں ایک کتب خانہ، ایک گوشۂ تحقیق، ایک مرکز اشاعت، ایک درس گاہ اور ایک ماہانہ رسالے کا قیام و اجرا شامل ہے۔ اور تصنیف و تالیف، کتب خانہ اور مرکز اشاعت کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ کام ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ حکیم سید محمود احمد برکاتی نے اس کے لیے اپنا ذاتی کتب خانہ وقف کر دیا ہے۔ ابتدائً جو کتابیں مرتب ہوئیں وہ وسائل نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے اداروں کی طرف سے شائع ہوئیں۔ سر سید احمد خاں کے قلم سے ان کے نانا فرید الدین کے حالات میں ایک رسالہ سیرت فریدیہ برکاتی صاحب کے محققانہ اور فکر انگیز مقدمہ کے ساتھ پاک اکیڈمی کراچی کی طرف سے اور اتقان العرفان فی ماہیۃ الزمان کا اردو ترجمہ اقبال اکادمی کراچی کی طرف سے شائع ہوا۔ برکاتی صاحب کی ایک اور تحقیقی اور معرکہ آرا تصنیف "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان" لاہور کا ایک ادارہ شائع کر رہا ہے۔ البتہ ان کی تازہ تصنیف "فضل حق اور سن ستاون" برکات اکادمی کی طرف سے حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ حکیم صاحب نے اس کتاب میں مولانا فضل حق کے بارے میں ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے جو بعض علمی شخصیات کی طرف سے پیدا کر دی گئی تھیں۔

مرکزیہ مجلس اقبال لاہور

مرکزیہ مجلس اقبال قومی سطح کا ادبی اور تہذیبی و ثقافتی ادارہ ہے۔ اس کے شان دار سالانہ یوم اقبال لاہور کی مجلسی زندگی میں ادب، خطابت، اسلامی فکر اور تہذیب کی ایک علامت بن گئے ہیں۔ جہاں تک یوم اقبال کی اولیت کا تعلق ہے یہ شرف اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور کو حاصل ہوا جس نے علامہ مرحوم کی زندگی میں ۲ مارچ ۱۹۳۲ء کو پہلا یوم اقبال منایا۔ دوسرا یوم اقبال انٹر کالجیٹ مسلم برادر ہوڈ کے زیر اہتمام علامہ مرحوم کے انتقال کے بعد ۱۹۳۸ء میں ہوا۔ اسی زمانے میں مرکزیہ مجلس اقبال کا قیام عمل میں آیا۔ اس نے یوم اقبال کی روایت کو نہ صرف دوام بخشا، بلکہ اسے لاہور کی مجلسی تہذیبی زندگی کا ایک عنصر بنا دیا۔ اور بقول شورش کاشمیری فکر اقبال کو مسلمانوں کی ذہنی تحریک بنانے میں مرکزیہ مجلس اقبال نے مقدمۃ الجیش کی حیثیت سے کارنامہ انجام دیا ہے۔ اقبال آج ایک عوامی اور ذہنی تحریک کا نام ہے۔ آج اقبال کی گونج ہر ذہن میں موجود ہے۔ اس میں سب سے بڑا حصہ مرکزیہ مجلس اقبال کا ہے۔

مجلس کی صدارت کے عہدے پر چودھری محمد حسین، ملک عبدالقیوم، راجہ حسن اختر، اور خواجہ عبدالرحیم جیسے علامہ اقبال کے شیدائی اور اکابر ملت فائز رہے۔ نائب صدر علامہ مرحوم کے صاحبزادہ محترم جاوید اقبال ہیں۔ پہلے اس کے سکرٹیری راجہ حسن اختر تھے ۱۹۴۳ء سے تاحال ملک کے مشہور صحافی اور بے مثل خطیب آغا شورش کاشمیری ہیں۔

یوم اقبال کی صدارت اکثر و بیشتر ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کے ججوں نے کی یا بیرون ملک کے اکابر اہل علم نے یوم اقبال کی تقاریب کو رونق بخشی۔ کئی شخصیات کو تو علمی و فکری سطح پر متعارف کرانے میں مرکزیہ مجلس اقبال کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ اس سلسلے میں جسٹس ایس اے

کیانی، جسٹس حمود الرحمٰن، جسٹس محبوب مرشد کا نام لیا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ ان کے اپنے فنی دائرے میں ان حضرات کی شخصیات بہت بلند و بالا تھیں۔ لیکن پاکستان میں علمی و فکری سطح پر ان کے نمود و ظہور میں مرکزیہ مجلس اقبال کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ کیانی مرحوم کو تو خاص طور پر اس نے سان پر چڑھایا۔ کیانی جیسا انگریزی اور اردو کا ادیب طناز اور فکری و تہذیبی شخصیت مرکزیہ مجلس اقبال کی دین ہے۔

مجلس نے اقبال کے سلسلے میں چند کتابیں بھی شائع کی ہیں۔ اور اس کے زیر اہتمام یوم اقبال میں پڑھے جانے والے اردو اور انگریزی کے مقالات کے مجموعے مجلس نے خود چھاپ دیئے یا دوسرے ناشرین سے چھپوا دیئے ہیں۔

مرکزیہ مجلس اقبال کے زیر اہتمام یوم اقبال میں اقبالیات کے موضوع پر رسمی قسم کے مقالات ہی نہیں پڑھے گئے، بلکہ ملک اور ملت کے اہم سیاسی، سماجی، تہذیبی اور فکری مسائل پر بھی نہایت پر مغز اور فکر انگیز مقالات پڑھے گئے جس سے قوم میں ایک نیا رجحان اور انداز فکر پیدا ہوا اور ملت کو رہنمائی ملی۔

مجلس کے یوم اقبال شروع ہی سے ایک پر وقار علمی و تہذیبی تقریب کی حیثیت رکھتے تھے لیکن اس کا شاندار دور وہ ہے جب خواجہ عبدالرحیم اس کے صدر رہے اور آغا شورش کاشمیری کو انھوں نے اس کا سکریٹری بنایا۔ خواجہ صاحب کی روایت ہے کہ ''ایک دن مرکزیہ مجلس اقبال کی جماعت عاملہ کے اجلاس میں کہنے لگے چٹان کا ایڈیٹر شورش کاشمیری لیگ میں نہیں۔ اس کی روداد حیات برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد کی تاریخ ہے۔ وہ مولانا ابوالکلام آزاد سے انتہائی عقیدت رکھتا ہے لیکن اس کا مزاج تمام تر اقبالی ہے اور وہ حکیم مشرق کا غایت درجہ فدائی و شیدائی ہے۔ اس کے خطیبانہ اسلوب میں اقبال کی روح بولتی ہے۔ ہمیں چاہیئے اس کو مرکزیہ مجلس اقبال میں شامل کریں اور سکریٹری بنا کر اس سے کام لیں۔''

خواجہ صاحب ہی کی روایت ہے کہ حمید نظامی نے جو شورش کے نہایت قریبی دوست تھے اور مجلس میں شامل تھے۔ اس کی ذمہ داری لی اور شورش صاحب مجلس میں شامل ہو گئے اور سکریٹری بنا دیئے گئے۔

اس دوران میں کئی لوگوں نے مجلس میں رسوخ بڑھانے اور اسے اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کی اور چند یوم اقبال میں مجلس آرائی نے رزم آرائی کی شکل اختیار کرلی۔ لیکن شورش کی خطابت اور شعلہ نفسی کے سامنے کسی کو ٹھہرنے کی مجال نہ ہوئی اور خواجہ صاحب مرحوم کے حسن تدبیر نے تمام معاملات پر قابو پالیا۔

مجلس اقبال۔کراچی | اس کا انگریزی نام اقبال سوسائٹی تھا۔ ۱۹۵۱ء میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے پہلے صدر سردار عبدالرب نشتر اور دوسرے ڈاکٹر چودھری نذیر احمد تھے۔ نائب صدر ڈاکٹر ممتاز حسن، جنرل سکریٹری این ایم خاں اور خزانچی خواجہ عبدالوحید تھے۔ اس کے ممبران میں ایس ایم اکرام، زیڈ اے بخاری، ایس اے واحد، انعام اللہ خاں اور میاں علم الدین تھے۔ اس کے قیام کا مقصد علامہ اقبال کے پیام کو عام کرنے کے لئے ملکی و غیرملکی زبانوں میں اشعار و افکار اقبال کا ترجمہ کرنا، کتابیں لکھوانا، یوم اقبال منانا شامل تھا خصوصاً اسلامی ممالک میں اقبال کے افکار و کلام کا تعارف پیش نظر تھا۔ پیام مشرق کا ترجمہ جو مصر کے سابق سفیر عبدالوہاب عزام نے کیا تھا، اسی مجلس کی جانب سے شائع ہوا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں اس ادارے کو ختم کردیا گیا اور اس کا جو تھوڑا بہت اثاثہ تھا وہ اقبال اکادمی کے حوالے کردیا گیا۔

اقبال اکیڈیمی۔لاہور

اقبال اکیڈیمی لاہور ایک شخصی ادارہ تھا جو علامہ اقبال کے انتقال پر حضرت علامہ مرحوم پر تحقیق اور تصنیف وتالیف اوران کے افکار وتعلیمات کی اشاعت کے لئے معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اس کے بانی سید محمد شاہ تھے۔ حضرت علامہ کی یاد میں یہ پہلا ادارہ تھا جو ان کے ایک معتقد نے صرف اپنے ممدوح کی یاد میں اور سیاسی اغراض ومقاصد سے بے نیاز ہوکر مرحوم کے افکار وتعلیمات کی اہمیت وافادیت کے کامل احساس اور ملت مسلمہ کے ذوق وفکر کی اصلاح اور تعمیر سیرت کی غرض سے قائم کیا گیا تھا۔ سید محمد شاہ لکھتے ہیں:

"علامہ اقبال نے ہندوستان کے مسلمانوں کی جو دینی وملی خدمات شعر وفلسفہ کے ذریعے انجام دی ہیں اس کا اعتراف نہ صرف مسلمانانِ ہند نے کیا ہے بلکہ ہند سے باہر بھی مسلم وغیر مسلم سب نے ان کا لوہا مانا ہے اور اس امر واقعی کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مذہب سے ہٹے ہوئے تہذیبِ مغرب کے دل دادہ اور اپنے آپ کو بھولے ہوئے مسلمانوں کو دوبارہ مذہب کے احاطِ اقتدار میں لانے، تہذیب مغرب سے متنفر کرنے اور اسے خوددار بنانے میں اقبال نے جو کام کیا ہے وہ مسلمانانِ عالم میں سے اور کسی کے حصے میں نہیں آیا۔ اقبال ہندوستان میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے ہمیں یہ پیغام دیا تھا کہ

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اقبال نے ہمیں بتایا کہ تمھاری مخالف طاقتیں تم سے بہت زیادہ زبردست

ہیں اور اگر تم نے اپنے بچاؤ کی کوئی کارگر تدبیر نہ کی تو پھر سمجھ لو کہ تمھاری حیات ملی وسیاسی معرضِ خطر میں ہے۔ بچاؤ کی تدبیر جو علامہ اقبال ہمیں بتاتے ہیں، وہ یہ ہے کہ تم قرآن پاک کے متبع ہو جاؤ، قرآن پاک کی تعلیمات کو سمجھو اور ان پر عمل کرو۔ قرآن کی تعلیمات کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا کر سکتی ہیں۔ پس اگر تم نے متبع قرآن بن کر زندگی گزارنی شروع کر دی تو پھر تمھیں کسی طرف سے کھٹکا باقی نہ رہے گا بلکہ خود تم سے دنیا ہراساں و ترساں رہے گی۔ اقبال نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ مسلمانوں کو یہی بات سمجھانے میں صرف کیا ہے۔ جب تک وہ بقیدِ حیات تھے اپنی شخصیت اور خدمات کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے رہے اور ان کے سست گام قافلے کو "بانگ درا" کے ذریعے تیز گام کرتے رہے۔ مگر ان کے انتقال کے بعد ہم ناکارہ اور احسان فراموش مسلمانوں نے اتنا بھی تو نہیں کیا کہ ان کی کوئی ایسی یادگار قائم کر دیں، جس سے ان کا پیغام موجودہ اور آئندہ نسلوں تک برابر پہنچتا رہے اور ان کی شخصیت اور تعلیمات مسلمانوں کے قلب اور روح کو گرماتی رہیں۔"

یہی اقبال اکیڈمی کے قیام کا پس منظر تھا۔ سید محمد شاہ خود لکھتے ہیں:

"میں نے انہی خیالات کے ماتحت چند دوستوں کے مشورے سے گزشتہ سال (۱۹۳۹ء) میں اقبال اکیڈمی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا اور ارادہ کیا تھا کہ ہندوستان بھر کے مصنفین اور اہلِ علم کو صلائے عام دوں گا کہ وہ اقبال کی تعلیمات کے جس پہلو کو بھی نمایاں حیثیت سے مسلمانوں میں پیش کر سکتے ہیں، اس کے لیے کوشش کریں۔"

اقبال اکیڈمی نے اس مقصد کے لئے تقریباً دس سال مسلسل جدوجہد کی اور اقبال کی تعلیمات و افکار کی اشاعت میں بے نظیر خدمات انجام دیں اور اقبال اور بعض دوسرے اسلامی و علمی اور ملکی و سیاسی اہمیت کے موضوعات پر بہت سی کتابیں شائع کیں۔ ان میں سے

اقبالیات کے ضمن میں یہ کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یادِ اقبال (اقبال کی یاد میں مرثیوں کا مجموعہ) جوہر اقبال (اقبال پر مضامین کا مجموعہ) شرح اسرار خودی (پروفیسر یوسف سلیم چشتی) تعلیمات اقبال (یوسف سلیم چشتی) اقبال پر ایک نظر (سید محمد شاہ) اقبال اور پیام حریت (یوسف سلیم چشتی) اقبال کا تصور زمان و مکان (ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی) موت و حیات اقبال کے کلام میں (رضی الدین صدیقی) اقبال کے چند جواہر ریزے (خواجہ عبدالحمید) اقبال کا تصور خودی (ڈاکٹر سید عابد حسین) روح اقبال (یوسف سلیم چشتی) وغیرہ۔

اقبال کے سلسلے میں اقبال اکیڈیمی کے ترجمان ماہنامہ پیغام حق کا ذکر ضروری ہے اس رسالے کے ایڈیٹر اکیڈیمی کے سکریٹری سید محمد شاہ تھے۔ پیغام حق سے علامہ اقبال کے افکار و عقائد اور پیغام کو مسلمانوں میں پھیلانے کے علاوہ بھی علمی، ادبی، دینی خدمات انجام دیں۔ اس کا پہلا پرچہ جولائی ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کا آخری پرچہ جو میری نظر سے گزرا اگست ۱۹۴۵ء کا ہے۔ اس کے بعد بھی چند سال تک جاری رہا۔ پیغام حق کے کئی خصوصی نمبر بھی شائع ہوئے جو بہت مقبول ہوئے۔ میری نظر سے اس کے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نمبر، علامہ اقبال نمبر اور قرآن نمبر نظر سے گذرے ہیں۔ جن میں علمی و تحقیقی اور نہایت بلند پایہ فکری مضامین شائع ہوئے ہیں۔

محمد اویس گوھر
سائنس - سال دوم

اقبالیات کے دیگر ادارے

بزم اقبال - لاہور

بزم اقبال ۱۹۵۰ء میں قائم ہوئی۔ اس کے قیام کا مقصد حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے فلسفہ و تعلیمات کا تحقیقی مطالعہ اور مرحوم کے افکار و نتائج تحقیق سے ملت اسلامیہ کو روشناس کرانا اور مسلمانوں کی ذہنی و فکری تربیت اور ان کی شخصی و قومی سیرت کی تعمیر میں علامہ مرحوم کے افکار و تعلیمات سے بیش از بیش فائدہ اٹھانا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے کتابوں کی اشاعت علمی مجلے کا اجرا اور کانفرنسوں، سمیناروں وغیرہ کو لازم قرار دیا گیا تھا، بزم اقبال گزشتہ پچیس سال کی مدت میں اس مقصد کے حصول کے لئے برابر کوشاں رہی ہے اور اس سلسلے میں وہ بعض اہم مطبوعات شائع کر کے اپنی منزل اور نصب العین سے قریب ہوئی ہے۔ لیکن اس منزل پر پہنچنے کے لئے وسائل کی کمی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اس کے وسائل مفقود ہونے کی حد تک محدود ہیں۔ اسی لئے اب اس کے مفید اور علمی کاموں کا جاری رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ لیکن اب تک بزم اقبال کی جانب سے جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں وہ نہایت وقیع اور قابل قدر ہیں اور ان کی بنا پر بزم اقبال کا نام تاریخ ادب میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

بزم کی جانب سے اب تک ڈیڑھ درجن کے قریب کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس میں علامہ اقبال کے منشورات، مکتوبات اور مقالات بھی ہیں، ان کے فلسفہ و افکار و شاعری پر تحقیقی اور تنقیدی کتابیں بھی ہیں اور سوانحی و تعارف تصانیف بھی ہیں۔ خلیفہ عبدالحکیم کی مشہور کتابیں اقبال اور ملا، اور فکر اقبال، عبدالمجید سالک کی ذکر اقبال، سید عابد علی عابد کی شعر اقبال، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی علامہ اقبال، محمد فرمان کی اقبال اور تصوف

وغیرہ، اردو کتابیں نیز انگریزی میں بشیر احمد ڈار، میاں محمد طفیل، محمد مظہر الدین صدیقی، قمر الدین وغیرہ کی مطبوعات عالمانہ شان کی اور نہایت فکر انگیز ہیں۔ ایک قابلِ ذکر کتاب ببلیوگرافی آف اقبال ہے جسے عبد الغنی اور نور الٰہی نے مرتب کیا ہے۔ اقبال کے نام سے ۱۹۵۲ء سے ایک سہ ماہی علمی مجلّہ بھی شائع ہوتا ہے۔ بزم کے موجودہ سکریٹری مشہور اہل قلم اور فاضل استاد پروفیسر محمد منور ہیں۔ ان سے پہلے گوہر نوشاہی ایک نوجوان صاحب علم وقلم بزم کے سکریٹری تھے۔

بزم اقبال کوئٹہ ۱۹۴۱ء میں کوئٹہ میں بزم اقبال کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے قیام کا مقصد تو اقبال کے افکار کی اشاعت اور ان کی تعلیمات کا فروغ تھا۔ لیکن اس نے اپنے محدود دائرے سے نکل کر کوئٹہ میں ادبی ذوق ورجحان کے فروغ میں بھی حصہ لیا۔ اس سلسلے میں مشاعروں کا اہتمام کیا، جلسوں کا انعقاد کیا، مختلف موضوعات پر مقابلے کرائے، انعامی مضمون لکھوائے۔ انعامی مضمون نویسی کے مقابلوں میں کوئٹہ کے اہلِ علم نے حصہ لیا۔ ہر سال یوم اقبال منانے کی روایت ڈالی۔ اور علمی وادبی زندگی کے فروغ کے لئے دوسری ادبی انجمنوں سے تعاون بھی کیا۔ انعام الحق کوثر نے مختلف مشاعروں، ادبی جلسوں وغیرہ کی روداد بیان کی ہے۔

۱۹۴۳ء میں ایک مشاعرہ ہوا جس میں شعرا کے کلام کے علاوہ ڈاکٹر شجاع ناموس نے اقبال کے فلسفہ خودی پر تقریر بھی کی۔ اپریل ۱۹۴۴ء میں بشیر احمد ہاشمی نے "بلوچستان تعلیمی لحاظ سے کیوں پس ماندہ ہے اور تعلیم کے فروغ کے کیا ذرائع اختیار کیے جا سکتے ہیں" کے عنوان سے ایک انعامی مضمون نویسی کے مقابلے کا انتظام کیا۔ اس مقابلے میں ۱۸، ۲۰ حضرات نے حصہ لیا۔ اس مقابلے میں دوسرے حضرات کے ساتھ کوئٹہ کے اخبارات استقلال در بولان کے ایڈیٹر صاحبان، وکلا نے، اساتذہ نے بھی حصہ لیا۔ استقلال اور بولان کے ایڈیٹرز محمد حسن نظامی اور محمد حسین عنقا نے ادبی انعام حاصل کیا۔

بزم اقبال ۱۹۴۷ء تک علمی وادبی خدمات انجام دیتی رہی۔ لیکن اس کے بعد ایسے سرگرم کارکن مہیا نہیں ہو سکے جو اسے زندہ رکھتے۔ البتہ ۱۹۵۶ء میں پھر کچھ لوگوں کو

اس کے احیا کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ کوئٹہ کے کمشنر اور ڈائرکٹر محکمہ تعلیم کی سرپرستی میں اس کا احیاء کیا گیا۔ اس کے صدر آغائے افراسیاب لزائی، نائب صدر صادق شاذ اور آغا صادق، جنرل سکریٹری اے۔ ایچ دل شاد، جوائنٹ سکریٹری انعام الحق کوثر، خازن عبدالعزیز ملک اور سکریٹری نشر و اشاعت یعقوب توفیق تھے۔ بزم اقبال نے اپنے دور ثانی میں بھی تین سال تک بہترین خدمات انجام دیں۔ نہایت باقاعدگی کے ساتھ اور شان دار طریقے پر یوم اقبال بھی منائے اور چھوٹے پیمانے پر بھی علمی و ادبی اجتماعات کئے جاتے رہے۔

بزم اقبال کوئٹہ ۱۹۴۷ء میں علامہ اقبال کی تعلیمات و افکار کی اشاعت و مطالعہ کے لئے گورنمنٹ کالج میں بزم اقبال کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے روح رواں ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی تھے۔ عرفانی صاحب پاکستان کے پریس اتاشی اور کلچرل اتاشی ہو کر ایران چلے گئے تو بزم کی ذمہ داری آغا صادق پر آگئی۔ پھر ۱۹۵۸ء اور ۱۹۵۹ء کے دو سالوں میں ایک کمیٹی کے زیر نگرانی بزم کا کام جاری رہا۔ اس کمیٹی میں آغا صادق، سعید احمد رفیق، رشید احمد اور انعام الحق کوثر شامل تھے۔ اس کے بعد سے انعام الحق کوثر اس بزم کو چلا رہے ہیں۔ اس انجمن کے تحت علامہ اقبال کے افکار و تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے جلسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور مختلف انداز سے اور مختلف عنوانات پر مضامین کے مقابلے کرائے جاتے ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں نہایت شان دار طریقے پر یوم اقبال منایا گیا جس میں طلبہ کے علاوہ کالج کے اساتذہ نے بھی مقالے پڑھے۔

حلقۂ ذکر و فکر اقبال ۔ لاہور اس ادارے کی نوعیت اور مقاصد کے بارے میں حلقے کے بانی، ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

"حلقۂ ذکر و فکر اقبال۔ کوئی منظم انجمن یا مجلس نہیں ہے۔ اس کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں کہ حکیم الامت کے افکار اور ان کے حوالے سے اسلامی فکر و حکمت اور ان دونوں کے ضمن میں پاکستان کی سطح پر احیائے علم و فکر کی ایک عام تحریک ایسے طریقے سے اٹھائی جائے کہ اس میں زیادہ سے

زیادہ آزادی ہو اور وہ باتیں رکاوٹ نہ بنیں جو منظم انجمنوں میں اکثر باعث انتشار و اختلاف بن جاتی ہیں۔ اس کے اجلاس نجی محفلوں کی صورت میں مختلف اصحاب کے مکانوں پر ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حلقے کا کوئی دستور اساسی نہیں، نہ اس کے کوئی باضابطہ عہدے دار ہیں ۔"

اس حلقے کے قیام کا اعلان ڈاکٹر صاحب موصوف نے ہفت روزہ چٹان لاہور کی اشاعت ۳ر مارچ ۱۹۷۵ء میں کیا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے ایک سال کے پروگرام کا بھی اعلان کر دیا ہے۔ اس میں ۲ر فروری سے ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۵ء تک اتوار کی ۲۴ محفلوں اور ان کے میزبانوں کے ناموں کا اعلان ہے۔ اس کے سکریٹری ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ہیں۔

بزم اقبال۔گوجرانوالہ اس کی بنیاد قیام پاکستان سے پہلے شرقی چاندپوری اور ان کے رفقا نے ڈالی تھی اور ایک مدت تک یہ بزم انہی کی قیادت میں علم و ادب کی خدمت کرتی رہی۔ لیکن ۱۹۵۲ء کے بعد ایک ایسا دور بھی آیا کہ اس بزم کو اپنے مقاصد قیام کے سلسلے میں جو کچھ کرنا چاہتے تھا نہیں کر سکی۔ البتہ چند سال کے بعد تجدید کے دور میں اس نے اپنا سفر پھر شروع کر دیا۔ اس دور کا آغاز ارکان بزم اقبال اور گوجرانوالہ کے دیگر شعرا کے اس "انتخاب کلام" سے ہوا جو ڈاکٹر وحید قریشی کے تعارف سے اگست ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

اس وقت ڈاکٹر وحید قریشی، بزم اقبال کے سرپرست، نا سخ عرفانی۔ صدر، شرقی چاند پوری، نائب صدر، غضنفر علی غیرت ناظم اور شاکر سہارنپوری ناظم نشر و اشاعت تھے آج کل اس کے سرپرست راسخ عرفانی، صدر اختر فارانی، نائب صدر منظور احمد منظور اور شاکر سہارنپوری، جنرل سکریٹری عنصر علی عنصر اور پریس سکریٹری امین خیال ہیں۔

اس کی مطبوعات میں حسن کلام، پند نامہ عطار منظوم (اردو ترجمہ) خلش خار، رموز حیات وغیرہ تیرہ کتابیں ہیں۔ ان تمام کتب کے مصنف و مرتب راسخ عرفانی ہیں۔

بزمِ اقبال آگرہ یہ بزم پروفیسر محمد طاہر فاروقی نے قائم کی تھی۔ ۱۹۴۲ء میں یوم اقبال کے مقالات کا ایک مجموعہ بھی انھوں نے شائع کیا تھا۔ خواجہ عبدالوحید صاحب نے "اے بیلیوگرافی آف اقبال" میں اس کا حوالہ دیا ہے۔

دیگر ادارے ان اداروں کے علاوہ اور بھی کئی ادارے علامہ اقبال کے نام پر قائم ہیں۔ یہ ادارے یوم اقبال منانے کے علاوہ علمی ادبی اجتماعات بھی منعقد کرتے رہتے ہیں۔ بعض ادارے ترقی اردو کی تحریک کو کامیاب بنانے اور اردو کو سرکاری دفتروں، عدالتوں اور تعلیم گاہوں میں اردو کو رواج دینے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ان میں سے بعض اداروں نے اقبال کے سلسلے میں تصنیف وتالیف اور یوم اقبال کے مقالات کی اشاعت میں بھی قدم آگے بڑھایا ہے۔ اقبالیات کے ان اداروں میں سے بزمِ اقبال، حیدرآباد دکن اور بزم اقبال کراچی کا تذکرہ خواجہ عبدالوحید صاحب نے "اے بیلیوگرافی آف اقبال" میں کیا ہے، اور بزم اقبال حیدرآباد دکن کی جانب سے شائع کردہ ایک کتاب "مرقع اقبال" (۱۹۴۳ء) اور بزم اقبال کراچی کی شائع کردہ کتاب "اقبال اسٹڈیز" مرتبہ محمد ضیاء الاسلام (۱۹۵۰ء) کا حوالہ دیا ہے۔ اقبال اسٹڈیز میں محمد ضیاء الاسلام کے علاوہ ایس۔ اے واحد اور ڈاکٹر رضی الدین صدیقی کے مقالات شامل ہیں۔ اقبال سوسائٹی کے نام سے کراچی کے ایک ادارے کا تذکرہ پروفیسر خاطر غزنوی نے اپنے ایک مضمون (مشمولہ پاکستان میں اردو) میں کیا ہے۔ اقبال اکیڈمی کے نام سے حیدرآباد دکن میں ایک ادارہ قائم ہے جو یوم اقبال منانے کا اہتمام کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل اداروں کا تذکرہ "قومی زبان کانفرنس راولپنڈی" کے ایک کتابچے میں کیا گیا ہے۔ بزم اقبال۔ ملتان (معتمد گلزار علوی) مجلس اقبال سرگودھا (صدر۔ چودھری محمد اکبر چیمہ۔ جنرل سکریٹری۔ میاں نصیر احمد) مجلس اقبال۔ لائل پور (معتمد عمومی۔ غلام حیدر چشتی) مجلس فکر اقبال کے نام سے لائل پور کی ایک اور ادبی انجمن کا ذکر ہفت روزہ المنبر کی ۲۸ اپریل ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں آیا ہے جس کے صدر۔ چودھری حبیب اللہ ہیں۔ اقبال آرٹ کونسل کے نام سے ایک ادبی ثقافتی ادارہ ملتان میں بھی قائم ہے۔

مغفیس حسنین کاظمی
شعبۂ اردو

اقبال اکادمی کراچی

دورِ حاضر میں عالمِ اسلام کے لئے عموماً اور برصغیر کے مسلمانوں کے لئے خصوصاً اقبال کا نام اسلامی فکر کے احیاء کی علامت ہے۔ اب یہ ایک فرد نہیں ایک اندازِ نظر ہے، ایک ادارہ ہے۔ قوم کو اگر اپنی با افتخار نئی زندگی میں کچھ دلچسپی ہے تو اقبال کے نام پر اداروں کا قائم ہونا ایک امرِ لازم تھا۔ اقبال کا ذکر دراصل ہماری خود اپنی بازیافت کی کوشش ہے۔

پاکستان کے تقریباً تمام علمی اور ادبی اداروں اور انجمن نے اقبال کے افکار کے کسی نہ کسی پہلو پر کوئی نہ کوئی کام کیا ہے۔ لیکن دو ادارے اقبال کے نام پر صرف اقبال کے افکار کی ترویج اور اشعار کی تشریح و تفسیر کے لئے قائم ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک بزمِ اقبال ہے جو ۱۹۵۰ء میں غیر سرکاری طور پر لاہور میں قائم ہوئی۔ اور دوسرا اقبال اکادمی ہے جو نیم سرکاری حیثیت سے ۱۹۵۱ء میں کراچی میں قائم ہوا۔

اقبال اکادمی مرکزی حکومت کے ایک ایکٹ کے ماتحت ۱۹۵۱ء میں قائم ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے اس کی ترتیب، تنظیم اور تشکیل میں کچھ تبدیلیاں لائی گئیں۔ موجودہ اکادمی ۱۹۶۲ء کے حکم نامے کے ماتحت ہی قائم ہے۔

صدر مملکت اسلامیہ پاکستان اکادمی کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ مرکزی وزیر تعلیم اکیڈمی کے صدر ہیں۔ نائب صدر اور خازن کا تقرر مرکزی حکومت کی جانب سے تین سال کے لئے ہوتا ہے۔ اکادمی کا تنظیمی سربراہ ڈائرکٹر ہوتا ہے۔ اس کا تقرر اکادمی کی گورننگ باڈی کی جانب سے خاص مدت اور شرائط پر ہوتا ہے۔ اکادمی کے ڈائرکٹر صاحبان تقریباً سب کے سب صاحبانِ علم و فضل اور اقبال کی تعلیمات سے خصوصی شغف رکھنے والے ہوئے ہیں۔

اکادمی کے سب سے پہلے ڈائرکٹر ڈاکٹر رفیع الدین تھے۔ ان کی شخصیت اقبال فہمی اور قرآن

فہمی میں ارباب فکر و نظر کے لئے جانی پہچانی ہے۔ دوسرے ڈائرکٹر جناب بشیر احمد ڈار تھے ڈار صاحب بھی نمائش پسند نہیں۔ لیکن جاننے والے اسلام علوم اور اقبال پر ان کی گہری نگ سے واقف ہیں۔ ڈار صاحب کے بعد ڈاکٹر عبدالرب اس عہدے پر فائز ہوئے وہ بھی ایک معروف علمی شخصیت ہیں۔ اکادمی کے موجودہ ڈائرکٹر ڈاکٹر معزالدین ہیں۔ موصوف صاحب فکر بھی ہیں اور صاحب ذوق بھی۔

ڈاکٹر معزالدین صاحب نے اکادمی کی کارگزاری اور منصوبوں کے تعارف میں ایک مختصر کتابچہ شائع کیا ہے۔ جس میں اکادمی کے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔

اکادمی کے اغراض و مقاصد کے متعلق جو امور قابلِ توجہ ہیں ان کا ایک اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔

۱۔ علامہ اقبال کی شاعری اور ان کے پیغامات ملک کے گوشے گوشے میں پھیلائے جائیں۔
۲۔ تحقیقی کام کے لئے وظیفے دے کر ریسرچ اسکالر مقرر کئے جائیں۔
۳۔ اقبال کی شاعری اور افکار کے مختلف پہلوؤں کو کتابوں، رسالوں اور پمفلٹ کے ذریعہ عام کیا جائے۔
۴۔ علامہ اقبال کے متعلق گراں قدر تخلیقی کارناموں پر اہلِ قلم اور مصنفوں کو انعامات اور عطیات دیئے جائیں۔
۵۔ اکادمی کی جانب سے علامہ اقبال پر معیاری کتابوں کے مصنفین کو معقول معاوضے دیئے جائیں اور ان کی کتابیں شائع کرائی جائیں۔
۶۔ لکچروں، مباحثوں، گفتگوؤں اور دارالمطالعے کے علاوہ کانفرنسوں کے ذریعے ان مقاصد کو پورا کیا جائے۔
۷۔ اندرون و بیرون ملک علمی اور ثقافتی کانفرنسوں میں اکادمی کے نمائندے شریک ہو کر علامہ کے پیغامات کو فروغ دینے اور عام کرنے کی کوشش کریں۔
۸۔ اقبالیات پر کام کرنے والے اور اقبال کے پیغام کی توسیع کرنے والے ادیبوں کو اعزازی ممبرشپ کا مستحق قرار دیا جائے۔

۹۔ ایسے اداروں کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ جو علامہ کے کام کو عام کرنے میں قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہوں۔

۱۰۔ ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے ہمارے اغراض و مقاصد کی تکمیل ہو اور انھیں تقویت پہنچے۔

ان مقاصد کے پیشِ نظر ہماری کارگذاری کا ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اکادمی نے اب تک کیا کیا ہے۔

اکادمی کی مطبوعات میں کتابوں اور پمفلٹ کے علاوہ اس کے سہ ماہی جریدہ اقبال ریویو کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ اقبال ریویو گذشتہ پندرہ سال سے مسلسل نکل رہا ہے اس کے سال میں چار شمارے نکلتے ہیں، جنوری اور جولائی کا شمارہ اردو میں اور اپریل اور اکتوبر کا شمارہ انگریزی میں نکلتا ہے۔ اس میں نہایت اعلیٰ پایہ کے تحقیقی مقالات شائع ہوتے ہیں۔ یہ رسالہ دراصل علامہ اقبال کی زندگی، شاعری اور فکر پر علمی اور تحقیقی نوعیت کے مضامین کے لئے وقف ہے۔ اس میں علوم و فنون کے ان تمام شعبہ جات کے متعلق تحقیقی اور تنقیدی مقالے شائع ہوتے ہیں جن سے علامہ اقبال کو دلچسپی تھی مثلاً اسلامیات، مذہب کا تقابلی مطالعہ، فلسفہ، تصوف، تاریخ، عمرانیات، ادب، فن اور زبان و آثاریات وغیرہ۔ اس میں پاکستان اور مقامی لکھنے والوں کے علاوہ بیرونی ممالک کے ممتاز مستشرقین کے اعلیٰ مضامین بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔

اقبال اکادمی سے اب تک مختلف زبانوں میں چھوٹی بڑی مطبوعات کی تعداد ۶۷ تک پہنچتی ہے۔

اردو ۲۳۔ عربی ۲۔ سندھی ۵۔ جرمنی ۱۔ انگریزی ۱۰۔ کشمیری ۱۔
فارسی ۴۔ بنگالی ۷۔ ترکی ۳۔ پشتو ۹۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں زیر طبع ہیں۔

اقبال، شخصیت اور شاعری (از رشید احمد صدیقی) منظوم اردو ترجمہ جاوید نامہ (از رفیق خاور) منظوم اردو ترجمہ رموز بے خودی (از کوکب شادانی) پس چہ باید کرد۔

سندھی ترجمہ (اعجاز الحق قدوسی) سلسلۂ درسیات اقبال تیسری کتاب (عبدالرشید فاضل)

دنیا کی مختلف زبانوں میں علامہ اقبال کی تصانیف کے ترجمے ہو چکے ہیں اور ملک کی مختلف علاقائی زبانوں میں بھی ترجمے ہوئے ہیں۔ تاکہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں رہنے والوں کی قومی زبان اردو کے علاوہ ان کی اپنی زبانوں میں بھی اقبال کے پیغامات مل سکیں۔ اور وہ ان کے کلام کے قومی مزاج اور اسلامی فکر و عمل کی روح تک پہنچ سکیں۔

اکادمی کی طرف سے بہت سی علمی تصنیفات شائع ہو کر علمی حلقوں میں مشہور ہو چکی ہیں۔ حال میں اکادمی کی طرف سے گلمپس آف اقبال (انگریزی) فصل المقال اور درسیات اقبال کے سلسلے میں پہلی اور دوسری کتاب شائع ہو چکی ہیں۔ اول الذکر کتاب اکادمی کے نائب صدر جناب ایس اے واحد کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ کتاب کے بیشتر مضامین اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے تھے۔ یہ تمام مضامین علامہ مرحوم کے فکر و فلسفہ اور تعلیمات کے مباحث پر مشتمل ہیں۔ نئی نسل کی ذہنی تربیت اور سیرت کی تعمیر کے لئے اس قسم کے مضامین کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ اس قسم کے مضامین کتابچوں کی شکل میں شائع کئے جائیں۔ تاکہ کم قیمت ہونے کی وجہ سے ان کا دائرہ اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو۔ شریعت اور حکمت کے مباحث میں علامہ ابن رشد کا رسالہ فصل المقال محتاج تعارف نہیں۔ اگرچہ فلسفہ کی دنیا آج کہیں سے کہیں پہنچ چکی ہے۔ لیکن یہ رسالہ آج بھی مطالعے کی افادیت رکھتا ہے۔ عبید اللہ قدسی نے رواں اردو میں اس کا ترجمہ کر دیا ہے۔ پہلے یہ اقبال ریویو میں شائع ہوا تھا اب اسے کتاب کی شکل دے دی گئی ہے۔ ان دونوں کتابوں کی اشاعت اکادمی کی خدمات میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی' درسیات اقبال کی پہلی اور دوسری کتاب پروفیسر سید عبدالرشید فاضل نے مرتب کی ہے۔ یہ ایک مفید کام ہے اور فاضل صاحب نے نہایت قابلیت کے ساتھ اس لئے مرتب کیا ہے کہ بچوں اور نئی نسل میں اقبال کے مطالعے کا ذوق پیدا کیا جائے۔

اقبال اکادمی نے اب تک علامہ اقبال کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے متعدد خطوط اور خاصی تعداد میں ان کی ایسی نظمیں جو ان کی تحریر میں ہیں حاصل کر لی ہیں۔ اور ان کی نثری تحریروں

کے نمونے بھی جمع کیے گئے ہیں۔ ان میں قرآن حکیم کے مطالعے کے سلسلے میں علامہ اقبال نے اپنی سہولت کے لیے جو خاکہ تیار کیا تھا وہ شامل ہے۔ خطوط کا ایک بڑا حصہ اکادمی کی مطبوعات کے ساتھ شائع ہو گیا ہے۔ مثلاً مکتوبات اقبال مرتبہ سید نذیر نیازی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی مرتبہ عبداللہ قریشی، انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار۔ ان کے علاوہ اکادمی میں علامہ کی چند نادر تصاویر بھی ہیں اور اکادمی کا یہ پروگرام ہے کہ انھیں ایک البم کی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ اور علامہ اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط اور نادر تحریروں کو جمع کرنے کا کام بھی جاری ہے مسلسل کوششوں کے بعد حال ہی میں ایک پاکستانی اسکالر کی مدد اور پاکستانی سفارت خانہ لندن کی وساطت سے پروفیسر آرنلڈ کے چند خطوط اور مسز آرنلڈ کی ڈائری حاصل کی گئی ہے۔ جو انھوں نے علی گڑھ میں ۱۸۹۵-۹۴ء کے درمیان تحریر کی تھی۔

اقبال اکادمی نے علامہ کی تحریر کا وہ چربہ بھی حاصل کر لیا ہے جو مسلم منگلور لائبریری انڈیا کی مہمانوں کی رائے لکھنے والی کتاب میں ۱۹۲۹ء میں علامہ نے رقم کی تھی۔

اکادمی نے چند ایسی کتابیں بھی حاصل کر لی ہیں جو علامہ اقبال کو اپنے مطالعے کے درمیان بڑی مشکل سے ملی تھیں۔ مثلاً اتقان العرفان فی ماہیۃ الزمان مصنفہ مولانا سید برکات احمد، اس کا ترجمہ (اردو) محمود احمد برکاتی صاحب نے کیا ہے اور اکادمی نے اسے شائع کر دیا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی نشان دہی پر علامہ اقبال نے ان کے خاندان سے حاصل کیا تھا۔ دوسری اہم کتاب آئین القضاۃ رسالہ زمان و مکاں ہے۔

علاوہ ازیں ان جرائد و رسائل کو بھی اکادمی نے جمع کر لیا ہے۔ جن میں عام طور سے علامہ کی نظمیں اور مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ مثلاً مخزن، زمانہ، الناظر، پیسہ اخبار، وکیل، وطن، پنجاب ریویو وغیرہ۔ اور ان میں برابر اضافہ ہی ہو رہا ہے۔

اقبال اکادمی لائبریری ایک خاص قسم کی لائبریری ہے جس میں تقریباً دس ہزار چیدہ اور معیاری کتابیں موجود ہیں۔ علامہ اقبال کے فن و فلسفہ پر مطبوعہ کتابوں کا ایک الگ حصہ ہے۔ جن میں تقریباً وہ تمام تصانیف موجود ہیں، جو علامہ اقبال کے سوانح، ان کے افکار اور ان کی شاعری سے متعلق مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ ان موضوعات پر بھی کتابیں موجود ہیں جن سے

، علامہ کی دلچسپی تھی مثلاً فلسفہ، تاریخ، تصوف، عمرانیات، زبان وادب اور فنونِ لطیفہ وغیرہ۔

تقریباً ہر سال ۲۱ر اپریل کو "یوم اقبال" منایا جاتا رہا ہے۔ اس موقع پر ملکی اور غیر ملکی ممتاز دانشور اپنے مقالے پیش کرتے ہیں۔ بیرونِ ملک پاکستانی سفارت خانے اور مختلف یونیورسٹیاں اور علمی ادارے جو یومِ اقبال کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان سے مضامین حاصل کرکے "اقبال کی یاد میں" کی شکل میں وہ مضامین علیحدہ شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان درس گاہوں کو حسبِ ضرورت علامہ اقبال کے متعلق مواد، مضامین، مطبوعات کی شکل میں برابر پیش کیے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مختلف ملکوں میں، بالخصوص امریکہ، یورپ، روس اور جاپان وغیرہ میں علامہ اقبال سے دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ اس طرح علامہ اقبال کی شاعری اور ان کے فلسفہ، فکر اور پیغام کو عام کرنے میں اقبال اکادمی ہمہ وقت مصروف ہے۔ دنیا کی ہر مشہور زبان میں کچھ نہ کچھ ترجمے کی شکل میں علامہ اقبال کا کلام منتقل ہو رہا ہے اور آئے دن ان کے کلام اور فلسفے سے دلچسپی بڑھتی جاتی ہے۔ یورپ اور امریکہ کے علاوہ جاپان اور روس میں بھی کام شروع ہوا ہے۔ اور چین میں بھی دلچسپی لی جا رہی ہے۔

حکومت نے علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش کے تعین کے سلسلے میں جو اعلیٰ سطحی کمیٹی بنائی تھی اس نے گزشتہ سال ان کی تاریخ ولادت کا تعین کر دیا ہے۔ اس کمیٹی کی سفارش کے مطابق اقبال کی تاریخ پیدائش ۹ر نومبر ۱۸۷۷ء قرار پائی ہے اور اب یومِ اقبال کی تقریب ہر سال ۹ر نومبر کو منعقد ہوگی اور اس پروگرام کے تحت اقبال اکادمی نے پہلی مرتبہ ۹ر نومبر ۱۹۷۴ء کو یوم پیدائش کی تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ حکومت پاکستان کی مقرر کردہ کمیٹی کے اس فیصلے کے بعد ہر سال "یوم اقبال" ۹ر نومبر کو اور یوم وفات ۲۱ر اپریل کو منایا جائے گا۔ اور ۱۹۷۷ء میں صد سالہ جشن ولادت منایا جائے گا۔

وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی مقرر کر دی ہے جس کے وہ خود سربراہ ہیں اور مختلف ذیلی کمیٹیوں کو مختلف نوعیت کے کام سپرد کیے گئے ہیں۔ اور مرکزی وزارت تعلیم نے مرکزی وزیر تعلیم جناب عبدالحفیظ پیرزادہ کی رہنمائی میں تیاری شروع کر دی ہے۔ عنقریب اقبال اکادمی انشاء اللہ [illegible]

تقریبات کا مرکز لاہور ہوگا۔ جہاں حکیم الامت علامہ اقبال آسودۂ خاک ہیں۔

اکادمی کی کوشش ہے کہ علامہ اقبال اور ان کے فکر و فلسفہ سے نئی نسل کو پوری طرح واقف کرائیں تاکہ انھیں علامہ اقبال سے وہ جذباتی تعلق پیدا ہو جو کسی قوم کے افراد کو اپنے ایک عظیم رہنما اور شخصیت سے ہونا چاہیے۔ علامہ اقبال کی ذات ہمارے لئے ایک تہذیبی علامت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر ہم نے بے توجہی برتی تو اس کا خمیازہ ہمیں کو بھگتنا پڑے گا۔

اکادمی کے کارناموں اور کارگزاریوں کی خاصی طویل فہرست ہے۔ اکادمی کے علاوہ ارباب حل و عقد اس پر کسی نہ کسی حد تک واقعی مطمئن ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان تمام کوششوں کا زیادہ سے زیادہ جو نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اقبال کے ذکر کا تسلسل برقرار رکھا جائے۔ اکادمی کہنے کو نیم سرکاری لیکن عملاً سرکاری ادارہ بن گئی ہے اور اس کے فکر و عمل کا دائرہ اس لحاظ سے محدود ہو گیا ہے۔ اصل ضرورت یہ ہے کہ اقبال کے اندازِ فکر و نظر کو نئی نسل تک خصوصاً اور ملک میں ہر حرف شناس تک عموماً پہنچایا جائے۔ یہ مقصد اعلیٰ ہوٹلوں میں اعلیٰ پیمانے پر سال میں ایک دو جلسے کر لینے سے حاصل نہیں ہو سکتا محض ان جلسوں کی خاطر ان ہوٹلوں میں جب اقبال کا یہ شعر آویزاں نظر آتا ہے کہ ؎

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

تو وہاں کے ماحول میں یہ شعر "نعمت غریب" بنا نظر آتا ہے۔ وہاں کی پوری فضا اس شعر کے مفہوم کی کھلی تردید اور تکذیب کرتی ہے اور وہی فضا ہمارے پورے ملک پر طاری ہے۔ اس پس منظر میں یہ شعر کوئی تاثیر پیدا نہیں کرتا۔ ایسے اجتماعات میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا مقصد عموماً انفرادی مقصد ہی ہوتا ہے۔ اجتماعی فلاح نہیں۔ انسانی بیماریوں میں منافقت سب سے مہلک ہے۔ جب الفاظ مفہوم سے محروم ہو کر بے آبرو ہو جائیں تو آپ جو چاہے کہتے رہیئے اور جتنی دیر چاہے کہتے رہئے۔ اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں جن طبقوں نے "اقبال پسندی" اختیار کی ہے اُن کے وجود کے لیے اقبال کا کلام زہر ہے۔ ظاہر ہے ان طبقوں کا مقصود یہ کوشش نہیں ان کا اصل مقصد اقبال کے کلام کو بے تاثیر بنا دینا ہے اور ... [illegible]

کوشش میں اپنی توقعات کے مطابق کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ تو اقبال کے افکار کو "خانقاہی ذہنیت" کا اسیر بناتے رہیں گے۔ کسی میں اگر ہمت ہے تو میدان میں اترے اور اقبال کی فکر و نظر کو ان "منافقوں" کی گرفت سے رہائی دلائے۔

اقبال کی سب سے اہم آرزو یہ تھی کہ

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے

مرا عشق میری نظر بخش دے

وہ متاعِ فکر جس نے اقبال کو "فقیری میں امیر" بنا رکھا تھا وہ اسی متاع کو اپنے قافلے میں "لٹا کر اسے ٹھکانے لگاتے" کے آرزومند تھے۔ اسی متاع بے بہا نے ڈوتین نسل قبل قوم کو دولتِ خودشناسی سے مالا مال کر دیا تھا۔ یہ ملک، یہ آزادیاں، یہ بے پناہ دولتیں، یہ مواقع اور یہ حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا میدانِ فکر و عمل، یہ سب اسی اندازِ نظر کے کرشمے ہیں۔ اور انسان کی اصل دولت یہی خود اعتمادی یعنی "خودشکنی، خودنگری اور خودگری" ہے۔ اس سے وہ موت پر بھی فتح یاب ہوتا ہے سے

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں

تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

اور ہم اسی "من کی دولت" سے محروم نظر آتے ہیں۔ حق و باطل کی آویزش ہر دور میں جاری رہتی ہے۔ صرف نام بدلتے ہیں، اصطلاحات بدلتی ہیں۔ حقائق اور مقاصد نہیں بدلتے۔ اقبال کا کلام ان ہی حقائق و مقاصد سے ہمیں آشنا کرتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اہلِ علم و فکر اور اس سے زیادہ "اہلِ دل" اقبال کی قومی اہمیت کا بھرپور اندازہ کریں۔ سیالکوٹ میں پیدا ہو کر لاہور کی شاہی مسجد کے دامن میں آسودہ خاک ہونے والا شخص اپنی فکر اور اس کی تائید اور تعمیری امکانات کی بنا پر علاقائی، نسلی اور قبائلی حدبندیوں سے بلند ہے۔ اس کی خالص انسانی سطح ہے۔ اس کے کلام کی ترویج کے لئے

- تعلیمی اداروں میں چھوٹے چھوٹے مرکزوں اور دائروں کے قیام کی ضرورت ہے
- بڑے شہروں کے مختلف علاقوں میں دارالمطالعے قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

- ایسے مرکزوں کی ضرورت ہے جہاں پندرہ روزہ یا ماہانہ اجتماعات ہوں اور موضوع گفتگو اقبال اور ان کے افکار ہو
- چھوٹی چھوٹی سستی کتابوں کی ضرورت ہے جو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکیں
- علاقائی زبانوں میں زیادہ سے زیادہ ترجموں کی ضرورت ہے۔
- اقبال کی یاد میں عالیشان ہوٹلوں کے بجائے تعلیمی اداروں میں جلسے منعقد کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ اور ایسی ہی اور بہت سی مفید اور قابلِ عمل تجاویز اقبال اکادمی کے زیرِ غور آسکتی ہیں اکادمی کے صدر دفتر کو ایک شہر سے دوسرے شہر تبدیل کرنے سے اقبال کی فکر کی ترویج میں کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ اقبال کی فکر کو مقید کرنے کی نہیں اسے وسعت دینے کی اُسے آزاد کرنے کی ضرورت ہے۔

اقبال کی فکر کا سرچشمۂ قرآن پاک ہے۔ تاریخ انسانی میں اس کی آئیڈیل شخصیت حضور سرور کائنات کی ذات گرامی ہے ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو	آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفےٰ او را بہاست	یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ است

یہ سب سے بڑی نعمت ہے جو کسی بھی صاحب فکرو نظر کو حاصل ہوسکتی ہے۔ اس نور سے انسانیت کی راہ عمل روشن اور منزلیں آسان ہوئی ہیں۔ اصول زندگی یہ ہیں کہ

- ساری انسانیت ایک برادری ہے اور انسان کی عظمت کا معیار بلند کردار ہے
- حریت انسان کی امتیازی صفت ہے لہٰذا انسان پر انسان کی نہیں بلکہ قانون کی حکمرانی ہونی چاہیے۔
- دنیا کے اور کائنات کے وسائل ساری انسانیت کی مشترکہ ملکیت ہیں۔
- عقیدے اور فکر کی آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔

مسلمان کا فرض ہے کہ خود بھی اس پر اجتماعی عمل کرے اور ساری دنیا کو اسی راہ پر چلنے کی ہدایت دے یہی اقبال کا پیغام بھی ہے۔ اور یہ کام کہ پیام اقبال عام کیا جائے سرکاری طور پر تو اقبال اکادمی

غالب اکیڈمی۔ دہلی

غالب اردو کا وہ عظیم فن کار شاعر ہے جس کی انفرادیت اور عظمت کو تمام دنیا تسلیم کرتی ہے۔ ایک عرصہ سے غالب کے قدر دانوں اور مداحوں کے پیشِ نظر یہ مسئلہ تھا کہ غالب کے مزار واقع بستی نظام الدین، دہلی میں ان کے شایانِ شان ایک یادگار تعمیر کی جائے۔ ۲۲ر فروری ۱۹۶۹ء کو غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر وہ وقت بھی آیا کہ جب اسی خواہش کو عملی جامہ پہنا دیا گیا۔

غالب کی یادگار کے قیام کا سوال تقریباً نصف صدی سے مختلف صورتوں میں سامنے آتا رہا۔ ہندوستان کے مشہور شاعر و مصنف پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کی ذاتی دلچسپی اور کوششوں سے جنوری ۱۹۳۵ء میں "انجمن یادگارِ غالب" کا قیام عمل میں آیا جس کے صدر کیفی، نائب صدر خواجہ حسن نظامی اور لالہ دیش بندھو، مالک اخبار "تیج" خزانچی حکیم حاجی عبدالحمید مالک ہمدرد دواخانہ، دہلی اور نائب معتمد پروفیسر آغا محمد اشرف اور مولانا عشرت رحمانی، ایڈیٹر "نیرنگستان" مقرر ہوئے۔ مجلسِ انتظامیہ کے ارکان میں آصف علی صاحب، ایم۔ ایل۔ اے پنڈت امرناتھ ساحر، ڈاکٹر سعید احمد بریلوی، پنڈت آر۔ این مکھر اور ملا واحدی صاحب تھے۔ اس انجمن نے چندہ کی وصولیابی بھی شروع کر دی تھی۔ لیکن افسوس کہ انجمن سوائے دو قطعات اراضی کے حصول کے اور کوئی کام نہ کر سکی۔

۱۹۶۸ء میں جب غالب کی صد سالہ برسی منانے کا اعلان ہوا تو "انجمن یادگارِ غالب" کے خازن حکیم حاجی عبدالحمید صاحب نے سوسائٹی کی تشکیل نو کے خیال سے ۱۴ر اگست ۱۹۶۸ء کو ایک جلسہ کیا جس میں تقریباً بیس اہلِ قلم حضرات نے شرکت کی۔ اور غالب اکیڈمی کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ اس جلسہ میں مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد بیان کئے، جنھیں غالب

اکیڈیمی کے دستور العمل میں شامل کرلیا گیا۔

- مرزا غالب کی یادگار کو ہندوستان اور ہندوستان کے باہر قائم و دائم رکھنا۔
- غالب اور غالب کے عہد پر تحقیق۔
- غالب کے مطالعہ کے لئے مشرقی زبانوں کی تعلیم کا اہتمام۔
- ہم علاقہ سوسائیٹیوں، تنظیموں اور اداروں کے ساتھ اشتراک عمل۔

ان مقاصد کی تکمیل کے لئے یہ طے کیا گیا کہ ایک ایسا کتب خانہ قائم کیا جائے جہاں تحقیق کی سہولتیں مہیا ہوں، ایک غالب میوزیم قائم کیا جائے، غالب اور غالب کے عہد سے متعلق مآخذی مواد فراہم کیا جائے اور اس کے تحفظ کا انتظام کیا جائے۔ غالب کی زندگی اور تصانیف سے متعلق لٹریچر جہاں سے بھی دستیاب ہو مہیا کیا جائے۔ غالب کی مملوکہ کتب اور دیگر اشیا جو ان کی ملکیت رہی ہوں، جمع کی جائیں، غالب کے مطالعہ کے لئے مشرقی زبانوں کے اسکول قائم کئے جائیں، غالب اور ان کے عہد سے متعلق کتابیں، مونو گرام، تحقیقی مقالات اور کتابچوں کی اشاعت، مخطوطات کی تہذیب و تدوین اور رسائل کے اجراء کا بندوبست کیا جائے۔ اس کے علاوہ اسٹڈی کورسوں، کانفرنسوں، سمپوزیم، سمینار، لکچروں، تقریروں، تحقیقی کاموں، مشاعروں، نمائشوں، ڈراموں اور دستاویزی، فلموں کا بندوبست کیا جائے۔

اس فیصلے کے بعد ایک کمیٹی نے جو حکیم حاجی عبدالحمید، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، سید اوصاف علی اور تعظیم الدین صدیقی پر مشتمل تھی، اکیڈیمی کا ایک دستور مرتب کیا اور ایک گورننگ کونسل تشکیل دی گئی جس کے صدر حکیم حاجی عبدالحمید صاحب اور ممبران، کرنل بشیر حسین زیدی، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، قاضی عبدالودود، مالک رام کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی اور پرتھوی چند تھے۔ بعد ازاں غالب اکیڈیمی کا رجسٹریشن عمل میں آیا۔ رجسٹریشن کے بعد عطیات کا سلسلہ زور و شور سے جاری ہوا۔ نقشہ کی منظوری کے بعد اکیڈیمی کی عمارت کی تعمیر نومبر ۱۹۶۸ء میں شروع ہوئی۔ تین ماہ

کے عرصہ میں ایک چارمنزلہ عمارت، آرٹ گیلری، آڈیٹوریم، ریسرچ لائبریری اور میوزیم پر مشتمل بن کر تیار ہوگئی اور اسی قلیل مدت میں آڈیٹوریم اور میوزیم کا ساز وسامان، لائبریری کے لئے کتابوں کی فراہمی کا کام بھی مکمل ہوگیا۔ ۲۲ر فروری ۱۹۶۹ء کو اس عمارت کا افتتاح اس وقت کے صدر جمہوریہ ہند، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم کے ہاتھوں ہوا۔ اکیڈمی کا دفتر جو پہلے ہمدرد بلڈنگ، لال کنواں، دہلی میں تھا اب اس عمارت میں منتقل ہوگیا۔ اکیڈمی کے صدر، حکیم حاجی عبدالحمید، سکریٹری عتیق صدیقی (اکتوبر ۱۹۶۸ء تا جولائی ۱۹۶۹ء) یکم اگست ۱۹۶۹ء سے جز وقتی آنریری سکریٹری سید ذہین حسن نقوی مقرر ہوئے جن کو یکم ستمبر ۱۹۷۵ء سے کل وقتی سکریٹری بنا دیا گیا۔ خازن مولانا قاضی سجاد حسین، پرنسپل مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی مقرر ہوئے۔

اکیڈمی نئی دہلی کے وسط میں بستی نظام الدین میں مرزا غالب کے مزار سے متصل واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۲۰۰۳ مربع گز ہے۔ عمارت نہایت شاندار اور جدید فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ تہ خانے میں ۱۷۰۰ مربع فٹ پر آرٹ گیلری بنائی گئی ہے جو غالب کے اشعار کی بیس پینٹنگز سے مزین ہے۔ آڈیٹوریم کا رقبہ ۱۷۵۰ مربع فٹ ہے۔ اس میں ۲۲۵ نشستوں کا انتظام ہے۔ دوسری منزل پر لائبریری ہے جس میں تقریباً پانچ ہزار کتابیں ہیں۔ یہاں ریسرچ اسکالرز اور طلبا کے لئے ہر ممکن سہولت موجود ہے۔ لائبریری سے ملحق ایک ریڈنگ روم ہے۔ ایک شعبہ کتابوں کی فروخت کے لئے بھی قائم ہے، جہاں اکیڈمی اور دوسرے اداروں کی مطبوعات فروخت ہوتی ہیں۔ تیسری منزل میں میوزیم ہے۔ ہر سال ۲۲ر فروری کو اکیڈمی کا یوم تاسیس اور ۲۷ر دسمبر کو غالب کے یوم ولادت کی تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ہمارے علم میں اکیڈمی کی مندرجہ ذیل سات مطبوعات آئی ہیں۔

غالب اور آہنگ غالب (جناب ڈاکٹر یوسف حسین خاں) نامہ ہائے فارسی غالب (جناب سید اکبر علی ترمذی) نوائے سروش (غالب کے اشعار کے انگریزی ترجموں کا انتخاب) سہل غالب۔ (غالب کے آسان اشعار کا انتخاب دیوناگری رسم خط میں) نقش غالب (پروفیسر اسلوب احمد انصاری) غالب اور ہنرکار (جناب ضیاء الدین احمد شکیب) تلمیحات غالب (جناب محمود نیازی)

اکیڈمی کی یہ تمام مطبوعات علمی و ادبی حلقوں اور غالب شناسوں میں بہت پسند کی گئی ہیں۔

غالبیات کے چند دیگر ادارے

مجلس یادگار غالب لاہور

مجلس یادگار غالب پنجاب یونی ورسٹی کا قیام ڈاکٹر آفتاب احمد خاں جائنٹ سکریٹری وزارت اطلاعات نشریات حکومت پنجاب کی تحریک پر جنوری ۱۹۶۷ء میں عمل میں آیا تھا۔ اس کے صدر اس وقت کے وائس چانسلر پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم معتمد ڈاکٹر آفتاب احمد خاں اور شریک معتمد پروفیسر سید سجاد باقر رضوی مقرر ہوئے۔ کچھ مدت کے بعد جب آفتاب احمد لاہور سے ڈھاکہ چلے گئے تو ان کی جگہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالشکور احسن کو معتمد مقرر کیا گیا۔

مجلس نے غالب کی اردو اور فارسی تصانیف کی اشاعت کے علاوہ غالب پر تعارفی اور حوالے کی کتابوں کا ایک جامع منصوبہ تیار کیا۔ سب سے پہلے غالب کی تمام تصانیف نظم و نثر کی ایک فہرست تیار کی گئی اور ان میں سے ہر تصنیف ایسے شخص کو دی گئی جو غالب اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے کے ساتھ کام کرنے کا سب سے زیادہ اہل تصور کیا گیا۔ یہی اصول غالب پر کام کے سلسلے میں مجلس کے پیش نظر رہا۔

مجلس نے غالب کی تمام تصانیف کے نئے ایڈیشن تیار کروائے۔ ان کے صحیح ترین متون کی تیاری کا اہتمام کیا، ان پر دیباچے اور مقدمے لکھوائے اور مفید حواشی کا اضافہ کروایا۔ اس سلسلے میں درج ذیل تیرہ کتابیں شائع ہوئیں۔ دیوان غالب (حامد علی خاں) خطوط غالب جلد اول و دوم۔ "قصائد و مثنویات فارسی" اور "قطعات، رباعیات، ترکیب بند، ترجیع بند، مخمس" (مولانا غلام رسول مہر مرحوم) غزلیات فارسی، سبد چین، پنج آہنگ اور افادات غالب (سید وزیر الحسن عابدی) مہر نیمروز اور دستنبو (پروفیسر ڈاکٹر عبدالشکور احسن)، درفش کاویانی اور قادر نامہ (پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر) تصانیف غالب کی اس اشاعت کے بارے میں صرف

کہا جا سکتا ہے کہ جن شائقین کے پاس ان کے دوسرے ایڈیشن ہوں وہ بھی ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

غالب کے تعارف کے سلسلے میں "غالب۔ ذاتی تاثرات کے آئینے میں" عبدالشکور احسن اور سجاد باقر رضوی نے مرتب کی ہے۔ یہ کتاب غالب شناسوں کے افکار و تاثرات پر مشتمل ہے۔ "تنقید غالب کے سو سال" کے عنوان سے ایک اور کتاب سید فیاض محمود اور اقبال حسین نے مرتب کی ہے۔ اس میں قدیم و جدید غالب کے تنقید نگاروں کی تحریروں کے اقتباسات ہیں۔ تعارف غالب کے سلسلے کی ایک کتاب انگریزی میں غالب اے کریٹیکل انٹروڈکشن" سید فیاض محمود کے قلم سے ہے۔

یہ کام تو غالب کے متون کی اشاعت اور غالب کے فکر و فن اور شخصیت کے تعارف کے سلسلے میں تھا۔ یہ کام دوسرے اداروں نے بھی کیا ہے۔ غالب پر مجلس کا امتیازی کارنامہ "اشاریہ غالب" کی اشاعت ہے۔ ہندوستان پاکستان سے غالب کے کئی اور اشاریے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن جس جامعیت، وقت نظر اور تحقیق و کاوش سے یہ اشاریہ مرتب کیا گیا ہے کوئی دوسرا اشاریہ اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ یہ غالب پر اشاریہ محض سے بڑھ کر غالب پر کام کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ بھی ہے۔ یہ اشاریہ ملک کے نامور محقق اور اہل قلم ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کے امعان نظر و کمال کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔

مجلس یادگار غالب حیدرآباد

مجلس کا قیام ۱۹۶۹ء میں عمل میں آیا۔ اس کے صدر محمد مسعود احمد قریشی تھے جو اس زمانے میں بلدیہ حیدرآباد کے چیرمین تھے۔ سکریٹری کے عہدے پر علی مظہر رضوی صاحب فائز تھے جو اطلاعات کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر تھے۔ اس مجلس کے زیر اہتمام غالب کی برسی کے سلسلے میں نہایت شاندار طریقے پر ایک تقریب مذاکرہ اور ایک مشاعرے کا اہتمام کیا گیا۔

مجلس مذاکرہ میں ڈاکٹر محمد حسن فاروقی، ڈاکٹر نبی بخش قاضی، سجاد باقر رضوی اور الیاس عشقی نے مقالات پڑھے اور مشاعرے میں حیدرآباد، کراچی اور سندھ کے دوسرے شہروں کے نامور شعرا نے اپنا کلام پیش کیا۔ اس موقع پر مجلس نے ایک کتابچہ غالب نام آورم بھی شائع کیا۔

برسی کی تقریب کے بعد مجلس یادگار ختم ہو گئی۔ لیکن اس کی خاکستر میں ایک ایسی چنگاری دبی ہوئی تھی اور جو تقریباً ایک سال تک دبی رہی۔ لیکن اسے جوں ہی ذرا سی ادبی ہوا سے تحریک ملی، بھڑک کر شعلہ بن گئی اور "مجلس ادب" کا روپ دھار لیا۔ اب آپ اسے "مجلس ادب" ہی کے روپ میں دیکھ سکتے ہیں۔

مجلس غالب پاکستان۔ ملتان

مجلس غالب پاکستان کا قیام ۱۹۶۶ء میں عمل میں آیا۔ اس کے پیش نظر غالب کی صد سالہ برسی جو ۱۹۶۹ء میں ہونے والی تھی، شایان شان منانا اور ہندوستان پاکستان کے ان اداروں اور افراد میں تعاون پیدا کرنا تھا جو غالب پر تحقیق و تصنیف و تالیف میں مصروف تھے۔ اس کے سکریٹری اسید قدرت نقوی تھے۔ ان کے مضامین کا ایک مجموعہ "غالب کون ہے" بھی مجلس کی جانب سے شائع ہوا ہے۔

بزم غالب سندھ حیدرآباد

اس بزم کا تذکرہ قومی زبان کانفرنس۔ راولپنڈی کے مطبوعہ ایک رسالے میں کیا گیا ہے۔ اس کا عنوان ہے "انجمنیں جو اردو کو سرکاری مرتبہ دلوانے کی مہم میں سرگرم کار ہیں"۔ اس سے اس بزم کے دائرہ خدمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ناظم محمد باسط بیگ۔ مقیم میرپور خاص ہیں۔

بزم غالب۔ سکھر

"یہ علمی ادبی ادارہ ۱۹۶۸ء سے پہلے سے قائم ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں کے مقالات کا مجموعہ "تحقیقی جائزے" اسی ادارے کی جانب سے شائع ہوا تھا۔

بزم غالب۔ کراچی

غالب کے نام پر ایک ادبی انجمن لیاقت آباد میں بھی کسی صاحب نے قائم کر رکھی ہے جس کے تحت ادبی جلسوں، مشاعروں وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

انجمن یادگار غالب۔ دہلی

یہ وہی انجمن ہے جو ۱۹۳۵ء میں پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کی کوششوں سے قایم ہوئی تھی۔ جس کے قیام اور خدمت کا تذکرہ "غالب اکیڈمی۔ دہلی" پر مضمون میں آیا ہے۔

پروفیسر انیس زیدی
شعبہ اردو

ادارہ یادگار غالب. کراچی

غالب اکیڈیمی دہلی کے بعد اس وقت ہندوستان پاکستان میں سب سے زیادہ فعال ادارہ یادگار غالب ہے۔ پاکستان میں غالبیات کا سب سے بڑا ادارہ مجلس یادگار غالب جامعہ پنجاب تھی۔ اس نے غالبیات میں نہایت بلند پایہ کارنامہ انجام دیا۔ لیکن اس کا مقابلہ کوئی ادارہ یوں بھی نہیں کر سکتا کہ اس کے وسائل اگر لامحدود نہ تھے تو کم بھی نہ تھے۔ لیکن ابھی آٹھ سال بھی پورے نہیں گزرے ہیں کہ مجلس یادگار غالب ماضی کا ایک افسانہ بن گئی۔ ۱۹۶۹ء میں ۱۷، ۱۸ کتابوں کی اشاعت کے بعد آج اس کے وجود و قیام کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ تقریباً نصف درجن ادارے غالب کے نام پر قائم ہوئے ان کے قیام کے وقت کیسے کیسے عزائم کا اظہار کیا گیا۔ لیکن ان غنچوں کے پھول بننے کی حسرت ہی رہی حسرت کے اس عالم میں غالبیات کا اگر کوئی ادارہ نہ صرف زندہ رہا بلکہ اس نے اپنے وجود کو روز بروز نافع اور سرچشمۂ علم و فکر ثابت کیا ہے تو وہ صرف ادارہ یادگار غالب، کراچی ہے۔

ادارہ یادگار غالب جنوری ۱۹۶۸ء میں قائم ہوا تھا اس کے بانیوں میں پیر حسام الدین راشدی، فیض احمد فیض، سید سبط حسن، ڈاکٹر ممتاز حسن (مرحوم) وغیرہ شامل تھے لیکن جس نے ادارے کے تصور کو ادارے کی شکل دی، اس میں روح پھونکی اور آج تک اس کا روح رواں ہے وہ مرزا ظفر الحسن ہیں۔

یہ ادارہ جن اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے معرض وجود میں آیا تھا وہ یہ ہیں:

غالب کی شعری و نثری تخلیقات کی اشاعت، ان کا دوسری زبانوں میں ترجمہ، غالبیات کی ایک ریسرچ لائبریری کا قیام، غالب پر تحقیق و تصنیف میں ریسرچ اسکالرز کے لئے

سہولتیں پیدا کرنا، غالب کی شخصیت اور فکر و فن پر تحقیق کے ساتھ غالب کے عہد کے سیاسی، ادبی، علمی، تہذیبی حالات کی تحقیق و تصنیف اور تمام نتائج فکر و تحقیق کی اشاعت میں آسانیاں پیدا کرنا۔ ادارے کے مقاصد میں ایک علمی و تحقیقی مجلے کا اجرا بھی شامل تھا۔ ادارے کے مقاصد کا دائرہ صرف غالب اور عہد غالب تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ دوسری ادبی شخصیات اور ان کی تحقیقات و تصنیفات کی جمع و ترتیب و اشاعت اور علمی نوادر کا جمع و تحفظ اور اس سے بڑھ کر ادارے کو ایک علمی مرکز اور ادبی و ثقافتی تحریک بنا دینا بھی اس کے بانیوں کے پیش نظر تھا۔

آج سات سال کے بعد جب ہم ادارے کے مقاصد اور اس کے بانیوں کے عزائم کے آئینے میں اس کی خدمات اور کارگزاریوں پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ان برسوں میں کوئی صبح ایسی طلوع نہیں ہوئی جب مقاصد کے سفر میں نئے عزم کے ساتھ قدم نہ اٹھایا گیا ہو اور کوئی شام ایسی نہیں آئی جس میں سفر مقصد کا ایک حصہ طے نہ کیا گیا ہو۔ میں اعتراف کرلوں گا کہ اس نے اتنا سفر طے نہیں کیا جتنا اسے طے کرلینا چاہئے تھا۔ لیکن میں کہوں گا کہ اس نے اپنی کارکردگی سے ہمیں مایوس نہیں کیا اور کبھی اس کا پائے اقدام ذوق عمل و سعی سے ناآشنا نہیں رہا۔

ادارہ یادگار غالب نے اپنے مقاصد قیام کی ہر دفعہ پر توجہ کی۔ اس کے مقاصد کا کوئی پہلو تشنہ توجہ نہیں رہا۔ غالب کی اور غالب پر کتابوں کی اشاعت کی، ۱۹۶۹ء میں یوم غالب جس اہتمام سے منایا گیا وہ ایک یادگار یوم تھا، علمی، ادبی مجالس کی روایت ڈالی گئی، ایک عظیم الشان لائبریری اس کی کامیابیوں کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ سات سال کے بعد سہی، لیکن ایک علمی مجلے کے اجرا کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگیا۔ ادارہ یادگار غالب ایک ادبی اور ثقافتی مرکز کی حیثیت سے اپنی شہرت کا آپ مالک ہے، علمی، ادبی، تعلیمی اور تہذیبی شخصیات کی یاد میں یا تعارف و اعزاز میں اس کے جلسوں کا اعلان اصحاب ذوق کے لئے ایک کشش رکھتا ہے۔ ادبی و ثقافتی کاموں میں اشتراک و تعاون کے لیے مختلف اداروں کے درمیان ادارہ یادگار غالب درمیانی کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ غالب لائبریری میں اہلِ

علم، شائقین مطالعہ، اور ریسرچ اسکالرز کی آمد اور لائبریری سے استفادے کا اوسط کراچی کی تمام لائبریریوں اور بڑے اداروں کے کتب خانوں سے زیادہ ہے۔

ادارے کی جانب سے غالب کی اور غالب پر چھ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ دو دِ چراغ محفل" ڈاکٹر سید حسام الدین راشدی کی تصنیف ہے جس میں انھوں نے ناطق مکرانی، غادر بردوانی، رسوا بجنوری، شاہ باقر گیاں اور مولانا طرزی کے حالات اور غالب سے ان کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس سے اس زمانے کے حالات، علمی و تہذیبی زندگی اور حیات غالب کے بعض گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی قسم کی کتاب بزم غالب ہے جسے مشہور صحافی عبدالرؤف عروج نے مرتب کیا ہے۔ یہ ان افراد کا تذکرہ ہے جن کے غالب سے کسی قسم کے تعلقات تھے، ان کے شریک بزم و ہم صحبت رہے تھے، جن کے نام غالب کے خطوط میں آئے ہیں۔ پنج آہنگ کے نام سے محمد عمر مہاجر نے غالب کے مجموعہ خطوط پنج آہنگ کے آہنگ پنجم کا ترجمہ کیا ہے اور ماہر غالبیات مسلم ضیائی نے غالب کے منسوخ شدہ دیوان مرتب کرکے ان کے نظرانداز شدہ کلام کو محفوظ کر دیا ہے۔ پروفیسر کرار حسین کے قلم سے "غالب — سب اچھا کہیں جسے" ایک کتاب اردو اور انگریزی میں ہے۔ اس میں غالب کی شخصیت اور فکر و فن کا مختصر اور سادہ زبان میں تعارف کرایا ہے۔ اور غالب نما کے نام سے ابن حسن قیصر نے پاکستانی اخبارات و رسائل (۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۸ء) کا اشاریہ مرتب کیا ہے۔ اس کے باوجود کہ غالب پر مختلف اداروں نے بہت کام کیا ہے جو نوعیت اور مقدار و معیار ہر لحاظ سے نہایت قابلِ قدر ہے، ادارہ یادگار غالب کی مطبوعات بھی نظرانداز نہیں کی جاسکتیں۔ ان کے علاوہ غالب، اردو اور مولوی عبدالحق کے بارے میں بھی چند رسالے شائع ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک ادارے کی سب سے بڑی خدمت "مجلہ غالب" کا اجرا ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس کے صرف دو شمارے نکلے ہیں لیکن امید ہے کہ یہ مجلہ ایک علمی، ادبی اور تہذیبی تحریک پیدا کرے گا اور پاکستان کے اچھے رسائل میں اپنی ایک مستقل جگہ پیدا کرے گا۔ فیض احمد فیض ادارہ یادگار غالب کے صدر، بیگم آمنہ مجید ملک معتمد، اے۔ صباحر خازن، او مرزا ظفر الحسن اس کے معتمد عمومی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انہی کی کوششوں، مہاں کاریوں اور ایثار و ۃ ت دھان نے ادارے کے قیام کے خواب کو حقیقت کا روپ دیا ہے۔

جناح لٹریری اکیڈمی کراچی

جناح لٹریری اکیڈمی کا قیام ۱۹۵۲ء میں کراچی میں عمل میں آیا۔ اس کے قیام کا سہرا منشی ریاض الدین اکبر آبادی کے سر ہے۔ موصوف انجمن اسلامیہ اور متعدد تعلیمی اداروں کے بانی کی حیثیت سے ایک مشہور شخصیت ہیں۔ یہ اکیڈمی شاید برصغیر پاک و ہند میں پہلا علمی ادارہ ہے جو بانیِ پاکستان کی یاد میں علمی خدمات اور تصنیف و تالیف کے مقاصد کی تکمیل کے لئے قائم کیا گیا۔ اور اگرچہ اب کئی ادارے، مثلاً قائد اعظم فاؤنڈیشن کراچی اور مجلس قائد اعظم لاہور بڑے بڑے اعلانات و دعاوی کے ساتھ قائم ہو چکے ہیں۔ لیکن توفیق کار ابھی تک کسی ادارے کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس لئے جناح لٹریری اکیڈمی کا امتیاز صرف اولیت میں نہیں، بلکہ اسے کارکردگی کی سعادت اور عمل و خدمت کا شرف بھی حاصل ہے۔

اکیڈمی کی جانب سے اس وقت تک بارہ تصانیف و تالیفات متعدد اہل علم و اصحاب قلم کی شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے بعض اہلِ قلم اور مصنف اردو کی علمی دنیا میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور بعض کی شہرت ہندوستان پاکستان سے نکل کر یورپ کی علمی و سیاسی دنیا تک پہنچ چکی ہے۔ اور بعض ادب و شعر اور تنقید و تحقیق کی دنیا میں خاص حیثیت کے مالک ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا نام مفتی انتظام اللہ شہابی مرحوم کا آتا ہے اکیڈمی کی جانب سے سب سے زیادہ کتابیں انھیں کی شائع ہوئی ہیں۔ ان کی متعدد علمی و تاریخی تالیفات ندوۃ المصنفین، دہلی، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی اور پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی کی جانب سے شائع ہو چکی ہیں۔ اس لئے علم و ادب و تاریخ کا ذوق رکھنے

والا کوئی شخص ان کے نام اور کام سے ناواقف نہیں ہو سکتا۔ جناح لٹریری اکیڈمی کی جانب سے مرحوم کی جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں سے آخری بزم، مشاہیر اکبر آباد، حیات خان آرزو، مشاہیر اولیائے ہند و پاکستان اور اسلامی نظام تعلیم کا چودہ سو سالہ مرقع میری نظر سے گزری ہیں۔

آخری بزم میں اردو شاعری میں مشاعرے کی روایت اور اس کی تہذیبی و ثقافتی قدروں کا مفصل تذکرہ ہے۔ مشاہیر اکبر آباد جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اکبر آباد کے مشاہیر علما، صوفیہ، حکما وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ حیات خان آرزو کے نام سے میر تقی میر کے ماموں سراج الدین علی خاں آرزو کے سوانح حیات اور ان کے شاعرانہ کمال اور اردو شاعری میں ان کے مقام کے تذکرہ و بحث میں ایک رسالہ ہے۔ مشاہیر اولیائے ہند و پاکستان علامہ ابوالفضل کی مشہور تصنیف اکبر نامہ کے ایک باب کا ترجمہ ہے۔ لیکن ضمیمے میں مرحوم مترجم نے دیگر کتب تاریخ و تذکار سے اور بہت سے اولیائے کرام کے حالات جمع کر دیے ہیں۔ پہلے بزرگ جن کا تذکرہ کیا گیا ہے، بابا رتن ہیں اور آخری شخصیت مولانا یاور حسین کی ہے جن کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہوا۔ مفتی صاحب کی آخری کتاب جو پیش نظر ہے "وہ اسلامی نظام تعلیم کا چودہ سو سالہ مرقع" ہے۔ مفتی صاحب مرحوم کو کتابیں تیار کرنے کا فن آتا تھا اور اس فن میں ان کا کوئی شریک نہ تھا۔ وہ مطالب کی صحت سے زیادہ موضوع کی اہمیت پر توجہ دیتے تھے۔ اور مختلف کتابوں سے اخذ مطالب کے بعد ایک نئی کتاب بنا دیتے۔ یہ خوبی ان کی تمام تصانیف، تالیفات اور تراجم میں ہے۔

جناح لٹریری اکیڈمی کی ایک اہم مطبوعہ رباعیات رعنا ہے۔ رعنا اکبر آبادی اردو کے کہنہ مشق شاعر ہیں۔ انھیں اردو شاعری کی تمام اصناف پر قدرت حاصل ہے۔ لیکن رباعی کے فن کے وہ خاص ماہر ہیں۔ ان کے شاعرانہ کمال کے اعتراف کے لئے یہ کافی ہے کہ شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی نے ان کی کہنہ مشقی اور ان کے کلام میں سلاست اور روانی کے عنصر کی داد دی ہے۔

منشی ریاض الدین احمد نے دو کتابیں انجمن اسلامیہ پاکستان کراچی کی جانب سے

شائع کی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اردو اداروں کے تاریخی، سیاسی، سوانحی اور لسانی سرمائے میں بے مثال اضافہ ہے۔ پہلی کتاب کا تعلق ہماری گزشتہ نصف صدی کی ملی تاریخ اور سیاست سے ہے۔ یہ برصغیر پاک و ہند کے مشہور مدبر چودھری خلیق الزمان مرحوم کی خودنوشت ہے۔ یہ خودنوشت پاک و ہند کی چند بلند پایہ سیاسی سوانح میں سے ہے۔ چودھری صاحب نے یہ کتاب اردو ہی میں لکھی تھی۔ لیکن اشاعت انگریزی ترجمے کی پہلے عمل میں آئی۔ انگریزی ترجمے میں بعض مباحث نکال دیئے گئے تھے۔ بعض مطالب کا خلاصہ کر دیا گیا تھا۔ لیکن اردو میں وہ تمام مباحث و مطالب نہ صرف مفصل آئے ہیں۔ بلکہ چودھری صاحب مرحوم نے اس کے شروع میں ان تمام تبصروں اور تنقیدوں کا مفصل جائزہ بھی لیا جو پاتھ وے ٹو پاکستان پر ہندوستانی اخبارات میں آئی تھیں اس لئے اس کے اردو ایڈیشن "شاہراہ پاکستان" کی اہمیت انگریزی ایڈیشن سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ دوسری کتاب قاموس الفصاحت ہے جو مخمور اکبر آبادی نے مرتب کی ہے۔ ادبی نقاد اور صاحب قلم کی حیثیت سے مخمور صاحب اردو کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ ان کی متعدد تصانیف شائع ہو کر اہل علم میں مقبول ہو چکی ہیں۔ قاموس الفصاحت اردو زبان کی کہاوتوں، محاوروں اور روزمروں کا ایک مجموعہ ہے۔ فاضل مؤلف نے یہ بالکل صحیح فرمایا کہ یہ مختصر تالیف ایک فرد واحد کی تنہا کوشش کی پیداوار ہے اور کسی جہت سے جامع نہیں ہے۔ اردو زبان اس وقت تک بہت وسیع ہو چکی ہے اور کثیر سرمائے کی خزانہ دار ہے۔ اس نظر سے بھی یہ تالیف جامع نہیں کہی جا سکتی۔ لیکن ایسی کوشش ضرور ہے جو مستقبل کی وسیع تر مساعی کا پیش خیمہ کہی جا سکتی ہے۔

قائداعظم پر دو مزید ادارے

قائداعظم فاؤنڈیشن کراچی | قائداعظم کی یاد میں یہ ادارہ اُن کی بہن محترمہ شیریں بائی نے ۱۹۷۳ء میں قائم کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قائداعظم کی مکمل زندگی، تحریکِ آزادی، تحریک پاکستان اور مجاہدینِ تحریکِ پاکستان اور پاکستان کے قیام کے مقاصد پاکستان کے موضوعات پر مختلف ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں لٹریچر تیار کیا جائے تاکہ قائداعظم کے کارناموں کی پوری تاریخ اور اس تاریخ کے تمام جذبات و احساسات ایک نسل سے دوسری نسل تک باقاعدہ منتقل ہوں۔ فاؤنڈیشن کے قیام کے اعلان کے سوا اس کا کوئی علمی و عملی کام سامنے نہیں آیا ہے۔

مجلس قائداعظم۔ لاہور | ستمبر ۱۹۷۴ء میں مجلس قائداعظم کا قیام عمل میں آیا ہے۔ بانیٔ پاکستان کے خطبات، تقاریر، بیانات کی ترتیب، ان پر تصنیف و تالیف اور تحریک پاکستان پر ہمہ جہت تحقیق اور ترتیب تصنیف اور تحقیق کے تمام کاموں کی اردو، علاقائی زبانوں اور دنیا کی مشہور زبانوں میں اشاعت اس مجلس کے قیام کے اغراض و مقاصد میں شامل ہے۔

سید قاسم محمود اس کے کنوینر اور اس کے بانی ارکان میں ملک کی مشہور قومی، علمی، ادبی، تاریخی اور صحافی شخصیات شامل ہیں۔ مجلس کے بانی اسے ایک مستقل اور قومی ادارہ بلکہ تحریک کی شکل دینا چاہتے ہیں۔ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ یہ تحریک صرف لاہور اور پاکستان تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ وہ اسے اسلامی اور دنیا کے تمام ممالک تک وسیع کرنے کے خواہش مند ہیں۔ مجلس کا دستور اساسی شائع کر دیا گیا ہے۔ لیکن ابھی مختلف تنظیمی مراحل سے گزر رہی ہے۔ اپنے بلند مقصد کی جانب گامزن ہے۔ لیکن علمی سفر شروع نہیں کیا ہے۔ ابھی اس کے قیام کو چند ماہ ہوئے ہیں۔ اس مدت میں سیالکوٹ، سرگودھا، لائل پور، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، ملتان کے علاوہ کویت اور برمنگھم میں مجالس کے قیام کے لئے کنوینر مقرر کئے جا چکے ہیں۔

مولانا محمد علی پر علمی و تعلیمی ادارے

محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی۔ کراچی

اللہ بخش یوسفی سرحد کے ایک نامور فرزند تھے۔ ۱۳ر مارچ ۱۹۶۸ء کو انھوں نے کراچی میں انتقال فرمایا۔ وہ دسمبر ۱۹۰۰ء میں پشاور میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں انھوں نے صحافت کے میدان میں اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا اور پوری زندگی تصنیف و تالیف اور صحافت میں گزار دی۔ تیس سے زائد مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ صحافتی خدمات کی بنا پر انھیں بابائے صحافت سرحد کہا جاتا تھا۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک انھوں نے تقریباً تمام ملی تحریکات میں حصہ لیا ان کا شمار خلافت کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔

علی برادران کے خصوصاً مولانا محمد علی کے عاشق تھے۔ محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی ان کے اسی عشق کا نتیجہ ہے۔ ۱۹۴۸ء کے اواخر میں یا ۱۹۴۹ء کے شروع میں وہ پشاور سے کراچی منتقل ہو گئے۔ اسی زمانے میں انھوں نے سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ وہ مولانا محمد علی کی شخصیت کو ملت اسلامیہ کا قابلِ فخر سرمایہ اور ان کی ملی خدمات کو تاریخ کا ایک عظیم الشان کارنامہ خیال کرتے تھے اور مسلمانوں میں اخلاص و عمل کی روح پھونکنے کے لئے ان کی زندگی اور افکار و خدمات کے تعارف و اشاعت کو بہت ضروری خیال کرتے تھے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر انھوں نے محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی قائم کی تھی۔

یوسفی مرحوم نے مولانا محمد علی جوہر پر ایک نہایت مفصل کتاب انگریزی میں تحریر کی جس کا پہلا حصہ مولانا محمد علی کے نام سے ۱۹۷۰ء میں شائع ہو گیا۔ دوسرا حصہ ہنوز تشنۂ طباعت ہے۔ یہ انگریزی میں مولانا مرحوم پر واحد مفصل اور مستند کتاب ہے۔ ایجوکیشنل

سوسائٹی کو اگرچہ مولانا محمد علی کے نام پر قائم کیا گیا۔ لیکن یوسفی مرحوم کے پیش نظر اسے ایک بلند پایہ علمی ادارہ بنانا تھا اس لیے تاریخ و سیاست کے موضوع پر انھوں نے چند اہم کتابیں بھی اس ادارے کی طرف سے شائع کیں۔

اللہ بخش یوسفی نے تقریباً نصف صدی تک ملک کے سیاسی حالات کو بہت قریب سے دیکھا تھا بلکہ وہ خود ان حالات سے گزرے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں اور تاریخ عالم اسلامی کا مطالعہ ان کا بہت وسیع تھا۔ تاریخ و سیاست سے انھیں خاص دلچسپی تھی اور اسی دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے صحافت کا پیشہ اختیار کیا تھا اس لیے ان کی تصانیف کا تعلق تاریخ و سیاست ہی سے ہے۔ ان کی جو تصانیف محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی کی جانب سے شائع ہوئی ہیں ان میں سے الامینؓ، مولانا محمد علی، افغان یا پٹھان، تاریخ ریاست سوات، حقیقت پختونستان اور ڈلیوزنڈ لائن، سیاسیات سرحد، اور یوسف زئی پٹھان نظر سے گزری ہیں۔ الامینؓ محمد مارما ڈیوک پکتھال کے قلم سے ہے، اس کا ایک مضمون یوسفی مرحوم کے قلم سے ہے۔ یوسف زئی پٹھان نہایت مفصل اور تحقیقی کتاب ہے۔ یوسف زئی کی تاریخ پر اردو میں اتنی مفصل کوئی کتاب نہیں ہے۔ دیگر تمام تصانیف اللہ بخش یوسفی مرحوم کے قلم سے ہیں۔ ان کے موضوعات ان کے ناموں سے ظاہر ہیں اور ان کے علمی معیار کے لیے فاضل مصنف کا نام ضمانت ہے۔ یہ تصانیف مرحوم کی زندگی بھر کے مطالعے کا نچوڑ ہیں۔ اور ان موضوعات پر نہ صرف منفرد ہیں، بلکہ بعض تصانیف تو اس موضوع پر تنہا ہیں۔ سوسائٹی کی ایک کتاب جو میری نظر سے گزری ہے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ایک ہیرو عظیم اللہ خاں کی شخصیت اور اس کی معرکہ آرائیوں پر ہے۔ اس کے مصنف سید لطف اللہ ہیں۔

اللہ بخش یوسفی کے صاحبزادے طارق سوسائٹی کے سکرٹری ہیں۔ اپنے والد کی طرح مولانا محمد علی سے انھیں بھی بڑی محبت ہے۔ انھوں نے اپنے والد کے مشن کو نہ صرف زندہ رکھنے بلکہ اسے آگے بڑھانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ اپنے والد کے غیر مطبوعہ مسودات کو رفتہ رفتہ شائع کر دینا چاہتے ہیں۔ اس وقت "مولانا محمد علی" کی دوسری جلد زیر اشاعت ہے۔

محمد علی اکیڈمی۔لاہور ۱۹۶۳ء میں یہ اکیڈمی ۔مولانا محمد علی جوہر کی یاد میں رئیس احمد جعفری ندوی مرحوم نے قائم کی تھی ۔ اس کے سکریٹری ظفر احمد فاروقی ندوی تھے ۔ اس کے ارکان میں بڑے بڑے سرکاری آفیسر اور ملک کے بڑے بڑے تاجر تھے۔ یہ ایک کاروباری ادارہ تھا جو رئیس احمد جعفری مرحوم کے انتقال ۲۷ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کے ساتھ ہی ختم ہوگیا۔اس کے مقصد قیام کے بارے میں رئیس احمد جعفری فرماتے ہیں :

> "میں نے محمد علی اکیڈمی جو مولانا محمد علی کے نام سے منسوب ہے اس لئے قائم کی تھی کہ ایسا مواد جو تاریخ نگاروں کے کام آسکے زیادہ سے زیادہ شائع کردیا جائے "

اس کی غرض بھی انھوں نے یہ بتائی کہ تاریخ اسی وقت لکھی جاسکتی ہے جب کہ تمام ضروری مواد تاریخ نگار کے سامنے ہو۔ چنانچہ یہ ذمہ داری کہ تاریخی مواد کو مختلف مجموعوں میں پیش کردینے کی ذمہ داری محمد علی اکیڈمی کی معرفت رئیس احمد جعفری نے اٹھائی تھی اور تاریخ لکھنے کا کام دوسروں کے لئے چھوڑ دیا۔ جعفری مرحوم نے اس سلسلے میں تاریخی مواد پر مشتمل چند نہایت اہم مجموعے شائع کیے۔ پہلی کتاب "علی برادران" تھی۔ اس کے علاوہ "سیلیکشنز فروم کامریڈ" (انتخاب کامریڈ) زیرڈاکو منٹس (نادر تحریریں) ۔ انگریزی میں اور "اوراق گم گشتہ" اردو میں ہیں ۔ بلاشبہ یہ مطبوعات ایسی ہیں جو تاریخ و سیاست کے ہر طالب علم اور برصغیر پاک و ہند کی تاریخ و سیاست پر کام کرنے والے کے پاس ہونا ضروری ہے ۔

پروفیسر سید امتیاز حسین
پرنسپل

بہادر یار جنگ اکادمی کراچی

نواب بہادر خاں بہادر یار جنگ ایک بلند پایہ خطیب، شاعر، ادیب اور علمی و تہذیبی شخصیت تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ملت کے غم گسار اور اسلام کے شیدائی تھے۔ سید القوم خادمہم کی مثل ان پر صادق آتی تھی انھوں نے ملت کی خدمت گزاری کو اپنا وظیفہ حیات قرار دیا تھا۔ لیکن ملت نے ان کے لئے اپنی آنکھیں فرش راہ کیں، دل میں جگہ دی اور "قائد ملت" کے لقب سے یاد کیا۔ وہ ایک فکری رہنما ہونے کے ساتھ خالص عملی انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم و فکر اور سیرت کے بہترین محاسن و خصائص سے نوازا تھا، اور ان خصائص کی بنا پر وہ ہر جگہ ممتاز تھے اور ہر دائرے میں محبت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے عقیدت مندوں کا دائرہ بہت وسیع ہے وہ ان کی یاد کو اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھتے ہیں۔ کسی شخص کی حقیقی عزت اسی میں ہے کہ اس کی یاد لوگوں کے دلوں میں ہو اس کے لئے کسی مادی یادگار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن عقیدت مند چاہتے ہیں کہ ممدوح کی یاد کو مادی شکل میں بھی قائم کیا جائے اور اپنے عمل سے خارج میں بھی اس محبت کا ثبوت دیا جائے جو دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے۔

چند یادگاریں چنانچہ ان کے عقیدت مندوں اور حیدرآباد دکن سے سابقہ وطنی نسبت رکھنے والے اہلِ ہمت نے مختلف مادی شکلوں میں نواب بہادر یار جنگ مرحوم سے اپنی محبت کا ثبوت دیا ہے۔ چند یادگاریں یہ ہیں۔

- مرحوم کے نام پر کراچی کی ایک سڑک کو جو سولجر بازار سے سنٹرل جیل کراچی تک جاتی ہے۔ بہادر یار جنگ روڈ کا نام دیا گیا ہے۔
- کراچی کی ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کو بہادر آباد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔ یہ

سوسائٹی شہید ملت روڈ کے شمال میں واقع ہے۔

- حیدرآباد کالونی میں ایک اسکول بہادر یار جنگ سیکنڈری اسکول کے نام سے قائم ہے جس کا شمار کراچی کے اچھے اسکولوں میں ہوتا ہے۔
- ایک کلب بھی مرحوم نواب کے نام پر قائم ہے۔ لیکن یہ کلب عام تصور کے برعکس ایک ثقافتی اور تہذیبی ادارہ ہے۔
- قائد ملت اکادمی کے نام سے مرحوم کی یاد میں ایک علمی ادارہ حیدرآباد دکن میں بھی قائم ہے جس کی جانب سے نواب بہادر یار جنگ کا سفرنامہ ۱۹۶۹ء میں شائع کیا گیا ہے۔
- حیدرآباد دکن میں مرحوم کے نام پر اور بھی کئی یادگاریں قائم ہیں۔
- کراچی میں ایک علمی ادبی ادارہ بزم بہادر یار جنگ کے نام سے قائم ہے جس کے صدر محمد عبداللہ مرحوم تھے۔ ۱۲ راگست ۱۹۷۵ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

بہادر یار جنگ اکادمی ان سب سے بڑھ کر اسی کراچی میں "بہادر یار جنگ اکادمی" کے نام سے ایک علمی ادارہ موجود ہے۔ یہ ادارہ ایک وسیع المقاصد ادارہ ہے، یا کہنا چاہئے کہ کئی اداروں مثلاً ادارہ تصنیف و تالیف، کتب خانہ، دارالمطالعہ، میوزیم وغیرہ کا جامع ہے۔

یہ تمام یادگاریں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اہل علم اور اصحاب نظر کے دلوں میں نواب صاحب مرحوم کے لئے بے پناہ عقیدت ہے۔ گذشتہ دنوں نواب صاحب مرحوم کی اسویں برسی کے موقع پر سندھ کے وزیر اعلیٰ جناب غلام مصطفےٰ جتوئی نے اکادمی کو دو لاکھ روپیہ عطیہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ حکومت کی سطح پر مرحوم کی شخصیت اور اکادمی کے پیش نظر علمی، تہذیبی اور ثقافتی منصوبوں کی افادیت اور اہمیت کا اعتراف کیا گیا ہے۔

مقصدِ قیام بہادر یار جنگ اکادمی کی تشکیل اس جذبے کے تحت کی گئی ہے کہ برِ صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی مذہبی، فکری، ادبی، علمی سرمائے اور تہذیبی و معاشرتی اقدار کے تحفظ و احیا کے لئے تعمیری مساعی کو منظم کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے

لئے اکادمی کے بانیوں نے جولائحۂ عمل مرتب کیا، وہ یہ ہے:

۱۔ علمی، ادبی، ثقافتی، تاریخی اور دیگر مفید موضوعات پر تصنیف و ترجمہ، اور اس کی اشاعت کا انتظام۔

۲۔ علمی و ادبی موضوعات پہ مذاکرے، کانفرنسیں اور ان سے متعلق نمائشوں کا انعقاد۔

۳۔ ایک ایسی ریسرچ لائبریری کا قیام، جس میں خاص طور پر مملکت حیدرآباد دکن کے علمی، ادبی، مذہبی، تاریخی اور ثقافتی سرمائے کے آثار و باقیات ضرور محفوظ ہو جائیں۔

۴۔ ایک عظیم الشان میوزیم کا قیام جس میں حیدرآباد کے مسکوکات، مخطوطات اور ہر قسم کے علمی و تاریخی نوادر محفوظ کئے جائیں۔

ان اصول چہارگانہ کی طرف اکادمی کے پہلے معتمد محمد عبدالحی نے "مکاتیب بہادر یار جنگ" میں "عرض حال" کے زیر عنوان اشارہ کیا ہے۔ یہ تمام مقاصد ایک عظیم الشان عمارت کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے سب سے پہلے اکادمی کی عمارت کی تعمیر کی طرف توجہ دی گئی اور جوں ہی عمارت کا ایک حصہ تعمیر ہوا اکادمی کا شعبۂ علمی، کتب خانہ دفتر وغیرہ قائم کر دیا گیا۔ نوادر کی جمع اور فراہمی کی کوششیں بھی تیز کر دی گئیں اور ابتدائی پیمانے پر میوزیم قائم کر دیا گیا۔ اب جوں جوں عمارت کے مختلف حصے مکمل ہوتے جائیں گے۔ اکادمی کے شعبوں کو منظم کر دیا جائے گا۔ اکادمی نے اپنے دائرہ کار کو صرف کاغذ پر لکھے ہوئے مقاصد دائرہ کار تک محدود نہیں رکھا، بلکہ وہ تمام ذرائع اختیار کئے گئے جو اکادمی کو ایک علمی ادارے سے بڑھ کر ایک تہذیبی و ثقافتی مرکز کی حیثیت دینے میں مدد و معاون ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تو اکادمی کی مطبوعات نے اہل علم میں اسے ایک باوقار علمی ادارے کی حیثیت سے متعارف کرایا تو دوسری طرف اس کی ادبی، اور تہذیبی ندایتی تقریبات نے اسے ایک ثقافتی مرکز کی حیثیت سے روشناس کرایا۔ ساتھ ہی لائبریری کے قیام اور مطالعے کی آسانی نے اسے علم و عرفان کا ایک سرچشمہ اور شائقین مطالعہ کا ایک کلب بنا دیا ہے۔

علمی خدمات

اکادمی نے اپنی مدتِ حیات میں نہایت قابل قدر علمی خدمات انجام دی ہیں۔ سب سے پہلے اس نے نواب بہادر یار جنگ کے چھ سو مکاتیب کا ایک

نادر مجموعہ " مکاتیب بہادر یار جنگ " کے نام سے شائع کیا۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اردو میں اس درجہ معلومات افزا خطوط کا کوئی مجموعہ موجود نہیں ہے۔ نواب مرحوم ایک مدبر، مؤرخ، خطیب اور علمی و تہذیبی شخصیت تھے اور بلا تفریق مذہب و ملت مسلمانوں، ہندوؤں اور عیسائیوں سے اور ہر طبقۂ خیال اور ہر دائرۂ زندگی کے لوگوں سے ان کے تعلقات تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر ان کے خطوط میں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۴ء تک علمی، ادبی، تعلیمی، تہذیبی، سیاسی ہر طرح کے معلومات و افکار جمع ہو گئے ہیں اور اس طرح خطوط کا یہ مجموعہ اس دور کے متعلق ہر طرح کی معلومات کا ایک ماخذ بن گیا ہے۔

اکادمی کی ایک کتاب " حیات بہادر یار جنگ " کے نام سے نواب مرحوم کے سوانح، سیرت اور ملی خدمات کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ یہ غلام محمد بی۔ اے کی تصنیف ہے۔ اس میں شخصیت کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن جن اصحاب نے نواب مرحوم کو دیکھا ہے، ذاتی طور پر مرحوم سے واقف ہیں یا مرحوم کے خطوط ہی کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں نواب مرحوم کی شخصیت کتابی شخصیت سے بلند تھی، ان کی سیرت کی تصویر کتابی تصویر سے زیادہ دل آویز تھی اور اُن کے علم و فضل، فکر و نظر اور اخلاص و عمل کے محاسن اس سے بہت زیادہ تھے جو فاضل مصنف ضبط تحریر میں لاتے ہیں۔ لیکن نواب مرحوم پر اردو، انگریزی وغیرہ میں مطالعے کے لئے یہی ایک کتاب ہے۔ اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کا پیش لفظ مولانا عبدالماجد دریابادی کے قلم سے ہے۔

لیکن اکادمی کی عظیم الشان علمی خدمت " مملکت حیدر آباد " کے نام سے دولت آصفیہ کے علمی و ادبی ورثے کی اشاعت ہے۔ اکادمی کی علمی و تہذیبی خدمات کا دائرہ وسیع ہے لیکن وہ اپنی اس مدت حیات میں جو گزار چکی ہے، یہی ایک کتاب شائع کرتی، تب بھی وہ اس کی بدولت ہمیشہ یاد رکھی جاتی اور ہمیشہ کے لئے عزت و توقیر کی مستحق قرار پاتی۔

بڑے سائز پر آٹھ سو صفحوں کی یہ کتاب حدود مملکت حیدر آباد میں شائع ہونے والی اردو، عربی، فارسی اور انگریزی کی تقریباً اکیس ہزار کتابوں کی ایک جامع فہرست ہے جسے ان زبانوں کے ذیل میں چند ابواب میں مرتب کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ صرف ایک ببلیوگرافی ہے۔ لیکن اس پر

ایک نظر ڈال لینے ہی سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ ریاست نے اپنے دورِ حیات میں علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کی کتنی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے۔ یہ عظیم الشان فہرست کتب حیدرآباد دکن کے ایک مایۂ ناز فرزند عبداللہ المسدوسی مرحوم نے مرتب کی۔

عہدے داران بہادر یار جنگ اکادمی کے موجودہ عہدے داران میں صدر مہدی علی صدیقی نائب صدر محمد فاروق اور میرِ مجلس انتظامی ڈاکٹر محمد عبدالحی، معتمد انتظامی وحید الدین خاں یوزی اور خازن مرزا ضیاء الدین بیگ ہیں۔ اکادمی کے پہلے معتمد اعزازی محمد عبدالحی اور دوسرے پروفیسر خواجہ حمید الدین شاہد تھے۔

مولانا آزاد پر تحقیقی و تعلیمی ادارے

جہاں تک ہمیں علم ہے اس وقت پاکستان اور ہندوستان میں مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد میں اور ان پر تحقیق و تصنیف و تالیف کے سات ادارے قائم ہیں۔ اگر ان اداروں کے ذیل میں ساہتیہ اکیڈمی دہلی کو بھی شامل کر لیا جائے تو ان کی تعداد آٹھ ہو جاتی ہے۔ ساہتیہ اکیڈمی ہندوستان میں مولانا آزاد کی تصانیف اور ان کی تحریروں کی اشاعت کا قانونی حق رکھتی ہے اور اب تک اس نے مولانا کی مشہور تفسیر ترجمان القرآن (چہار جلد) تذکرہ، غبار خاطر، خطبات آزاد، کتابیں شائع کی ہیں اور مکاتیب و مضامین کے مجموعے زیر ترتیب ہیں۔ یہ کام اکیڈمی کے ایک شعبہ کے زیر اہتمام کیا گیا ہے اس لیے ہم ساہتیہ اکیڈمی کو کلیتہً مولانا آزاد پر تحقیق و تصنیف کا ادارہ نہیں کہہ سکتے۔ اس وقت جب کہ یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں ہندوستان کے ایک علمی حلقے کی طرف سے ساہتیہ اکیڈمی اور خصوصاً مولانا آزاد کی کتابوں کے انچارج مالک رام پر عدم اعتماد کا اظہار کیا جا رہا ہے اور ابوالکلام اکیڈمی کے نام سے ایک مستقل ادارے کے قیام کی ضرورت زیر بحث ہے چونکہ ضرورت واقعی ہے اس لیے تعجب نہیں کہ جب یہ مضمون چھپ کر قارئین کے پاس پہنچے تو اکیڈمی کا قیام عمل میں آ چکا ہو۔

ابوالکلام اکادمی ۔ لکھنؤ

سب سے پہلا ادارہ جو مولانا ابوالکلام آزاد پر مطالعہ و تحقیق کی غرض سے قائم کیا گیا وہ "ابوالکلام آزاد اکادمی" لکھنؤ ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ ۱۹۴۵ء میں مولانا آزاد کی زندگی میں قائم کیا گیا اس کے بانی اور ناظم محمد یونس خالدی ہیں۔ خالدی صاحب ہندوستان کے علمی حلقے کی ایک

معروف شخصیت ہیں۔ اکادمی کی جانب سے شائع کردہ ایک کتابچہ "امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا پیغام ہندوستانی مسلمانوں کے نام" نظر سے گزرا ہے۔ یہ پیغام دراصل مولانا مرحوم کی وہ تاریخی تقریر ہے جو انھوں نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جامع مسجد دہلی میں کی تھی۔ "روح آزاد" کے نام سے محمد یونس خالدی کے مقالات کا ایک مجموعہ بھی ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا تھا۔

ابوالکلام اکادمی۔ پٹنہ

ابوالکلام اکادمی پٹنہ کا قیام مولانا آزاد کے انتقال کے بعد ۱۹۵۹ء میں عمل میں آیا۔ اکادمی کے دستور اساس میں اس کے اغراض و مقاصد کو ان الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ یہ اکادمی امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ کے نظریات و تعلیمات کی اشاعت اور ان پر تحقیق و تصنیف کے لیے قائم کی گئی ہے۔ اکادمی کی جانب سے ۱۹۵۵ء میں ایک ہفت روزہ "الکلام" کے نام سے جاری کیا گیا جو تقریباً تین سال تک کسی نہ کسی طرح نکلتا رہا۔ اس کے ایڈیٹر شاہد رام نگری تھے۔ الکلام کے کئی خصوصی شمارے نکلے۔ اس کے ہر پرچہ میں بھی مولانا آزاد پر کوئی نہ کوئی مضمون ضرور ہوتا تھا۔ الکلام کی بدولت مولانا آزاد پر اور مولانا آزاد کے کئی مضامین ایسے مطالعے میں آئے جو کسی قدیم پرچے میں چھپے تھے اور اب ان کا حصول ہر کسی کے لیے ممکن نہ تھا۔

آزاد ایجوکیشنل ٹرسٹ۔ اورنگ آباد

یہ ٹرسٹ حکومت مہاراشٹر کے وزیر خوراک قاضی غیاث الدین نے قائم کیا تھا، اور اس کے تحت "مولانا آزاد تعلیمی اسکیم" کے نام سے ایک تعلیمی منصوبہ بھی پیش کیا تھا اس کا مقصد انھوں نے یہ بتایا تھا کہ "مولانا آزاد ایجوکیشنل اسکیم میں ملک کی اقلیتوں کی تعلیمی و معاشی ضروریات کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ملک کی جمہوری اور غیر مذہبی طرز حکومت میں اقلیتیں کس طرح اپنا جائز مقام حاصل کر سکتی ہیں"۔ مزید لکھتے ہیں

"اس اسکیم کا اصل مقصد مسلم طبقہ کو ملک کی دوسری اقوام کے دوش بدوش ترقی کے میدان میں لا کھڑا کرنا ہے۔ ساتھ ہی ان کی مادری زبان اردو کی تہذیب اور

ان کے طرزِ زندگی کو محفوظ رکھنا ہے "

یہ اسکیم مذہبی تعلیم اور غیر مذہبی تعلیم دو حصوں میں تقسیم کی گئی تھی - مذہبی تعلیم کے انتظامات کی تمام ذمہ داری مسلمانوں کی تھی - غیر مذہبی تعلیم میں حکومت کی امداد بھی حاصل کی گئی تھی اس اسکیم کے تحت چلنے والے اسکولوں میں ساتویں جماعت تک ذریعہ تعلیم اردو اور مرہٹی زبان لازمی قرار دی گئی تھی - اس اسکیم کے تحت مسلمانوں کے لیے پیشہ ورانہ تعلیم کا انتظام بھی کیا گیا تھا تاکہ وہ طلبہ جو اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکیں انھیں پیشہ ورانہ تعلیم دے کر ان کے معاشی اور اقتصادی مسائل کو حل کر دیا جائے -

اس ٹرسٹ کا مرکز اورنگ آباد تھا - ۲۲ جون ۱۹۶۰ء کو مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ نے اس کا افتتاح کیا تھا اور اس سلسلے میں حکومت کے تعاون کا یقین بھی دلایا تھا - یہ ایک نہایت مفصل اسکیم تھی - اس کے مختلف حصوں سے بعض اصحاب فکر نے اختلاف بھی کیا تھا -

اس ٹرسٹ کے زیر اہتمام کچھ دنوں تک ہفت روزہ " دورِ حیات " بمبئی کو چلانے کی کوشش بھی کی گئی لیکن یہ تجربہ ناکام رہا، البتہ اس زمانے میں دورِ حیات کا " ابوالکلام آزاد نمبر " (ایڈیٹر: قیصر مظہر حسین) ضرور شائع ہوا جو ایک علمی یادگار ہے -

ابوالکلام اکادمی - لاہور

مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک خاص دور کی سیاست سے مسلمانوں کو اختلاف پیدا ہو گیا - مولانا مسلمانوں کے جوش و جذبات کا ساتھ نہیں دے سکے لیکن ان کی ملی خدمات کا کوئی ایک ہی دائرہ اور کوئی ایک ہی دور نہ تھا، ان کی پوری زندگی ملی، اسلامی، علمی، ادبی خدمات میں بسر ہوئی - ان کی انھیں خدمات کے تعارف و تذکرہ اور تصنیف و تالیف کے لیے ایک خاص علمی و تحقیقی ادارہ " ابوالکلام اکادمی " کے نام سے آغا شورش کاشمیری نے قائم کیا ہے - وہی اس کے جنرل سکریٹری ہیں - اس کے دیگر بانی ارکان میں مولانا غلام رسول مہر، ڈاکٹر سید عبداللہ، ملک امجد حسین ایڈوکیٹ اور ابوسلمان شاہجہاں پوری شامل ہیں - شورش کاشمیری نے مولانا آزاد کے بہت سے علمی نوادر جمع کیے ہیں، ان کے رسائل اور تصانیف فراہم کی ہیں اور ان

کی حیات، خدمات اور افکار پر فل اسکیپ سائز کے سات سو صفحات کی ایک تفصیلی اور تحقیقی کتاب لکھی ہے جو اکادمی کی طرف سے عنقریب شائع ہوگی۔

آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ کراچی

یہ ایک ذاتی علمی و تحقیقی ادارہ تھا جو ۱۹۶۱ء میں قائم ہوا۔ اس کے بانی اور پہلے سکریٹری ابو سلمان شاہجہانپوری تھے اس ادارے کی پہلی پیش کش "التبلیغ" (مولانا آزاد کی ایک نایاب تقریر پر مشتمل) کتابچہ تھا۔ اس کے علاوہ ادارے کے اہتمام میں چند اور کتابیں تالیف کی گئیں۔ بعض ان میں سے دوسرے اداروں کی جانب سے شائع بھی ہو چکی ہیں۔ مثلاً امام الہند۔ تعمیر افکار، مکاتیب ابوالکلام، مولانا ابوالکلام آزاد۔ ایک شخصیت ایک مطالعہ، اور ارمغان آزاد۔ انسٹی ٹیوٹ کی ایک لائبریری بھی ہے جس میں مولانا آزاد کی تصانیف کے علاوہ مولانا آزاد پر تمام تصانیف اور کتب و رسائل اور متفرق مضامین کو جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

مولانا آزاد پر تصنیف و تالیف اور تحقیق کے لیے یہ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد دکن میں قائم کیا گیا ہے۔ اس کی جانب سے غبار خاطر کا دیوناگری رسم خط میں شائع ہوئی اور "مولانا ابوالکلام آزاد۔ کتاب التذکرہ" کے نام سے ہمایوں کبیر کا مرتبہ اس مجموعۂ مقالات کا ترجمہ شائع ہوا ہے جو ہمایوں کبیر نے مولانا آزاد کے انتقال پر گورنمنٹ آف انڈیا کے پبلی کیشنز ڈویژن۔ دہلی سے شائع کیا تھا۔ یہ ترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین کے قلم سے ہے

پروفیسر حمید الدین شاہد سے معلوم ہوا کہ یہ انسٹی ٹیوٹ ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی تحریک پر مولانا آزاد کے انتقال کے بعد ۱۹۵۸ء میں قائم ہوا تھا۔ اس کے کام کو چلانے کے لئے مجلس مشاورت، مجلس انتظامی اور مجلس علمی کے نام سے تین بورڈ تھے۔ مجلس مشاورت کے چیرمین ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر ہمایوں کبیر، خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کے علاوہ بھی اور ممبر تھے۔ مجلس انتظامی کے پریذیڈنٹ نواب مہدی نواز جنگ، وائس پریذیڈنٹ

ڈی۔ ایس ریڈی اور سکریٹری ڈاکٹر زور تھے۔ اس کے ممبران کی تعداد بارہ تھی۔ جس میں پروفیسر حمید الدین شاہد بھی شامل تھے۔ مجلس علمی کے چیرمین ڈاکٹر غلام یزدانی اور سکریٹری ڈاکٹر زور تھے۔ دیگر دس ممبران میں ڈاکٹر تاراچند، خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، ڈاکٹر میر ولی الدین، ڈاکٹر اے شرما، ڈاکٹر ڈی وئیکٹ وغیرہم اصحاب علم شامل تھے۔

ابوالکلام اکیڈمی۔ جمشید پور (بہار) یہ ادارہ ۶۹-۱۹۶۸ء میں رفعت حسینی نے قائم کیا تھا۔ اور اشاعت کے لیے مولانا آزاد پر مختلف اہل قلم کے مضامین کا ایک مجموعہ بھی مرتب کر لیا تھا۔

مولانا آزاد ایجوکیشن سوسائٹی مولانا ابوالکلام آزاد کے نام پر یہ سوسائٹی گزشتہ دو تین برس کے اندر قائم ہوئی ہے۔ اس کے مقاصد میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو عام طور پر علمی ادبی اداروں کے پیش نظر ہوتی ہیں۔ اس کی جانب سے غبار خاطر کے نام سے ایک سہ ماہی علمی، ادبی مجلہ نکلنا شروع ہوا ہے اور اس کے تین پرچے منظر عام پر آچکے ہیں۔ شمیم احمد اس کے ایڈیٹر ہیں۔ (جائے قیام اورنگ آباد مہاراشٹر انڈیا)

مولانا عبیداللہ سندھی اکیڈیمی کراچی

پاکستان میں قومی سطح کے علمی و فکری، معاشی و سیاسی اور تہذیبی و ثقافتی مسائل موجود ہیں جنھیں موجودہ دورِ حکومت میں پہلی بار ان کے تحقیقی پس منظر میں کامل تدبر و بصیرت کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان نہ تو دین سے دست بردار ہو سکتے ہیں اور نہ وقت کے سیاسی اور معاشی مسائل ہی سے صرف نظر کر سکتے ہیں۔ لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ سررشتہ فکر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے علمائے دین میں مولانا عبیداللہ سندھی ایک ایسی شخصیت ہیں جن کے افکار میں دین و دنیا، مذہب و سیاست، اخلاق و معاش کا صحیح اور متوازن تصور ملتا ہے۔ ان کے افکار میں ملک کے مختلف طبقات اور مختلف مذہبوں اور فرقوں کے مسائل اور ان کے اختلاف کا حل موجود ہے۔

دوسرا مسئلہ ملک کے رجعت پسند اور قدامت پرست طبقے ہیں جن کی منظم نام نہاد جماعت اسلامی ہے جو اخلاق سے بصیرت کا کام لیتی ہے، دین کو سیاست کے لئے استعمال کرتی ہے اور سیاست میں ثواب کے لئے حصہ لیتی ہے۔ اس نے آج تک کسی قومی و ملکی مسئلے کو سلجھانے کے بجائے صرف مسائل پیدا کئے ہیں۔ اس مسئلے سے نمٹنا اور اس فتنے کا سدِ باب مولانا سندھی کے افکار سے استفادے کے بغیر ممکن نہیں۔

ایک اور اہم مسئلہ سندھ میں نئی اور پرانی قومیت کا ہے۔ مولانا سندھی کا آبائی وطن سیالکوٹ تھا۔ لیکن جب انھوں نے سندھ کو اپنا وطن بنایا تو پھر انھوں نے

اپنے آپ کو سندھی کہلانے میں فخر محسوس کیا اور سندھی زبان اور تہذیب کو اس طرح اپنایا کہ گویا یہی ان کی مادری زبان اور قومی تہذیب تھی۔ انھوں نے سندھی زبان اور تہذیب کی ترقی اور فروغ میں بھرپور حصہ لیا اور اپنے افکار کا ایک خاص حصہ سندھی زبان میں محفوظ کر دیا۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی شخصیت اور افکار میں موجودہ دور کے ان تمام مسائل کا حل موجود ہے۔

ملک کے اسی مفاد کے لئے مولانا عبیداللہ سندھی پر تصنیف و تالیف اور ان کے افکار و آثار کے جمع و تحفظ کے لیے ۱۹۷۲ء میں مولانا سندھی کے نام پر اس اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اس اکیڈمی کی جانب سے "امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی" کے نام سے ایک کتاب زیرِ اشاعت ہے جس میں مرحوم کے سوانح، آثار اور علمی و سیاسی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اکیڈمی کی جانب سے گزشتہ دو سال سے مولانا سندھی مرحوم کی برسی کے موقع پر پاکستان کے اخبارات میں مضامین بھی شائع کرائے جاتے ہیں۔ اکیڈمی کے اہتمام میں ایک لائبریری بھی قائم کی جا رہی ہے۔ جس میں مولانا مرحوم کی تمام تصانیف اور ان پر تصانیف جمع کی جا رہی ہیں اور بیشتر کتابیں جمع کی جا چکی ہیں۔

سندھ کے چند ادبی شخصیاتی ادارے

احمدی بیگم تعلیم الکتاب ٹرسٹ، کراچی قرآن حکیم کے ترجمہ اور تعلیمات کی اشاعت کے لئے سید محمد اویس کراچی کے ایڈیشنل مجسٹریٹ نے اپنی اہلیہ احمدی بیگم مرحومہ کی یاد میں یہ ادارہ قائم کیا ہے۔ اس کے صدر، جسٹس ایم بی احمد ہیں۔ ادارے کی جانب سے تعلیم الکتاب کے نام سے پارہ عم کا ترجمہ شائع کیا ہے۔ جسے مترجم سید محمد اویس نے "ایک عوامی ترجمہ" کا نام دیا ہے۔ یہ ترجمہ کتابت و طباعت اور دیدہ زیبی کی خوبیوں سے مزین ہے۔

ادارۂ عارف پاکستان، کراچی یہ ادبی ادارہ عارف سنبھلی کی یاد میں قائم کیا گیا ہے۔ عارف سنبھلی کو ۱۹۷۳ء میں قتل کر دیا گیا تھا۔

بزم اکبر۔ کراچی اکبر حسین اکبر الہ آبادی پر تصنیف و تالیف اور ان کے کلام کی جمع و تدوین کے لئے چودھری نذیر احمد نے قائم کی تھی۔ مشتاق احمد وجدی اس کے سکریٹری اور سید محمد مسلم رضوی، اکبر الہ آبادی کے پوتے جوائنٹ سکریٹری تھے۔ وجدی صاحب نے لکھا ہے کہ بھیا احسان الحق، ملا واحدی اور کچھ دوسرے دوستوں سے حضرت اکبر پر کتابیں لکھوائیں۔ خواجہ حسن نظامی کو بھی ایک جلسے میں مدعو کیا تھا اور اکبر الہ آبادی کے متعلق ان سے اپنی یادداشتیں مرتب کرنے کی درخواست کی تھی اور ان کے وعدے فرمانے پر کاتب کے انتظام کے لئے انھیں ایک ہزار روپیہ بھی دے دیا گیا تھا۔ وجدی صاحب نے افسوس کیا ہے کہ وہ بزم کے لئے کچھ نہ لکھ سکے۔ سید ہاشم رضا بزم کے صدر تھے۔

بزم بسمل، ٹنڈو محمد خاں بسمل سندھی زبان کے ایک مشہور شاعر تھے۔ ان کی یادگار کے طور پر یہ ادارہ قائم کیا گیا۔ اس ادارے نے

سندھی زبان وادب کے فروغ وترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ایک زمانے میں اس کے سالانہ ادبی جلسے پورے سندھ میں مشہور تھے جن میں دور دور سے سندھی شاعر اور ادیب شریک ہونے کے لئے آتے تھے۔ اس موقع پر مشاعرے، مذاکرے وغیرہ کا اہتمام ہوتا تھا۔

بزم جمالی۔ کراچی ادب و تصوف کی ترویج و اشاعت اور مسلمانوں کی ذہنی و فکری تربیت کی ایک انجمن جس کے سرپرست و صدر، صوفی عبدالعزیز شاہ جمالی ہیں۔

بزم داغ۔ کراچی بزم داغ کراچی میں کئی سال سے قائم ہے۔ اس کے بانی اور روح رواں حیدر آباد دکن کے سربرآوردہ اصحاب علم وادب میں سے نواب تصور ہیں۔ بزم کے تحت مشاعروں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کے زیر اہتمام شعرائے کراچی کا ایک تذکرہ بھی ترتیب دیا گیا ہے جس میں کوشش کی گئی ہے کہ ہر مکتب فکر کے شاعر کو اس کی قرار واقعی جگہ دی جائے۔ یہ تذکرہ ابھی شائع نہیں ہوا ہے۔ بزم کی جانب سے نواب تصور کا ایک چھوٹا سا منظوم رسالہ "سیلاب" کے عنوان سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا ہے۔

شاہ لطیف یادگار کونسل۔ حیدرآباد ۱۹۴۷ء میں آغا تاج محمد خاں نے سید میران محمد شاہ کے زیر ہدایت لطیف یادگار کمیٹی کے نام سے ایک مجلس قائم کی۔ جس کے تحت ۱۹۵۷ء تک شاہ عبداللطیف بھٹائی کی برسی نہایت شان کے ساتھ منائی جاتی رہی۔ ستمبر ۱۹۵۷ء میں مجلس نے اپنا نام بدل کر "شاہ لطیف یادگار کونسل" کا نام اختیار کیا۔ اب شاہ لطیف کے عرس کا اہتمام یہ کونسل کرتی ہے۔ یہ اس کونسل کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ شاہ لطیف کا عرس ایک مذہبی رسم ہی نہیں بلکہ سندھ کی ثقافت اور تہذیب کا ایک جزبن گیا ہے۔ اس کونسل کی کوششوں کے نتیجے میں سندھی زبان، ادب، تہذیب، ثقافت اور فنون لطیفہ کی ترویج واشاعت، ترقی اور انھیں مقبول بنانے میں بڑی مدد ملی ہے۔ شاہ صاحب کا عرس سندھی تہذیب و ثقافت کا نمائندہ ہوتا ہے۔ کونسل اس موقع پر ادبی کانفرنس، مشاعرے، مذاکرے اور فنون لطیفہ کی

محفلوں کا اہتمام بھی کرتی ہے۔ اس کونسل کی بدولت سندھ میں یک جہتی اور صوفیانہ مشرب کے فروغ میں بھی بڑی مدد ملی ہے۔

مرکزی مجلس رضا۔ لاہور مولانا احمد رضا خاں بریلوی ہندوستان کے علمائے اہل سنت میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کی خدمت میں بسر کردی تھی۔ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت، رشد و ہدایت، تبلیغ و دعوت اسلام اور تصنیف و تالیف ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ وہ بیک وقت دین کے متبحر عالم، اردو کے بلند پایہ ادیب، نعت گوئی میں منفرد حیثیت کے شاعر، مفسر، محدث اور فقیہ تھے۔ انھوں نے اپنے پیچھے مختلف علوم و فنون اسلامی میں سینکڑوں کتابیں یادگار چھوڑیں۔ وہ ہندوستان کے علمائے اہل سنت میں ایک مخصوص فکر و نظر کے عالم دین تھے۔ ان کی بدولت بریلویت کے نام سے ایک خاص مکتبہ فکر کی داغ بیل پڑی۔ لیکن ان کی وفات کے بعد ایک مدت تک کوئی ایسی علمی تحریک پیدا نہیں ہوسکی جو حضرت موصوف کے آثار علمی کے تحفظ و اشاعت اور ان پر تحقیق و تصنیف کو اپنا مقصد بناتی۔ لیکن ہر کام کے لئے قدرت کی طرف سے وقت مقرر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کام کی سعادت بھی روز اول سے کسی خوش نصیب کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے۔ مجلس رضا کے قیام کے لئے سنہ ۱۹۶۸ء کا سال مقدر تھا اور اس کام کی سعادت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے ناصیۂ ثریا میں لکھی تھی۔ چنانچہ جب وہ وقت آیا تو قدرت نے حکیم محمد موسیٰ صاحب کے دل میں مجلس کے قیام و انتظام کا داعیہ پیدا کردیا اور مجلس نے خدا کے بھروسے پر علمی خدمات سرانجام دینا شروع کردیں۔ مجلس کے سکریٹری ظہور الدین خاں۔

اس وقت تک تقریباً ایک درجن کتابیں مجلس کی جانب سے شائع ہوچکی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجلس کو یہ توفیق دی ہے کہ اہل علم تک یہ کتابیں مفت پہنچائے۔ اس کی چھ کتابیں راقم السطور کی نظر سے گزر چکی ہیں۔ فاضل بریلوی کا فقہی مقام (مولانا غلام رسول سعیدی) مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری (ملک شیر محمد خاں اعوان)۔ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں (پروفیسر محمد مسعود احمد) مولانائے بریلوی کے ترجمہ

قرآن کے اوصاف ومحاسن کے بیان میں "محاسن کنز الایمان" (ملک عشیر محمد خان اعوان) اور اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر (سید نور محمد قادری) مجلس نے اپنی کوششوں کو صرف مولانا احمد رضا خاں پر تصنیف و تالیف تک محدود نہیں رکھا، بلکہ حضرت مرحوم کے سلسلے کے دوسرے بزرگوں کو بھی موضوع بنا لیا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا سراج احمد مکھن بیلوی ثم خان پوری کے حالات میں "سوانح سراج الفقہا" (مولوی محمد عبد الحکیم شرف قادری) بھی ہے۔

بزم طالب المولیٰ۔ حیدرآباد

مخدوم محمد زماں طالب المولیٰ کے خاندان کی سولہ پشتوں اور تقریباً ساڑھے چار سو برس کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اسلاف سے لے کر اخلاف تک اور اکابر سے لے کر اصاغر تک علم و ادب، تہذیب و ثقافت اور ملک و ملت میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ان کے حصے میں خاندان کی جو بہترین روایات آئی ہیں ان میں علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کی ترویج و ترقی کے لئے ایثار اور اہل علم اور اصحاب فضل و کمال کی سرپرستی بھی ہے۔ وہ اگرچہ ملک و ملت کی فلاح و بہبود اور سیاسی رہنمائی کے میدان میں بھی پیش پیش رہے ہیں اور انھوں نے وقت کے سیاسی تقاضوں کا جواب دینے سے کبھی پہلو تہی نہیں کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی شخصیت کا خمیر علم و تہذیب سے اٹھا ہے وہ بنیادی طور پر ایک علمی و تہذیبی شخصیت ہیں۔

بزم طالب المولیٰ سندھ کے ادیبوں اور شاعروں نے مخدوم طالب المولیٰ کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف اور ان کی تہذیبی و معارف پرور شخصیت کے اعتراف میں قائم کی ہے۔ جمعیت الشعرا کے بعد سندھ کی ادبی فضا کو جس انجمن نے سب سے زیادہ متاثر کیا اور سندھی زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں سرگرم حصہ لیا اور پورے سندھ میں ایک ادبی ماحول پیدا کیا، وہ بزم طالب المولیٰ ہے۔ یہ صرف ایک ادبی انجمن ہی نہیں بلکہ ایک ادبی تحریک ہے۔ سندھ میں شاید ہی کوئی ایسا شہر ہو جہاں اس بزم کی شاخ موجود نہ ہو اور سندھی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت و ترقی میں سرگرم عمل نہ ہو۔ اس کی تقریباً تیس شاخیں سندھ کے مختلف شہروں اور قصبوں میں قائم ہیں۔ مرکزی بزم طالب المولیٰ کا نومبر ۱۹۵۵ء

میں قیام عمل میں آیا۔ اس کے سرپرست مخدوم صاحب اور صدر اللہ بخش سرشار عقیلی ہیں۔

امین الملت اکیڈمی۔ عزیز آباد خان محمد امین خاں کھوسو سندھ کے مشہور سیاسی لیڈر تھے۔ انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی اے ایل ایل بی کیا تھا۔ تعلیمی زمانے سے ہی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا اور اپنے آتشیں خیالات اور آزادانہ روش کی بنا پر علی گڑھ یونیورسٹی سے نکال دیئے گئے تھے۔ لیکن نواب محمد اسمٰعیل خاں کی مداخلت پر انھیں صرف امتحان میں شرکت کی اجازت مل گئی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وہ سندھ آ گئے اور آزادی کی جنگ میں حصہ لینا شروع کیا۔ آزادی کی راہ میں انھوں نے بہت سختیاں جھیلیں، مصیبتیں برداشت کیں، انگریز پرستوں نے ان کی جان لینی چاہی، ان پر حملہ کیا گیا۔ لیکن انھوں نے آزادی کی راہ کو ترک نہیں کر دیا۔ حتیٰ کہ ملک آزاد ہو گیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ ۱۹۶۹ء کے بعد وہ پھر کسی قدر میدان سیاست میں اترے تھے۔ انھوں نے حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی دو جماعتوں میں مفاہمت کی بہترین کوششیں کیں، لیکن ان کی کوششیں بار آور نہ ہو سکیں۔ ۵ر دسمبر ۱۹۷۳ء کو کراچی میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

مرحوم کے بھائی نظام الدین خاں کھوسو نے ان کی یاد میں اپنے آبائی موضع عزیز آباد (ضلع جیکب آباد) میں امین الملت کے نام پر یہ علمی ادارہ قائم کیا ہے۔ اس کا مقصد مرحوم کی تحریروں، مضامین، خطوط وغیرہ کو جمع کر کے شائع کرانا ہے اور مرحوم پر تحقیق و تصنیف اس کا مقصد ہے۔

یہ ادارہ ۱۹۷۴ء میں وجود میں آیا ہے۔ اور اس وقت تک اس کی جانب سے کھوسہ قوم کی تاریخ، مرحوم کے خطوط کا ایک مجموعہ اور مرحوم کی وفات کے بعد ان کے متعلق شائع ہونے والے اردو اور سندھی زبان میں مضامین کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ کھوسہ بلوچ کا ایک بہادر قبیلہ ہے۔ سندھی زبان میں کھوسہ قوم کی تاریخ —— "یا دین جا دیرا کوسن جا پیرا" کے نام تقریباً سو صفحے کا ایک رسالہ ہے جس میں کھوسہ قوم

کے اکابر کی تصاویر اور شجرے بھی ہیں۔ کھوسہ قوم کی تاریخ میں یہ پہلی کتاب ہے جو معرضِ تحریر و اشاعت میں آئی ہے۔ مرحوم نظام الدین کے خطوط، بہت سے تاریخی حقائق و افکار سے لبریز ہیں اور پاکستان کی سیاست کے متعدد واقعات کے بارے میں کچھ روشنی پڑتی ہے۔ یہ تینوں کتابیں نظام الدین خاں کھوسو کی تصنیفات و مرتبات ہیں۔

راس مسعود ایجوکیشن اینڈ کلچر سوسائٹی کراچی | یہ سوسائٹی سرسید کے عظیم پوتے، سید محمود کے نامور بیٹے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر اور مشہور ماہر تعلیم سر راس مسعود کی یاد میں ۱۹۶۳ء میں قائم کی گئی۔ علامہ اقبال مرحوم نے راس مسعود کے انتقال پر کہا تھا ؎

رہی نہ آہ زمانے کے ہاتھ سے باقی — وہ یادگار کمالات سید محمود
زوالِ علم و ہنر مرگِ ناگہاں اُس کی — وہ قافلہ کا متاعِ گراں بہا مسعود

علامہ اقبال کی فکر کی روشنی میں راس مسعود سرسید کے قافلہ کی متاعِ گراں بہا تھا اور راس کا انتقال گویا کہ اُس کا انتقال نہ تھا بلکہ علم و ہنر کی گم شدگی تھی۔ اس متاع گراں بہا کی یاد اور علم و ہنر کی تلاش وقت کا تقاضا اور ملت کی اہم ترین ضرورت تھی۔ جلیل قدوائی نے سوسائٹی کے مندرجہ ذیل چہارگانہ مقاصد سے وقت کے اسی تقاضے اور ملت کی ضرورت کو پورا کرنا چاہا ہے۔

۱۔ اہلِ پاکستان میں تعلیم کی اشاعت۔
۲۔ ملک میں تعلیمی، ادبی، ثقافتی اقدار کا فروغ۔
۳۔ اسکولوں، کالجوں، کتب خانوں، دار المطالعوں اور دیگر علمی و ادبی مراکز کا قیام
۴۔ علم و ادب و ثقافت کے فروغ کے لیے اعلیٰ درجے کے لٹریچر کی اشاعت کے لئے ایک اشاعتی ادارہ۔

سوسائٹی نے اپنی بارہ سال کی مدت حیات میں اپنے مقصد کے ہر جز پر کم و بیش عمل کیا۔ تعلیم کی اشاعت کے لئے "اورنگی ہائر پرائمری اسکول" قائم کیا۔ اسکول کے لئے ایک خوبصورت عمارت تعمیر کی۔ ۱۹۷۲ء میں نئی تعلیمی پالیسی کے تحت یہ اسکول بھی

حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا، ادبی وثقافتی اقدار کے فروغ کے لئے ادبی اجتماعات کا سلسلہ قائم کیا، علمی وتحقیقی ضرورت اور ادبی ذوق کی تسکین کے لئے ایک لائبریری قائم کی اور علمی وادبی تصانیف کی اشاعت کے لئے بھی ضروری سروسامان مہیا کیا۔

اس وقت تک سوسائٹی کی جانب سے راس مسعود کا سفر جاپان (انگریزی) مجلہ یادگار مسعود، مرقع مسعود، خیابان مسعود، مشرق تاباں، فانی شخصیت اور حسن بیان شائع ہو چکی ہیں۔ سفر جاپان راس مسعود کے سفر جاپان کی روداد اور جاپان میں ان کے علمی وتعلیمی مطالعہ ومشاہدہ اور ان کے تعلیمی افکار کا مجموعہ ہے، مجلہ یادگار یوم مسعود ۱۹۶۳ء کے موقع پر شائع ہونے والا مجموعہ مضامین ہے۔ مرقع مسعود اور خیابان مسعود پر اہل علم واصحاب نظر کے مضامین کے مجموعے ہیں۔ خیابان میں مسعود مرحوم کی بھی بعض تحریریں شامل ہیں۔ مشرق تاباں، مشرقی پاکستان سے متعلق مخمور اکبرآبادی کی پانچ نظموں کا مجموعہ ہے اور آخری کتاب مخمور کے قلم سے فانی کی شخصیت، ان کے فن اور شاعرانہ کمالات کے تعارف میں ہے۔ پہلی تین کتابیں سوسائٹی کے سکریٹری جلیل قدوائی کی مرتبہ ہیں۔ جلیل قدوائی ایک ادیب، شاعر، افسانہ نگار اور نقاد کی حیثیت سے محتاج تعارف نہیں۔ ان کے علمی وتنقیدی مضامین کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔ کلام غالب کا انتخاب اور اس کی مقبولیت ان کی سخن فہمی کے اعتراف کے لئے کافی ہے۔ مکتوبات عبدالحق کی ترتیب اور اس پر مقدمہ وحواشی ان کی بہت بڑی علمی خدمت ہے اور قطرات شبنم ان کے فکر کی بلندی اور قلب ونظر کی پاکی کا ثبوت ہے۔ مولوی عزیزالحق سوسائٹی کے صدر اور منظور حسین (بیرسٹرایٹ لا) اس کے خازن ہیں۔

رئیس احمد جعفری اکیڈمی کراچی | رئیس احمد جعفری مرحوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کر چکے تھے وہاں سے کسی احتجاج کے سلسلے میں نکالے گئے تو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں داخل ہوئے۔ لیکن گریجویشن کرنے سے پہلے انھوں نے اس درس گاہ کو چھوڑ دیا۔ مولانا شوکت علی کے خلافت بمبئی سے وابستہ ہو گئے اور ایک مدت تک صحافی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان آگئے تھے۔ لاہور کو انھوں نے اپنا مرکز بنایا تھا۔ وہ یہاں بھی متعدد اخبارات سے وابستہ رہے۔

وہ اردو کے مشہور صاحبِ قلم تھے، انھوں نے بے شمار علمی ادبی، تاریخی تصانیف، تالیفات اور تراجم اپنی یادگار چھوڑے۔ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں لاہور میں ان کا انتقال ہوا۔

اُن کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ آفتاب بیگم نے مرحوم کی یاد میں رئیس احمد جعفری اکیڈمی کے نام سے ۱۹۷۰ء میں یہ ادارہ قائم کیا۔ اس کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ اُن کی بیوہ اور یتیم بچوں کے گزر اوقات کے لئے ان کے غیر مطبوعہ مسودات اور مطبوعہ تصانیف کے دوسرے ایڈیشن شائع کئے جاتے رہیں۔ اس ادارے کی پہلی تصنیف "سید رئیس احمد جعفری شخصیت اور فن" تھی جس میں پاک و ہند کے متعدد اہلِ قلم کے وہ مضامین تھے جو مرحوم کی وفات کے موقع پر اخبارات میں شائع ہوئے تھے۔ اس میں ان کی سوانح حیات، شخصیات کے مختلف پہلو، سیرت اور علمی و ادبی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

دوسری کتاب "کاروانِ گم گشتہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ مرحوم کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے۔ جو روزنامہ انجام کراچی میں انھوں نے لکھنا شروع کئے تھے۔ ان مضامین میں انھوں نے برصغیر پاک و ہند کی سیاسی تحریکات اور اکابر شخصیات کی سیاسی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب میں مرحوم کی اپنی تحریرات بہت کم ہیں۔ مختلف کتابوں میں سے انھوں نے مختلف تحریکات و شخصیات کے بارے میں بغیر حوالوں کے اقتباسات نقل کر دیے ہیں۔

یہ دونوں کتابیں ابوسلمان شاہجہان پوری نے مرتب کی ہیں، دوسری کتاب کا مسودہ موجود نہیں تھا۔ ابوسلمان کے پاس انجام کے سلسلۂ مضامین کے مکمل تراشے موجود و مجلد تھے۔ ابوسلمان ہی نے ان کی تصحیح کی، ترتیب دیا۔ دونوں کتابیں ابوسلمان ہی کی نگرانی میں شائع ہوئیں۔

پہلی کتاب رئیس احمد جعفری کے حالات و سوانح اور علمی خدمات کے باب میں واحد ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن دوسری کتاب تاریخی لحاظ سے قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

سچل سرمست اکیڈمی سکھر

اکیڈمی کے قیام کی تاریخ کا علم نہیں ہو سکا۔ لیکن سچل سرمست پر اس کی پہلی کتاب ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کا قیام کب عمل میں آیا۔ مقاصد قیام اس کے نام سے ظاہر ہیں کہ یہ اکیڈمی سچل سرمست پر تصنیف و تالیف، ان کے کلام کی ترتیب و اشاعت اور ان کے افکار کے تعارف کے لئے قائم کی گئی ہے۔ سچل سرمست سندھ کے ممتاز صوفی شعرا میں سے تھے۔ انھوں نے سندھی کے علاوہ پنجابی، سرائیکی اور اردو و فارسی زبانوں میں بھی شاعری کی ہے۔ ان پر سندھی زبان میں بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس موضوع پر سب سے زیادہ کام قاضی علی اکبر درازی نے کیا۔ ان کی متعدد کتابیں کئی اداروں نے شائع کیں، بعض کتابیں انھوں نے خود بھی چھاپیں۔ گھڑولی (سرائیکی) کے نام سے ان کی ایک کتاب ۱۹۶۱ء میں سچل سرمست اکیڈمی کی جانب سے شائع ہوئی۔ اکیڈمی کی ایک کتاب "سرمست درازی" کے نام سے پروفیسر محبوب علی چنا کے قلم سے ہے۔ سچل سرمست کے حالات، افکار اور کلام کے تعارف میں ایک مفید کتاب محکمہ اطلاعات سندھ نے بھی شائع کیا ہے۔ اس میں سچل سرمست پر تصنیفی و تالیفی کام کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔

شاہ عبداللطیف کلچرل سوسائٹی حیدرآباد

سندھ کی زبان، ادب اور ثقافت کی ترقی اور ترویج و اشاعت، نیز غیر سندھی پاکستانیوں میں سندھی زبان کو مقبول بنانے اور عام کرنے میں فعال ادارہ۔ سندھ کے نام سے اس کی جانب سے ایک سہ ماہی ادبی رسالہ بھی شائع ہوتا ہے۔

مجلس یادگار جگر۔ کراچی

یہ ادارہ رئیس المتغزلین علی سکندر جگر مرادآبادی کی یاد میں اور ان کے پیغام محبت کو عام کرنے کے لئے شیخ اکرام احمد نے پروفیسر خواجہ آشکار حسین کی صدارت میں ۱۹۶۷ء میں قائم کیا تھا۔ نجمی جلیلی اس کے سکریٹری جنرل تھے۔ اس ادارے نے یوم جگر کے موقع پر نہایت اہتمام کے ساتھ مشاعرہ منعقد کیا۔ ایک ادبی اجلاس بھی ہوا۔ اس کے تحت ادبی اور تنقیدی نشستیں ہوئی تھیں لیکن اس کے ابتدائی سرگرم کارکنوں اور معاونوں کے باہر چلے جانے کی وجہ سے اس کی سرگرمیاں کم ہو گئیں۔

ادارہ یادگار جگر اب حال ہی میں ابوالحسن، احساس مراد آبادی، وقار زہرہ اشتیاق طالب وغیرہم جگر کے شیدائیوں نے ادارہ یادگار جگر کے نام سے ایک ادارے کی تشکیل دی ہے جو فی الحقیقت مجلس یادگار جگر کا احیا ہے۔ اس ادارے کے تحت دوبارہ ماہانہ ادبی تنقیدی نشستیں منعقد کی جاتی ہیں اور مشاعروں کا اہتمام ہوتا ہے۔

بزم ندرت۔ کراچی علامہ ندرت میرٹھی کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں۔ مرحوم کی یاد میں اور مرحوم پر تصنیف و تالیف کے کام کے لئے یہ بزم کراچی کے معروف شاعر اور علامہ مرحوم کے بیٹے سطوت میرٹھی نے قائم کی ہے۔ موصوف اس کے معتمد ہیں۔

چند دیگر ادارے اعلیٰ حضرت احمد رضا اکیڈمی۔ کراچی۔ ادارہ یادگار جگر۔ کراچی (کنوینر احساس مراد آبادی) رئیس اکیڈمی۔ کراچی۔ حسرت موہانی اکیڈمی۔ کراچی۔ راشد الخیری اکیڈمی۔ کراچی (صدر۔ مولانا صادق الخیری)۔ لائق علی خاں ایجوکیشن سوسائٹی۔ کراچی (سکریٹری۔ خواجہ حمید الدین شاہد) بزم دانش۔ لاہور (صدر۔ سلیمان دانش) بزم نظیر۔ آگرہ۔ بزم مہدی۔ گجرات (صدر۔ چودھری ظفر مہدی) بزم وارث۔ گوجرانوالہ۔ (سکریٹری۔ ابن اسمٰعیل) زکریا اکیڈمی۔ مظفر گڑھ۔ (شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے نام پر۔ چیرمین۔ ببر شجاعت حسین) مجلس یادگار آزاد۔ لاہور (سکریٹری۔ آغا سلمان باقر) مجلس نیازمندان سید۔ لاہور (صدر۔ ممتاز منگلوری) مجلس دوست داران سید۔ لاہور (صدر۔ ڈاکٹر چودھری عبد القادر) سلطان القلم اکیڈمی۔ لاہور (صدر۔ صلاح الدین) حسرت موہانی میموریل سوسائٹی۔ کراچی۔ چودھری خلیق الزماں اکیڈمی۔ کراچی۔ مولانا ہدایونی اکیڈمی کراچی (کنوینر۔ مولانا سید سعادت علی قادری)

متفرق ادبی شخصیاتی ادارے

(۱)

ظفر علی خاں اکیڈمی۔ لاہور ظفر علی خاں کے شیدائیوں، ملک کے نامور صحافیوں اور اہلِ علم و اصحابِ قلم کی ایک مدت سے یہ آرزو تھی کہ مرحوم کے نام پر ایک علمی ادارہ قائم کیا جائے جس کے زیرِ اہتمام ظفر علی خاں پر تصنیف و تالیف کا کام ہو، ان کے آثارِ علمیہ کے جمع و تحفظ کا انتظام ہو، نئی پود کو ان کی ملی خدمات سے آگاہ کیا جائے۔ ان کی عظیم شخصیت کے شایانِ شان اُن کے مقبرے کی تعمیر کی جائے۔ آغا شورش کاشمیری جو صحافت میں مولانا ظفر علی خاں کے تربیت یافتہ اور سیاسی شاعری میں ان کے جانشین ہیں انھوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور یہ اکیڈمی قائم کر دی۔ اب وہ ان تمام مقاصد کی تکمیل کے لئے کوشاں ہیں۔ اکیڈمی کے زیرِ اہتمام ہر سال یوم ظفر علی خاں منایا جاتا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں کی سوانح عمری اور ان کے مضامین کا ایک انتخاب شائع کیا جا چکا ہے۔ بعض چیزیں زیرِ ترتیب ہیں۔ مولانا کے آبائی گاؤں کرم آباد میں ان کے شان دار مقبرے کی تعمیر کے اخراجات چودھری ظہور الٰہی برداشت کر رہے ہیں ـــ مقاصد کے دائرے کو مزید وسعت دینے کا خیال بھی ہے۔

آغا شورش کاشمیری اکیڈمی کے جنرل سکریٹری ہیں۔ دیگر بانی ارکان میں ڈاکٹر سید عبداللہ، مولانا غلام رسول مہر (مرحوم) مولانا حامد علی خاں (برادر مولانا ظفر علی خاں) احسان دانش وغیرہ شامل ہیں۔

مجلس یادگار حمید احمد خاں۔ لاہور گزشتہ سال مارچ میں پروفیسر حمید احمد خاں کا

انتقال ہوا تھا۔ مرحوم کے انتقال کے بعد ان کی علمی یادگاروں کو محفوظ کرنے، غیر مطبوعہ تحریروں کی فراہمی اور ترتیب و اشاعت اور مرحوم پر تصنیف و تالیف کے کام کے لیے اُن کے دوستوں، عزیزوں، نیازمندوں اور شاگردوں نے مجلس یادگار حمید احمد خاں کے نام سے ایک علمی ادارہ بنایا ہے۔ جس کے سکریٹری پروفیسر وقار عظیم مقرر ہوئے۔ ابھی مرحوم کی تحریروں اور خطوط کی فراہمی کے لیے کوشش کی جارہی ہے۔

مجلس یادِ رفتگاں۔ لاہور یہ مجلس حمید نظامی مرحوم، ایڈیٹر نوائے وقت لاہور، خواجہ عبدالرحیم مرحوم بیرسٹرایٹ لا، آغا شورش کاشمیری ایڈیٹر چٹان لاہور اور ان کے دوستوں نے قائم کی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اکابر ملت جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں اپنی زندگیاں گزاریں۔ ان کی سیرت و خدمات سے نئی نسل کو واقف کرایا جائے اور اسلاف کے تذکرے سے نوجوانوں کے اخلاق کی تہذیب، سیرت کی تعمیر، فکر کی تطہیر کا کام لیا جائے۔ مجلس کے زیرِ اہتمام ظفر علی خاں، غالب، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، حسرت موہانی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی وغیرہم کے یوم منائے جاچکے ہیں جن سے ملک کے نامور مقرروں نے خطاب کیا ہے اور ادیبوں اور اہلِ قلم نے مقالات پڑھے ہیں۔ ان میں سے بہت سے مقالات ملک کے جرائد میں شائع بھی ہوچکے ہیں۔

آغا حشر اکیڈمی۔ ملتان ڈراموں کو فروغ دینے، انھیں مقبول بنانے، اداکاروں کی تیاری خاص طور پر آغا حشر کے ڈراموں کو اسٹیج کرنے اور آغا حشر کی زندگی اور ان کے فن پر تحقیق و تصنیف کا ادارہ۔

بزمِ قابل۔ واہ کینٹ واہ کینٹ کے نعت گو شعرا کی انجمن جو علامہ سید قابل کی سرپرستی میں موصوف کی شاعرانہ عظمت اور ادبی خدمات کے اعتراف میں قائم ہے۔

عیش لٹریری سوسائٹی۔ کوئٹہ ۱۹۴۸ء میں عیش لٹریری سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ عیش فیروزپوری کے تلامذہ اس کے قیام میں زیادہ سرگرم تھے۔ اس لیے انھوں نے عیش صاحب ہی کو اس کا سرپرست بنایا اور انھیں کے نام پر

سوسائٹی قائم کی۔ مذاق العیشی اس کے سکریٹری اور عسکری العیشی، جمیل العیشی، قیم العیشی، ماسٹر سعادت اور ماہر افغانی اس کے سرگرم ارکان تھے۔ ایک زمانے میں اس کی بدولت، کوئٹہ کی ادبی زندگی میں جان سی پڑ گئی تھی۔ مرکز ادب اور عیش لٹریری سوسائٹی میں معرکہ آرائیاں اور ادبی چشمکیں عام تھیں۔ ۱۹۵۲ء کے بعد تک یہ سوسائٹی سرگرم کار رہی، پھر اس کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔

(۲)

بزمِ نظیر۔ آگرہ نظیر اکبرآبادی کی یاد میں یہ ادارہ ۱۹۳۰ء کے بعد قائم ہوا تھا۔ اس ادارے کے بانیوں میں سے ایک منشی ریاض الدین بھی تھے۔ اس ادارے کے زیر اہتمام بسنت کے روز ایک جلوس ترتیب دیا جاتا تھا جس کے شرکاء بسنتی رنگ کا لباس زیب تن کرتے تھے۔ جلوس مزار پر جاکر ختم ہوتا تھا، جہاں میلہ لگتا تھا۔ نظیر کا کلام پڑھا جاتا تھا اور نظیر اکبرآبادی کے کلام، فن اور اُن کی شخصیت پر نظمیں پڑھی جاتی تھیں۔ اس جلوس اور میلے میں بلا تفریق مذہب ہندو اور مسلمان تمام لوگ نہایت جوش و خروش سے شریک ہوتے تھے۔

مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سنٹر۔ بمبئی گاندھی جی ہندوستان میں جس زبان کو رائج کرنا چاہتے تھے اس کا نام انھوں نے ہندی یا اردو کے بجائے "ہندوستانی" رکھا تھا۔ یہ ایسی زبان ہوتی جو اردو اور ہندی کے دونوں رسم خطوں میں لکھی جا سکتی تھی۔ اس میموریل سنٹر کے قیام کا مقصد گاندھی جی کی اسی "ہندوستانی" کا فروغ ہے۔ اس کے ڈائرکٹر اردو کے مشہور ادیب عبدالستار دلوی ہیں۔ سنٹر نے اپنے مقصد کی تکمیل کے سلسلے میں جو کتابیں شائع کی ہیں۔ ان میں انشا کی مشہور مثنوی "رانی کیتکی" بھی ہے۔ جسے دلوی صاحب نے ایڈٹ کیا ہے۔

امیر خسرو اکیڈمی۔ دہلی یہ اکیڈمی ۱۹۶۳ء میں قائم ہوئی۔ اس کے قیام کا خاص مقصد یہ ہے کہ امیر خسرو کی تصنیفات شائع کی جائیں نیز ہندوستان کے دوسرے صوفی شاعروں اور مصنفوں کے کارناموں کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کی چند کتابیں شائع

ہو چکی ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز احمد کی کتاب "امیر خسرو اور ہندوستان" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

احتشام حسین میموریل سوسائٹی۔ دہلی

یہ سوسائٹی اردو کے مشہور نقاد اور ادیب پروفیسر احتشام کی یاد میں قائم کی گئی ہے۔ احتشام مرحوم کے بارے میں تصنیف و تالیف اس کا مقصد ہے۔ سوسائٹی کے سکریٹری اردو کے مشہور ادیب ڈاکٹر شارب ردولوی ہیں۔

کل ہند سید سجاد ظہیر میموریل کمیٹی۔ دہلی

مشہور ترقی پسند ادیب، نقاد اور افسانہ نگار سید سجاد ظہیر مرحوم کی یاد میں ان پر تصنیف و تالیف اور ان کی علمی یادگاروں کو محفوظ و مرتب کرنے کی غرض سے یہ کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ اس کے صدر اور سکریٹری کا نام معلوم نہیں ہو سکا البتہ اس کے جوائنٹ سکریٹری ڈاکٹر شارب ردولوی ہیں۔

دبستانِ آرزو۔ کلکتہ

آرزو کلکتوی کے شاگرد جرم محمد آبادی نے اس انجمن کو سنہ ۱۹۴۱ء میں اپنے استاد کی یاد میں قائم کیا تھا۔ وفا راشدی صاحب لکھتے ہیں :

"اس کے تحت نئی معلومات، تحقیق زبان و ادب اور اصلاح کلام کی قابلِ قدر اور بے لوث خدمات انجام دی جا رہی ہیں۔"

بزمِ شاکری۔ کلکتہ

یہ انجمن کلکتہ کے ایک شاعر طاہر علی شاکر کی یادگار کے طور پر ان کے شاگردوں نے قائم کی ہے۔ اس کے تحت ہر ماہ مشاعرہ ہوتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد اس کی ایک شاخ شاکر کے شاگردوں نے ڈھاکہ میں بھی قائم کی تھی۔

بزمِ جلال۔ کلکتہ

کلکتہ کا ایک اہم ادبی ادارہ بزم جلال ہے۔ یہ بزم سنہ ۱۹۴۲ء میں عالمِ وجود میں آئی۔ اس کے بانی اردو کے مشہور ادیب وفا راشدی تھے۔ سرپرست علامہ وحشت، اور آرزو لکھنوی تھے اور سکریٹری وفا راشدی تھے۔ قیام پاکستان کے بعد وفا راشدی صاحب ڈھاکہ چلے گئے، تب بھی یہ بزم قائم اور اردو ادب کی خدمت میں مصروف رہی۔ اس کے صدر عباس علی خاں بیخود، اور نائب صدر کے عہدے پر رضا مظہری، جرم محمد آبادی، پروفیسر اختر حسین اور ڈاکٹر عبد الغنی مقرر ہوئے۔

ولیم میموریل لٹریری سوسائٹی۔ حیدرآباد دکن | اس کے چیرمین کے آر کے موہن ہیں۔

بزم سیماب۔ آگرہ | یہ بزم علامہ سیماب اکبرآبادی کی یاد میں اور ان کے نام پر آسی اکبر آبادی، بشارت علی خاں، ارمان آفریدی اور سرور اکبرآبادی کی کوششوں سے قائم ہوئی تھی۔ سیماب کے مصرع ہائے طرح پر ہر ماہ اس کے مشاعرے بڑے اہتمام سے ہوتے تھے جن میں بیرونی حضرات بھی شرکت کرتے تھے۔ اس کی شاخیں بریلی، مرادآباد، علی گڑھ، ہاتھرس وغیرہ میں قائم تھیں۔ آسی اکبرآبادی اس کے نائب صدر اور سرور اکبرآبادی اس کے سکریٹری تھے۔ بزم کا قیام پاکستان بننے سے پہلے عمل میں آیا تھا اور قیام پاکستان کے بعد ایک عرصہ تک سرگرم عمل رہی۔ لیکن سرور صاحب کے پاکستان تشریف لے آنے کے بعد اس کے کاموں میں وہ سرگرمیاں باقی نہیں ہیں۔ بزم کی ایک شاخ علامہ سیماب کے صاحبزادے اور مشہور شاعر و ادیب اعجاز صدیقی ایڈیٹر شاعر بمبئی نے بمبئی میں بھی قائم کی تھی اور علامہ مرحوم کے دوسرے صاحبزادگان اور معتقدین و تلامذہ نے کراچی میں بھی ایک انجمن حضرت سیماب کی یاد میں قائم کی لیکن جو تاریخی کردار بزم سیماب آگرہ نے ادا کیا۔ اور ادب کی جو خدمت اس نے انجام دی، وہ کسی اور شاخ یا انجمن سے نہ ہو سکی۔ سرور اکبرآبادی نے اپنے ایک مضمون (مشمولہ ذکر ریاض) میں بزم سیماب آگرہ کی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے۔

نواب لطف اللہ اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد دکن | نواب لطف اللہ لطافت جنگ کا شمار حیدرآباد دکن کے عمائدین میں ہوتا تھا وہ اپنی ذات اور اپنے خاندان ہر دو لحاظ سے ایک بڑی شخصیت تھے۔ ۳۱ مارچ ۱۹۳۷ء کو انتقال ہوا ان کے انتقال کے بعد حکیم سید شمس اللہ قادری نے ان کی یاد میں یہ تحقیقی ادارہ قائم کیا تھا۔ ادارے کے سرپرست سید عاقل بلگرامی، صدر چیف جسٹس نواب جیون یار جنگ بہادر اور سکریٹری سید سعد اللہ قادری تھے۔

یہ ادارہ ایک زمانے تک قائم رہا اور متعدد علمی و ادبی مطبوعات اس کی یادگار ہیں۔ ان میں سے شجرۂ آصفیہ از محمد بدرالدین خاں، چاند بی بی از سید سعد اللہ قادری، نواب

سید لشکر خاں از سید شمس اللہ قادری، نواب ابوالخیر خاں، نواب ابوالفتح خاں، تیمور از نواب جیون یار جنگ بہادر، اور بجن آف پایہ گاہ از سید شمس اللہ قادری برا ر پاسٹ اینڈ پریزنٹ از سید شمس اللہ قادری، تذکرۃ الملوک از رفیع الدین شیرازی۔ سوانح دکن از منعم خاں ہمدانی، تذکرۃ البلاد و الحکام از سید حسین علی کرمانی، قاموس العالم از حکیم سید شمس اللہ قادری وغیرہ نہایت بلند پایہ کتابیں ہیں۔ ان میں سے بعض کے اردو اور انگریزی دونوں ایڈیشن نکلے۔ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے "تاریخ" کے نام سے تاریخ آثار قدیمہ کا ایک تحقیقی سہ ماہی مجلّہ بھی شائع ہوتا تھا جس کے ایڈیٹر حکیم سید شمس اللہ قادری مرحوم تھے۔

مجلس شاہ حسین۔ لاہور پنجابی زبان و ادب اور ثقافت کی ترقی کے لئے پنجابی زبان کے عظیم شاعر شاہ حسین کے نام نامی پر یہ مجلس ۱۹۶۳ء میں ایک پرائیویٹ ادارے کی حیثیت سے تشکیل دی گئی تھی۔ اگرچہ پنجابی زبان و ادب کی ترقی کے لئے ایک خاص اکیڈمی قائم ہے لیکن قدیم پنجابی ادب اور کلاسیک لٹریچر کے تحفظ و اشاعت میں مجلس شاہ حسین کی خدمات اس سے کسی طرح بھی کم نہیں ہیں۔ مجلس کی جانب سے سیف انجم ڈار کی کتاب "پنجاب دے لوک گیت" افضل پرویز کی "پھلاں بھری چنگیر"، باقی صدیقی اور سید نجم حسین کے مرتبہ پنجابی شاعری کے انتخابات رکھے کھڑے کافیاں اور چانن رخ دے دھڑا) سچل سرمست کا دیوان، شاہ حسین کی کافیاں پنجابی زبان و ادب کی تاریخ میں بنارسی داس جین کی کتاب پنجابی زبان تے اودا لٹریچر دفتی رام کرشن کی کتاب پنجابی زبان دے صوفی شاعر، شاہ حسین پر مضامین کا مجموعہ "نشانی شاہ حسین" اور پنجابی کے مشہور موسیقار سائیں مرنا پر محمد صدیق لالی کی کتاب اور نظم و نثر کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ پنجابی زبان و ادب کے مطالعے میں یہ تمام کتابیں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ انھیں نظر انداز کر کے اس موضوع پر کوئی شخص اپنا مطالعہ مکمل نہیں کر سکتا۔

تابش صدیقی کا کشمیری نظموں کا اردو ترجمہ 'زرگل' کے نام سے مجلس کی جانب سے

شائع ہوا ہے، اور شاہ حسین کے حالات میں حقیقت الفقرا کے نام سے محمد پیر کی فارسی کتاب بھی شائع ہوئی۔ ان کے علاوہ چند کتابیں انگریزی میں بھی شائع ہوئی ہیں۔ جن کا موضوع پنجابی زبان، ادب، ثقافت یا شخصیت ہے۔

بزم ذکی - بھوپال

یہ انجمن بھوپال کے مشہور شاعر محمد کریم ذکی کی یاد میں ان کے تلامذہ نے قائم کی ہے۔ اس کے روح رواں اصغر شعری، وکیل بھوپالی اور شاہد بھوپالی ہیں۔ ذکی مرحوم کے تلامذہ کا ایک طویل سلسلہ بھوپال میں پھیلا ہوا ہے۔ ان میں سے بہت سے کل ہند سطح پر مشہور و مقبول ہوئے۔ بھوپال میں ذکی مرحوم کے تلامذہ کی بدولت ادب و شعر کی ایک نئی فضا پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر مسلیم حامد رضوی کے بقول "آج بھوپال کی بزم سخن میں جتنی روشن شمعیں ہیں وہ اسی شمع کشتہ کے مزار کا چراغ ہیں۔"

حیرت شملوی اکیڈمی - محمد آباد

حیرت شملوی اردو کے ایک مشہور شاعر تھے۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان آ گئے تھے۔ یہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے نام پر سید انیس شاہ جیلانی نے ایک تصنیفی و تالیفی ادارہ قائم کیا ہے۔ اس کے تین کتابچے نوازش نامے (خطوط) قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور علامہ نیاز فتح پوری شائع ہو چکے ہیں۔

پروفیسر محمد ایوب قادری

غضنفر اکیڈمی. کراچی

پروفیسر حبیب اللہ خاں غضنفر مرحوم ملک کے نامور استاد، ادیب، شاعر اور عالم تھے وہ مختلف زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ ان کی تمام عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری۔ ان کے چند تلامذہ و معتقدین نے ان کے نام پر ایک علمی و اشاعتی ادارہ "غضنفر اکیڈمی" کے نام سے قائم کیا۔ اس کے رکن اساسی غلام محمد خاں غوری ہیں اور ناظم ثاقب علی خاں ہیں۔ یہ دونوں حضرات نہایت محنت اور تن دہی سے اس اکیڈمی کو چلا رہے ہیں اور مختصر سی مدت میں انھوں نے اس اکیڈمی کو ایک وقیع علمی و ادبی ادارہ بنا دیا ہے۔

غضنفر اکیڈمی کا آغاز "مکتبۂ غضنفر" کے نام سے ۱۹۶۱ء میں ہوا اور بچوں کی ایک چھوٹی سی کتاب "شیر دل ڈاکو" نور اللہ خاں کی لکھی ہوئی شائع ہوئی پھر چند اور چھوٹی چھوٹی مذہبی کتابیں اور رسالے شائع ہوئے۔ انیس و دبیر کے مرثیے بھی علٰحدہ علٰحدہ کتابچوں کی شکل میں شائع کیے گئے۔

جولائی ۱۹۶۸ء میں "مکتبۂ غضنفر" کو "غضنفر اکیڈمی" میں تبدیل کر دیا گیا اور

---

[1] پروفیسر حبیب اللہ خاں غضنفر ۲۶ جولائی ۱۹۰۲ء کو امروہہ ضلع مراد آباد۔ یوپی (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ اور الہ آباد یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ کراچی کے مشہور کالج ایس ایم کالج اسلامیہ کالج اور اردو کالج میں استاد رہے ۱۵ فروری ۱۹۷۳ء کو انتقال ہوا۔ ان کے علمی کارنامے میں معانی الہم (جنید بغدادی) تنزلات ستہ (عبدالعلی بحرالعلوم) ہندی، ادب اردو کا عروض، اردو کا نیا عروض، طبقات ابن سعد (انگریزی ترجمہ) ابن خلکان کی وفیات الاعیان (انگریزی ترتیب و تہذیب) وغیرہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

اس کے کام کو وسعت دے دی گئی۔ اور غضنفر اکیڈمی سے سب سے پہلی کتاب "بازگشت" شائع ہوئی جو ملک کے مشہور ادیب۔ جی۔ اے الانہ کی منظومات کا اردو ترجمہ ہے۔ بازگشت کی اشاعت میں سحر انصاری، انجم اعظمی اور غلام محمد غوری کی کوششوں کو دخل رہا ہے۔ اکیڈمی کی دوسری کتاب بہزاد لکھنوی کا نثری کارنامہ "حکیم بڈھن" ہے جس میں انھوں نے مرحوم لکھنؤ کی معاشرت و ثقافت اور تہذیب و تمدن کی عکاسی کی ہے۔ یہ کتاب نہایت مقبول ہوئی۔ ان کتابوں کے علاوہ پروفیسر حبیب اللہ غضنفر کی کتاب ہندی ادب، وحیدہ نسیم کا مجموعہ کلام "موج نسیم" اور ان کے دو ناول "غم دل کہا نہ جائے" اور "داستاں در داستاں" اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوئے ہیں۔

جب کراچی یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے اردو زبان کو ذریعہ تعلیم اختیار کیا گیا تو غضنفر اکیڈمی نے طے کیا کہ اردو کی اعلیٰ تعلیم کے لئے تجربہ کار اور لائق اساتذہ سے نصابی کتابیں اردو زبان میں تیار کرائی جائیں۔ چنانچہ اس سلسلے کی پہلی کتاب شماریات شائع ہوئی جس کو مشہور استاد فیاض احمد خاں (اردو کالج کراچی) نے تیار کیا تھا۔ اس کتاب کی افتتاحی تقریب پروفیسر حبیب اللہ خاں غضنفر مرحوم کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں بہت سے نامور ادیب، مصنف اور استاد شریک ہوئے۔

غضنفر اکیڈمی نے مختلف مضامین پر مندرجہ ذیل کتابیں شائع کی ہیں۔

تجارت شماریات۔ فیاض احمد خاں۔ اصولِ انتظام (دو جلد) ثنا صدیقی۔ اصولِ انتظام (ایک جلد) ثنا صدیقی۔ اصولِ تنقیح۔ دولت صدیقی۔ مالیات عامہ۔ دولت صدیقی۔ اے۔ آئی برنی کی دو کتابیں۔ اصول تنقیح۔ اور قانون محصول آمدنی۔ برنی صاحب کی دو اور کتابیں۔ "پرنسپل آف مینجمنٹ" اور "انکم ٹیکس" انگریزی میں بھی شائع ہوئی ہیں۔

قانون قانون بیع مال۔ قانون کارخانہ جات۔ اور قانون معاوضہ کارکنان۔ یہ تینوں کتابیں لقمان بیگ کی مؤلفہ ہیں۔ آخری کتاب (اردو میں قانون مزدور پر پہلی کتاب ہے)

تعلیمات | تدریس سائنس - ظہیر الدین فاروقی - تدریس ریاضی - ظہیر الدین فاروقی تربیت تدریس - نیر ندیم - اور تاریخ تعلیم پر پروفیسر حامی الدین خاں۔

متفرقات | علم شہریات - فردوس عالم - نظری معاشیات - دولت صدیقی - الجبرا - بدرالدجی - اور علم ہندسہ و مثلث - بدرالدجیٰ' غضنفر اکیڈمی کے کے زیر اہتمام متعدد علمی' تاریخی' تحقیقی کتابیں حبیب اللہ غضنفر کے مقالات و کلام کے مجموعے اور ان پر مقالات کا ایک مجموعہ زیر اشاعت ہے۔

مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر بمبئی | یہ ریسرچ سینٹر جون ۱۹۶۸ء میں مہاتما گاندھی کی یاد میں " ہندوستانی " ترویج و اشاعت کے لئے قائم کیا گیا۔ گاندھی جی کے نزدیک ہندوستانی وہ زبان تھی جو عربی' فارسی اور سنسکرت زبانوں کے الفاظ سے خالی ہو اور فارسی اور دیوناگری دونوں لکھاوٹوں میں لکھی جاسکے۔ اس کے قیام کے دیگر اغراض و مقاصد یہ ہیں:

ہندوستانی کا پرچار کرنا اور دیوناگری اور اردو دونوں لکھاوٹوں میں عام کرنا' پرانی ہندی' اردو' برج' اودھی' گجری' دکنی وغیرہ زبانوں پر ریسرچ کرانا' ہندوستان کی قلمی اور پرانی چھپی ہوئی کتابوں کو ایڈٹ کرکے چھاپنا۔ ہندوستان کی بنیادی چھوٹی بڑی ڈکشنریاں' گرامر اور حوالے کی کتابیں تیار کرانا۔ ریسرچ سینٹر کی جانب سے اس کے ڈائرکٹر ڈاکٹر عبدالستار دلوی کی ادارت میں ایک بلند پایہ سہ ماہی علمی مجلہ " ہندوستانی زبان " کے نام سے شائع ہوتا ہے جس کا ہر مضمون اردو اور دیوناگری دونوں لکھاوٹوں میں ہوتا ہے۔ ریسرچ سینٹر کی جانب سے انشا کی مشہور کتاب " رانی کیتکی کی کہانی " نظر سے گزری ہے چند اور کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں۔ ریسرچ سینٹر کے چیرمین پروفیسر آئی۔ این مارشل' اور آنریری سکریٹری ڈاکٹر ایس این گجندر گڈکر تھے۔

باب دہم

تحسین و تبریک

ترتیب :- معتمد مجلہ

۱۔ اہل علم و فضل :-

ڈاکٹر سید عبداللہ	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں	پروفیسر کرار حسین
ڈاکٹر عبادت بریلوی	ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار	ڈاکٹر سید معین الرحمٰن
ڈاکٹر انعام الحق کوثر	ڈاکٹر محمد ریاض	ڈاکٹر یونس حسنی
ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر	ڈاکٹر محمد جہانگیر خاں
ڈاکٹر سردار احمد خاں	پروفیسر محمد ایوب قادری	پروفیسر جمیل اختر
پروفیسر مجتبیٰ حسین	پروفیسر منظور احمد	پروفیسر وقار احمد
پروفیسر اختر راہی	پروفیسر ابراہیم خلیل	پروفیسر فیوض الرحمٰن
پروفیسر محمد اقبال مجددی	پروفیسر عبدالرشید	پروفیسر ارشد کیانی
پروفیسر محمد سلیم	پروفیسر محمد سعید شیخ	پروفیسر محمد یوسف گورایہ
پروفیسر خواجہ حمید الدین شاہد	کلب علی خاں فائق	غلام ربانی
سید الطاف علی بریلوی	حافظ نذر احمد	مولانا محمد عبدالحلیم چشتی
یونس جاوید	انور سدید	ایم۔جی۔ندوی
ضمیر نیازی	محمد جی ایڈرو	الحاج محمد زبیر
مسعود حسن شہاب	سید قسمت نقوی	رحمت فرخ آبادی
عبدالرشید حنیف	بشیر محمود	فاضل زیدی
وفا راشدی	ڈاکٹر عبدالمجید سندھی	مرزا نسیم بیگ۔
سید حیدر شہریار نقوی (تہران)		

۲۔ اخبارات و جرائد: اردو، اردو نامہ، قومی زبان، افکار، طلوع افکار، المعارف، العلم، الولی، فکر و نظر، الشجاع، برہان، فاران، تخلیق، کتاب، غالب، الحق، ترجمان الحدیث، محدث، نگار پاکستان، چٹان، بیباک، جنگ، ریڈیو پاکستان، آزاد، عوامی عدالت

ملک کے اصحاب علم وفضل اور اہل نقد ونظر نے علم وآگہی کے گزشتہ خصوصی شمارے کا جس طرح خیر مقدم کیا اور جس طرح اس کی تحسین فرمائی، اس کے لئے کالج کے طلبہ، اساتذہ، مجلس ادارت، مرتبین اور محترم پرنسپل صاحب ان تمام حضرات اور اخبارات وجرائد کے شکر گذار ہیں۔ اہل علم وفضل کے خطوط جناب پرنسپل، مرتبین یا مجلس ادارت کے نام ہیں۔
معتمد

اہلِ علم وفضل

مجلہ علم وآگہی کا خصوصی شمارہ جو برصغیر پاک وہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں پر مشتمل ہے موصول ہوا۔ شکریہ ــــ یہ مجلہ جس کاوش اور محنت سے مرتب کیا گیا ہے، میں اس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے ــ
(ڈاکٹر سید عبداللہ۔ ڈائرکٹر اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ لاہور)

مجلہ علم وآگہی کا خصوصی نمبر "ادارے" بھی ملا۔ ماشاءاللہ بہت ہی مفید کام شروع کیا گیا ہے اور علمی کاموں میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے ــ اس مجلے کا ہر موضوع اس قابل ہے کہ اس پر مستقل طور پر مقالے لکھا جائے۔ آپ جہاں بھی ہوں گے اسی قسم کے مفید کاموں کی توقع کی جائے گی۔ خدا آپ کو اور آپ کے رفقائے کار کو سلامت باکرامت رکھے آمین (ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں جامع سندھ۔ حیدرآباد)

آپ کا مرتب کردہ نیشنل کالج کراچی کا مجلہ میں نے دیکھا جس میں آپ نے برصغیر پاک وہند کے تمام اہم علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی ہیں اور ہماری ذہنی اور تہذیبی تاریخ میں ان اداروں کی اہمیت اور افادیت کو بڑی خوبی سے نمایاں کیا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا بڑا اچھا اور نیا کام ہے جو آپ نے کرکے دکھایا ہے۔ شاید دوسرے تعلیمی اداروں کو بھی اس سے تحریک ملے۔ میں آپ کی مساعی پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ آئندہ بھی ایسے ہی ٹھوس کام کرتے رہیں گے۔ (پروفیسر کرار حسین وائس چانسلر۔ بلوچستان یونیورسٹی۔ کوئٹہ)

علمی ادبی اور تعلیمی اداروں کے بارے میں جو کتاب آپ نے مرتب کی ہے پہنچی۔ بے حد شکر گزار ہوں۔ آپ نے بڑی محنت سے اس کتاب کو مرتب کیا ہے اور اتنا مواد اس میں جمع کردیا ہے جو تحقیقی کام کرنے

والوں کے لیے ہمیشہ مفید ثابت ہوگا۔ میری طرف سے مبارک باد قبول کیجئے۔

(پروفیسر ڈاکٹر عبادت بریلوی ۔ پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور)

"برِصغیر کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے" ملی، شکریہ۔ آپ کی اور آپ کے رفقا کی سعی قابلِ قدر ہے۔ یہ ایک طرح سے ہماری تہذیبی تاریخ کے مطالعے کا ایک ضروری پہلو ہے۔ آپ نے اسے ہر طرح مکمل بنانے کی جو کوشش کی ہے، وہ لائقِ تعریف ہے۔ فی الحال دو امور کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ پہلی بات یہ کہ اداروں میں اگر مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی کو بھی شامل کرلیا جاتا تو مناسب ہوتا۔ دوسری بات، انجمن پنجاب کے ضمن میں آپ نے کئی جگہ ڈاکٹر محمد باقر کا حوالہ دیا ہے۔ شاید آپ کو تسامح ہوا، اورنٹیل کالج میگزین میں انجمن پنجاب پر جو مضمون ہے اور جس سے آپ نے استفادہ کیا ہے وہ ڈاکٹر محمد باقر کا نہیں، بلکہ آغا محمد باقر نبیرۂ آزاد ___ (مولانا محمد حسین آزاد) کا لکھا ہوا مضمون ہے۔

بس اس وقت یہی دو باتیں سامنے آئیں۔ آپ خلوص اور لگن سے کام کرتے ہیں۔ آپ کی تحریریں نظر سے گزرتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کام کرنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔

(پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ اورنٹیل کالج لاہور)

مجلّہ "علم و آگہی" کا خصوصی شمارہ ملا، بے حد ممنون ہوں۔ اس خوبصورت اور گراں قدر رسالے کی ترتیب و اشاعت پر مبارکباد قبول کیجئے اور میری دلی تہنیت، کالج کے پرنسپل جناب سید امتیاز حسین، اپنے رفیقِ کار امیر الاسلام صاحب، اور مجلسِ ادارت کے دوسرے اراکین کی خدمت میں پہنچا دیجئے، شکریہ۔

آج کہ جب بالعموم طلبہ کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز علم و ادب اور تعلیمی اداروں کے علاوہ اور سب کچھ ہے، برِ عظیم کے علمی و ادبی اور تعلیمی اداروں کے تذکرے کے لئے کالج میگزین کی ایک خصوصی اشاعت وقف کرنا اور اسی غرض سے ایک دوسری اشاعت کا عزم رکھنا، ایک بلیغ اشارہ اور استعارہ ہے کہ سب کچھ جاننا یا جاننے کا شوق رکھنا، لیکن اپنے ورثے سے بے خبر رہنا یا کما حقہٗ واقفیت نہ رکھنا فخر کی بات نہیں!

یہ کام اگرچہ خوب ہے اور بصورتِ موجودہ بھی اپنے حُسنِ خیال، سلیقۂ ترتیب اور مافیہ کے وزن و وقار کے اعتبار سے ہر طرح قابلِ قدر ہے، لیکن یقین ہے کہ جب دوسرے شمارے کی صورت میں، اس منصوبے کے رہے سہے کھاپچے بھر جائیں گے تو اس کام کو بلا شبہ ایک مستقل کتاب حوالہ کا

رُتبہ حاصل ہو جائے گا ــــ اُمید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہو گا ــــ

(پروفیسر ڈاکٹر سید معین الرحمٰن ــ گورنمنٹ کالج لائل پور)

گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلّے "علم و آگہی" کا خصوصی شمارہ جو کہ علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں پر مرتب کیا گیا ہے نظر سے گزرا۔ گورنمنٹ نیشنل کالج کے پرنسپل صاحب، اساتذہ کرام اور طلبہ کی کاوش قابلِ تحسین ہے کہ انھوں نے برصغیر کے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کے متعلق ایک ایسا مکمل اور مستند مجموعہ پیش کیا ہے جو "علم و آگہی" کا نام روشن کرنے کے علاوہ ملک و ملّت کے لئے بھی ایک قابلِ قدر سرمایہ ہے۔ آنے والی نسلیں ان علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں اور تہذیب و تمدنِ انسانی کے مابین بکھرے ہوئے رشتوں کی لڑیوں کو سمیٹ لیں گی۔ اور یوں علم و آگہی کا یہ خصوصی شمارہ ہمیشہ ایک یادگار رہے گا۔

(پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر ــ گورنمنٹ ڈگری کالج لورالائی)

"علم و آگاہی" کا خصوصی شمارہ ملا۔ اس ارمغانِ بے نظیر کی خاطر بے حد ممنون ہوں۔ یہ شمارہ بڑی محنت اور ذوقِ خاطر سے مرتب ہوا ہے۔ پڑھ کر بے حد محظوظ و مستفید ہوا ہوں۔ سوائے اس کے کہ مختلف اداروں میں کام کرنے والے بعض حضرات کے بارے میں تبصروں سے اختلاف کی گنجائش ہے، دیگر معاملات میں پیش کئے گئے نقطۂ نظر سے اتفاق بھی ہے۔ یہ نوید بھی کم نہیں کہ اگلا شمارہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہو گا۔ براہِ کرم اپنی تحریروں اور خصوصاً اس مجلّے کی خوش ذوقانہ ترتیب پر میری مبارکباد قبول فرمائیں ــــ

(پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض ــ تہران یونیورسٹی ــ ایران)

تعلیمی اداروں سے مجلّوں کے اجرا کا مقصد طلباء کی علمی، ادبی اور تحقیقی صلاحیتوں کو جلا بخشنا ہوتا ہے۔ اس لئے عام طور پر یہ مجلّے طلباء کی عام رہنمائی اور ان کی علمی ضروریات کی تکمیل کے لئے ایک مثالی مجلہ پیش کیا جائے۔ ماضی میں بعض اہم علمی اداروں مثلاً مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دلی کالج اور اورنیٹل کالج وغیرہ نے اسی روایت کو برتا۔ اس سال گورنمنٹ نیشنل کالج کا مجلّہ علم و آگہی اسی روایت کی تکمیل ہے۔

علم و آگہی کا یہ "خاص نمبر" برصغیر کے علمی، تعلیمی، ادبی، تحقیقی اداروں کی خدمات کے تعارف پر مشتمل ہے۔ گزشتہ ایک صدی میں مسلمانوں کے ان اداروں نے برصغیر کے مسلمانوں کی ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن ہماری نئی نسل ان اداروں کے کردار، ان کی خدمات

اور ان کی افادیت واہمیت سے عام طور پر نابلد ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ان اداروں کی خدمات اور اہمیت پر مشتمل مواد کو یکجا کر دیا جائے۔ یہ کام (اب جبکہ یہ ہو چکا ہے) بظاہر بڑا آسان نظر آتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ان اداروں کے بارے میں (جن میں سے بیشتر اب ہندوستان میں رہ گئے ہیں) مستند معلومات کی فراہمی اور اس کی ترتیب و تدوین بڑا جان لیوا کام تھا۔ نیشنل کالج کے ذمہ دار اساتذہ اور طلبا مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک اہم ذمہ داری کا بیڑہ اٹھایا اور اس کو بحسن و خوبی انجام دیا۔

علم و آگہی کا یہ شمارہ اپنی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ایک عام مجلّہ سے زیادہ ایک مستقل تصنیف کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اس میں برصغیر کے تمام قابلِ ذکر دینی، علمی، ادبی، لسانی اور تعلیمی اداروں کی تاریخِ خدمات پر سیر حاصل مضامین موجود ہیں۔ فاضل مضمون نگاروں نے عرق ریزی اور محنت سے مضامین تیار کئے ہیں اور ادارے نے انھیں مناسب انداز میں ترتیب دیا ہے۔

اس قدر اہم اور بڑے کام کی انجام دہی کے لئے نیشنل کالج کے ذمہ دار یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مجلہ کی اشاعت میں مولانا ابو سلمان شاہجہاں پوری کے جنون اور امیر الاسلام صاحب کی محنتوں کو بڑا دخل ہے۔ مولانائے موصوف علمی و تحقیقی کاموں کا بڑا پاکیزہ مذاق رکھتے ہیں۔ یہ انھیں کی لگن اور محنت کا نتیجہ ہے کہ نیشنل کالج ایک ایسا معیاری، دیدہ زیب اور اہم ' خاص نمبر' نکالنے میں کامیاب ہو سکا جس نے اورنیٹل کالج کے قدیم مجلوں کی یاد تازہ کر دی۔ نیشنل کالج کو کراچی کی تمام درس گاہوں میں یہ فخر و امتیاز حاصل ہوا کہ اس کا مجلہ ایک اہم علمی اور تحقیقی دستاویز بن گیا ہے۔ اس سلسلے میں پرنسپل سید امتیاز حسین صاحب کی رہنمائی اور طلبا کی دلچسپیوں کو یقیناً خاصا دخل ہے۔ اعلیٰ درجے کے کام ایسے ہی باہمی تعاون، حوصلہ افزائی اور رہنمائی سے ہی انجام دیئے جاتے رہے۔

(پروفیسر ڈاکٹر یونس حسنی۔ کراچی کینٹ کالج۔ کراچی)

آپ کا مجلہ ملا مجھے حیرت ہے کہ آپ نے اتنا بڑا تحقیقی کام کس طرح کیا ہوگا جب کہ ہمارے کالجوں کی عام روایت یہ ہے کہ کالجوں کی عام دلچسپی کی باتیں ہوتی ہیں۔ صرف چار فوٹو گراف ہوتے ہیں۔ سندھ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو نے بھی ایک اچھی روایت ڈالی تھی۔ اب معلوم نہیں ان کا کوئی مجلہ شائع ہوا ہے یا نہیں۔ یہ ایک خالص علمی اور کام [illegible]

دستاویزی ہے ۔

(ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی ۔ حیدر آباد سندھ)

آپ کے مجلّے کا یہ خصوصی شمارہ جو محنت، لگن اور ذوقِ تحقیق کا آئینہ دار ہے، ہر اعتبار سے مبارک باد کا سزاوار ہے ۔ نوجوان نسل میں بالخصوص علم و آگہی کے ذوق و شوق کی اتنی زیادہ کمی ہے کہ جب اس قسم کی کوشش نظر آتی ہے تو بے ساختہ کلماتِ تحسین و ستائش زبان پر آجاتے ہیں ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو علم و ادب کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے ۔ آمین

میں ایک بار پھر اس مجلّے کے خصوصی شمارے پر آپ سب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں ۔

(ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ۔ لاہور)

آپ نے بڑی محنت ۔ جانفشانی اور کوشش سے اتنے بڑے کام کو سرانجام دیا جس کی ملک اور قوم کو بہت ضرورت تھی اور احبابِ علم کو ان اداروں پر مزید کام کرنے کے راستے دکھائے ۔ میں آپ کی خدمت میں اس کامیاب کوشش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں آئندہ سال کے شمارے میں آپ باقی ماندہ ادارے کو بھی اپنے مجلے میں شامل کرلیں گے ۔

(ڈاکٹر محمد جہانگیر خاں، ناظم اعلیٰ ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان لاہور)

آپ نے کالج میگزین کو جس انداز پر مرتب کیا ہے، وہ تمام کالج کے میگزینوں کے لیے باعثِ تقلید اور ان کو مرتب کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہے ۔ حقیقت میں یہ میگزین نہیں ایک دستاویز ہے اور برصغیر میں مسلمانوں کی علمی اور ثقافتی سرگرمیوں کی تصویر ہے ۔ اس دور میں ایسے کارنامے سرانجام دینا آپ ہی کا حوصلہ اور حصہ ہے ۔ آپ کے اس کارنامے پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں ۔ آپ کی تلاش و جستجو، کاہش و کاوش نے نئی نسل کو گزشتہ دورِ علم و تہذیب سے روشناس ہی نہیں کرایا ۔ بلکہ اسی دور میں لے جاکر کھڑا کردیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دیں ۔ آمین

اپنے پرنسپل صاحب کو میرا سلام کہیں اور کالج سے ایسے بلند پایہ میگزین کا بندوبست کرانے پر مبارک باد دیجئے ۔

(پروفیسر ڈاکٹر سردار احمد خاں ۔ گورنمنٹ اسلامیہ کالج سکھر)

میں جناب کو اس بات پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آپ کے کالج کے میگزین "ادارے نمبر" کی اشاعت ایک عظیم علمی کارنامہ ہے ۔ یہ علمی اداروں یا یونیورسٹی کے کرنے کا کام

تھا جسے ایک کالج نے انجام دیا ہے۔ آپ اور آپ کے رفقا خصوصاً جناب محترم پروفیسر ابو سلمان صاحب شاہجہان پوری اور پروفیسر امیر الاسلام صاحب صدیقی اپنی اس کاوش و کوشش کے لئے تمام علمی دنیا کی طرف سے ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔

اس نمبر میں برصغیر کے مسلمانوں کی دو سو سال کی علمی، تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی تاریخ سمٹ آئی ہے۔ تمام مضامین معیاری اور تحقیقی ہیں۔ جناب محترم پروفیسر حسنین کاظمی، پروفیسر شفقت رضوی اور ڈاکٹر انصار زاہد صاحب کے مقالے اپنے موضوع پر خوب ہیں۔ اور ان میں بعض نئے گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

میں ایک مرتبہ پھر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔

(پروفیسر محمد ایوب قادری۔ گورنمنٹ اردو کالج۔ کراچی)

آپ کا مرتب کردہ نیشنل کالج میگزین "برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے" ملا۔ میری جانب سے دلی مبارک باد قبول فرمائیے، عام طور پر کالج میگزین شائع کرنے کی جو روایت رہی ہے آپ نے اس سے انحراف کی ایک نادر مثال قائم کی ہے۔

برصغیر کے علمی، تہذیبی اور ادبی اداروں کے بارے میں اتنی معلومات، اس قدر سلیقے اور اتنے اختصار سے کہیں اور نہیں مل سکتیں۔

مجھے توقع ہے کہ آپ کی نگرانی اور ہدایت میں اس قسم کے مزید علمی اور ادبی کارنامے سرانجام پائیں گے اور ہمارے نوجوان اپنے تہذیبی مآخذ اور علمی آثار سے آشنا ہو سکیں گے۔

(جمیل اختر)

آپ نے کالج کے میگزین کو ایک ایسی دستاویز بنا کر پیش کیا ہے کہ آئندہ کی نسلیں اس پر فخر کریں گی۔ آپ اور آپ کے ساتھی اس سلسلہ میں قابلِ مبارک باد ہیں۔ معلوم نہیں۔ اس دور میں یہ کارنامہ آپ نے کیسے انجام دیا۔ خدا آپ کا حوصلہ بلند رکھے۔ اور ہماری صفیں درست رکھے ـــ آمین

(لیکچرر۔ گورنمنٹ کالج۔ جیکب آباد)

آپ کا مجلّہ "ادارے" آپ کی محنت، جستجو اور علمی خدمت سے لگن کا ثبوت ہے۔ ہر چند کہ اس میں ابھی کئی اہم اداروں کا تذکرہ رہ گیا ہے۔ پھر بھی آپ نے ایک بنیاد رکھ دی ہے جس پر عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے۔

اس نیشنل کالج سے جناب خیر سے سرکاری ہو گیا ہے بلکہ مجھ کبھی کبھی تعلق رہا ہے اسی لئے

کوئی رسالہ جب وہاں کا دیکھتا ہوں تو خوشی ہوتی ہے۔

(پروفیسر مجتبیٰ حسین۔ جامعہ بلوچستان۔ کوئٹہ)

رسالہ علم و آگہی گورنمنٹ نیشنل کالج۔ کراچی کا خصوصی شمارہ علمی و ادبی و تعلیمی ادارے ملا۔ دلی شکریہ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اہم اداروں کی تاریخ کے بارے میں آپ نے جو معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ بہت قابل قدر ہے۔ خصوصاً اسلامیہ کالج پشاور، ادارۂ ادبیات اردو دکن، ترقی اردو بورڈ۔ کراچی اور انجمن پنجاب کے بارے میں اس اہم نمبر کے ذریعہ ہماری معلومات میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ میری جانب سے اراکین کالج اور پرنسپل صاحب مبارک باد قبول فرمائیں۔

(پروفیسر منظور احمد۔ پرنسپل شاہ حسین۔ کالج لاہور)

علم و آگہی کا "برصغیر پاک و ہند کے ادارے نمبر" وصول ہوا۔ اس عنایت کا بہت شکریہ۔ میں نے فرطِ شوق میں شروع سے آخر تک آپ کے رسالے کا مطالعہ کیا۔ رسالہ کیا ہے پوری کتاب ہے جس میں آپ نے اپنی محنت اور کاوش سے قوم و ملک کی پوری تہذیبی اور علمی تاریخ کو سمیٹ لیا ہے۔ اس کو بجا طور پر قومی دستاویز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک اہم کام تھا۔ جس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت تھی۔ خوشی کی بات ہے کہ اس اہم کام کی تکمیل کا سہرا آپ کے سر بندھا ہے۔ ع

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

آپ نے شروع میں برصغیر کے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کے بارے میں جو عالمانہ مقدمہ لکھا ہے وہ بہت مفید، جامع اور کارآمد ہے۔ اس مجلہ نمبر کو پڑھ کر قوم کی پوری تاریخ ایک تصویر بن کر سامنے آجاتی ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اس سرزمین پاک و ہند میں کیسے کیسے علم و ادب کے سرچشمے یادگار چھوڑے جن کی روشنی اور علم و دانش کی بارشوں سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی ثقافتی اور علمی سرگرمیاں اس قدر واضح اور تابناک ہیں کہ رہتی دنیا تک ان کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے اس باب خاص میں جو کام انجام دیا، وہ باقی رہے گا۔ اور آئندہ کام کرنے والوں کو اس سے بہت مدد ملے گی۔

خدا آپ کو خوش رکھے کہ آپ نے علم و آگہی کا حق ادا کر دیا۔ آپ اپنے پرنسپل صاحب۔ سید امتیاز حسین صاحب سے میرا سلام عرض کیجیے۔

میں امتیاز صاحب کا بہت شکر گزار رہوں گا کہ انھوں نے علم و آگہی کا ایسا گراں قدر نمبر دیکھنے کے لئے عطا فرمایا ——— (پروفیسر وقار احمد۔ کراچی یونیورسٹی۔ کراچی)

"علم و آگہی" کا خصوصی شمارہ نظر نواز ہوا۔ آپ کی محنت کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔
آپ نے کالج میگزین کی خصوصی اشاعت پیش کر کے قابلِ تقلید مثال قائم کی ہے۔
برصغیر کے تعلیمی، علمی اور ادبی اداروں پر اس قدر مواد یکجا شاید ہی کسی دوسری جگہ مل سکے
جستہ جستہ مضامین دیکھے ہیں اور بے ساختہ آپ کی محنت کی داد دی۔
اس پیش کش پر ادارہ قابلِ مبارک باد ہے۔

(پروفیسر اختر راہی ۔ گورنمنٹ کالج ۔ مری)

آپ کا مجلہ ملا۔ دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔ لغو، لایعنی اور فضول تصاویر سے عاری، مہمل
بے کار اور بے مقصد رپورٹوں سے معرّا۔ خالصتہً علمی اور تحقیقی مواد پر مشتمل۔ بھائی پرانے علی گڑھ
میگزینوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ ورنہ کالج کے میگزین سراپا حماقت اور چوں چوں کا مربہ ہوتے ہیں۔
آپ کے پرنسپل صاحب جنھوں نے اس علمی کام میں روڑے اٹکانے کے بجائے آپ کی مدد کی۔
آپ کے معاونین اور قلم کار جنھوں نے قلمی اعانت کی اور خصوصاً طلبا جنھوں نے بڑی بالغ نظری
کا ثبوت دیا اور ظاہری آب و تاب اور طمع کاری پر باطنی حسن کو ترجیح دی، قابلِ ستائش اور
لائق صد مبارک باد ہیں۔ آپ کی مساعی اور عرق ریزی کے متعلق کیا عرض کروں۔ ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

آپ کے اس شاہکار نے کالج کو حیاتِ جاودانی عطا کر دی۔ اس کی ایک ایک کاپی
باہر کی چند مشہور لائبریریوں اور مشہور درس گاہوں میں ضرور رکھوا دیں۔

(پروفیسر ابراہیم خلیل ۔ گورنمنٹ کالج ۔ دادو)

پاکستان کے تعلیمی اداروں سے نکلنے والے تمام مجلات سے آپ کا "علم و آگہی" کا خاص نمبر
نمبر لے گیا ہے۔ اسے دیکھ کر مجلہ پر کم، اور پاک و ہند کے ممتاز علمی، ادبی، اور تعلیمی اداروں کی
مستند اور جامع تاریخ پر زیادہ گماں ہوتا ہے، یہ مجلہ ہے یا ان اداروں کی مستند تاریخ۔
یقین مانیئے کہ مجھے آپ کے اس کارنامہ کو دیکھ کر نہایت مسرت ہوئی، آپ نے بہت بڑی
علمی خدمت انجام دے کر ہم طالب علموں پر احسان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین

(حافظ قاری پروفیسر فیوض الرحمٰن ۔ گورنمنٹ کالج ۔ ایبٹ آباد)

مجلہ علم و آگہی، کا خصوصی شمارہ علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے نمبر ۱۹۶۲ء) موصول ہوا، شکریہ۔
اس موضوع پر غرابت نگار ڈاکٹر عبدالحق، مسلمانوں کی قدیم اسلامی درس گاہیں از ابوالحسنات ندوی،

مراکز المسلمین فی الہند از عبدالحلیم ندوی اور مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت مولفہ مولانا مناظر احسن گیلانی کے بعد ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کے بارے میں بھی جدید تحقیقاتی معلومات مہیا کی جائیں۔

اس سلسلہ میں نیشنل کالج کے اراکین نے اس کمی کو پورا کرنے کی جو سعی فرمائی ہے، قابلِ ستائش ہے۔ احقر کی طرف سے کارکنانِ گورنمنٹ نیشنل کالج اور کالج کے پرنسپل صاحب مبارک باد قبول فرمائیں ——— (پروفیسر محمد اقبال مجددی، گورنمنٹ شاہ حسین کالج — لاہور)

آپ کے کالج میگزین کا مطالعہ کر کے مسرت ہوئی۔ بلاشبہ یہ ایک گراں قدر علمی و ادبی خدمت ہے۔ ماشاءاللہ آپ نے عام کالج کے معیار سے ہٹ کر ایک علمی دستاویز پیش کی ہے جس کے لئے آپ کے اساتذ کرام و طلبا لائق صد تحسین ہیں اور ان کی یہ علمی کوششیں قابلِ صد مبارکباد ہیں۔

(پروفیسر عبدالرشید۔ جامعہ اسلامیہ۔ بھاولپور)

'علم و آگہی' کا یہ خصوصی شمارہ جس میں برصغیر کے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ آپ کی بلند نگہی، فکری تعمق، اور تخیلی وسعت کا پوری طرح غماز ہے۔ مبارک باد قبول فرمائیے کہ یہ کارِ عظیم آپ کی مساعی جلیلہ سے انجام کو پہنچا۔ اتنا بڑا کام فکرِ بلیغ اور عملِ دقیق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

میرے لئے آپ کا یہ کارنامہ ایک اور حیثیت سے بھی قابل صد رشک ہے، کیونکہ میں اپنے کالج میگزین کا نگراں ہوں، ہمارے لئے آپ کی یہ کاوش منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے اور سچی بات ہے کہ اس سے ہمارے حوصلے اور عزائم زیادہ ہوئے ہیں۔

(پروفیسر ارشد کیانی - ایم۔ اے او کالج — لاہور)

میگزین کیا ہے، ایک کتاب ہے۔ کتاب بھی ایسی جو سینکڑوں کتابوں پر بھاری ہے۔ آپ نے ہزاروں اوراق سے بے نیاز کر کے نہایت وقیع معلومات جو منتشر تھیں، جن کا جمع ہونا کسی ایک فرد کے پاس سخت متعذر تھا۔ ان کو ایک سہل الحصول کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ فجزاکم اللہ عنا جزاءً خیراً۔

اس تصنیف کے لئے آپ، آپ کے رفقائے کار اور آپ کا کالج سب قابلِ مبارکباد ہیں۔ اللہ تعالےٰ انھیں مزید توفیق اور ہمت عطا فرمائے کہ وہ اپنے اس سفر پر مزید پیش قدمی فرمائیں۔

(پروفیسر محمد سلیم ۔ گورنمنٹ کالج ۔ شکارپور)

رسالہ کھولا اور اس کے عنوانات پر نظر ڈالی تو دل خوش ہوگیا۔ مشمولات کی دلچسپی اور تنوع کا یہ عالم کہ پہلی ہی نشست میں اس کا ایک بڑا حصہ پڑھ ڈالا۔ آپ نے جس انداز، جس ترتیب اور جس محنت سے مختلف اداروں کے متعلق معلومات فراہم کیے ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی ہمت ہے ورنہ ہر ایک یہ کام نہیں کرسکتا۔ یہ ایک تاریخی دستاویز ہے جو آپ نے ہمیشہ کے لئے محفوظ کردی ہے اس پر آپ کا ادارہ مستحق تحسین و تبریک ہے۔

(پروفیسر محمد سعید شیخ ڈائرکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)

مجلہ علم و آگہی کا خصوصی شمارہ موصول ہوا۔ بے حد شکریہ

آپ نے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کے قیام، کارکردگی اور ان کی موجودہ حالت پر معلومات جمع کرنے کے لئے قابلِ تحسین کارنامہ انجام دیا ہے۔ علمی، فکری اور تحقیقی ادارے قوموں کا بہت بڑا سرمایہ ہوتے ہیں۔ ان کی حفاظت اور ان کے کارناموں کی تدوین بہت بڑی خدمت ہے ــــ ہماری تاریخ میں ابن ندیم نے اپنے اسلاف کے علمی سرمائے کی حفاظت کے لئے "الفہرست" جیسی عظیم کتاب مرتب کرکے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ آپ کی یہ کوشش اس نقطۂ نظر سے ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اداروں پر مقالات دو طرح کے ہیں۔ بعض جامع اور بعض سطحی اور سرسری، مثلاً ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور اور ادارہ معارف اسلامیہ لاہور پر لکھے جانے والے مقالے جامع ہیں جب کہ مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد پر لکھا جانے والا مقالہ سطحی اور کسی حد تک تعصب کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ موخر الذکر ادارے کے بارے میں جہاں بعض دوسری بنیادی خامیاں ہیں، ان میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ بعض نہایت اہم مطبوعات کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مثلاً ڈاکٹر احمد حسن کی کتاب "IS LAMIC JURISPUDENCE" اور پروفیسر محمد یوسف گورایہ کی کتاب "نظام زکوٰۃ اور جدید معاشی مسائل" کا ذکر موجود نہیں ــ بایں ہمہ چونکہ موضوع قابلِ تحسین اور کوشش قابلِ داد ہے، اس لئے گورنمنٹ نیشنل کالج کی انتظامیہ مبارک باد کی مستحق ہے۔ مجلہ کا یہ خصوصی شمارہ تحقیق و حوالہ کی سند رکھتا ہے۔

(پروفیسر محمد یوسف گورایہ۔ ڈائریکٹر علماء اکیڈمی ــ لاہور)

آپ کی سرپرستی میں شائع ہونے والی کتاب "برصغیر پاک و ہند کے علمی و ادبی اور تعلیمی ادارے" وصول ہوئی جس کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ گراں پایہ تحقیقی تصنیف اکادمی کے کتب خانے کی زینت بنے گی اور تشنگانِ علم و ادب اس سے سیراب ہوتے رہیں گے۔ آپ کا تعارف پڑھنے کے بعد اس کتاب کی اشاعت کی اہمیت اور افادیت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر ممتاز حسن مرحوم و مغفور کا پیش لفظ خاصے کی چیز ہے۔ مولانا ابو سلمان شاہجہانپوری کا مقدمہ علمی تحقیق کا شاہکار ہے۔

میں پھر ایک بار آپ کی کرم فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(پروفیسر خواجہ حمید الدین شاہد۔ معتمد اعزازی بہادر یار جنگ اکادمی کراچی)

"مجلہ علم و آگہی" کا خصوصی شمارہ نظر نواز ہوا۔ عنوانات "تعلیمی ادارے، علمی و تعلیمی ادارے علمی و تحقیقی ادارے، اردو ادارے، ادبی ادارے، تاریخی و قومی ادارے کے تحت مختلف حضرات نے جو اجمالی معلومات مہیا کی ہیں وہ قابل تحسین ہیں۔ یہ خصوصی شمارہ یادگاری نمبر بن گیا ہے۔ اگرچہ اس نمبر میں اجمال سے کام لیا گیا ہے لیکن عنوانات کا دائرہ محدود نہیں، امید کی جاتی ہے کہ آئندہ خصوصی شماروں میں تفصیل مدنظر رکھی جائے گی کہ یہ علمی کاوش بطور کتب حوالہ کام دے سکے۔

(کلب علی خاں فائق ۔ لاہور)

I have gone through the above said publication and found it most useful. In fact it is valuable document which will be referred to by the Scholars engaged in research on the muslim culture and history of the sub-continent.

Thanking you once again.

(GHULAM RABBANI A. AGRO)
Secretary,
The Sindhi Adabi Board.

آپ کے کالج نے یہ ایک نہایت شاندار اور یادگار علمی خدمت انجام دی ہے۔ جس کے لئے میں آپ کو اور جملہ مرتبین رسالہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

(سید الطاف علی بریلوی سکریٹری پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی)

آپ کا مجلّہ باصرہ نواز ہوا نام اس قدر پرکشش ہے کہ اولین فرصت میں اس کے مندرجات دیکھے۔ ہر باب میں قابلِ قدر مواد موجود پایا۔

اس ندرت، محنت، اور تجسس پر بے ساختہ داد دینے پر مجبور ہوں۔ موضوع بھی خوب ہے اور کام بھی خوب ہے۔ ہدیۂ تبریک قبول کیجئے۔

(حافظ نذر احمد — لاہور)

رسالوں کے خاص شمارے موضوع کی خصوصیت کے اعتبار سے یادگار رہتے اور یادگار رہتے ہیں، موضوع جس قدر اہم اور عام ہو اور اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب یا مستقل رسالہ پہلے سے موجود نہ ہو یا مواد یکجا نہیں ملتا ہو یا کمتر، منتشر اور بدقت ملتا ہو تو ایسے وقت میں اس خاص موضوع پر اس خصوصی شمارے کی اہمیت و افادیت و ندرت میں اضافہ ہی نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا مقام بھی خصوصی شماروں میں بلند ہو جاتا ہے، اسی قسم کے خاص شماروں میں علم و آگہی کا یہ خصوصی شمارہ "برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے" بھی ہے۔

اس شمارے میں حرف آغاز اور ممتاز حسن کا پیش لفظ فکر انگیز اور معلوماتی ہے۔ ابوسلمان شاہجہان پوری کا مقدمہ پورے رسالے کا خلاصہ ہے، البتہ پورا رسالہ زبان و بیان کے اعتبار سے بہت ہم آہنگ ہے، اگر رسالہ بے قیمت ملتا تو اس کی افادیت اور اشاعت کا دائرہ زیادہ وسیع ہو جاتا۔

اس خصوصی شمارے کی اشاعت پر نیشنل کالج کے پرنسپل، مرتب اور معاونین سب ہی لائق مبارکباد ہیں ——— (مولانا محمد عبدالحلیم چشتی۔ جامعہ کراچی)

بلاشبہ آپ نے برصغیر کے علمی و ادبی اداروں کے مختصر تعارفی خاکوں کو یکجا کر کے بڑی خدمت انجام دی ہے۔ کہیں کہیں اختلاف کی گنجائش بھی ہے مگر یہ کام اس قدر آسان بھی نہ تھا کہ سہو نہ ہوتا۔ تاہم یہ مجلّہ آپ کی علم دوستی کا ایک ثبوت بھی ہے اور بہتر کارکردگی کی ضمانت بھی ——— (یونس جاوید — لاہور)

آپ نے بکھرے ہوئے قیمتی مواد کو بڑی خوبی سے اس مجلّہ میں جمع کر دیا ہے۔ میں ان دنوں "اردو ادب کی تحریکیں" پر کام کر رہا ہوں۔ علی گڑھ، دہلی کالج وغیرہ کے لئے مجھے جو مواد درکار تھا اس کی فراہمی میں یہ کتاب مجھے بہت مدد دے گی۔ میں اس کے لئے آپ کا بے حد شکر گزار ہوں ——— (انور سدید — سرگودھا)

میں تہِ دل سے آپ کی اس عنایت وکرم گستری کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنا قیمتی مجلّہ "علم وآگہی" بطور رخاص مرحمت فرمایا اور ساتھ ساتھ آپ کی کاوش ومحنت شاقہ پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ آپ نے برصغیر کے علمی اداروں کے سلسلے میں بعض بہت اچھے مضامین حاصل کئے ہیں، مجموعی طور پر یہ خصوصی شمارہ صاحب تالیف وتصنیف کے لئے بے حد رہنما ثابت ہوگا اگرچہ بعض اداروں کے جاننے میں تشنگی سے کی محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال قدیم اردو اداروں کی تاریخی حیثیت اور ان کا پس منظر سامنے آگیا ہے۔ اللہ کرے آپ کو ذوق سلیم عطا ہو اور حوصلے بلند ——— (مولانا ایم۔جی ——ندوی)

ساڑھے تین سو صفحات پر پھیلے ہوئے "علم وآگہی" کے خصوصی شمارے کے مطالعہ کے بعد صرف اتنا عرض کردوں تو کافی ہوگا کہ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ نے اپنے "محدود وسائل" کے باوجود برصغیر کی دو سو سالہ علمی، ادبی، تعلیمی، تہذیبی اور تصنیفی تاریخ کو جس طرح یکجا کیا ہے وہ ایسا کارنامہ ہے جو یقیناً آپ کے کالج کی "نیک نامی میں اضافہ" کا باعث ہوگا۔ یہ ایک ایسی دستاویز ہے جس سے برصغیر پاک وہند کا ہر مؤرخ اور محقق استفادہ کرے گا۔

یوں تو اس موقر مجلہ کا ہر مضمون معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ لیکن جناب ابو سلمان شاہجہاں پوری صاحب نے اپنے مقدمہ میں قیمتی معلومات کو جس محنت، توجہ اور لگن سے یکجا کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے ——

آخر میں آپ کے توسط سے مجلس مشاورت وادارت اور مجلہ کے قابل ولائق مرتبین جناب ابو سلمان شاہجہاں پوری اور جناب امیر الاسلام صاحب کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں ——— (ضمیر نیازی۔کراچی)

میری رائے میں گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کا یہ مجلہ اس صدی کی عظیم الشان کتاب ہے۔ کیونکہ قبل ازیں اس موضوع پر شاید ہی کوئی جامع کتاب لکھی گئی ہو۔ کتاب کے جملہ مضامین انتہائی تحقیقی، معلوماتی اور مؤثر واقعات کا مجموعہ ہیں۔ جناب امیر الاسلام صدیقی اور ابو سلمان شاہجہاں پوری صاحب نے ان تاریخی وعلمی دستاویزوں کو جس حسنِ ترتیب اور محنت کے ساتھ

جمع کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔

گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے کارپردازوں نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی علمی، تعلیمی اور تہذیبی تاریخ کو منظر عام پر لانے کے لئے یہ جو مبارک سلسلہ جاری کیا ہے۔ اس کے لئے نہ فقط ہم موجودہ نسل بلکہ آئندہ نسلیں بھی صدیوں ان کے مرہونِ منت رہیں گی۔ میرے نزدیک اس ادارے کا اپنی قوم پر یہ ایک تاریخی اور عظیم احسان ہے۔

(محمد جی ابڑو۔ ہالا)

میری ناچیز رائے میں یہ شمارہ کالج کی تاریخ میں اپنی نوع کا پہلا شمارہ ہے جس نے محض کالج کا نام روشن نہیں کیا، بلکہ علم و ادب اور اردو دنیا کی راہیں بھی منور کردی ہیں۔ اس قیمتی شمارے میں برصغیر کے علمی و ادبی اور تعلیمی اداروں کو ایک رشتہ میں منسلک کرکے بڑی اہم ضرورت کو نہایت خوبی و اہتمام کے ساتھ پورا کردیا ہے۔ درحقیقت یہ مجموعہ اتنے پائدار اور ٹھوس مضامین پر مشتمل ہے جن کی افادیت کبھی کم نہ ہوگی اور ہر زمانہ کے اہلِ علم اس سے فیض حاصل کرتے رہیں گے۔ قابلِ ذکر بات یہ بھی ہے کہ علم و ثقافت کے اس مرقع کی صحیح اور صاف ستھری کتابت و طباعت نے اسے اور حسین و دلکش بنادیا ہے۔

محترم پرنسپل صاحب آپ اور آپ کے وہ رفقائے کار جن کی محنت و کاوش اس گراں قدر مجموعہ کو وجود میں لائی ہے۔ ہر طرح مبارکباد کے مستحق ہیں اسے میں نے بڑے شوق و توجہ سے پڑھا، اس کے مطالعہ کے دوران وہ دن میری نظروں میں گھومتے رہے جب میں آپ کے کالج سے منسلک تھا ——— (الحاج محمد زبیر۔ کراچی)

گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کی پیشکش "علمی ادبی اور تعلیمی ادارے" لائقِ ستائش ہے اس میں شک نہیں کہ بہت خوبصورت عنوان کا انتخاب کیا ہے۔ پھر اداروں کی مختلف اور متنوع حیثیات نے مجلہ کو ایک حسین گلدستہ بناکر رکھدیا ہے۔ قدیم و جدید کی رعایت اور وقائع نگاری میں حقیقت پسندی اور سادگی کے رجحان نے اس کوشش کو اور زیادہ اہم بنادیا ہے ——— اتنے زیادہ لکھنے والوں میں ضروری نہیں کہ ہر شخص کی تمام باتوں سے پڑھنے والوں کو پورا پورا اتفاق ہو یا ان کی خواہش کے مطابق ہر ادارے کے جملہ کوائف پر سیر حاصل تبصرہ اور بحث آجائے مگر یہ بہرحال ماننا پڑے گا کہ جو کچھ آگیا ہے وہ بھی بہت ہے اور یہ ایک اچھی ابتدا ہے ان خطوط پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو مبارک و مقبول

فرمائے ـــ آمین (مولانا سلیم اللہ خاں ـ جامعہ قادریہ ـ کراچی)

"علم و آگہی" کا خصوصی شمارہ آپ کی دقت نظر اور خوش سلیقگی کا آئینہ دار ہے۔ اتنے خوبصورت اور عمدہ نمبر کی اشاعت پر میری جانب سے مبارک باد قبول کیجیے۔

(مسعود حسن شہاب ـ سکریٹری اردو اکیڈمی ـ بہاولپور)

آپ کے کالج کے مجلہ کا وہ خاص شمارہ ملا، جس میں پاک و ہند کے علمی و ادبی اداروں کے حالات و کوائف یک جا جمع کئے گئے ہیں۔ اس کے مطالعہ کے بعد دل سے دعا نکلی کہ خداوند عالم آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کے عزم و حوصلے کو بلند فرمائے تاکہ آپ اس سے زیادہ اہم کام سرانجام دیں۔ اس کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ آج تک کسی کالج نے اس طرح مجلہ شائع نہیں کیا جسے حوالے کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیے میں پرنسپل صاحب اور جملہ ارکان کی خدمت میں بھی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

(سید قدرت نقوی ـ کراچی)

پرسوں مجھے آپ کا رسالہ ملا۔ شکریہ ـ پرسوں سے آج تک میں نے صرف آپ کے رسالے ہی کا مطالعہ کیا۔ میری طرف سے اس اہم دستاویز کی اشاعت پر مبارک باد قبول فرمائیں یہ خصوصی شمارہ تو اپنے موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا معلوم دیتا ہے۔ جو کام عظیم ادارے اور ان کے "عالی" دماغ اراکین نہ کر سکے، وہ ایک تعلیمی ادارے نے کر دیا۔ لگن اور ذوق ایک طرف ہے اور خود نمائی اور نام و نمود دوسری طرف۔ ایک طرف وسائل کی حد درجہ کمی اور دوسری طرف ان کا انبار۔ امتیاز میں اہلِ نظر پر چھوڑتا ہوں وہ خود کر لیں، اور اسی زاویۂ نگاہ سے اس علمی و ادبی جریدے کی قدر و قیمت کا تعین کریں۔ اس باب میں پاکستان کے کسی ادارے کو اب بھی اگر کچھ زعم ہے تو اس کے جواب کے لئے مجھے الفاظ نہیں مل رہے۔ عمل کے میزان میں اہلِ نظر خود پرکھ لیں گے ـــ (رحمت فرخ آبادی ـــ سکھر)

راقم نے اردو میں اس موضوع پر کافی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے۔ لیکن آپ کی ادارت میں خالص علمی اور تاریخی کام "علم و آگہی" مجلہ کی حیثیت میں جو کیا گیا ہے اس کا ایک ایک فقرہ اور جملہ مبارک باد کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو خالص علمی اور ادبی موضوع پر کام کرنے کی مزید توفیق بخشے۔ میں آپ کو اس مقدس کارنامہ پہ ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔

(عبدالرشید حنیف ـــ جھنگ)

ایسا عمدہ معیاری اور نہایت علمی و تحقیقی نمبر شائع کرنے پر آپ کو اور مجلے کے سب ہی مرتبین کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں ۔ اس نمبر کا علمی اعتبار اور اس کا طباعتی معیار و نکھار قابلِ صد داد ہے ، یہ محض رسالہ نہیں رہا ، بلکہ حوالے کی ایک مستقل کتاب بن گیا ہے ۔

(بشیر محمود ۔ لیڈ)

آپ نے پرچہ بڑی محنت سے ترتیب دیا ہے ۔ یہ رسالہ کیا ہے ، اچھا خاصا انسائیکلو پیڈیا ہے ۔ میرے خیال میں ہند و پاکستان کے ادبی ۔ مذہبی اور تعلیمی اداروں کے متعلق اتنی معلومات کہیں یک جا نہیں مل سکتی ۔ میں اس کامیاب نمبر کی اشاعت پر آپ کو تہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں ۔ (فاضل زیدی)

کسی تعلیمی ادارے کے میگزین کی اشاعت کا اصل مقصد طلبا کی ذہنی تربیت ، ان میں تعلیمی رجحان ، علم کا شوق اور ادب کا پاکیزہ ذوق پیدا کرنا ہوتا ہے ۔ لیکن بہت کم مجلے اس اہم مقصد کو پورا کر پاتے ہیں ۔ اکثر میگزین محض چند افسانوں ، مضامین ، نظموں اور تصویروں کے مجموعے کے سوا کچھ نہیں ہوتے ۔ آپ نے عام روش سے ہٹ کر " علم و آگہی " کی ایک نئی شمع روشن کی ہے ایک نیا اُجالا دیا ہے اور ایک نئی روایت کی داغ بیل ڈالی ہے ۔ کہنے کو تو یہ نیشنل کالج کراچی کے ادبی مجلہ " علم و آگہی " کا خصوصی شمارہ ہے لیکن یہ شمارہ اپنی افادیت کے اعتبار سے ایک مستقل تالیف ہے اور اسے جس سائز پر شائع کیا گیا ہے اس نے ایک کتاب کی حیثیت دیدی ہے یہ صحیفہ برصغیر کے مسلمانوں کی دو سو سال کی علمی ادبی ، تعلیمی ، تہذیبی اور ثقافتی کاوشوں اور خدمات کی جامع و مانع تاریخ پر مشتمل ہے ۔ موجودہ دور میں جب کہ اسلاف کے علمی و تعلیمی کارناموں سے لاعلمی عام ہے ۔ جدیدیت کے شوق میں بے معنی و غیر معیاری لٹریچر کی ریل پیل ہے " علم و آگہی " کے اس خاص شمارے کی اشاعت ایک نیک فال ہے ۔

قومی زندگی کی تشکیل و تعمیر میں صرف اداروں کا بڑا حصہ رہا ہے ۔ یہی وہ قدیم و جدید ادارے ہیں جنھوں نے علم ، ادب ، ثقافت ، سیاست ، تہذیب و معاشرت گویا ہر شعبۂ حیات میں ، ہر دور میں ملک و قوم کے اکابر اور مشاہیر پیدا کئے ہیں ۔ ایسی بہت سی نامور ہستیوں کے تذکرے اس میں شامل ہیں ۔ تحریکِ آزادی ، نظریۂ پاکستان اور ان محرکات ، عوامل و کوائف جن کی بنا پر پاکستان جیسا عظیم ملک وجود میں آیا ہے ، سے واقفیت ، برصغیر کے علمی ادبی اور تعلیمی اداروں کی سرگذشت و تاریخ کے مطالعے کے بغیر نا ممکن ہے ۔

اس اشاعتِ خاص کی تہذیب وتدوین جس جدت وندرت کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس سے اس کے مرتبین کی جدتِ طبع، بالغ نظری اور حسنِ سلیقہ آشکارا ہے۔ اس شمارۂ خاص کو بڑی محنت، جستجو، انہماک، لگن اور ذوق وشوق سے مرتب کیا گیا ہے۔ لکھنے والوں نے تحریر وتحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ یہ تمام مضامین پہلی بار اس شمارے کے لئے لکھے اور لکھوائے گئے ہیں۔

برصغیر کے علما ادبی اور تعلیمی ادارے کے موضوع پر یہ پہلا کام ہے۔ مجھے یقین ہے کہ طلبا اساتذہ اور اہل تحقیق سب ہی اس سے اپنے طور پر استفادہ کر سکیں گے۔

اس تاریخی دستاویز کی خصوصی اشاعت پر پرنسپل سید امتیاز حسین صاحب، پروفیسر ابو سلمان شاہجہان پوری صاحب، پروفیسر امیر الاسلام صاحب اور نیشنل کالج کے دیگر اساتذہ وطلبا دلی مبارک باد کے مستحق ہیں — (روفا راشدی)

آپ نے بڑی محنت سے یہ مجلہ مرتب کیا ہے۔ بہت ہی قیمتی مواد اس میں جمع ہو گیا ہے اس لئے اس کو محفوظ کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ البتہ ایک شکایت ضرور ہے کہ آپ نے سندھ کے علمی ادبی اور تعلیمی اداروں کے متعلق بہت ہی کم مواد اس میں درج کیا ہے اگر ہو سکے تو آئندہ اس کمی کو پورا کریں۔

پروفیسر ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی۔ گورنمنٹ کالج ریٹائرڈ (لاڑکانہ)

گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلہ "علم وآگہی" کا خصوصی شمارہ "برصغیر پاک وہند کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے" دیکھا۔ یہ مجلہ ہے یا اس موضوع پر ایک مرتب ومبسوط کتاب! آپ کے ذوق تحقیق اور کمال ترتیب وتہذیب مضامین کا دل سے قائل ومعترف تو پہلے سے تھا۔ اس مجلے نے ایسا نقش ثبت کیا جو اجلا بھی ہے اور گہرا بھی گویا کہ نقش فی الحجر ہے۔ اس تعریف کے اتنے ہی مستحق پروفیسر امیر الاسلام صاحب بھی ہیں۔ گورنمنٹ نیشنل کالج کی طرف سے یہ پہلی کوشش عمل میں آئی اور پہلی ہی کوشش میں آپ نے اسے ساتویں آسمان پر پہنچا دیا۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اردو ادب اور تصنیف وتالیف کی پوری تاریخ میں یہ پہلی کوشش ہے۔ اردو ادب کا یہ خانہ ابھی تک خالی ہی تھا۔ گورنمنٹ نیشنل کالج کی بدولت اردو ادب اور پاک وہند کے مسلمانوں کی علمی تعلیمی اور تہذیبی تاریخ میں ایک بلند پایہ کتاب کا اضافہ ہوا۔ آپ کے کالج کے اساتذہ، طلبہ اور خصوصاً پرنسپل صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔

مرزا نسیم بیگ

دو جلد از کتاب بسیار ذیقیمت در ارسمہ بعنوان "برصغیر پاک ہند کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے" عزّ وصول بخشید موجب کمال تشکّر و سپاس گزاری گردید۔ اینجانب با نہایت صداقت و صمیمیت پیروزی و کامیابی شما و ہمکاران تان را در تدوین و تہیہ مطالب فوق العادہ پرارزش آن کتاب تبریک گفتہ و توفیق ہرچہ بیشتر جناب عالی را در تالیف شمارہ دوم آن از خدای متعال مسئلت دارم۔

کتاب بسیار قشنگ و سودمند سرکار کہ حاوی مطالب گوناگون و مہم در زمینہ فرہنگ اسلامی در شبہ قارہ ہند و پاکستان می باشد برای تمام علاقمندان بہ تحولات ادبی و سیاسی و فرہنگی و حزبی مسلمانان آن سرزمین بہ منزلہ سرچشمہ گرانمایہ ای بشمار میرود با حجم کوچکش دائرۃ المعارف پرارجی محسوب میگردد۔ براستی جای اینچنین کتابی در گنجینہ ہائے علمی زبان اردو کاملاً خالی بود و کسی تا بحال تمام اطلاعات مربوط را با این نظم و ترتیب در یکجا جمع آوری نکردہ بود۔ سعی شما در خور تحسین فراوان و تشویق شایان بی پایان است بی نہایت سپاس گزار خواہم بود اگر بندہ را مشمول عنایت فرمودہ سال آیندہ نیز با ارسال شمارہ دوم (مجلہ دوم) آن کہ حتماً در حال حاضر در دست تہیہ و تدوین می باشد قرین امتنان فرمایند۔ با بی صبری در انتظار دریافت بخش ثانی کتاب حضرتعالی خواہم بود

اخبارات و جرائد

سہ ماہی "اردو" کراچی برصغیر کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے کہنے کو گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی ۱۹۷۲ء-۱۹۷۳ء کا خاص نمبر ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر ایک مکمل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ تعلیمی اداروں کے مجلے طلبا کی علمی و ادبی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لیے نکالے جاتے ہیں۔ اور اس لیئے عام طور پر انھیں کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اس قسم کے مجلّوں میں لکھیں۔ لیکن علمی خدمات بھی ان مجلّوں کے پیش نظر رہتی ہیں' اورینٹل کالج لاہور' مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور دلی کالج دلی کے مجلّے اس سلسلے میں مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے بعض خاص شمارے نہ صرف یہ کہ آزادانہ تصنیف کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں' بلکہ انھیں حوالے کی کتب میں بھی ایک امتیازی حیثیت حاصل ہو گئی۔ نیشنل کالج کراچی کا زیر نظر شمارہ تعلیمی اداروں کی اسی وقیع روایت کا حامل اور اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

خصوصی شمارے کے لئے موضوع کا انتخاب مرتبین کی بالغ نظری کو ظاہر کرتا ہے۔ ہماری قومی

زندگی میں ہمارے علمی ادبی اور تعلیمی اداروں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ قومی زندگی کا کوئی تذکرہ ان اداروں پر گفتگو کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ لیکن بڑی افسوسناک بات ہے کہ اب تک ان اداروں کی تاریخ کی ترتیب و تدوین کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ جامعہ اردو علی گڑھ نے البتہ ایک ایسی تاریخ شائع کی تھی جن میں ان اداروں کا مختصر تذکرہ موجود تھا۔ اب نیشنل کالج کے اس مجلے نے ان اداروں پر تحقیقی کام کے لئے دروازہ کھول دیا ہے۔

ان اداروں پر مواد فراہم کرنا، اہلِ نظر سے مضامین لکھوانا اور پھر کاغذ و طباعت کی اس گرانی کے دور میں طباعت اور اشاعت کے مراحل سے گزرنا دھن کے پکے اور کام کے پورے لوگوں کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ابو سلمان شاہجہان پوری صاحب کی مساعی کا اعتراف نہ کرنا حق ناشناسی ہوگا۔

زیر نظر مجلہ برصغیر کے علمی اور تعلیمی اداروں کی ایک تاریخی دستاویز ہے جس کا مطالعہ علمی ادبی ذوق کے حامل حضرات کے لئے ناگزیر ہے۔ البتہ بعض مضامین میں تشنگی کا احساس ہوتا ہے دراصل ان میں کا ہر ادارہ خصوصی توجہ چاہتا ہے اور ضرورت ہے کہ مختلف حضرات مختلف اداروں پر تحقیقی کام کریں۔ اسی طرح ان اداروں کی خدمات کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ مواد کی قلت کے باوجود جو کچھ اس شمارے میں جمع کر دیا گیا ہے بہت خوب ہے، اور آئندہ کے محققین کے لئے مواد کا کام دے گا اس محنت اور جاں کاہی کے لئے ابو سلمان صاحب۔ امیر الاسلام صاحب اور کالج کے دیگر ارباب حل و عقد مبارک باد کے مستحق ہیں۔

سہ ماہی اردو نامہ۔ کراچی یہ نیشنل کالج کے مجلے کا ایک خصوصی ایڈیشن ہے جسے اس ایک موضوع کے لئے مختص کر دیا گیا ہے۔ اور یہ بے شک ایک کامیاب اور قابل قدر خدمت ہے، اس طرح اچھے اچھے مضامین کے ایک مجموعے کے بجائے، ایک پائدار تالیف مہیا ہو گئی، جو سراسر معلومات افزا ہے اور آئندہ بھی مطالعے اور حوالے کے لئے مفید ہوگی۔ اس میں پاک و ہند کے دو درجن قدیم و جدید اداروں پر تعارفی مضامین ہیں جنھیں پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یعنی تعلیمی ادارے، تحقیقی ادارے، اردو کے ادارے، ادبی ادارے اور تاریخی و قومی ادارے۔

ان میں انجمن پنجاب، انجمن پنجاب آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، انجمن حمایت الاسلام لاہور، سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی، ندوۃ المصنفین، انجمن ترقی اردو، ادارہ ادبیات اردو

حیدرآباد دکن، انجمن ترقی پسند مصنفین، ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد، جیسے تاریخی اداروں سے لے کر جدید اداروں تک بہت سے اہم علمی و ادبی مراکز کا بیان آگیا ہے، اور ان میں ہر ایک دلچسپ اور مفید معلومات سے مملو ہے۔ اردو کی کتب کے حوالہ میں بلا شبہ یہ ایک نہایت مفید اضافہ ہے۔ (اشان الحق حقی)

ماہنامہ قومی زبان کراچی گورنمنٹ نیشنل کالج کے طلبا اور اساتذہ نے اس سال جو نمبر پیش کیا ہے وہ طلبا ہی کے لئے نہیں اساتذہ اور اہلِ علم کے لئے بھی

معلومات افزا ہے۔ چند علمی و تعلیمی اداروں پر الگ الگ کتابیں تو شایع ہو چکی ہیں لیکن گذشتہ دوسو سال میں قائم ہونے والے تمام اہم علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں پر ایک جگہ اردو، انگریزی یا کسی اور زبان میں مواد دستیاب نہیں "علم و آگہی" کا یہ خصوصی نمبر واحد ماخذ ہے جس میں تقریباً بہ علمی ادبی اور تعلیمی اداروں کے بارے میں تمام ضروری معلومات بھی یک جا ہو گئی ہیں اور ان کی خدمات کے مختلف دوائر پر تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔ ہر ادارے کے بارے میں جو معلومات فراہم کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے وہ اس کے قیام، پس منظر، اغراض و مقاصد، اس کے بانی، اس کی خدمات اور کارناموں پر تبصرہ وغیرہ شامل ہیں۔

برِ صغیر پاک و ہند میں گذشتہ دوسو سال میں جو ادارے قائم ہوئے ہیں ان میں قدیم طرز کے دینی مدارس ہیں یا جدید علوم و فنون کی درس گاہیں ہیں، یا پھر وہ علمی ادبی اور تحقیقی ادارے ہیں جو تصنیف و تالیف اور تدریس و تحقیق کے جدید تقاضوں اور زمانۂ حال کی ضرورتوں کی پیداوار ہیں یا وہ ادارے ہیں جو قومی زندگی اور تحریک آزادی کے مختلف مراحل میں اور بعض علمی، اور سیاسی تحریکات کے نتیجے میں وجود میں آئے ہیں۔ مثلاً دارالعلوم دیوبند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی دینی اور سیاسی تحریک کا نتیجہ تھا۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے قیام ۱۸۵۷ء کے سیاسی انقلاب سے پیدا شدہ حالات میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے حصول کی کوشش تھی۔ دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے بانیوں کے پیشِ نظر قدیم و جدید کی خلیج کو پاٹنا تھا، جامعہ ملیہ دہلی کا وجود تحریکِ ترکِ موالات کا منت پذیر تھا۔ انجمن حمایت اسلام، اسلام کے دفاع کے لئے قائم ہوئی تھی، انجمن ترقی اردو کے قیام کا مقصد اردو کی ترقی اور ترویج و اشاعت تھا۔ انجمن پنجاب کے مقاصد کا دائرہ شاید سب سے زیادہ وسیع تھا۔ دہلی کالج اور پھر جامعہ عثمانیہ اردو ذریعہ تعلیم کے ادارے تھے یا کچھ ادارے وہ تھے، جو آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل

کانفرنس، انجمن حمایت اسلام، انجمن پنجاب یا دوسری تعلیمی تحریکات کے نتیجے میں قائم ہوئے تھے
دارالمصنفین اعظم گڑھ، ندوۃ المصنفین دہلی اور ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد وغیرہ علمی و تحقیقی ادارے تھے جو وقت کی علمی ضرورتوں کے پیش نظر قائم ہوئے تھے۔ پاک وہند کے یہ بنیادی ادارے ہیں دوسرے تمام ادارے انھیں اداروں کے ذیل میں آ جاتے ہیں۔

علم وآگہی کے اس خصوصی شمارے میں ان تمام قسم کے اداروں اور ان کے ذیلی علمی وادبی اور تعلیمی اداروں کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ اگرچہ تمام مضامین کا علمی معیار یکساں نہیں ہے لیکن ان کے معلومات افزا ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

یہ خصوصی نمبر فی الحقیقت ایک مستقل کتاب ہے، نہایت سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے۔ شروع میں جناب ممتاز حسن مرحوم کے قلم سے پیش لفظ ہے اور مولانا ابو سلمان شاہجہانپوری نے اس کا مقدمہ لکھا ہے جس میں اس بات کی غمازی ہوتی ہے کہ وہ علی گڑھ کے مقابلے میں دیوبند اور جدید کے مقابلے میں قدیم کے گرویدہ ہیں۔ نمبر میں بعض غلطیاں بھی ہیں۔ یہ غلطیاں کتابت کی بھی ہیں، تاریخ وتحقیق کی بھی ہیں، بعض اداروں کے بعض پہلوؤں کے بارے میں یا خدمات کے بارے میں مصنفین کی آرا سے بھی ہر جگہ اتفاق نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بہت سی خامیوں کے باوجود یہ خصوصی شمارہ اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہے۔ اور گورنمنٹ نیشنل کالج کی ایک عظیم الشان علمی خدمت۔ امید ہے کہ علمی حلقوں میں کالج کی اس خدمت کا اعتراف اور تعلیمی حلقوں میں اسے بطور نمونہ پیش کیا جائے گا۔

ماہنامہ افکار، کراچی

برصغیر پاک وہند کی جامعات اور کالجوں کی یہ روایت رہی ہے کہ وہ ہر سال انجمن طلبہ کی جانب سے سالانہ مجلّہ شایع کرتے ہیں۔ ان میں بعض مجلے اپنی اہمیت منوا چکے ہیں، مثلاً علی گڑھ میگزین، مجلّہ عثمانیہ، اورینٹل کالج لاہور، اردو کالج کراچی اور پشاور یونیورسٹی سے شائع ہوتے ہیں۔ ان اداروں کے سالانہ مجلّوں کا معیار بلند ہوتا ہے۔ لیکن ان کی اصل شہرت کا دارومدار ان کے خصوصی نمبروں پر ہے۔

گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی نے اس نکتہ کو بنیاد بنا کر عمومی قسم کا سالانہ مجلّہ پیش کرنے کے بجائے اسے ایک موضوع سے مخصوص کر دیا ہے۔ یعنی برصغیر پاک وہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کا تفصیلی تعارف۔ یہ نام اس قدر تفصیلی اور نمایاں ہے کہ خود کالج کے مجلّہ کا نام اوجھل ہو گیا ہے۔ کالج کے

مجلہ کا نام "علم و آگہی" ہے اور یہ اسی کا خصوصی شمارہ بابت ۷۳-۱۹۷۲ء ہے۔

اس خصوصی شمارے میں مدرسۂ عالیہ کلکتہ (۱۷۸۱ء) سے لے کر جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی (۱۹۲۵ء) تک کے تعلیمی اداروں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ نیز علمی و تعلیمی اداروں کے تعارف میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ، انجمن حمایت اسلام لاہور، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی، انجمن اسلام بمبئی شامل ہیں۔ علمی و تحقیقی اداروں میں سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ندوۃ المصنفین دہلی، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد اور دائرۂ معارف اسلامیہ، لاہور وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح اردو کے ادارے ادبی ادارے اور تاریخی و قومی ادارے کے ذیلی عنوانات کے تحت متعدد ادبی اداروں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اس سے قبل ادبی و علمی اداروں کا تذکرہ مجملاً ہی دستیاب تھا۔ لیکن مجلہ "علم و آگہی" کے اس خصوصی شمارے نے بنیادی معلومات کے ساتھ ہر ادارے کا تعارف شامل کرکے ایک وقیع دستاویز سے ہمیں روشناس کرایا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس مجلّے سے نیشنل کالج نے ایک قابلِ تقلید مثال قائم کی ہے۔ جیسا کہ کالج کے پرنسپل سید امتیاز حسین صاحب نے خود مجلّے کے تعارف میں لکھ دیا ہے۔ "اس نمبر میں کئی علمی اور تاریخی حیثیت کے ادارے چھوٹ گئے ہیں۔ اس سلسلے میں کالج کے محدود وسائل پر نظر رکھنی چاہیئے"۔ یقیناً محدود وسائل کے باوجود یہ ایک مفید کام سرانجام پایا ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس مجلّے کی خاطر خواہ پذیرائی کے بعد اگر اسے دوبارہ شائع کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی تو مزید اضافے ممکن ہوسکیں گے۔

موجودہ صورت میں یہ خصوصی شمارہ اپنے دامن میں مسلمانوں کی دو سو سالہ ادبی، علمی، تہذیبی اور تعلیمی تاریخ کو سمیٹے ہوئے ہے۔ اتنے بڑے پھیلاؤ کو بڑی خوبی سے ساڑھے تین سو صفحات میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مجلّہ بی۔ اے آنرز اور ایم۔ اے کے طلبہ و طالبات کے لیئے بے حد مفید ثابت ہوگا اور ہمارے ادب، علم، زبان اور تہذیب سے دلچسپی رکھنے والے عام افراد بھی اس سے کما حقہ استفادہ کرسکیں گے۔

مجلّے کے آغاز میں ڈاکٹر ممتاز حسن مرحوم کا لکھا ہوا پیش لفظ ہے۔ ابو سلمان شاہجہان پوری نے برصغیر کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے کے عنوان سے ایک مفید جائزہ لکھا ہے جو مقدمہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

گورنمنٹ نیشنل کالج کے پرنسپل، اساتذہ، طلبہ خصوصاً اس کے مرتبین ابو سلمان شاہجہاں پوری اور امیر الاسلام قابلِ مبارک باد ہیں کہ انھوں نے محدود وسائل کے باوصف اس قدر مفید اور دیدہ زیب علمی، ادبی و تاریخی دستاویز مرتب کی ہے۔ (پروفیسر سحر انصاری)

ماہنامہ طلوعِ افکار، کراچی

کالجوں اور اسکولوں میں تعلیمی سال کے اختتام پر طلباء ہر سال اپنے اپنے تعلیمی ادارے سے مجلّہ نکالتے ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان کے تعلیمی اداروں میں یہ روایت بہت پرانی ہے۔ اس قسم کے مجلّوں کی اصل اہمیت اور افادیت یہ سمجھی جاتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے طلبا اور طالبات میں ادبی ذوق کی نشوونما ہوتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ان مجلّوں کے اس کردار سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن گذشتہ چند برسوں کے اس قسم کے مجلّوں کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا رہتا تھا کہ ان کا مقصد صرف ایک پرانی روایت کی لکیر پیٹنے سے زیادہ اور کچھ نہیں رہ گئی ہے طلبا دل شکنی محسوس نہ کریں تو بڑے ادب سے ان سے یہ گزارش کرنے کو جی چاہتا ہے کہ وہ خود اس قسم کے مجلّوں پر تنقیدی نظر ڈالیں تو انھیں محسوس ہوگا کہ ان مجلّوں میں ان کی اپنی تحریریں برائے نام سی ہو کر رہ گئی ہیں، اور بالعموم یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ملک کے جانے پہچانے ادیبوں اور شاعروں کی تحریروں ہی سے ان کے مجلّے "آراستہ" ہوتے ہیں جہاں تک ان کی اپنی تحریروں کا تعلق ہے سو وہ یہ بات مانیں یا نہ مانیں مگر یہ ہے کہ ان میں سے اکثر تو دوسرے ادیبوں سے لکھوائی ہوتی ہیں یا پھر سارا بوجھ کسی استاد کے کاندھوں پر ہوتا ہے جو اپنی تحریریں ان کے نام سے منسوب کر دیتا ہے ـــ یا پھر ۔ ۔ ۔ ۔؟ یہ بھی خطرناک ہے یعنی پرانی تحریریں نئے ناموں سے سامنے آتی ہیں۔ اور اس طرح سے ایک اچھی اور مفید روایت محض نام اور فوٹو چھپوانے کی نظر ہو کر رہ گئی ہے۔ اس صورتِ حال کا صرف ایک تدارک ہے کہ طلباء ادب سے فی الواقعہ دلچسپی لینا شروع کریں اور پورے سال لکھتے رہنے کا مشغلہ جاری رکھیں، اصلاح لیں اور ساتھ ہی ادب کا بسیط مطالعہ بھی کرتے رہیں۔

گورنمنٹ نیشنل کالج کے طلبا بھی کافی عرصے سے اپنا مجلّہ "علم و آگہی" نکال رہے ہیں اس بار یعنی ۷۳-۱۹۷۲ء کا مجلّہ واقعی ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اس شمارہ خصوصی کے تقریباً پانچ سو صفحات ہیں جن میں سے ساڑھے تین سو صفحات برصغیر کے علمی اور ادبی اداروں کی تاریخ کے لئے وقف کئے گئے ہیں باقی صفحات میں کالج کے طلبا کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کا

اور تصویری احاطہ کیا گیا ہے۔

"علم و آگہی" کا یہ خصوصی شمارہ، اپنی جگہ اتنا وقیع کارنامہ ہے کہ اس کی حیثیت حوالوں کی دستاویز (REFERENCE BOOK) کی ہو گئی ہے۔ مجلّہ چھ مختلف عنوانات کے تحت بٹا ہوا ہے یعنی تعلیمی ادارے علمی اور تعلیمی ادارے۔ علمی اور تحقیقی ادارے۔ اردو کے ادارے ادبی ادارے اور تاریخی و قومی ادارے۔ ان چھ عنوانات کے تحت برصغیر کے ۵۳ اداروں کے قیام اور ان کے علمی، تحقیقی، ادبی اور اشاعتی کارکردگیوں کے علیحدہ علیحدہ جائزے لئے گئے ہیں۔

اس مجلّہ کا آغاز برصغیر کے سب سے پہلے ادارے مدرسۂ عالیہ کلکتہ (قائم شدہ اکتوبر ۱۷۸۰ء) سے ہوتا ہے اور اختتام نیشنل بک سینٹر آف پاکستان (قائم شدہ ۱۹۶۲ء) پر ہوتا ہے۔ گویا اس طرح سے برصغیر کی کم و بیش سوا دو سو برسوں کی ایک ایسی ذہنی تاریخ مرتب ہو کر سامنے آ گئی ہے جس کے بین السطور اہل علم اور اہلِ نظر کے لئے ہماری تعلیمی اور تہذیبی تاریخ کے مطالعے کے نئے گوشے وا ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح سے ادبی اداروں (یا ادبی انجمنوں) کا بھی ایک مبسوط جائزہ اس مجلہ میں شریک کر دیا گیا ہے یہ حصہ انجمن پنجاب (لاہور) شمالی ہند کی چند لٹریری سوسائٹیاں۔ مثلاً سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی (بریلی) سے لے کر انجمن مفید عام (قصور، جبل پور، مینی تال۔ گوجرانوالہ۔ آنولہ۔ مغل سرائے، اجمیر، ہوشیار پور وغیرہ وغیرہ) انجمن ترقی پسند مصنفین (بھارت و پاکستان) اور حلقۂ اربابِ ذوق تک پر مشتمل ہے۔

مجلّۂ "علم و آگہی" کے مرتبین کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ ایک تو انھوں نے طلباء کے اس مجلّہ کو عام اور روایتی ڈگر سے ہٹانے کا اجتہاد کیا اور پھر یہ کہ اس خصوصی شمارے کے لئے انھوں نے اتنی تگ و دو اور جستجو کی ہے کہ ملک کے اچھے لکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد کو ایک ایسا کام کرنے پر آمادہ کیا جس کے لئے عام حالت میں بہت زیادہ تگ و دو کے بعد بھی کامیابی مشتبہ رہتی ہے۔ مجلّے مندرجات سب ہی پڑھنے کے لائق اور معلومات، حقائق اور وقتِ نظر کا خزینہ ہیں۔ "علم و آگہی" کے اس خصوصی شمارہ کے مرتبین یعنی (نوسلمان شاہجہاں پوری اور طاہر الاسلام) صاحبان، مجلّے کے سرپرستِ اعلیٰ، مجلس مشاورت اور مجلس ادارت کے اراکین لائق مبارک باد ہیں کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اسکولوں اور کالجوں کے سالانہ مجلّوں کو ایک نئی راہ دکھائی، بلکہ ایک

ایسا وقیع کام کر دکھایا ہے جو دنیائے علم و ادب میں ہمیشہ ایک اچھے اضافے کی نظروں سے دیکھا جاتا رہے گا۔

آخر میں گورنمنٹ نیشنل کالج کے طلبار کا بالخصوص شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے محض نام اور تصویروں کی رسمی چھپائی کی روایت سے دست بردار ہو کر ملک کے اہلِ علم اور دانشوروں کو اتنا اچھا تحفہ پیش کیا ہے کہ ان کا یہ ایثار ایک نئی روایت کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ہمیں توقع ہے کہ دوسرے کالج کے طلبا بھی ہمارے ان عزیز طلبا سے سبق سیکھیں گے اور اس طرح کالجوں کے مجلّوں میں ایک نئی طرح کا آغاز ہو گا۔ (پروفیسر عتیق احمد)

ماہنامہ المعارف ۔ لاہور اس سال کی ایک نہایت معلوماتی اور تاریخی پیش کش مجلہ علم و آگہی کا خصوصی شمارہ ہے جو حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ اس شمارے میں برصغیر پاک و ہند کے علمی و ادبی اور تعلیمی و تصنیفی اداروں کے بارے میں معلومات مہیا کئے گئے ہیں اور ان کے تعارف کے لئے ایسے قیمتی مضامین شائع کئے گئے ہیں جو اس سے پہلے ایک ہی جگہ پر، اس نہج و اسلوب اور ترتیب کے ساتھ کبھی اشاعت پذیر نہیں ہوئے۔ یہ کل پینتیس ادارے ہیں، جن میں گیارہ خالص تعلیمی، چار علمی و تعلیمی، سات علمی و تحقیقی اور تصنیفی، چھ اردو سے متعلق، چار ادبی اور تین تاریخی و قومی ادارے ہیں (ان اداروں کے نام "علمی رسائل کے مضامین" میں دیئے جا رہے ہیں) ان میں زیادہ تر وہ ادارے ہیں جن کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جن کے قیام میں مسلم اور غیر مسلم دونوں کا حصہ ہے۔ ان پینتیس[1] اداروں میں وہ ادارے بھی شامل ہیں جو قیامِ پاکستان کے بعد قائم کئے گئے۔

مجلّہ علم و آگہی کے ان مضامین کے مطالعہ سے برصغیر پاک و ہند کی گزشتہ ڈیڑھ دو سو برس کی پوری علمی، تہذیبی، ثقافتی اور تصنیفی و تعلیمی تاریخ سامنے آجاتی ہے اور قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک اونچے اور عمدہ ماحول میں بیٹھا ہے اور اپنی ذہنی و علمی تسکین کا سامان فراہم کر رہا ہے۔ یہ ادارے کن حالات میں معرضِ وجود میں آئے۔ کن عوامل نے ان کو جنم دیا، ان کے قیام کے کیا محرکات تھے، کن کن اصحابِ علم اور اربابِ خلوص نے کن واقعات سے متاثر ہو کر ان کی

---

[1] اداروں کی تعداد جن کا تعارف شامل ہے چالیس سے بھی زیادہ ہے۔ بعض مضامین ایک سے زائد اداروں کے تعارف پر مشتمل ہیں۔

بنیاد رکھی، پھر ان کی تعمیر و ترقی میں انھوں نے کیا کوششیں کیں، ان اداروں سے کون کون معروف
اور اونچی شخصیتیں پیدا ہوئیں اور آگے چل کر انھوں نے علمی و تحقیقی اور تدریسی و تصنیفی میدان میں
کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے اور ان کی خدمات نے ملک وملّت پر کیا اثرات چھوڑے، یہ تمام
چیزیں تاریخ وسنین کی قید کے ساتھ بہترین طریق سے مجلہ علم وآگہی کے اس خصوصی شمارے کی زینت
ہیں ۔ اس خصوصی نمبر کے مطالعہ سے یہ احساس تیزی کے ساتھ قلب و ذہن پر اُبھرتا ہے کہ
برصغیر پاک وہند کی غلامی ایک بہت بڑا شر تھا، مگر اس شر میں خیر کا یہ پہلو نہاں تھا کہ اس دَور
نے ان بلند پایہ شخصیتوں کو پیدا کیا، جنھوں نے خود اپنے زمانے کو بھی اپنی خدماتِ گوناگوں سے نوازا
اور بعد میں آنے والوں کے لیے بھی بہترین نقوش چھوڑ گئے ۔ اب اس کینڈے کے لوگ کہاں پیدا ہوں گے ۔

بہرحال علم وآگہی کا زیر تبصرہ ہر اعتبار سے قابلِ مطالعہ ہے اور یہ ایک تاریخی دستاویز ہے،
جس سے ہر پڑھے لکھے شخص کو استفادہ کرنا چاہیئے اور اس خطۂ ارضی کی علمی تحریکات سے
واقفیت بہم پہنچانا چاہیئے ۔

اس کا مقدمہ جو "برصغیر کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے" کے عنوان سے جناب ابوسلمان
شاہجہان پوری کا لکھا ہوا ہے، بہت ہی معلوماتی ہے ۔ ہم اس خصوصی اشاعت پر مجلّہ علم وآگہی
کے سرپرست، مجلس مشاورت، مجلسِ ادارت اور مرتبین کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں اور اپنے
قارئین سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس کے مندرجات و مشمولات کو اپنے مطالعہ میں لائیں۔
یہ ایک کتابِ حوالہ ہے جو ہمارے ماضی کے نقوش کو اجاگر کرتی، دورِ گزشتہ کے ڈانڈوں کو حال
سے ملاتی اور مستقبل کو تابناک بنانے کی دعوت دیتی ہے ۔ اس کو اپنی لائبریریوں میں رکھنا چاہیئے۔

آخر میں ہم مجلہ علم وآگہی کے معزز ارکان ادارہ سے یہ عرض کریں گے کہ اس کے مضامین
کی دل کشی اور تنوع سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اشاعت بہت جلد ختم ہو جائے گی اور دوبارہ
اشاعت کی ضرورت پڑے گی ۔ اگر ایسا ہو تو آئندہ اشاعت میں کتابت وغیرہ کی ان غلطیوں
کی احتیاط سے تصحیح کرنے کی کوشش کی جائے جو موجودہ اشاعت میں نظر آرہی ہیں ۔

(مولانا محمد اسحاق بھٹی)

سہ ماہی العلم، کراچی | کالج میگزین کا مقصد یہ ہے یا یہ ہونا چاہیے کہ اس کے ذریعہ
طلبا کی ذہنی تربیت کی جائے اور مضامین اور مقالوں کے

اچھے نمونے پیش کرکے نہ صرف ان کی معلومات میں اضافہ کیا جائے بلکہ ان کو مختلف موضوعات پر اپنے خیالات کے اظہار کے مواقع اور بہتر طریقے بتائے جائیں۔ خود طلبا کو موقعہ دیا جائے کہ وہ اپنی نگارشات کو منظرِ عام پر لائیں۔ لیکن ان نگارشات کے بھی صرف اچھے نمونے میگزین میں شامل کیے جانے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ طلبا جو کچھ بھی اِدھر اُدھر سے سمیٹ کر یا نقل کرکے دیدیں اسی کو میگزین کے صفحات کی زینت بنا دیا جائے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ان میں اچھے اور بُرے کا امتیاز پیدا نہیں ہوتا اور وہ ادنیٰ درجہ کی چیزوں پر ہی قناعت کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ یہ امر ہر طرح کالج میگزین کے مقصد کے منافی ہے۔

جہاں تک گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کا تعلق ہے اس کا معیارِ تعلیم ہمیشہ سے نہایت بلند رہا ہے۔ عام روایت کے مطابق اس کالج سے بھی ایک میگزین نکلتا ہے، جس نام "علم و آگہی" ہے۔ اس وقت اسی کا ایک خصوصی شمارہ زیرِ تبصرہ ہے۔ اس شمارے میں برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ صورت ظاہر کے اعتبار سے یہ شمارہ کوئی امتیازی شان نہیں رکھتا۔ نہ اس میں صاحبِ ذوق حضرات کی جمالیاتی تسکین کا سامان ہے۔ نہ ممتاز اساتذہ اور طلبا کے فوٹوؤں سے اس کے صفحات کو زینت دی گئی ہے۔ سرورق نہایت سادہ ہے۔ اور ساڑھے تین سو صفحات کے اس ضخیم پرچے میں صرف دو فوٹو شامل ہیں۔ کاغذ بھی جس پر یہ چھپا ہے۔ اگرچہ بالکل نیوز پرنٹ نہیں ہے تاہم نیوز پرنٹ سے کچھ زیادہ مختلف بھی نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ مدیرِ محترم ابو سلمان شاہجہان پوری نے یہ محسوس کرکے کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ میں وہ دوسرے کالجوں کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے اس دوڑ میں اپنی شکست تسلیم کرلی۔ اور اس کمی کو مضامین کا معیار بلند کرکے پورا کردیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے مشمولات کے لحاظ سے "علم و آگہی" کا یہ شمارہ خاصہ کی چیز بن گیا ہے۔ کالج کے پرنسپل جناب سید انیاز حسین کا یہ فقرہ بہت صحیح ہے۔

"باوجود سخت مشکلات اور موانع کے ہم نے ایک خوش گوار مقصد کا آغاز کیا ہے"

تبصرہ نگار اس فقرہ پر ان الفاظ کا اضافہ کرتا ہے کہ "اس سفرِ صعب کا آغاز ہی نہیں ہوا بلکہ اس کے بڑے حصے کو نہایت کامیابی سے طے کرلیا گیا ہے اور دوسروں کے لئے نشاناتِ راہ بھی متعین کردیئے گئے ہیں"

دراصل کسی ملک کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے اُس ملک کی ثقافت کے مظہر ہوتے ہیں۔ یہ ادارے جس قدر ترقی یافتہ ہوتے ہیں اُسی قدر اس ملک کی ثقافت بلند سمجھی جاتی ہے اور وہاں کے لوگ ان اداروں میں جتنی دلچسپی لیتے ہیں اتنے ہی وہ مہذب و شائستہ خیال کئے جاتے ہیں۔ عام آدمیوں میں یہ دلچسپی اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب ان کو ان اداروں کے بارے میں یہ واقفیت دلائی جائے کہ ان کے قیام کا مقصد کیا ہے اور اس مقصد کے حصول میں انھوں نے کیا کام انجام دیا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں نفوس چند کے سوا پوری آبادی اس نوع کے اداروں سے کچھ بے تعلق سی ہے۔ اور اس بے تعلقی کے کچھ اسباب ہیں۔ ان میں اہم ترین سبب یہ ہے کہ ان کے بارے میں اُن کو علم و آگہی نہیں۔ نہ وہ ان کے مقصدِ وجود سے باخبر ہیں۔ اور نہ ان کی کارکردگی کے بارے میں انھیں زیادہ معلومات ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں ایک لحاظ سے وہ بے قصور بھی ہیں۔ ان کی معلومات کے جو ذرائع ہوسکتے ہیں وہ مسدود ہیں۔ اور اس طرح کی بہت کم کوشش کی گئی ہے کہ تمام معلومات کو ایک جگہ جمع کرکے پیش کیا جائے۔

"علم و آگہی" کے زیر تبصرہ شمارے میں اس کمی کو بڑی حد تک پورا کیا گیا ہے۔ اس میں برصغیر کے مختلف اداروں کے بارے میں ضروری معلومات کو یکجا کرکے پیش کیا گیا ہے۔ ہر ادارے کے قیام کا مقصد بتایا گیا ہے۔ اس کے کاموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اس پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ قوم و ملک پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ تعارف، حرفِ آغاز، پیش لفظ اور مقدمہ کے بعد تمام اداروں کو مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ کُل چھ عنوانات ہیں۔ اور تمام مضمونوں کو ان ہی کے تحت مرتب کیا گیا ہے۔

ہر ادارے کے بارے میں جس شرح و بسط سے لکھا گیا ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پر تفصیلی تبصرہ کیا جائے۔ لیکن اتنے عنوانات کو دیکھ کر تفصیلی تو کیا اختصار سے بھی اظہارِ خیال کی جرأت نہیں ہوتی۔ مجموعی طور پر صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ہر لکھنے والے نے اپنے موضوع کا حق ادا کردیا۔ اور یہ شمارہ شائع کرکے کالج نے ایک انتہائی مفید کام انجام دیا ہے۔ امید ہے کہ جو چند ادارے چھوٹ گئے ہیں اُن کا حال آئندہ سال کے شمارے میں ہوگا۔ تمام میگزین میں ایک بات بُری طرح کھٹکتی ہے۔ وہ یہ کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا حال

نہایت ناکافی ہے۔ حالانکہ ہماری موجودہ ثقافت کو بنانے میں سب سے نمایاں کردار اسی نے ادا کیا ہے۔ اس کوتاہی کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں۔ یا تو مواد دستیاب نہیں ہوا یا اس کی اہمیت کو پوری طرح محسوس نہیں کیا گیا۔

ماہنامہ الولی، حیدرآباد نیشنل کالج کے میگزین علم و آگہی کا خصوصی شمارہ جو عنوان مذکورہ بالا کے ساتھ منصۂ شہود پر آیا ہے۔ یہ ایک عظیم الشان علمی خدمت ہے جو اس کالج کے حصہ میں آئی ہے۔ اور یہ ایک مثال ہے تمام دوسرے کالجوں کے لئے جن میں ہر سال لاکھوں روپیہ میگزین فنڈ میں ضائع ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے بھی ایک مثال ہے جو علمی و تحقیقی کاموں کے لئے حالات و وقت کی نامساعدت کا رونا روتے ہیں۔ اس کی اہمیت کے اظہار کے لئے یہ بات بتا دینا کافی ہے کہ اس موضوع پر اردو، انگریزی یا کسی دوسری زبان میں کوئی کتاب یا کسی رسالے کا خصوصی شمارہ نہیں ہے۔ جب کہ یہ ادارے پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں میں چار، پانچ مضامین کے ایم۔ اے کے نصاب میں شامل ہیں۔

اس نمبر میں تقریباً چھتیس علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ ادارے گزشتہ تقریباً دو سو سال کی مدت میں قائم ہوئے۔ بعض ختم ہو گئے، بعض اب بھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے، مختلف مکاتبِ فکر کے ادارے ہیں۔ مثلاً سندھ مدرستہ الاسلام کراچی، اسلامیہ کالج، پشاور، اورینٹل کالج لاہور، انجمن اسلام بمبئی، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دارالعلوم دیوبند، ان کے علاوہ لکھنؤ، دہلی، علی گڑھ، حیدرآباد دکن، کراچی، لاہور، اعظم گڑھ، الٰہ آباد، کلکتہ وغیرہ کے علمی، ادبی، تعلیمی ادارے بھی ہیں۔ حلقۂ ارباب ذوق اور انجمن ترقی پسند مصنفین پر بھی مقالات ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف انجمنیں بھی ہیں۔ مثلاً آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، انجمن پنجاب، انجمن حمایتِ اسلام لاہور۔

ان اداروں پر جو مضامین لکھے گئے ہیں ان میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مضمون سے اس کے قیام کی تاریخ، بانیانِ کرام، اغراض و مقاصد، علمی، ادبی، تعلیمی اور سیاسی خدمات وغیرہ کے بارے میں ضروری معلومات حاصل ہو جائیں۔ اور مرتبین اپنی اس کوشش میں ناکام نہیں رہے ہیں۔ تمام مضامین کے بارے میں اظہار رائے کرنا تو ممکن نہیں، البتہ چند مضامین

کی خصوصیات یہ ہیں:

شفقت رضوی کا مقالہ "دہلی کالج" تحقیقی ہے اور موضوع کے کئی نئے گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ امیر الاسلام نے فورٹ ولیم کالج کے بارے میں اہم اور ضروری معلومات کو نہایت سلیقے سے جمع کر دیا ہے۔ محمد نسیم عثمانی کا مقالہ "دارالعلوم دیوبند" نہایت شاندار ہے۔ حسین کاظمی کا مضمون "انجمن ترقی پسند مصنفین" فکر انگیز ہے۔ اس میں کئی بڑے کام کی باتیں آگئی ہیں۔ ابو سلمان شاہجہان پوری کے دو مقالے "اورینٹل کالج لاہور" اور "انجمن پنجاب" بہتر ہیں اور دونوں تحقیقی ہیں۔ "اورینٹل کالج" کی تمہید کا تو جواب نہیں۔ البتہ بعض مضامین کے مطالعے میں تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

امید ہے کہ نیشنل کالج کی اس علمی خدمت کا عام طور پر اہلِ علم میں اعتراف کیا جائے گا۔

ماہنامہ فکر و نظر، اسلام آباد گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے طلبہ اور اساتذہ لائق مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اپنے کالج میگزین کا خصوصی شمارہ شائع کیا ہے جس میں برصغیر پاک و ہند کے معروف علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کے متعلق مفید معلوماتی مضامین شامل ہیں۔ مضامین کا یہ مجموعہ جسے خصوصی شمارے کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اردو لٹریچر میں جگہ پانے کا مستحق ہے۔ موضوع اور مواد کے اعتبار سے اگرچہ یہ جامع اور مانع نہیں، اس لئے کہ بہت سے معروف اور اہم ادارے اس مجموعے میں آنے سے رہ گئے ہیں اور اس کی وجہ ظاہر ہے بحالات موجودہ یہ ممکن بھی نہ تھا۔ مرتبین مجلہ کو خود بھی اس کا احساس ہے۔ تعارف اور حرف آغاز میں انھوں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور ساتھ ہی اس ارادے کا اظہار بھی کہ علم و آگہی کا آئندہ شمارہ بھی اس کے لئے وقف ہوگا۔ اس لئے امید رکھنی چاہئیے کہ یہ کمی دوسرے شمارے میں پوری ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نیشنل کالج کے طلبہ اور اساتذہ کو ہمت و حوصلہ دے کہ وہ اپنے اس ارادے کی تکمیل کر سکیں۔ انھوں نے روش عام سے ہٹ کر ایک کالج میگزین کو مستقل قدر و قیمت کی حامل کتاب کا درجہ دینے کی جو حوصلہ مندانہ کوشش کی ہے علمی حلقوں میں اس کی یقیناً حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بالعموم جو رسالے نکلتے ہیں اس کی نوعیت وقتی اور ہنگامی ہوتی ہے۔ زیر نظر مجلے کا معیار اس سے کہیں بلند ہے۔ اولاً تو میدان ایسا منتخب کیا گیا ہے جو ابھی

تک یک گونہ ناسپردہ کہا جا سکتا ہے۔ ثانیاً اس کاوش کو محض طلبہ تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ کالج کے اساتذہ نے بھی اس میں پورا پورا حصہ لیا ہے۔ یہی نہیں حصول مقصد کے لئے کالج سے باہر کے اہلِ قلم کا تعاون بھی حاصل کیا گیا ہے۔

اس مجموعے میں شامل بعض مضامین اپنے موضوع پر بھرپور روشنی نہیں ڈالتے۔ ان کے لئے مواد کی فراہمی میں پوری کاوش نہیں کی گئی ہے جس کی وجہ سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس موقع پر موانع اور مشکلات کا عذر پیش کیا جا سکتا ہے لیکن مشکلات پر قابو پانے اور غالب آنے ہی سے بلند معیاری حاصل ہوتی ہے۔ پھر بھی بحیثیت مجموعی نیشنل کالج کے طلبہ واساتذہ کی یہ کاوش قابلِ قدر ہے اور اس بات کی سزاوار ہے کہ لائبریریوں میں جگہ پائے۔ ساڑھے تین سو صفحات پر پھیلا ہوا یہ شمارہ اپنے صوری اور معنوی محاسن کے اعتبار سے اس لائق ہے کہ اس کو اردو کے ادبی ذخیرے میں ایک معتدبہ اضافہ تصور کیا جائے۔

———— (شرف الدین اصلاحی)

ماہنامہ الشجاع، کراچی | ہر قوم ماضی کے آئینہ میں اپنے آپ کو پہچانتی ہے، حال کے گیسو سنوارتی اور مستقبل کی مشاطگی کرتی ہے۔ بغیر تاریخ کی تفہیم اور رجحانات ونظریات کے محاسبہ کے نہ تو اپنا تشخص ممکن ہے اور نہ دنیا سے اپنی انفرادیت تسلیم کروانی آسان۔ لیکن محاسبہ کیا جائے تو پاکستانی قوم جو ابھی تک تفہیم کے مدارج میں بھی داخل نہیں ہوئی ہے تو اپنے بزرگوں کے رجحانات ونظریات کا محاسبہ کیا کرے گی اور بحیثیت قوم اپنی تشخص سے کیوں کر عرفان حاصل کرے گی۔ بنیادی طور پر یہ کام علمی اداروں کے انجام دینے کا ہے۔ لیکن جہاں ۷۰ سال قبل کے انگریزی نظامِ تعلیم میں کلرک کی پرورش ہوتی ہو ان سے اس مقصد کے لئے سعی کی امید رکھنا عبث ہے اور جہاں تہذیبی اقدار کے معنی قصوح سرود لئے جاتے ہوں وہاں تعمیری، علمی اور حقیقت پسندانہ فکر کا ایک لمحہ بھی زندگی کا عزیز سرمایہ بن جاتا ہے۔ ایسے میں اربابِ نیشنل کالج کراچی تحسین وستائش کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنے باشعور طلباء کی مدد اور اُن کے تعاون سے نہ صرف طلبا برادری میں شعور کی بیداری کا ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔ بلکہ پوری قوم کے لئے وہ مواد یکجا کر دیا ہے جس کے ذریعہ وہ اس

کے ماضی سے روشناس ہوسکتے ہیں جن کی بنیادوں پر پاکستان اور اس کا حال استوار ہوا ہے۔ یہی وہ آئینہ ہے جس کو جلا دی جاتی رہے تو مستقبل کی تابناکی میں اضافہ ہو۔

اس دور میں جب کہ اقتصادیت و سیاست ہی اہم ترین مسائل اور مراحل سمجھے جاتے ہیں طلباء کو اس بات کا ابلاغ ہو تاکہ تہذیبی قدریں بھی کوئی معنی رکھتی ہیں اور فکری میلانات کا بھی قوم کی تعمیر و زوال میں کچھ ہاتھ ہوتا ہے ایک اہم خدمت ہے۔

یونان، مصر، بابل اور نینوا اس لئے نہیں یاد کئے جاتے کہ وہ اقتصادی طور پر خوش حال تھے اور ان کا سیاسی نظام مکمل تھا۔ بلکہ ان کی زندگی ان کی تہذیبی اور فکری اقدار کے بل بوتے پر ہے —— ارباب "علم و آگہی" نے برصغیر کے ان تمام اداروں کی تاریخ کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے جو اس علاقہ کے مسلمانوں کے لئے تاریخ ساز اہمیت رکھتے تھے۔ ان میں تعلیمی و تہذیبی ادارے بھی شامل ہیں۔ علمی و ادبی ادارے بھی۔ اگرچہ یہ ان کی مکمل تاریخ نہیں ہے لیکن ان کے فکری عناصر پوری طرح واضح ہیں۔ اس میں ان کے قیام کا پس منظر بھی ہے ان کے مقاصد کی وضاحت بھی اور ان کی خدمات پر بھرپور تبصرہ بھی ہے۔

ایک کالج کے میگزین کا اس وسیع و بسیط موضوع پر خاص شمارہ شائع کرنے کا خیال ہی اپنی جگہ عظیم ہے چہ جائیکہ اسے نہایت حسن و خوبی سے مکمل مواد کے ساتھ اس طرح پیش کر دیا گیا ہے کہ اہل علم کو بھی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔

امید ہے کہ ملک کے تمام باشعور اہل علم اور اصحاب فکر و دانش نیشنل کالج کی اس علمی خدمت کو ضرور سراہیں گے۔

—————— سعید احمد۔ ایم۔ اے

ماہنامہ برہان دہلی | یہ کتاب گورنمنٹ نیشنل کالج کے میگزین "علم و آگہی" کا خصوصی شمارہ ہے جو بڑے سلیقے اور خوش اسلوبی سے مرتب کیا گیا ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اس میں برصغیر کے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کا تذکرہ خالص موضوعاتی نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے۔ یہ خصوصی شمارہ کی پہلی جلد اور ۳۵ اداروں کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ مضامین لکھنے والوں میں کالج کے طلباء و طالبات کے علاوہ کالج کے اساتذہ اور بعض مشہور ارباب قلم بھی شامل ہیں۔ ہر مضمون بڑی کاوش اور محنت و تلاش سے لکھا گیا ہے۔ ان اداروں کی ابتک

کوئی یک جائی تاریخ نہیں تھی ۔ اس راہ میں یہ پہلا قدم ہے جو سزاوار تحسین و آفرین ہے ۔ اس سلسلے میں برصغیر کے مسلمانوں کی گذشتہ ایک صدی کی تہذیبی، علمی اور ادبی سرگرمیوں اور ان کے کارناموں کی مختصر روئداد بھی قلم بند ہو گئی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ یہ نمبر ایک کالج میگزین کے خصوصی نمبر کی توقعات سے کہیں زیادہ ہے ۔ میگزین کا عملہ ادارت بہمہ وجوہ ہماری مبارکباد کا مستحق ہے ۔ ——————— مولانا سعید احمد اکبر آبادی ۔ اپریل ۱۹۷۵ء

ماہنامہ فاران ۔ کراچی گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلہ علم و آگہی کا یہ خصوصی شمارہ (بابت ۱۹۷۲ء-۷۳ء) جناب ابو سلمان شاہ جہاں پوری اور امیر الاسلام نے بڑی کاوش اور تحقیق کے ساتھ مرتب کیا ہے ۔ ابو سلمان شاہجہاں پوری صاحب متعارف ادیب ہیں تحریر و نگارش کا خاص سلیقہ رکھتے ہیں ۔

یہ خصوصی شمارہ اپنے موضوع پر کامیاب علمی پیش کش ہے ، پاک و ہند کے علمی، تحقیقی، دینی اور ادبی اداروں کی تاریخ بیان کی گئی ہے جن کے مطالعہ سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے ۔ مثلاً :

> "یہ بات مشہور ہے کہ ہوا میں اُڑنے کا پہلا تجربہ اطالوی لیونارڈو ڈاونچی نے کیا اور اسی نسبت سے روم کے باہر لیونارڈو کا دیو قامت مجسمہ بھی نصب کیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان ابن فرناس یہ تجربہ بہت پہلے کر چکا تھا ۔" (ص ۱۵)

> "مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بھی ندوہ کے مقابلہ میں ایک جنگجو جماعت جدوہ کے نام سے قائم کی" ——— (ص ۱۰۶)

> "اردو میں ۱۸۲۷ء سے سائنسی و فنی کتابوں کے تراجم کا آغاز ہوا ——— لکھنؤ میں سائنٹفک سوسائٹی ۱۸۳۱ء میں قائم ہوئی !" ———

صفحہ ۶۲ پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلروں کے جو نام دیے ہیں ان میں مدراس کے ڈاکٹر عبدالحق (افضل العلماء) مرحوم کا نام آنے سے رہ گیا ہے ۔ صفحہ ۱۴۴ پر علامہ عبداللہ العمادی کا نام عبداللہ الہادی کا پڑھنا پڑا ۔ سید الطاف بریلوی صاحب کو کامیاب مقدمہ باز لکھا ہے (ص ۱۵۴) حالانکہ وہ مقدمہ نگار ہیں مقدمہ باز نہیں ہیں ، مقدمہ باز تو

اس شخص کو کہتے ہیں جسے عدالتوں میں مقدمے لڑانے کا شوق ہوتا ہے۔

ندوۃ المصنفین (دلی) کے سلسلہ میں مخیر سرمایہ دار فیروز جاپان والے کا بھی نام آنا چاہیے تھا جن کے گرانقدر عطیہ سے یہ علمی ادارہ وجود میں آیا۔

"چھ جلدوں میں لغات القرآن کی تدوین واشاعت . . . . . . یہ مولانا عبدالرشید نعمانی کا مایۂ ناز علمی کارنامہ ہے" ——— (ص ۱۹۰)

مولانا عبدالرشید نعمانی نے لغات القرآن کی چار جلدیں مدون کی ہیں۔ باقی پانچویں اور چھٹی دونوں جلدیں مولانا سید عبدالدائم الجلالی کی لکھی ہوئی ہیں؛

ادارہ ثقافت اسلامیہ (لاہور) کے سلسلہ میں یہ ضرور لکھنا تھا کہ اس ادارے کا رجحان دینی مسائل میں "تجدد" کی جانب ہے، موسیقی کے جواز میں ایک کتاب اسی ادارہ نے شائع کی ہے اور مولانا محمد حنیف ندوی کی جو کتاب چند ماہ قبل چھپی ہے اُس میں سوشلزم کی حمایت اور کارل مارکس کی ستائش کی گئی ہے! تجارتی سود اور خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں اس ادارے کا نقطۂ نگاہ متجددانہ اور مغرب زدہ ہے۔

اس خصوصی شمارے میں جو بات سب سے زیادہ کھٹکی ـــ وہ یہ ہے، مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی کے بدنام ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی مدافعت کی گئی ہے (ص ۲۰۴) حالانکہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے خیالات وافکار میں تجدد کا رنگ الحاد تک پہنچ گیا تھا! غنیمت ہے کہ مقالہ نگار نے اس حقیقت کا بھی اعتراف فرمایا:۔

"ڈاکٹر صاحب واقعی ایک علمی شخصیت تھے اگرچہ بعض باتیں انھوں نے ایوب خاں کے ایما، و منشا سے کیں یا ایوب خاں کی رائے و خواہش کے لئے علمی و اسلامی دلائل فراہم کرنے کی سعی نامشکور کی" ــــ

شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی کے بارے میں لکھا ہے:۔

". . . . . لیکن وہ الفاظ کی فطرت اور سیرت کے ایسے اندازہ شناس ہیں اور ان کے استعمال کی انھیں ایسی مہارت اور بصیرت حاصل ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مشکل ہی سے اردو کا کوئی ادیب و شاعر ان کی مثیل نکلے گا۔ اس لئے بورڈ کے لئے ان کی ذات نہایت مفید تھی" (ص ۲۴۵)

ترقی اردو بورڈ جو لغت (محیط اردو) ترتیب دے رہا ہے اُس کے لئے جوش صاحب نے کیا کیا؟

اس کا حال تو ترقی اُردو بورڈ کے ارکان ہی بتائیں گے، اُردو زبان و روزمرہ کے معاملہ میں جوش ملیح آبادی کے ذوق و پسند اور وجدان کا یہ حال ہے کہ وہ تابعدار، مشکور، عرصہ (وقت و زمانہ کے معنی میں) وغیرہ الفاظ کو غلط سمجھتے ہیں، اگر ایسے الفاظ اُردو سے نکال دیئے جائیں تو اُردو زبان کو کتنا بڑا نقصان پہنچے گا! "یادوں کی برات" میں انھوں نے "اوٹ" کو مذکر لکھا ہے مگر اوٹ "مونث" ہے۔ اور مرد کے لئے "اچھال چھکا" استعمال فرمایا ہے، حالانکہ "اچھال چھکا" بدکار عورت کو کہتے ہیں، جوش صاحب کی شاعری میں کوئی شک نہیں الفاظ و تراکیب کی رنگارنگی کی کوئی حد و شمار نہیں! اور "کنمنانا"۔۔۔اور "پھبکنا" جیسے الفاظ شاعری میں استعمال کرنے کا سہرا انہی کے سر ہے! مگر الفاظ کے استعمال میں اُن سے خاصی بے احتیاطیاں بھی ہوئی ہیں!

علی گڑھ کالج اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ضمن میں احمادہ ہائی اسکول کا ذکر ضرور آنا چاہیئے تھا ــــــ ویلور (مدراس) کے دارالعلوم باقیات الصالحات کا بھی ذکر آنے سے رہ گیا مدراس کے شہر وانمباڑی میں مسلمان لڑکیوں کے لیے دارالعلوم ہے جس میں درس نظامی کی تعلیم ہوتی ہے اور طالبات دینی علوم میں فارغ التحصیل ہوکر نکلتی ہیں۔ اس کا ذکر آنا بہت ضروری تھا! حیرت ہے ادارۂ نشریات اسلامی (لکھنؤ) سے اس رسالے کے فاضل مرتبین واقف نہیں ہیں، مولانا سید ابوالحسن علی میاں اس ادارہ کے سرپرست ہیں اور اونچے درجہ کی علمی اور دینی کتابیں یہاں سے شائع ہوئی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں! حیدرآباد دکن کے دارالترجمہ کے سلسلے میں مولوی عنایت اللہ دہلوی کا نام ضرور آنا چاہیئے تھا جو برسوں اس ادارہ کے ناظم رہے ہیں، اور اُن کی ترجمہ کی ہوئی کتابیں دارالترجمہ سے شائع ہوئی ہیں اور جہاں تک ترجمہ میں زبان کی صحت، مفہوم کی صحیح ترجمانی اور روزمرہ کے چٹخارے کا تعلق ہے وہ صفِ اول کے مترجمین میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے ساتھ مولانا اعزاز علی مرحوم کا ذکر چھوٹنا نہیں چاہئے تھا انھوں نے عرب جاہلیت کے معرکہ آرا قصائد کا اُردو ترجمہ کیا ہے۔

مجموعی طور پر اس شمارے کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جناب ابوسلمان شاہجہانپوری کا مقدمہ خاص طور سے معلومات افزا ہے! مرتبین اس خاص نمبر پر تبریک و ستائش کے مستحق ہیں، آج اس خصوصی اشاعت کی پوری طرح اہمیت شاید محسوس نہ ہو مگر آئندہ

چل کر ریسرچ اسکالر اس سے استفادہ کریں گے اور کتابوں اور مقالوں میں اس شمارے کی عبارتوں کے حوالے دیئے جائیں گے۔ ——— ماہرالقادری ۔ مارچ ۱۹۷۵ء

ماہنامہ تخلیق لاہور تعلیمی درس گاہوں کے رسالوں کی ترتیب میں ایک خاص انداز کی تکرار نظر آتی ہے۔ طلبہ کی کچی پکی تحریروں کے ساتھ اساتذہ کے شاہ پارے ایسے شاہپارے جو شاید کالج میگزین کے علاوہ اور کہیں بھی نہ چھپ سکیں۔ لیکن ان رسالوں میں بعض ایسے پرچے بھی مل جاتے ہیں۔ جن کی علمی اور تحقیقی حیثیت میں کسی طرح سے بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ چند مثالیں ہیں اور مستثنیات کی حیثیت رکھتی ہیں ایسی ہی مستثنیات میں گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلہ "علم وآگہی" کا بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ضخامت ۲۴۸ صفحات پر مشتمل اس خاص نمبر سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو برصغیر پاک وہند کے علمی و ادبی اور تعلیمی اداروں کے تذکرے کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ یہ خاص نمبر مشہور محقق ابوسلمان شاہجہاں پوری اور ہمیرالاسلام صاحب نے مرتب کیا ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ اس ضمن میں انھوں نے جس محنت لگن اور خوش ذوقی کا ثبوت دیا ہے اس کا اندازہ مقالات سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ مرتبین نے کوشش کی ہے کہ کسی نوع کے قابلِ ذکر ادارے کا نام اور تعارف رہ نہ جائے۔ چنانچہ پاک و ہند کے ۴۳ اداروں پر تعارفی مقالات جمع کئے ہیں ــــ ان سب کو جن عنوانات تلے طبع کیا گیا اس سے اس خاص نمبر کی وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

یہ قابل قدر نمبر بلا شبہ حوالہ کی چیز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور توقع ہے کہ جس علمی لگن سے اس اہم نمبر کی ترتیب کے لئے محرک کی صورت اختیار کی اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

——— پروفیسر سلیم اختر

ماہنامہ کتاب لاہور "علم وآگہی" گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کا ایک سالانہ مجلہ ہے کالجوں کے مجلوں کے بارے میں عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ ان میں محض کالج کے نوآموز طالب علموں کی علمی ادبی کوششوں اور مضامین کو ان میں بھرپور جگہ دی جاتی ہے پاکستان کے کالجوں کے چند ایک مجلے شروع ہی سے اپنی علمی ادبی حیثیت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ کالجوں کے بعض رسائل کبھی کبھار کسی طرح کے خاص نمبر (عموماً شخصیات نمبر) شائع کر کے مستقل اہمیت کی تخلیق کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں، لیکن ایسے خاص نمبر

بھی برسوں کے بعد دکھائی دیتے ہیں۔ علم و آگہی، [illegible]ء کا زیرِ تبصرہ خصوصی شمارہ اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے سب سے انفرادی اور کامیاب کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس خاص شمارے میں پہلی بار برعظیم پاک و ہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کو ان کے جامع تعارف کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ علم و آگہی کے اس خصوصی شمارے میں اداروں کو اس طرح ان کی کارکردگی کے پہلوؤں سمیت پیش کیا ہے کہ پیچ بہ پیچ برعظیم کی سابقہ دو صدیوں کی ادبی، علمی اور تعلیمی تحریکوں اور کاوشوں سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ اس شمارے میں تعلیمی اداروں کے تحت مدرسہ عالیہ کلکتہ، فورٹ ولیم کالج کلکتہ، دہلی کالج دہلی، دارالعلوم دیوبند، مدرستہ العلوم علی گڑھ، دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے بارے میں لکھا گیا۔ پاکستانی تعلیمی ادارے ان معروف تاریخی اداروں سے الگ ہیں۔ ان تعلیمی اداروں کی عظیم الشان تاریخی تعلیمی سرگرمیوں کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ برعظیم کے مسلمانوں کو علم و ادب اور دین و دنیا کی تحاریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لئے ان اداروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور بڑی حد تک اپنے جداگانہ وجود تعلیم و تدریس کے تقاضوں کو ہمیشہ زندہ و پائندہ رکھا۔ علم و آگہی میں علمی اور تعلیمی اداروں کے تحت بھی آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، انجمن حمایت اسلام لاہور، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، اور انجمنِ اسلام بمبئی کی تمام تر سرگرمیوں اور ان کی ادبی کوششوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علمی اور تحقیقی ادارے، اردو کے ادارے، ادبی ادارے اور تاریخی اور قومی ادارے بھی پوری پوری خصوصیات کے ساتھ پیش کئے ہیں۔ ان تمام علمی ادبی اور تعلیمی اداروں نے قومی کردار و عمل کی تشکیل میں جو کردار ادا کیا ہے اس کی طرف بھی اشارات موجود ہیں۔ اس طرح ایک قاری برعظیم کی دو سو سالہ ادبی علمی تاریخ جاننے کے ساتھ ساتھ ان اداروں کے فعال پہلوؤں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

علم و آگہی کا یہ شمارہ اس موجودہ حصے میں ۵۳ علمی ادبی اور تعلیمی اداروں کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ سید امتیاز حسین پرنسپل گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی نے اس تعارف میں لکھا ہے کہ "اس نمبر میں کئی علمی اور تاریخی حیثیت کے ادارے چھوٹ گئے ہیں۔ آئندہ سال کا شمارہ اس قسم کے بقیہ اداروں کے علاوہ پاکستان کے علاقائی، ادبی، لسانی، تہذیبی اور ان اداروں کی تاریخ و خدمات کے تذکرے پر مشتمل ہوگا۔" بہرحال "علم و آگہی" نے یہ خاص نمبر پیش کر کے ایک مستحسن تحقیقی اور تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ہم خواہش کرتے ہیں کہ اس شمارے کا دوسرا حصہ بھی ایسی ہی گوناگوں

خوبیوں سے معمور ہو۔ پرچے کے مرتبین اور فاضل مقالات نگار مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اگر علم و آگہی کی طرح پاکستان کے دیگر دوسرے کالجوں اور تعلیمی اداروں کے مجلے اسی طرح کی روایت اپنالیں تو ملک و ملت کے لئے بہتر علمی ادبی اور تاریخی اہمیت کے مجموعے منظر عام پر آسکتے ہیں۔

——— زبیدالخیر

سہ ماہی غالب۔ کراچی ہندوستان پاکستان کے ۳۵ علمی ادبی اور تعلیمی اداروں کو چند ذیلی عنوانات کے تحت تقسیم کرکے ان کے قیام کے محرکات تاریخ اور کارنامے بیان کئے گئے ہیں جو اپنی جگہ ایک بڑے کارنامے سے کم نہیں۔ نہ تو چند سطروں یا صفحوں میں علم و آگہی کے اس نہایت معتبر اور مستند شمارے کی خاطر خواہ داد دی جاسکتی ہے اور نہ آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فاضل مرتبین کو مواد جمع کرنے میں کتنی مشکلات پیش آئی ہوں گی۔ پاکستان کے علاوہ کلکتہ، دہلی، دیوبند، علی گڑھ، لکھنؤ، حیدرآباد دکن، بمبئی اور اعظم گڑھ جیسے مقامات کے اداروں پر مختلف صاحبان سے مضامین لکھوانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ سترہ صفحوں میں ابوسلمان شاہجہانپوری نے مختلف تحریکوں کا تاریخی پس منظر بیان کیا ہے جو ایک فکر انگیز مقالہ نما مقدمہ ہے۔ حرف آغاز میں وعدہ کیا ہے جس پر ہر ایک اظہار تحسین کرے گا کہ آئندہ سال "شخصیاتی اور علاقائی" ادبی، لسانی "اداروں کا نمبر نکالا جائے گا۔ ان اداروں کے متعلقہ ارباب اختیار کو مرتبین سے پورا پورا تعاون کرنا چاہئے۔ یہ وعدہ فاضل مرتبین ابوسلمان شاہجہانپوری اور امیرالاسلام کی لگن اور توانائی کی نشان دہی کرتا ہے۔ زیر تبصرہ شمارہ غالب لائبریری میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اور مرتبین تمام اہل علم کے شکریے کے مستحق —

——— مرزا ظفرالحسن

ماہنامہ الحق۔ اکوڑہ خٹک برصغیر کے مسلمانوں کا حقیقی ورثہ وہ علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے ہیں جو ان کے اسلاف نے خون جگر سے پروان چڑھائے اور ان اداروں کی ترقی علم و ثقافت کی ترویج اور اشاعت کے مترادف ہے۔ پاکستان میں اعلیٰ جماعتوں کے نصاب میں ان اداروں کو غور و فکر کا موضوع بنایا گیا ہے۔ مگر اردو زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں تھی جس میں یک جا برصغیر کے تمام قابل ذکر اداروں کا تعارف موجود ہو۔ طلبہ اور اہل تحقیق کی یہ ایک اہم ضرورت تھی جسے زیر نظر مخصوص شمارہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے

کراچی نے پورا کیا ہے۔

زیرِ نظر حصہ اول میں برصغیر کے ۳۵ علمی و ادبی اداروں کا تعارف درج ہے۔ ادارے کے تعارف میں اس کے مقصد، طریقِ کار، مختصر تاریخ، اہم رفقا اور علمی و ادبی کام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مضمون نگار حضرات نے کم سے کم الفاظ میں اداروں کا جامع تعارف کرایا ہے۔ آغاز میں ڈاکٹر ممتاز حسن مرحوم کا فکر انگیز پیش لفظ ہے۔ خصوصی شمارہ کے مرتب جناب ابو سلمان شاہجہان پوری صاحب نے مقدمہ میں برصغیر کی تعلیمی انجمنوں دینی مدارس، جدید تعلیمی جامعات اور فنی اداروں کا جائزہ پیش کیا ہے۔ گورنمنٹ نیشنل کالج کی انتظامیہ اور خاص طور پر مرتب "علم و آگہی" اہلِ علم کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں ——— اختر راہی۔ ایم اے

ماہنامہ ترجمان الحدیث۔ لاہور

کسی قوم کی تہذیبی ثروت میں اضافے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے افراد اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور علم و ادب اور فن کے ذریعہ سے معاشرے کو حسن و توانائی عطا کریں۔

دوسری صورت وہ ادارے ہیں جو اپنی منظم کوششوں سے ایک طرف تو افراد کے ذہنی معیار کو بلند کرتے ہیں اور دوسری طرف اس علم و دانش کے سرمائے کو مستقل و محفوظ کرنے کی راہیں نکالتے ہیں ——— گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی نے اس بار اپنے مجلہ "علم و آگہی" کو مسلم اداروں کے تعارف و تذکرہ کے لئے وقف کیا ہے ——— علم، ادب اور تعلیم دراصل ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں اور اس خصوصی شمارے کے ذریعہ سے علم و ادب اور تعلیم و تدریس سے وابستہ اداروں کو یوں باہم منسلک کر دیا گیا ہے کہ تمدنِ انسانی کے عالمِ نیرنگ میں گویا ان کا شجرۂ نسب واضح ہو گیا ہے۔

اگرچہ اردو زبان و ادب کی کئی تاریخیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں اور ان تاریخوں میں ایسے اداروں کے سرسری حوالے بھی مل جاتے ہیں۔ لیکن ضرورت تھی کہ ان اداروں پر مستقل تحقیقی اور معلوماتی مقالے لکھے جاتے ——— مجلہ علم و آگہی کے اس خصوصی شمارے نے اس ضرورت کو نہ صرف بہت حد تک پورا کر دیا ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں ایک نئی طرح بھی ڈال دی ہے۔

یہ شمارہ اس لحاظ سے بھی قابلِ ستائش ہے کہ کالجوں سے جو مجلے عام طور پر شائع ہوتے ہیں، ان میں طلباء کی تحریری کاوشوں کو زیادہ جگہ دی جاتی ہے تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور لکھنے کی مشق بھی ہو جائے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ ساتھ کوئی ٹھوس اور علمی مواد بھی میسر آ سکے تو

افادیت دو چند ہو جاتی ہے ـــــ اور گورنمنٹ نیشنل کالج کا یہ خصوصی شمارہ جہاں طلبا کی اس اہم ضرورت کو پورا کرتا ہے، وہاں اس کے ذریعہ اردو کے علمی اور ادبی ذخیرہ میں ایک گراں قدر اضافہ بھی ہوا ہے، اور یہ بات بلا ریب و تردد کہی جا سکتی ہے کہ یہ شمارہ اپنے موضوع پر ایک معیاری اور جامع دستاویز ثابت ہوگا جو اردو کے شائقین اور عام طالب علموں کے لئے بھی مفید ہوگا اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے بھی! ـــــ

مقدمہ مولانا ابو سلمان شاہجہان پوری نے لکھا ہے جس میں انھوں نے ادبی، تعلیمی انجمنوں، دینی مدارس، کالج اور یونیورسٹیوں، فن تعلیم اور علمی اور تحقیقی اداروں پر سیر حاصل، مختصر مگر جامع انداز میں کچھ اس طرح تبصرہ کیا ہے کہ برصغیر میں انگریزوں کے تسلط سے لے کر اب تک ان کی ایک تاریخ مرتب ہو گئی ہے ـــ گورنمنٹ نیشنل کالج کے اساتذہ اور طلبا کی یہ کاوش صوری اور معنوی ہر لحاظ سے کامیاب رہی ہے اور وہ اس پر خصوصی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ـــــــــــ اکرام اللہ ساجد

ماہنامہ محدث لاہور

مسلمانوں نے برصغیر پر صدیوں حکومت کی ہے اور اس ملک اور اس کے باشندوں کو مہذب بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ برصغیر کے گوشے گوشے میں مسلمانوں کے احسانات و اثرات کے نقوش دیکھے جا سکتے ہیں۔ انگریزوں کی آمد سے ہندوؤں کو مستحکم ہونے کا موقع ملا اور ان دونوں کی ملی بھگت سے مسلمانوں کو اور ان کے اثرات کو مٹانے کی بھرپور کوششیں ہوئیں۔ برصغیر کی مسلم قومیت قابلِ ستائش ہے کہ اس نے اتنے منظم اور طاقتور دشمن کے باوجود اپنے حیات بخش پروگرام جاری رکھے۔ علم و ادب، تعلیم، تحقیق اور تہذیب و ثقافت کے میدانوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ مسلمانوں کے اجتماعی شعور نے تہذیبی و تعلیمی ورثے کو ضائع ہونے سے بچایا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ سیاسی میدان میں مسلمانوں کی جد و جہد کو محفوظ کرنے کی سنجیدہ مساعی ہوئی ہیں لیکن تعلیمی، تحقیقی اور تہذیبی کاوشوں کے بارے میں مرتب معلومات مہیا کرنے کے سلسلے میں دانستہ کوتاہی ہوئی ہے۔ برصغیر کی تاریخ کا طالب علم جب ان کاوشوں کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا ہے تو اسے مایوسی کا سامنا ہوتا ہے ـــــ گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے اساتذہ و طلبا مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ تعلیم و تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے

حضرات گرامی کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ میری محدود معلومات کے مطابق اس موضوع پر کبھی یکجا مواد نہیں ملتا۔ خصوصی نمبر کی ترتیب اداروں کی تقسیم اور بچران کے بارے میں مستند کوائف ایسی خصوصیات ہیں جنھیں نظر انداز کرنا زیادتی ہوگی۔ ابوسلمان صاحب کے مقدمے نے مجلّہ کی قدر و قیمت میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ مجلہ کی ایک اور خصوصیت اس کا رواں اور شستہ انداز ہے۔ مواد اگرچہ تحقیق و تفتیش سے مرتب کیا گیا ہے۔ لیکن حوالوں سے بوجھل نہیں بنایا۔ عام قاری بھی بغیر کسی اکتاہٹ کے اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ یہ کاوش ایک اعلیٰ درجے کی تحقیقی مقالے کے لیئے نہایت عمدہ پیشرو کی حیثیت رکھتی ہے۔ البتہ اس میں مغربی پاکستان اردو اکیڈمی کا ذکر کہیں نہیں آیا۔ ممکن ہے وہ کسی اور مرحلے کے لیئے مناسب ہو۔

ہماری دیانت دارانہ رائے ہے کہ اہلِ علم کو اس خصوصی نمبر کو عام کرنے میں مقدور بھر کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس کے ذریعے بہت سے حضرات ذمہ داری سے سبک دوش ہوگئے ہیں۔ یہ کتاب ہر لائبریری میں موجود اور تمام اہلِ علم کی ذاتی لائبریریوں کی زینت ہونی چاہیئے۔

————— خالد علوی

نگار پاکستان۔ کراچی گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلے کا خصوصی شمارہ ہے اور جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے مسلمانانِ پاک و ہند کی علمی و ادبی اور تعلیمی اداروں کی تفصیلات پیش کرتا ہے۔ کالج کے پرنسپل پروفیسر سید امتیاز حسین اور مجلّہ کے مرتبین پروفیسر ابوسلمان شاہجہان پوری اور پروفیسر امیر الاسلام ہمارے شکریے کے بھی مستحق ہیں اور مبارکباد کے بھی۔ ان حضرات کی توجہ سے صرف یہ نہیں ہوا کہ ایک اہم موضوع پر ایک قیمتی دستاویز مرتب ہوگئی بلکہ زیرِ نظر مجلّہ نے کالج میگزین کی فرسودہ روایت سے ہٹ کر ایک ایسی قابلِ قدر روایت کی بنا ڈالی ہے جو صرف طلبا و اساتذہ کے ساتھ ساتھ علم و ادب کے عام قاری کے لیئے بھی اخذ و استفادہ کا سامان رکھتی ہے۔ ساڑھے تین سو صفحات کا یہ مجلّہ کئی ابواب میں تقسیم ہے۔ پہلے باب میں تدریسی و تعلیمی اداروں کی خدمات کا جائزہ ہے۔ اس میں مدرسہ عالیہ کلکتہ سے لے کر جامعہ ملیہ دہلی اور اسلامیہ کالج پشاور تک سبھی اہم ادارے زیرِ بحث آئے ہیں۔ دوسرے باب میں علمی و تحقیقی اداروں یعنی سر سید کی سائنٹفک سوسائٹی سے لے کر دائرۂ ثقافتِ اسلامیہ تک متعدد اداروں کے بارے میں اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ تیسرے باب میں اردو کی ترویج و اشاعت سے متعلق اداروں کی خدمات

پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ گذشتہ دو سو سال میں برصغیر کے مسلمانوں نے علم و ادب اور تعلیم و ثقافت کے شعبوں میں اداروں کے توسط سے جو کارنامے انجام دیئے ہیں ان سب کی تاریخ ضروری تفصیلات کے ساتھ زیر نظر شمارے میں محفوظ ہو گئی ہے۔ مجلے کے بیشتر مضامین چونکہ موضوع اور زیر بحث اداروں سے خصوصی تعلق رکھنے والے حضرات کے زور قلم کا نتیجہ ہیں اس لئے بلحاظ سے قابل استفادہ ہیں۔

ہفت روزہ چٹان۔ لاہور

کراچی اور لاہور کے چند کالجوں نے خصوصی شمارے پیش کرنے کی جو قیمتی روایت قائم کی ہے، اس میں ایک کالج کا اور اضافہ ہوا، اور یہ اضافہ اس شان کا ہوا ہے۔ کہ ایک ہی جست میں سب سے بازی لے گیا ہے، جہاں تک موضوع کی ندرت کا تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ اردو، انگریزی وغیرہ میں اس موضوع پر کوئی خصوصی شمارہ نکالنے کی طرف توجہ کی، یہ نمبر اس موضوع پر پہلا خصوصی شمارہ ہے اور جس انداز سے اسے پیش کیا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ہے، اس کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی تقریباً دو سو کی علمی، ادبی، تعلیمی اور تہذیبی تاریخ سمٹ آئی ہے، اور اس کی افادیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ یہ علمی، ادبی، تعلیمی ادارے جو اس نمبر کے موضوع ہیں، وہ پاکستان کی تقریباً تمام یونیورسٹیوں میں ایم اے اور ایم اے سیاسیات۔ ایم اے ایجوکیشن ہیزاسلامک کلچر اور پاکستان موومنٹ کے امتحانات میں شامل ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ نمبر صرف تعلیمی و تدریسی ضروریات کے پیش نظر مرتب کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کی علمی و تحقیقی سطح ان درسی کتابوں سے بہت بلند ہے جو اس ضرورت سے مختلف ناشرین شائع کرتے رہتے ہیں۔ رسالے کے نگراں اور کالج کے پرنسپل سید امتیاز حسینی کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ زیر نظر شمارے میں ان اداروں کے بارے میں نہ صرف ضروری معلومات یکجا ہو گئی ہیں، بلکہ خالص مورخانہ نقطہ نظر سے برصغیر کے مسلمانوں کی تقریباً دو سو سال کی علمی، ادبی، تعلیمی اور تہذیبی تاریخ مرتب کی گئی ہے۔

اس میں تقریباً ۶۳ اداروں پر مضامین شامل ہیں۔ ہر ادارے کے قیام کی تاریخ، اس کے بانی، اس کے قیام کے اغراض و مقاصد، اس کی خصوصیات اور اس کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے، اس کے لکھنے والوں میں سے مشہور اہل قلم بھی ہیں، کہ متعدد نام پہلی بار نظر سے گزرے ہیں، لیکن ناپختگی ان کے مضامین میں بھی نہیں پائی جاتی۔

مضامین کو مندرجہ ذیل چھ عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔

تعلیمی ادارے، علمی و تعلیمی ادارے، علمی و تحقیقی ادارے، اردو کے ادارے، ادبی ادارے اور تاریخی و قومی ادارے۔

علم و آگہی کے اس نمبر پر رسالے کا خصوصی شمارہ ہونے کا تو محض اتہام معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے شروع میں تصنیف کے انداز میں پرنسپل کے نام سے تعارف، ادارے کی جانب سے حرف آغاز، ڈاکٹر ممتاز حسن (مرحوم) کے قلم سے پیش لفظ اور سلمان شاہجہان پوری کے قلم سے ایک نہایت مفصل اور فکر انگیز مقدمہ بھی ہے۔

کالجوں کے جو حالات و مسائل سننے میں آتے ہیں۔ اگر وہ واقعی ہیں تو یہ توقع نہیں کی جا سکتی، کہ کالجوں میں کوئی علمی و سنجیدہ کام بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن گورنمنٹ نیشنل کالج کے میگزین کو دیکھ کر یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ کام ہر حال میں اور ہر جگہ اور ہر وقت کیا جا سکتا ہے، یہ صرف کام کرنے والوں کی لگن پر منحصر ہے نیشنل کالج کراچی کے پرنسپل، اساتذہ اور طلبا چاہتے تو وہ بھی اس عذر سے کام لے سکتے تھے، لیکن ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی، کہ انھوں نے معذرت کی راہ اختیار نہیں کی، ہم انھیں اس کارنامے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ پاکستان کے تمام کالجوں اور یونیورسٹیوں کو اس سے سبق حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

ہم یہاں اس طرف بھی اشارہ کر دینا چاہتے ہیں۔

مضمون نگاروں سے بعض تسامحات بھی ہوتے ہیں، بعض مقامات پر ان کی آرا سے بھی اختلاف کیا جا سکتا ہے بعض اداروں کی خدمات کے سلسلے میں مبالغے کا گمان بھی ہوتا ہے اور اداروں کی ترتیب، ان کی تقسیم میں بھی اختلاف کی گنجائش ہے، لیکن ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ اس تبصرے میں ان کوتاہیوں کو شمار کرائیں، یہ کوتاہیاں اس کی خوبیوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں، تبصرے کے آخر میں ہم اس نمبر کے مضامین کی مکمل فہرست نقل کر رہے ہیں۔ اس سے اس نمبر کی جامعیت اور اہمیت کا اندازہ ایک نظر میں کیا جا سکتا ہے۔

اس نمبر کے مرتبین نے موضوع کے انتخاب ہی میں اپنے علمی نقطۂ نظر کا ثبوت نہیں دیا۔ بلکہ مضامین کی ترتیب، کتابت، طباعت اور پیش کش کے انداز سے بھی ان کے حسنِ ذوق کا اظہار ہوتا ہے۔

ہفت روزہ بیباک، مظفرآباد

گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی نے اپنے مجلہ "علم و آگہی" کا خصوصی شمارہ برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کے تعارف کے لئے وقف کیا ہے۔ جو تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ مذکورہ اداروں کے جامع تعارف پر مشتمل ہے۔ کالج میگزین کا مقصد اگرچہ طلبہ کی تحریری صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے سازگار ماحول پیدا کرنا اور مناسب مواقع مہیا کرنا ہوتا ہے لیکن اگر اس کو بعض خاص موضوعات پر تحقیق کا ذریعہ بھی بنایا جائے تو کالج میگزین کی وقعت اور پائداری میں یقیناً اضافہ ہو جاتا ہے از یں پیشتر متعدد کالجوں نے اس طرف توجہ دی اور نہایت بلند پایۂ علمی و ادبی نمبر شائع کئے۔ یہ نمبر تاریخی اہمیت کے حامل ہیں بہت سے کالجوں نے وقتاً فوقتاً اقبال نمبر نکالے۔ جو ... ممتاز اہل علم و فضل شخصیتوں کے رشحات قلم شامل ... گئے۔ اسی طرح لاہور میں گ ... ٹ کالج کے مجلہ "راوی" کے اقبال نمبر اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے مجلہ "کریسنٹ" ... الی نمبر اور شبلی نمبر وغیرہ نے علمی و ادبی حلقوں سے زبردست خراج تحسین حاصل کیا ہے اور اس طرح ایک شاندار روایت قائم کی ہے اس تذکرہ کا مقصد صرف اتنا ہے کہ طلبا کی تحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے ساتھ کالج میگزین کو زیادہ وسیع اور مستقل نوعیت کے موضوعات پر مواد پیش کرنے کے قابل بنایا جائے مجلہ علم و آگہی کے کارپردازوں نے اس ضرورت کی طرف توجہ کی اور اس شمارے میں برصغیر پاک و ہند کے ان علمی ادبی اور تعلیمی اداروں کی تاریخ اور کارناموں کی تفصیل پیش کی گئی ہے جو بقول سید امتیاز حسین (پرنسپل) "اپنی تاریخی عظمت، تعمیری کردار اور عظیم الشان خدمات کے لحاظ سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی علمی، تعلیمی اور تہذیبی تاریخ کا اہم باب اور مطالعہ و نظر کی اہمیت و افادیت کے لحاظ سے نہایت قابل توجہ ہیں" اس شمارے میں تقریباً ۳۵ اداروں کے حالات و کوائف کا جائزہ لیا گیا ہے جو اگرچہ مکمل نہیں ابھی بہت سے ادارے ایسے ہیں جن پر قلم نہیں اٹھایا گیا۔ لیکن حقیقت میں اس طرح نہ صرف ان اداروں کے بارے میں ضروری معلومات یکجا ہو گئی ہیں۔ بلکہ "خاص مورخانہ نقطۂ نظر سے برصغیر کے مسلمانوں کی تقریباً دو سو سالہ علمی، تعلیمی و تہذیبی تاریخ مرتب ہو گئی ہے" پرنسپل صاحب نے بجا طور پر ظاہر کیا ہے کہ آ ... دکھا ...

شخصیات پر تصنیف و تالیف اور تحقیق کے لئے قائم ہیں۔ مجلہ کے مرتبین میں جناب ابوسلمان شاہجہان پوری کا اسم گرامی شامل ہے ابوسلمان صاحب دنیائے ادب میں غیر معروف نہیں ہیں انھیں تحقیق کا خاص ذوق حاصل ہے اور وہ کسی نہ کسی موضوع کے بارے میں تحقیق و جستجو میں مصروف رہتے ہیں۔ انھوں نے خود بھی مجلہ کے لئے متعدد مضامین لکھے ہیں اور ملک بھر کے اہل علم و اہل قلم سے رابطہ قائم کرکے مجلہ کو زیادہ سے زیادہ وقیع اور مفید بنانے کی بھی کوشش کی ہے۔

مجلہ کے اکثر مضامین بڑی محنت سے لکھے گئے ہیں اور لائق مطالعہ ہیں مضامین پڑھنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں مسلمانوں نے اشاعت علم و فن اور تعلیم و تدریس کے سلسلے میں کیا خدمات سرانجام دی ہیں جو اگرچہ بظاہر معمولی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہی ہماری اجتماعی خودی کی بیداری کا پیش خیمہ بھی ہیں مجلہ علم و آگہی کے مرتبین اور پرنسپل کالج مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنے محدود وسائل کے باوجود ایک اہم قومی خدمت سرانجام دی ہے اگرچہ عام طور پر زیر بحث اداروں کی کارکردگی کا غیر جانب دارانہ جائزہ لینے کی کوشش نہیں کی گئی جس سے ان کا صحیح مقام متعین نہیں ہو سکتا۔ نیز بعض اداروں کے تعارف کے سلسلے میں تناسب و توازن کو بھی ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مثلاً علی گڑھ یونیورسٹی کے مقابلے میں یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے بارے میں زیادہ تفصیلات مہیا کی ہیں۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی تھی کہ علی گڑھ یونیورسٹی کے قیام، تاریخ اور اثرات پر مفصل طور پر بحث کی جاتی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ابوسلمان صاحب نے یونیورسٹی اورینٹل کالج کے تعارف کے سلسلے میں جتنی محنت کی ہے نذیر چودھری صاحب نے مدرسۃ العلوم علی گڑھ پر قلم اٹھاتے ہوئے اتنی محنت نہیں کی۔ اگر اس مواد کو کبھی کتابی صورت میں شائع کرنے کا خیال ہو تو یہ خامی دور کی جا سکتی ہے۔

——————— رحیم بخش شاہین

روزنامہ جنگ کراچی

گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کا مجلہ "علم و آگہی" اس خصوصی شمارے کی بدولت ہمیشہ یاد رکھا جائے گا جو "علمی ادبی اور تعلیمی ادارے" موضوع پر دستاویزی افادیت کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ جناب ابوسلمان شاہجہان پوری امیر الاسلام صدیقی نے ۷۰۰ صفحات پر مرتب کیا ہے اور جن علمی اداروں کا اس شمارے

علی گڑھ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، جامعہ ملیہ دہلی، انجمن حمایت اسلام لاہور، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی، انجمن ترقی اردو، دارالمصنفین اعظم گڑھ، مجلس ترقی ادب لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن اور انجمن ترقی پسند مصنفین اور دوسرے ایسے ادارے شامل ہیں۔ جو فروغ علم کے لئے سرگرم عمل رہے ہیں۔ پیش لفظ کے طور پر لکھے ہوئے اداریہ تی مضامین بھی دقیع اور قابلِ مطالعہ ہیں۔ توقع ہے کہ پروفیسر سید امتیاز حسین پرنسپل نیشنل کالج کی سرپرستی میں شائع ہونے والے اس خصوصی مجلہ کو علمی حلقوں میں قدر و ستائش کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

ریڈیو پاکستان کراچی | گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی نے اس بار اپنے سالانہ مجلّے "علم و آگہی" کا ایک خاص نمبر شائع کیا ہے جس میں برصغیر پاک و ہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی اداروں کی مختصر تاریخ مرتب کردی گئی ہے۔ تہذیبی ثروت کے اضافے میں علمی، ادبی، تعلیمی اور لسانی ادارے اہم کردار ادا کرتے ہیں، وہ اپنی منظم کوششوں کے ذریعے نہ صرف اچھی روایات کی حفاظت کرتے ہیں بلکہ آنے والی نسلوں میں ان روایات سے محبت بھی پیدا کرتے ہیں۔ برصغیر میں مسلمانوں نے اپنے طویل دور میں بے شمار ادارے قائم کئے۔ ان اداروں نے اپنے اپنے دائروں میں اہم خدمات انجام دیں۔ ان اداروں کی بنا ڈالنے والوں اور ان کے کارکنوں نے ان کو قائم کرنے اور زندہ رکھنے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اس طرح بہت سی شخصیتیں سامنے آتی ہیں۔ اشخاص ادارے بناتے ہیں اور ادارے شخصیتوں کو سامنے لاتے ہیں اور ان کے جوہر کو صیقل کرتے ہیں۔ یہ داستان دلچسپ ہی نہیں قومی تاریخ کا ایک اہم باب بھی ہے اور اس کا مطالعہ علمی و ثقافتی ارتقا کو سمجھنے میں معاون ہوتا ہے۔

علم و آگہی کا یہ خاص نمبر برصغیر کے ۳۵ علمی ادبی اور تعلیمی اداروں کے مقاصد، ان کے ارتقا ان کی خدمات اور مطبوعات ان کے بانیوں کی جد و جہد اور کارگزاری پر اجمالی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتا ہے۔ جس کے مطالعے سے ایک نظر میں ان اداروں کے کام کو دیکھا جاسکتا ہے۔

نیشنل کالج کے پرنسپل جناب امتیاز حسین، مجلے کے مرتب جناب ابوسلمان شاہجہانپوری اور جناب امیرالاسلام نے علم و آگہی کے خاص نمبر کے لئے اس اچھوتے موضوع کا انتخاب کرتے وقت اور پھر اس کے لئے ضروری مواد جمع کرنے میں جو تگ و دو کی ہے اس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ابتدا میں "مسلمانوں کی علمی روایت" کے عنوان سے ڈاکٹر ممتاز حسن مرحوم کا ایک

عالمانہ مگر مختصر پیش لفظ اور ابوسلمان شاہجہان پوری صاحب کا ایک مفصل اور معلومات افزا مقدمہ ہے۔ علم و آگہی کے ذریعے پہلی بار برصغیر کے اداروں کے متعلق مواد یک جا ہوا ہے جس کے مطالعے سے اس موضوع پر مزید کام کرنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ توقع ہے کہ دوسرے کالج بھی نیشنل کالج کی مثال پیش نظر رکھیں گے۔

——————— سید مسعود احمد باقی

هفت روزه آزاد ڪراچي

انسان جڏهن کان شعور ۽ علم جي دنيا ۾ اکيون کوليون تڏهن کان کيس علم حاصل ڪرڻ ۽ پڙهڻ ۽ عالم ماڻهن جي تجربن ۽ مشاهدن مان فيضياب ٿيڻ لاءِ زانوءِ ادب ته ڪرڻا پيا آهن جيئن ته هر دور ۾ عالم ۽ ڄاڻو ماڻهن جي کمي پئي رهي آهي، ان ڪري علم جي متوالن کي تڪليفون ڪري ۽ ڪشالا ڪڍي علم حاصل ڪرڻ لاءِ ڪنهن هنڌ جمع ٿيڻو پيئي پيو۔ ان صورت حال رفته رفته ترقي ڪري درسگاهن جي صورت اختيار ڪئي، جتي ڪجهه عالم ۽ فاضل گڏ جي پياسين جي پياس بجهائڻ لڳا۔ اهي درسگاهون ۽ مدرسه انساني تاريخ جي اوائلي دور کان وٺي هلندا پيا اچن۔ اهي ئي درسگاهون آهن، جن جي ڪري علم جو نور چوڏس پکڙجندو رهيو آهي۔ سقراط کان وٺي حضرت محمد صلي الله عليه وسلم تائين سڀني بزرگ هستين ان درس و تدريس ۾ حصو ورتو آهي درسگاهون هر دور ۾ ۽ هر ملڪ ۾ پنهنجون شاندار خدمتون سرانجام ڏيڻ ۾ پيش پيش رهيون آهن، ان درسگاهن جي طفيل علم و ادب، تحقيق و جستجو ۽ سائنس ۽ ٽيڪنالاجي مطلب ته هر شعبي نهايت گهڻي ترقي ڪئي آهي۔ علم و ادب جون تحريڪون هجن خواه سماجي ۽ سياسي تحريڪون سڀ نهي درسگاهن

جي طفيل اُڀريون ۽ ڪامياب ٿيون. علم حاصل ڪرڻ مسلمانن جيور ثو آهي، درسگاهون ۽ مدرسه قائم ڪرڻ سندن روايت آهي. مسلمان فاتحين جتي به قدم انداز ٿيا، اُتي هنن عظيم الشان درسگاهون قائم ڪيون ۽ علم جي فروغ لاءِ هر ممڪن ڪوشش ڪئي دنيا جي ٻين مسلمانن وانگر برصغير پاڪ وهند ۾ مسلمانن پنهنجي اسلاف جي روايتن کي هر طرح قائم ۽ دائم رکڻ جي ڪوشش ڪئي. جنهن جي نتيجي ۾ هنن ڪيئي وڏا ننڍا مدرسه قائم ڪري علم ۽ ادب جي خدمت انجام ڏني، برصغير ۾ ڪمپني حڪومت جي قيام کان پوءِ مسلمانن محسوس ڪيو ته هينئر سندن تهذيب ۽ تمدن تي وار ٿي رهيو آهي ته هيڪاندو ٿي هنن پنهنجي اسلاف جون قائم ڪيل روايتن ۽ تهذيب کي بچائڻ لاءِ ڪيئي علمي تحريڪون هلايون جن جي سلسلي ۾ ڪيترا سموجبيد، ديني ۽ دنيوي ۽ سائنسي ۽ فڪري علم جون درسگاهون، اسڪول ۽ ڪاليج قائم ڪيا ويا، جن هڪ طرف مسلمانن ۾ سياسي شعور پيدا ڪيو ته ٻئي طرف پنهنجي تهذيب ۽ ثقافت کي غيرن جي حملي کان بچائي ورتو، ان کان علاوه سائنس ۽ ٽيڪنالاجي جي ميدان ۾ به ڪي ماڻهو اڳتي وڌيا. اِن طرح درسگاهن ۽ ادارن تعمير ملت ۾ قابل صد تحسين ڪارناما سر انجام ڏنا.

ان ادارن جي تاريخ کي محفوظ ڪرڻ ۽ سانڍڻ جي سخت ضرورت هئي. عين وقت تي ٿي ان ادارن جي علمي ۽ عملي ڪارنامن جي تاريخ کي نه ته ڪنهن تجارتي ڪتبخاني ۽ نه ڪنهن ڪمپني ۾ محفوظ ڪيو بلڪ هڪ اهڙي اداري هي بار پنهنجي سر تي کنيو جيڪا انهن ادارن جو وارث يا نمبردار منزلن جي حيثيت

رکي ٿو. گورنمنٽ نيشنل ڪاليج پنهنجي ميگزين جو خاص نمبر ان
ادارن جي هنن متن جو تذڪرو ڪيو آهي. جيڪو درحقيقت اسان جي قومي
۽ ثقافتي روايتن سان مناسبت رکي ٿو. وري به شڪر آهي جو انهن
جهڙا هڪ علمي ادبي تعليمي اداري پنهنجي مٿان ڪيو ۽ زر ڪثير جي
خرچ سان هڪ عظيم الشان نمبر منظر عام تي آڻي ڪيو آهي
مختلف ڪاليجن ۽ درسگاهن طرفان هر سال ڪاليج ميگزين نڪرندا
رهن ٿا، ليڪن هن ڪاليج هڪ نئين روايت جو بنياد وجهندي، سيني
پابندين کان پاهر نڪري هڪ علمي ڪارنامو سرانجام ڏنو، جيڪو
هن ڪاليج جي استادن ۽ شاگردن لاءِ فخر جو باعث آهي ۽ اُن کان
علاوه ادبي ميدان ۾ هڪ گرانقدر ڪارنامو پڻ.

هن خاص نمبر جي مرتبين ۾ ڪاليج جي مخلص استاد ۽ اديب
امير الاسلام صاحب علاوه مولانا ابوسلمان شاهجهانپوري به آهي،
جيڪو صاحب اردو جو هڪ مڃيل محقق ۽ اديب آهي. هن صاحب
هن نمبر کي مرتب ڪري نهايت تحسين جوڳو ڪم ڪيو آهي،
پرچو نيشنل گورنمنٽ ڪاليج جي ساليانه ميگزين "علم و آگهي"
جو سال ۱۹۷۳ع ۽ ۱۹۷۴ع جو خاص نمبر آهي، هن نمبر جو ديباچو ملڪ
جي مشهور دانشور ۽ اديب ڊاڪٽر ممتاز حسن صاحب لکيو آهي، جيڪا
مرحوم جي شايد آخري تحرير آهي. مقدمو ابوسلمان صاحب جو
شاهڪار قلم آهي، جنهن ۾ هن صاحب مختلف ادارن جي قيام ۽ علمي
تحريڪن جي مقصدن تي مختصر طور روشني وڌي آهي. ان کان
پوءِ برصغير جي خاص خاص تعليمي ادارن تي مضمون آهن، جنهن ۾
مدرسه عاليه ڪلڪتو، فورٽ وليم ڪاليج ڪلڪتو، دهلي ڪاليج
دارالعلوم ديوبند، مدرسة العلوم عليگڙهه، جامعه عثمانيه

سنڌ مدرسة الاسلام ڪراچي قابل ذڪر آهن. هي حصو مجلي جي جان آهي. جيتوڻيڪ هن مجلي جي ترتيب ۾ ڪي ورسگا هن جو ذڪر موجود نه آهي، پر پوءِ به هي پنهنجي نوعيت جو هڪ انوکو ڪم آهي. هي نمبر ادبي ميدان ۾ پنهنجي حيثيت جو حامل آهي، جو ته هن وقت تائين ڪنهن به اردو رسالي ان قسم جو نمبر شائع نه ڪيو آهي ۽ نه ڪنهن ڪتاب ۾ انهن سڀني ادارن تي يڪجاءِ معلومات ملي ٿي.

ان کان علاوه اردو لٽريچر ۾ ڦهليل ان غلط فهمي کي دور ڪرڻ جي ڪوشش ڪئي ويئي آهي، ته سنڌ مدرسة الاسلام ڪراچي سر سيد جي تعليمي تحريڪ جي نتيجي ۾ قائم ٿيو. هن مضمون ۾ فاضل مضمون نگار پهريون ڀيرو جرات کان ڪم وٺي، حقيقتن کي منظر عام تي آندو آهي. جيڪو هڪ زبردست علمي ڪارنامو آهي. هن مضمون ۾ انهيءَ ڳالهه جي به ترديد ڪئي ويئي آهي ته سنڌ جي علمي تحريڪ آل انڊيا محمدن ايجوڪيشنل ڪانفرنس جي رهين منت آهي. هي پهريون دفعو آهي جو علي ڳڙهه تحريڪ جي مخالفن جو ذڪر ڪيو ويو آهي، جن جاني ۽ مالي قربانيون ڏئي آزادي جي تحريڪ کي اڳتي وڌايو. ان سان گڏ وڏو هن مجلي ۾ علي ڳڙهه کي نهايت لطيف انداز ۾ تنقيد ڪئي ويئي آهي ۽ پهريون ڀيرو ان ڳالهه جو اعتراف ڪيو ويو آهي ته تحريڪ پاڪستان جو اصل محرڪ علي ڳڙهه نه پر سرحد، پنجاب ۽ سنڌ جي شاگردن ۽ عوام سو ڪيم حقيقت هي ته مضمون پنهنجي نوعيت جي اعتبار کان هڪ جرئت مندانه قدم آهي ۽ هڪ حقيقت جو اعتراف پڻ هو، جنهن سنڌ مدرسة الاسلام جهڙن متن کي معمولي نه آهن، هن اداري وڏيون رڪيون قد اور شخصيتون پيدا ڪيون جن تحريڪ پاڪستان

کي مقصد سان همڪنار ڪيو، اُن شخصيتن ۾ قائد اعظم به شامل آهي هن مدرسي پنهنجي فيض جي ذريعي ساري سنڌ ۾ جديد علم جي روشني ڦهلائي ۽ سنڌ جي ستل مسلمانن کي بيدار ڪرڻ ۾ اهم ڪردار ادا ڪيو.

اِن کان سواءِ هن برصغير ۾ برصغير جي تعليمي، تحقيقي، تاريخي ادبي ۽ قومي ادارن جو ذڪر آهي - جن ۾ آل انڊيا محمدن ايجوڪيشنل ڪانفرنس عليگڙهه، انجمن حمايت الاسلام لاهور، دارالمصنفين اعظم ڳڙهه سائنٽيفڪ سوسائٽي عليگڙهه، ندوة المصنفين دهلي ۽ انجمن ترقي پسند مصنفين سي تقسيم کان قبل جا قائم ٿيل ادارا آهن - انهن کان علاوه تقسيم کان پوءِ جي ڪيترن ئي ادارن جو ذڪر آهي، جيڪو تشنهءِ تڪميل آهي - هن حصي ۾ به ڪيترن ئي ادارن جو ذڪر نه ڪيو ويو آهي.

مضمونن جي تقسيم جي لحاظ کان فهرست کي ٢ حصن ۾ ورهايو ويو آهي، پر پوري ترتيب تاريخي اعتبار کان رکي وئي آهي، هن مجلي جا سڀئي ليکڪ مختلف تعليمي ادارن سان وابسته آهن - حالانڪ مضمون مختلف قلمڪارن جي قلم مان نڪتل آهن پر پوءِ به سڀني ۾ هڪ معيار ۽ علميت برابر نظر اچي ٿي.

هيءُ مجلو هڪ علمي خدمت کان سواءِ ايم - اي جي مختلف مضمونن لاءِ به هڪ ضروري مواد جي حيثيت رکي ٿو، جو ته هن ادارن جا ڪارناما ۽ تاريخ ايم - اي جي نصاب ۾ به ڪافي مدد ڏيندا.

پاڪستان جي ترقي ۽ تعمير جي هن دور ۾ جنهن مثبت ۽ تعميري اندازِ فڪر ۽ جنهن قسم جي تحقيقي ۽ علمي ڪم جي ضرورت هئي، هيءُ نمبر اُن جي پوري پوري عڪاسي ڪري ٿو.

هن پرچي جي مطالعي ڪرڻ سان ادبدان طبقي ۾ هڪ نئين رجحان

ٿو ته هن پڙهيل طبقي آهستي آهستي حقيقت کي تسليم ڪرڻ شروع ڪيو آهي جيڪو عمل نيڪ فال آهي.

گورنمينٽ نيشنل ڪاليج وارن هي ۽ خاص نمبر ڪڍي هڪ سٺي روايت جو پايو وڌو آهي. جيتوڻيڪ هر ڪاليج ۾ هن ڪم لاءِ هزارين روپيه مخصوص ڪيا وڃن ٿا جن کي غير معياري مخزنن ۽ ڇپائڻ شائع ڪرڻ تي ضايع ڪيو وڃي ٿو. هي پرچو انهن ڪاليجن جي ڪارپردازن لاءِ هڪ مثال ۽ عملي نمونو آهي. اسان اميد ٿا ڪريون ته ٻيا ڪاليج به هن روايت تي عمل ڪري پنهنجي ملڪ جي علم و ادب ۾ اضافو ڪندا ۽ هن فنڊ ۾ حاصل ٿيندڙ پئسي کي ڪنهن چڱي ۽ معياري ڪم ۾ خرچ ڪيو ويندو.

آخر ۾ اسان ڪاليج جي پرنسپال صاحب ۽ مرتبين کي مبارڪباد پيش ڪريون ٿا، جن جي محنت ۽ جانفشاني ۾ سان هڪ رنگين خوبصورت ۽ علمي پرچو منظر عام تي اچي سگهيو آهي.

(پروفيسر امير علي چانڊيو)

ہفت روزہ عوامی عدالت کراچی

مجلے تو ہر کالج سے اور ہر سال شائع ہوتے ہیں اور ظاہری خوبصورتی کے لحاظ سے ایک سے ایک بڑھ کر باصرہ نواز لیکن یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ ان مجلّوں کی اشاعت کا جو مقصد ہوتا ہے وہ بھی پورا ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ توجہ اس کے کاغذ، چھپائی، سرورق اور تصاویر پر دی جاتی ہے اور ان کا جو اصل مقصد ہے یعنی تصنیف و تالیف اور تحقیق میں طلبہ کی تربیت اور علمی و ادبی خدمت، تو اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ لیکن اس بے راہ روی کے دور میں بعض ایسی مثالیں بھی نظر آجاتی ہیں جو مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور جس کی روشنی سے کارواں کے دل میں احساس زیاں پیدا ہو جاتا ہے۔ گورنمنٹ نیشنل کالج نے اپنے میگزین علم و آگہی کا جو خصوصی شمارہ شائع کیا ہے وہ اس قسم کی مثالوں میں سے ایک مثال اور مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

علم و آگہی کا یہ نمبر جو برصغیر پاک و ہند کے علمی ادبی اور تعلیمی ادارے کے عنوان سے ہے موضوع کی انفرادیت اور اہمیت کے لحاظ سے اردو میں پہلی اور خاصے کی چیز ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ابھی تک اس جانب کسی مصنف و محقق نے توجہ کیوں نہیں کی جبکہ یہ ادارے پاکستان کی جامعات کے مختلف امتحانوں کے نصاب میں شامل ہیں۔

اس نمبر کی صرف یہی خوبی نہیں کہ وہ ایک اہم مفید علمی موضوع پر پہلا نمبر یا پہلی کتاب ہے بلکہ اس کے مرتبین نے اس کے مضامین میں علمی معیار کو برقرار رکھنے کی کوشش بھی کی ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنی کوشش میں ناکام رہے ہیں۔ ایک ایسے رسالے میں جس میں تقریباً تیس لکھنے والوں نے حصہ لیا ہو تمام مضامین کا معیار یکساں نہیں ہو سکتا، اور نہیں ہے۔ اس کے باوجود یہ نمبر بڑی حد تک متوازن ہے جس کے لئے ہمیں فاضل مرتبین کا ممنون ہونا چاہئے کہ افراط و تفریط اور اختلافی پہلو سے نہایت سبک انداز میں دامن کشاں گزرے ہیں۔

اداروں کی علمی، ادبی، تعلیمی، سیاسی خدمات کے تذکرے کا انداز بیشتر تعارفی اور تعریفی ہے۔ لیکن اس میں فکر انگیز تنقیدی اشارے بھی ملتے ہیں۔

قمر ساحری

خوف زدہ

فریبِ رنگِ تماشہ ہے چشمِ گوشہ گزیں
جلالِ مہرِ درخشاں، جمالِ ماہِ مبیں
نمو طلب ہیں عناصر کے خط و خال تمام
نکھر رہا ہے ابھی رنگ و حسنِ روئے زمیں

یہ دورِ برق و بخارات بھی ہے دورِ حجر
کبھی یقیں پہ گماں ہے کبھی گماں پہ یقیں
جہاں بھی کوئی "ہراسا" نظر سے ٹکرایا
خیالِ راہ نوردی لرز گیا ہے وہیں

حصارِ خوف میں محصور ہے ابھی انساں
نظر اسیرِ فلک ہے خرد حظیرہ نشیں
جسے تو علم سمجھ کر ہے مبتلائے نشاط
وہ صرف جہلِ مہذب ہے اور کچھ بھی نہیں

عبدالواحد خان
سیکنڈ ایئر آرٹس
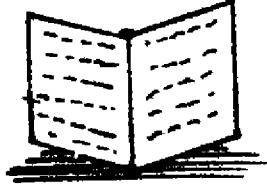
شب کی تنہائی میں آہوں کے سہارے لیکر
جاگتی پلکوں پہ اشکوں کے ستارے لیکر
اس کو میں یاد کیا کرتا ہوں واحد ہر دم
چشم خوں بار میں ماضی کے نظارے لیکر

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کہ میری گفتگو کیا ہے
کوئی جانے تو کیا جانے کہ میری آرزو کیا ہے
جہانِ رنگ و بو میں کچھ سمجھ پاتا نہیں واحد
مآل زندگی کیا ہے مآل جستجو کیا ہے؟